ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

کلیات نظیر اکبرآبادی

طوطی ہند حضرت شیخ
ولی محمد نظیر اکبر آبادی
کا مکمل مجموعۂ کلام

ناشر

راجہ رام کمار پریس بکڈپو وارث نولکشور پریس بکڈپو لکھنؤ

قیمت مجلد ۱۲ ؍ سنہ ۱۹۵۱ء "تیسری دفعہ"

لا یحیط بالابیات الا لسان شعر

کلیات نظیر اکبر آبادی

یعنی

شاعر شیریں مقال حضرت شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی کا
مجموعۂ کلام بہت سے مطبوعہ اور قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے شایع کیا گیا ہے
نظیر کی نایاب غیر مطبوعہ غزلیات اور فارسی کلام بھی شامل ہے

تصحیح و حواشی

مولانا عبدالباری صاحب آسی
و
مولوی اشرف علی لکھنوی

راجہ رام کمار پریس بکڈپو وارث نول کشور پریس بک ڈپو لکھنؤ

تیسری بار — ۱۹۵۱ء — قیمت [illegible]

فہرست کلیات نظیر اکبر آبادی

مع عنوانات

ردیف الف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اُردو شعرا میں شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی کی مثال مشکل سے ملیگی۔ ایک طرف تو ان کے ہمعصر اور مابعد کے تذکرہ نگاروں، اور نقادانِ فن نے یا تو ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کیا ہی نہیں، اور اگر کیا بھی تو مذمت اور ملامت کے لہجہ میں، اور انھیں محض عوام پسند اور بازاری شاعر کی سطح پر رکھا۔ دوسری طرف بعض تذکرہ نویسوں نے جن میں گلستان بےخزاں کے مؤلف قطب الدین باطن صاحب بھی شامل ہیں، نظیر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملادیے۔ اور پھر جدید دور کے ناقدوں اور مغربی علوم ادب سے متاثر اہل ذوق نے نظیر کو اُردو کا بہترین شاعر قرار دیدیا۔

لیکن اب اُردو ادب کی خوش قسمتی سے شاعر کے موافق و مخالف اتنا مواد فراہم ہوچکا ہے کہ افراط و تفریط سے بچ کر صحیح اور مبنی بر اعتدال رائے ظاہر کی جاسکتی ہے۔

پچھلے تذکرہ نگاروں نے تو اُن کے احوال زندگی پر توجہ ہی نہ کی تھی، خدا بھلا کرے، پروفیسر محمد عبد الغفور شہباز کا کہ انھوں نے نظیر اور کلام نظیر کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور ۴۲۵ صفحہ کی

ضخیم سوانح "زندگانیِ بے نظیر" (جس کے دوسرے نام خود مؤلف نے دیباچہ میں "نظیر نامہ دل آویز" اور "اکبر آباد کے نظیر کی سوانح عمری" بھی تحریر کیے ہیں) اور تقریباً گیارہ سو صفحات کا ضخیم "کلیات نظیر" شائع کر کے اُردو کی بے نظیر خدمت انجام دی، اور انھیں کی کوشش کے نتیجہ میں کہنا چاہیے کہ نظیر دوبارہ زندہ ہوئے، اور آج اُردو ادب کا ہر طالب علم نظیر کے نام سے واقف اور اُن کے کلام کا معترف نظر آرہا ہے۔ بعد کے سوانح نگاروں، تذکرہ نویسوں اور ناقدوں نے نظیر کے بارہ میں مختصر یا مفصل جو کچھ لکھا اس کا اصل ماخذ بھی شہباز کی یہ مذکورہ تالیفات ہیں۔ اس کے تقریباً ۹۲ برس بعد نظیر کے ایک ہم وطن سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی نے ایک مبسوط کتاب "روح نظیر" کے نام سے لکھی۔ "زندگانیِ بے نظیر" بڑی حد تک طرز قدیم کی کتاب ہے۔ اور "روح نظیر" عصر حاضر کے تقاضہ کو پورا کرنے والی۔ اور اس میں کلام نظیر پر تبصرہ بھی جدید معیاروں کے مطابق ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی اور دوسرا اڈیشن جس کی ضخامت پہلے سے بھی زائد ہے۔ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ اور ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اُردو (ہند) کے زیر اہتمام "دیوان نظیر اکبر آبادی" کی اشاعت عمل میں آئی۔ جس کے مرتب اُردو کے ادیب شہیر مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی مرحوم تھے۔ دیوان کے ساتھ ان کا مبسوط و مدلل مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں نظیر کے کلام پر منصفانہ جچی تُلی رائیں، دہلی کی ٹکسالی زبان میں درج ہیں۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ اردو رسائل میں اب تک نظیر اکبر آبادی کے کلام کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے والے مضامین بھی بکثرت نکل چکے ہیں، جن کی بدولت نظیر نہ تو اب ادب اُردو میں گمنام کہے جا سکتے ہیں اور نہ بدنام۔

سوانح حیات

نظیر شہر دہلی میں ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئے (صرف ایک تذکرہ میں ان کی جائے پیدائش آگرہ بتائی گئی ہے مگر اس کی تائید کہیں اور سے نہیں ہوتی) ان کے والد محمد فاروق کے بارہ اولادیں ہو کر فوت ہو چکی تھیں، نظیر کا نمبر تیرھواں تھا۔ مشہور ہے کہ کسی فقیر کی دعا سے یہ زندہ رہے۔ اور نظر بد سے تحفظ کے لیے بچپن میں ان کے ناک کان چھید کر ان کی ظاہری وضع بالکل لڑکیوں کی سی بنا دی گئی تھی۔

حضرت شہباز اس واقعہ کو اپنی مرصع عبارت میں یوں لکھتے ہیں:۔

"فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو، ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا، زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا، قابلیت اس کی غنچہ کی طرح شگفتہ ہوگی، اور خوشبو اس کی پھول کی طرح تمام پھیلے گی۔۔۔۔۔ تو یں مہینے میاں نظیر دبستانِ عدم سے مکتبِ ظہور میں آئے۔ چونکہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے، جرم سنگین تھا، لہٰذا ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید دے گئے۔ اس سزا پر معصوم آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے، بطور عذر گناہ، خوش تر از گناہ، ناک میں بلاق ڈالا گیا، کانوں میں دُر نکلے۔ بلاق نے نتھنوں سے سرگوشی شروع کی، دُر نے خدا جانے کانوں میں کیا پڑھ کر پھونکا۔ زینت نے اڑھی، بھولا اپنا منہ دیکھتا رہ گیا۔" (صفحہ ۹)

نظیر نے بڑے پرآشوب زمانہ میں ہوش سنبھالا۔ اولاً نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ رنگیلے کی دہلی کو تاراج کر چکا تھا، احمد شاہ ابدالی کے تین حملے ۱۷۴۸ء سے لے کر ۱۷۵۷ء تک ہو چکے تھے اس لیے نظیر اپنی ماں اور نانی کے ساتھ ۲۲-۲۳ سال کی عمر میں ترک وطن پر مجبور ہوئے اور آگرہ میں مٹھائی کے پل کے پاس رہنے لگے۔

دہلی میں نظیر کا عہد طفولیت اور نوجوانی بڑی ہنسی خوشی گذرا۔ ماں باپ نے بڑے ناز و نعم میں پالا۔ ہر قسم کی تفریحات میں دل کھول کر حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بچپن کے کھیل تماشوں، تہواروں وغیرہ کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اردو کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ مثلاً دیوالی کے تہوار کا ذکر ملاحظہ ہو:۔

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاسے لے کوئی، برفی کسی نے تلوائی کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

اب ذرا شب برات کا گرما گرم نقشہ ملاحظہ ہو:۔

اگر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑ کڑی — اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہوگئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی — پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم زدی

کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

اس زمانہ میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سینما، سرکس وغیرہ کا تو کوئی نام بھی نہ جانتا تھا، اُن کی جگہ کبڈی، پتنگ بازی، شطرنج، گنجفہ، کبوتر بازی وغیرہ کا چلن تھا، میاں نظیر ان سب میں نوجوانی میں طاق تھے، پتنگ کے پیچ کا ذکر سنتے چلیے :۔

اگر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھیو — زہ زہ کے اس طرح سے نہ اب پیچھے ڈھیل کیجو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اے میاں رکھو — پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو

ہے گا، اسی میں فتح کا اپنا پتنگ کا"

کبوتر بازی سے اپنی دلچسپی کا ذکر یوں کیا ہے :۔

چھوڑ ان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگا دیا — اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

ایک اور جگہ اس سلسلے کی بلند پروازی ملاحظہ ہو :۔

تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر — جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

دہلی سے جب آگرہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی سیر و تفریح نے ساتھ نہ چھوڑا، وہاں ہر سال برسات میں پیراکی کا تماشا ہوتا تھا۔ نظیر کے سے غوّاص سخن کی روانی طبع اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو :۔

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ لتاڑے — دریا میں مچ رہے ہیں، اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کراڑے — مجرے و ناد، چھوڈونگی بجنے نواڑے

ان جگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں

نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے پروفیسر شہباز نے انکی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا، یوں انکی بسم اللہ ہوئی، یوں انھوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کیا، استاد کو قاعدہ کی ختم کرائی کا انعام ملا۔ پھر پارہ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا، مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدیؒ کی "کریما"

شروع کرائی گئی اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچے کی موزونیت اور روانی طبع کے جوہر بھی کھلنے گئے۔ فارسی کی دوسری ابتدائی درسی کتابوں کا ماقیماں، خالق باری، آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا نمبر اسکے بعد آیا۔ اس کے بعد گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ، طاہر وحید انشاء منیر، یوسف زلیخا، ابوالفضل، سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی و خاقانی وغیرہ درسیات فارسی ختم کرائی گئیں، عربی تعلیم کچھ یوں ہی سی رہی، لیکن فارسی پر خوب اچھی طرح عبور ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نظیر آٹھ زبانوں عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، بھاشا، ماڑواڑی، پوربی اور ہندی سے واقف تھے۔ اور ان کے کلام میں ان سب زبانوں کے الفاظ اور محاورے کثرت سے ملتے ہیں۔ شہباز صاحب لکھتے ہیں:۔

"اُردو چونکہ ہر زبان کو مہمان نوازانہ اپنے کاشانہ میں جگہ دیتی ہے اس لیے جو شخص اُردو میں کمال پیدا کیا چاہتا ہے، وہ گویا بالطبع اور کئی زبانوں کی تحصیل پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی مجبوری اور کچھ طبیعت کی رنگینی کی وجہ سے نظیر نے اپنی توجہ کو مختلف زبانوں کے حاصل کرنے کی طرف مصروف کیا۔ وہ تھوڑے زمانہ میں پنجابی خاصی طرح بولنے لگا۔ برج بھاشا پر اس نے گوپ اور گوپیوں کی سی مہارت حاصل کی۔ پوربیوں کا لہجہ اخذ کیا، ماڑواڑیوں کی اصطلاحیں یاد کیں۔ ملک محمد جائسی کی بھاشا میں، یا وہ جو تلسی داس کی ہے، اُس میں کمال پیدا کیا...... اُسکی ٹھیک تعیین نہیں ہو سکتی کہ نظیر نے پر غیر زبانوں میں کمال کس زمانہ میں حاصل کیا تھا۔ پنجابی چونکہ دہلی میں اکثر لوگ پنجاب کے بسے ہوئے ہیں،...... غالباً اس کو لڑکپن ہی میں معلوم ہو گئی ہوگی۔ لیکن اور زبانیں خصوصاً سنسکرت غالباً اس نے بعد فراغ مکتب سیکھیں"۔

ان کے کلام میں خمسہ ہفت زبان بھی موجود ہے جن سے ان زبانوں میں ان کی مہارت تامہ کا تو نہیں، البتہ ان کی ذہانت، جودت وحدت طبع کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

خوشگوئی کی طرح خوشنویسی میں بھی نظیر نے مہارت حاصل کی تھی۔ شہباز صاحب نے اُنکے ہفت زبان ہونے کے ساتھ ساتھ ہفت قلم ہونے کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے۔ فن سپہ گری میں بھی نظیر دخل رکھتے تھے، بڑھاپے تک ورزش کا معمول ترک نہیں ہوا، اور نہ شاعری میں پہلوانی کے کس بل رخصت ہوئے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر ۔۔۔ اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں ورجاکر ۔۔۔ رستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے

اُس زمانہ کے دیگر مروجہ علوم ہیئت، طب، معانی و بیان سے بھی خاص واقفیت رکھتے تھے، اور ان کے کلام میں منطق و فلسفہ، کلام و عقائد وغیرہ کی اصطلاحوں کے آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانہ کے فضلاء کا فیض صحبت اچھا خاصہ اُٹھایا تھا۔

نظیر نے عمر کا بڑا حصہ معلمی میں گزارا، شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے اُن میں حکیم میر قطب الدین باطن مؤلف تذکرہ گلستان بےخزاں[ط] (المعروف بہ نغمۂ عندلیب)، شیخ مداری ضمیر۔ خود نظیر کے صاحبزادے گلزار علی اسیر۔ مہاراجہ بلونت سنگھ۔ راجہ لالہ بدھ سین صافی۔ حکیم میر محمدی ظاہر، شیخ حسین بخش بخشی، شیخ نبی بخش عاشق، منشی حسین علی خاں لہجہ، سید امجد علی لہر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صاحب گلستان بےخزاں نے مرزا غالب کو بھی نظیر کے شاگردان رشید کی فہرست میں داخل کر دیا ہے، لیکن یہ چیز پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی ہے۔ پروفیسر شہباز نے تلمذ غالب کے متعلق متضاد بیانات جمع کرکے آخری رائے یہ دی ہے کہ غالب جس زمانہ میں اکبر آباد میں مقیم تھے، وہ اُنکی ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا، اور اُس زمانہ میں آگرہ کے ممتاز مُلّاؤں میں صرف دو ہی شخص خلیفہ معظم اور میاں نظیر تھے، غالب کو انھیں دونوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

"دو چار غزلیں بھی مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے (غالب) کی گاؤ زوریاں دیکھ کر ہنسی تو ان کو آئی مگر دل شکنی انکا شعار نہ تھا، داد دے کر جی بھی بڑھایا

[ط] یہ تذکرہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بے خار کے جواب میں ہے، اس پر شیفتہ اور ان کے استاد حکیم مومن خاں مومن پر خوب چوٹیں کسی گئی ہیں ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

اور اصلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔ غالب کا زور یہ کہ اُردو کو بیدل کی فارسی بنادیں۔ نظیر کا طور یہ کہ بیدل کو سعدی بنادیں، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سلسلہ اصلاح منقطع ہُوا۔"

لیکن مولانا حالی، اور دیگر معتقدین غالب نے اس بیان کی سختی سے تردید کی ہے۔

نظیر کی طبیعت میں استغنا بہت تھا۔ واجد علی شاہ نے طلب کیا، نہیں گئے۔ پھر راجہ بھرت پور نے بلایا، انکار کر دیا۔ کچھ دنوں متھرا میں لڑکے پڑھانے کی نوکری کی۔ پھر آگرے میں بھاؤ قلعدار کے معلم ہوئے، اس کے بعد کچھ دنوں نواب محمد علی خاں کے بچّوں کو پڑھایا، اور اس نوکری کو چھوڑنے کے بعد راجہ بلاس رائے کے بچّوں کو سترہ روپیہ ماہوار (ایک تذکرہ میں ستر روپیہ ماہوار درج ہے) پر پڑھایا۔

نظیر کی شادی دہلی کے ایک آدمی عبدالرحمٰن خاں چغتائی کی نواسی اور محمد رحمٰن خاں کی بیٹی تہورالنساء بیگم سے ہوئی ان سے نظیر کی دو اولادیں ہوئیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام گلزار علی اور لڑکی کا امامی بیگم۔ امامی بیگم کی صاحبزادی ولایتی بیگم ہی کی بدولت نظیر کی زندگی کے حالات، دنیا کو پہونچے ہیں۔ پروفیسر شہباز مرحوم نے انھیں سے سب حالات معلوم کیے، یہاں تک کہ نظیر کے نوکروں اور ماماؤں کے نام بھی معلوم کیے۔

نظیر اکبر آبادی کی شادی کا قصّہ پروفیسر شہباز نے یوں لکھا ہے کہ نظیر جب دہلی سے نقل وطن کرکے آگرے آئے تو اس سے پہلے ہی وہ شاعر ہو چکے تھے، آگرہ اُس زمانے میں ناخدائے سخن میر تقی میر کی شاعری اوج پر تھی۔ تمام شہر آگرہ اُن کا لوہا مانتا تھا۔

نظیر نے میر کے طرز پر ایک غزل کہی، اور اس غزل کا ذکر میر صاحب کے کانوں تک پہونچ گیا اور انھوں نے "تبسّم فرما کر ایک مربیانہ ادا سے یوں ارشاد کیا، ہاں بھئی پڑھو اور ضرور پڑھو۔

کُلُّ جدیدٍ لذیذٌ۔ دہلی کے چٹخارے تو مشہور ہیں۔"

چنانچہ نظیر نے ڈرتے ڈرتے ایک بزم مشاعرہ میں جس میں میر صاحب بھی جلوہ افروز تھے، اپنی غزل

جس کا مطلع حسب ذیل ہے، پڑھی ؎

نظر پڑا اک بت پری وش زالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر آفت غضب خدا کا

"ختم غزل پر میر صاحب نے قریب بلا کر پیٹھ ٹھونکی اور مکرر فرمایا عمرت دراز باد"

اس غزل کے باعث نظیر، شعرا اور سخن فہموں کے حلقے میں تو روشناس اور مقبول ہوئے ہی۔ یہ غزل اُن کی شادی کا وسیلہ بنی۔ اس شادی کی ساری رسمیں شروع سے آخر تک نظیر کے کلام میں ذرا ذرا سی جزئیات کے ساتھ موجود ہیں، پروفیسر شہباز نے ان سے فائدہ اُٹھا کر، یہی سارا نقشہ نثر میں بھی، "زندگانی بے نظیر" کے کئی صفحوں میں دکھایا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"گوٹے اور پھولوں کے گہنے ایسے تھے، کہ سب بے اختیار "درود" پڑھنے لگے۔ آنکھوں میں روشنی آئی۔ دماغ نے تازگی پائی۔ دوشالہ خاص کشمیر کا، ملاست میں ملائی، نرمی میں ریشم، نقش ونگار میں قلم کار چھینٹ، "رومال" عدد میں طاق، "رد" لے خود کو کچھ مال نہ سمجھیں۔ تار زلف کو اگر کچھ سمجھیں تو چرخے کی مال سمجھیں۔ مردوں کو زیورات سے کیا کام۔ مگر نوشے کا ہاتھ خالی دیکھا نہیں جاتا۔ انگوٹھے کے لیے چاپ انگشتانہ ہے۔ چھوٹی انگلی کے لیے ایک مختصر سی انگشتری"

نظیر کا حلیہ اور وضع قطع حسب ذیل ہے:۔

"رنگ گندم گوں، قد متوسط، پیشانی بلند اور چوڑی، آنکھیں چمکدار، ناک بلند، داڑھی خشخشی، مونچھیں بڑی۔ لباس وہی جو محمد شاہ کے زمانہ میں دہلی میں رائج تھا۔ یعنی کھڑکی دار پگڑی، گاڑھے کا انگرکھا، سینہ کھلا پردہ نئی چولی، اس کے نیچے کرتا، ایک بر کا پاجامہ، گھیتلی جوتی، ہاتھ میں شام دار چھڑی، انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں"

خود نظیر نے اپنے بارہ میں جو لکھا ہے، اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کہتے ہیں جسکو نظیر سنیے ٹک اس کا بیاں تھا وہ معلّم غریب بزدل و ترسندہ جاں

فضل نے اللہ کے اُسکو دیا عمر بھر — عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اُسے — فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آن
شُستہ رَوِش، پست قد، سانولا، ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مستہ کے طور — تھا وہ پڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی تپہ نہ رکھتا تھا ریش — مونچھیں تھیں اور کانوں پہ پٹے بھی پٹے بھی بیاں
پیری میں تھی جس طرح اُسکو دل افسردگی — ویسی ہی تھی اُن نوں جن نوں میں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب میں — پختگی و خامی کے اسکے تھا خط درمیاں

سنہ ۱۲۴۲ھ میں نظیر پر فالج کا حملہ ہوا لیکن اس سے سنبھل گئے۔ سنہ ۱۲۴۶ھ میں اس مرض کے اثر سے داعیٔ اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مکان کے صحن میں شمال کی جانب نیم اور بیر کے دو درخت تھے، انھیں کے نیچے بوریے پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتے، اور وہیں دوست اور شاگردوں سے ملاقات کرتے۔ غزلوں پر اصلاح دیتے، اور اپنا کلام بھی سناتے۔ یہی گویا اس مردِ فقیر کا دیوان خانہ (ڈرائنگ روم) تھا، وفات بھی انھیں درختوں کے تلے پائی اور مدفن بھی وہیں بنا۔

نظیر مذہبًا شیعہ تھے یہ اُن کی نواسی کی روایت ہے۔ اور اُن کے کلام کے تتبع سے بھی یہی نظر آتا ہے، حضرت علیؓ کے معجزات ومنقبت والے اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں مذہبی تنگ نظری اور تعصب کا پتہ نہیں۔ وہ صوفی منش اور عقیدہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ بزرگانِ دین سے گہری عقیدت رکھتے تھے، سُنّی بزرگ مثلاً شیخ سلیم چشتی رح وغیرہ کی شان میں اُن کا کلام اُن کے حسنِ عقیدت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب والا اُن کو اپنے میں شامل کہتا تھا۔ ان کی وفات پر سنیوں اور شیعوں دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر نمازِ جنازہ ادا کی، اور جنازے کی چادر اُن کے ہندو شاگرد اتر گا لے گئے۔ شاگردوں ہی نے اُن کی قبر پختہ بنوائی۔ ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا اس سلسلہ میں

غلام رسول کی مسجد میں قرآن خوانی بھی ہوئی ۔ قبر اب بھی موجود ہے ۔ مگر لوح مزار غائب ہو چکی ہے۔
انتقال کی تاریخ اس مصرعہ سے نکلتی ہے ؎

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے سر شد

نظیر کے عادات و اخلاق کی سب ہی نے تعریف و توصیف کی ہے۔ ان کے کلام کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو شاید ان کی جوانی کا کلام ہے، اور جس میں شوخی و رندی نمایاں ہے، باقی کلام سے ان کے بہترین اخلاق پر روشنی پڑتی ہے ۔ وہ طبعاً آزاد اور وارستہ تھے، تمام عمر نہ کسی کی مدح سرائی کی نہ ہجو سے اپنی زبان و قلم کو گندہ کیا۔ ہر شخص سے بکشادہ پیشانی ملتے ۔ خلاف مزاج باتوں پر بھی برہمی کے آثار چہرے سے ظاہر نہ ہوتے۔ اُن کی خوش مذاقی ہر انجمن کو شگفتہ بنا دیتی۔ حاجتمندوں کے ساتھ اپنی حیثیت سے بڑھ کر سلوک کرتے اور حتی الامکان کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ واپس کرتے ۔ دوستی کا پاس و لحاظ صد درجہ کرتے ۔ بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب ہی سے بے تکلف بات چیت کرتے۔

حضرت شہباز نے ان کے کلام سے ایسے نمونے نکال کر دکھائے ہیں جن سے ان کے اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے، نظیر نے یہ اشعار محض زبان سے نہیں کہے، زندگی بھر اُن کا عمل بھی انھیں پر رہا، شاعر بے عملی کے لیے مشہور ہیں، نظیر جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔

بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی، اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اس کے ترا او بچار ہے گا ہات
اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

نظیر کی نواسی کا حسب ذیل بیان زندگانی بے نظیر میں درج ہے :۔

"نانا جان بڑے ہی سخی مزاج کے آدمی تھے۔ انھوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا۔ جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اسکو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو، گھر میں ڈال جاتے، یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اور کدھر گیا۔"

مال و دولت سے ان کی بے نیازی اور فقیر منشی کا ثبوت اس حکایت سے بھی ملتا ہے کہ لکھنؤ کے نواب (غالباً واجد علی شاہ) نے اُن کے کلام کا شہرہ سن کر بلا بھیجا، اور قاصد کے ہاتھ تین ہزار روپیہ بھی بھیجا۔ روپیہ نظیر نے لے کر گھر میں رکھا اور قاصد سے کہا کہ اپنے فیصلہ سے میں کل مطلع کروں گا۔ لیکن رات بھر روپیہ کی حفاظت کے خیال سے سو نہ سکے۔ صبح ہوتے ہی قاصد سے کہا کہ بھائی یہ روپیہ تو بڑے بکھیڑے کی چیز ہے۔ چور کے ڈر کے مارے میری تو رات بھر اُدھیڑ بن میں گذری کہ نیند حرام ہو گئی۔ سو مجھ کو ایسی چیز لینی منظور نہیں۔ آرام سے اپنا سوتا ہوں اور شکر خدا بجا لاتا ہوں۔ اپنی ایسی عمدہ عافیت کو میں اتنے روپے کے لیے بیچ نہیں سکتا۔

پروفیسر شہباز نے اس واقعہ کے متعلق اُن کی نواسی سے دریافت کیا تھا، انھوں نے بتایا کہ ہاں لکھنؤ کے نواب نے بلا بھیجا تھا، لیکن انھوں نے کہا کہ میں ماشہ بھر کا قلم ہلانے والا میاں کدھر جاؤں۔ امیروں کے لائق کہاں ہوں۔ یہی کہہ کر ٹال دیا اور نہ گئے۔

اُن کے اخلاق جمیلہ کی تعریف اُردو کے قدیم مستند تذکرہ نگار ابوالقاسم میر قدرت اللہ قدرت نے یوں کی ہے :۔

"شیخ ولی محمد اکبر آبادی شاعر یست دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نواح علم اُستادین می افرازد و نرد محبت واخلاص باہر کسے می بازد۔ بسیار سلیم الطبع و

خوش اختلاط، ونہایت نیک طینت؛ ومستحکم ارتباط خفیہ می شود۔ بہ معلّمی اوقات گذران می کند وبکشادہ پیشانی ایّام زندگی بسر می بَرد۔"

تذکرہ گلستان بے خزاں کے مؤلف میر قطب الدین باطن نے اُن کے اخلاق و اطوار کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے، اور یہ اُس زمانہ کی مروّجہ مقفّیٰ و مسجّیٰ انشا ہے، چند فقرے ملاحظہ ہوں:۔

"پیرِ مغاں میکدۂ سخن، جرعہ کش راوقِ مضامین نو وکہن، جناب سید ولی محمد نظیرؔ۔ لعل معدن حلم وحیا، گوہر گنج اتقّا، خورشید آسمانِ وفا، ماہِ چرخ صفا! ...... مخزن جود و احسان، معدنِ الطاف بے پایاں، حلیم الطبع، خلیق الوضع..... حریف محفل آشنائی، ظریف انجمن دانائی..... چرخ ہمت زمین حلم، دور از جہل نزدیک العلم، وحید عصر یکتائے زماں، رفیع مرتبت، بزرگ شوکت، والافطرت، اوج فتوت۔"

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" میں ان کی شاعری کے بارہ میں کوئی اچھی رائے نہیں ظاہر کی، لیکن اخلاق و عادات کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ لکھتے ہیں:۔

"گویند کہ نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔"

سعادت خاں ناصر صاحب تذکرہ خوش معرکہ کی رائے حسب ذیل ہے:۔

"نظیر وضع قلندرانہ، مرد آزاد۔ معاش اس کی تعلیم صبیان اور اُجرت صدائے فقیرانہ۔"

اُردو کے مشہور قدر داں اور ناقد سخن ڈاکٹر فیلن نے نظیر کے حق میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ کسی مغربی اہل قلم سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

"اُس کی نظمیں، آپ اُس کی سوانح عمری ہیں۔ کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور سامان نہ سہی، فقط انھیں نظموں سے اُسکی تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بے نوا تھا، اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا۔ وہ اصل میں دنیا سے بے تعلق صوفی تھا۔ جس کا اُردو کو

صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پروا کرتا تھا نہ مخالفت کی، وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پروا کرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حسن صورت پر غش ہوے۔ نہ اقبال سے پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جب کہ اُس نے خود لکھا ہے کہ "وہ اپنی کھال میں مست تھا۔" اس نے کبھی اپنی کسی تحریر کو حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اُس کی نسبت لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک دی، شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ لکھی، اُٹھا کر لے گئے ..... نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا، وہ ہر چیز کی خوبی پاتا تھا۔ وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے، اُن کے کھیل تماشوں سے مزا لیتا ہے، وہ ان کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں، مفلسوں، بیکسوں، مصیبت زدوں اور سب سے کس مپرس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہے، جب کہ اس نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہے، جو اس نے آدمی نامہ کے نام سے انسان پر لکھی ہے:۔

اچھے بھی آدمی ہی کہلاتے ہیں اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی)

نظیر، بے ثباتی عالم کے دل سے قائل تھے، اس لیے ان کے کلام میں عبرت و موعظت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں، اُن کا یہ عبرت آگین قطعہ تو اُردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے:۔

تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشین بدن تھا، معطر کفن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا، نہ تار کفن تھا
نظیر آگئے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

یہ اوپر بتایا جا چکا کہ نظیر بزرگان دین کے سچے ارادت مند تھے، صوفیائے کے فیض صحبت سے

اُن کے آئینۂ دل پر بھی جلا ہو گئی تھی ۔ کلام میں تصوف کے اثرات کثرت سے نمایاں ہیں ، لیکن دقیق و غامض مسائل میں نہایت آسان عام فہم اور عوام پسند زبان میں ادا کیا ہے ، اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا محض "قال" نہیں "حال" ہے ، ہر قسم کے شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی ۔ شہباز صاحب ، نظیر کے اس رنگ طبیعت پر ذیل کی رنگین عبارت لکھتے ہیں :-

"صوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اُس پر عام جلوۂ باری کی حقیقت روشن ہوئی ۔ اس نے دیکھا کہ وحدت الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرہ کے مطلع سے چمک رہا ہے ۔ اس یقین کے ساتھ بھی اس کی زبان گستاخ نہیں ۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہے ۔ منصور کی طرح انا الحق کے شور سے توحید کی روئی نہیں دُھنکتا ۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے ۔ غور کے تال ادب کی کمانی میں جھک رہے ہیں ۔ نگاہیں کہاں سے کہاں پہونچتی ہیں ۔ کہتا ہے ؎

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان — ہر باغ میں ، ہر دشت میں ، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں ، با رنگ میں ، نیرنگ میں پہچان — منزل میں ، مقامات میں ، فرسنگ میں پہچان
نت روم ، نت ہند میں ، اور زنگ میں پہچان — ہر راہ میں ، ہر ساتھ میں ، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادے میں ، ہر آہنگ میں پہچان — ہر دھوم میں ، ہر صلح میں ، ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں ، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اس کا ایک اور بند ملاحظہ ہو ؎

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار — کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سما چار
پہونچا ہے کوئی پار ، بھٹکتا ہے کوئی وار — بیٹھا ہے کوئی عیش میں ، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس ، کوئی ظالم ، کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی ، ناچار ، تونگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی ، اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اسی مسلک "ہمہ اوست" پر نظیر زندگی بھر جمے رہے۔ دونوں مذاہب کے پیرو، ان کا احترام کرتے اور ان کے کلام کی قدر کرتے تھے۔ پروفیسر شہباز نے مرحوم کی نواسی سے ان کے مذہبی عقائد کے بارہ میں بتایا کہ اگرچہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے، لیکن کسی فرقہ والے سے جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ صلح کل آدمی تھے۔ تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ سے خاص ربط رکھتے تھے، ہندوؤں کے یہاں معلمی کے سلسلہ میں ملازمتیں کیں اور ان کی فرمائش پر کنھیا جی کے جنم، اور مہادیو وغیرہ کے بیاہ پر معرکۃ الآرا خلوص میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھیں جو ہندو عوام میں بہت مقبول ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔

آگرہ میں ایک بزرگ حضرت میر ابو العلا کا مزار ہے۔ ان کا عرس نویں صفر کو ہوتا ہے اُس عرس میں نظیر نہایت پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ یہ تحقیق نہ ہو سکی کہ خود وہ کسی کے مرید ہوئے تھے یا نہیں۔ تاہم یہ بالکل ثابت ہے کہ اُن کا دل خوش عقیدگی سے معمور تھا اور بزرگوں کے فیض صحبت اور جذب ارادت کے باعث وہ صاحب نسبت ہو گئے تھے اسیلیے تصوّف کے رنگ میں جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ اہل دل کو تڑپا دیتا ہے۔

نظیر کو موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا، بقول حضرت شہباز:۔

"نظیر کے ہر فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا گن رسیا تھا"

شعراء کے لیے موسیقی سے کچھ نہ کچھ مناسبت طبع بہرحال ضروری ہوتی ہے۔ لیکن نظیر کے کلام سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اور ماہر موسیقی دانوں میں سے تھے، اپنے کلام خاص مواقع کے لیے وہ الفاظ بھی ایسے لاتے ہیں اور ان کو اس طرح ترکیب دیتے ہیں کہ نظم میں موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے جہاں جہاں انھوں نے گانے بجانے اور بزم نشاط کی جو ہولا کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں ان کا یہ کمال خصوصیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانہ کا ایک مشہور

کلانوت تخلص بہ موج اور اس کا بیٹا آہر، دونوں نظیر کے شاگرد تھے، اور اپنے تصنیف کردہ گیتوں اور شعروں پر میاں نظیر سے اصلاح لیتے تھے۔ نظیر کی بہت سی غزلیں ان دونوں باپ بیٹوں کی وجہ سے مشہور ہوئیں۔ یہ لوگ عموماً نظیر کی ہدایت کے مطابق یا بطور خود ان کی غزلوں کی دھنیں مقرر کر کے نہایت دلفریب انداز میں گاتے اور ان کا شہرہ فوراً تمام شہر میں ہو جاتا۔

نظیر کی تصانیف

(نظیر نہایت پرگو شاعر تھے۔ غیر معمولی قوی دماغ پایا تھا۔ نظر انتہائی تیز اور دور رس تھی اور خیالات میں حد درجہ وسعت تھی۔ اپنے زمانہ کی تمام اچھی بری سوسائیٹیوں کو خوب اچھی طرح چھان ڈالا اور سب ہی پر مفصل طبع آزمائی کی۔ عمر بھی تقریباً نوانوے سال کی پائی۔ نہ معلوم کتنے اشعار کہہ ڈالے لیکن وارفتہ مزاجی کے باعث کلام جمع کرنے اور اسے مرتب کرنے کا اہتمام نہ تھا۔ نہ معلوم کتنا کلام ضائع ہو گیا۔ نہ معلوم کتنا کلام دوسروں کو بخش دیا۔ فقیر آتے صدائیں لکھوا لے جاتے، چھوٹے بچے آتے، اور فرمائش کے مطابق اشعار لکھوا کر لے جاتے۔ تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل ان کا کلیات جو اولاً چھپا، وہ ان کے دو ہونہار شاگردوں ایک ہندو رئیس بلاس رائے کے لڑکوں کی بدولت چھپا۔ روایتوں میں ہے کہ نظیر کو اس رئیس کے یہاں معلمی کی تنخواہ سترّ روپیہ ماہوار ملتی تھی، یہ لڑکے اُستاد سے پڑھتے بھی اور کلام بھی جو کچھ ملتا، بیاض میں لکھتے جاتے۔ کلام جس قسم کا بھی ہوتا، اُسے وہ بلا استثنا رجمع کرتے۔ سب سے پہلے یہ کلیات مطبع الٰہی کنبوہ دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا۔ لیکن یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ نظیر کا کلام کل اتنا ہی تھا۔ اس لیے کہ اُس کلیات میں غزلوں کی تعداد چالیس سے زائد نہیں۔ نظیر کے ایک دُور کے عزیز اور ادب اُردو خصوصاً کلام نظیر سے خاص ذوق وشغف رکھنے والے مرزا نوازش علی بیگ کے بیان کے مطابق، غزلیات نظیر پورے ایک دیوان کی شکل میں ردیف وار مرتب تھیں، قطب الدین باطن (صاحب تذکرہ گلستان بے خزاں)

نے نظیر کے اشعار کا اپنے تذکرہ میں جس طرح انتخاب کیا ہے، اُن سے بھی اس دعوے کا اثبات ہوتا ہے۔

تذکرۃ الصدر کلیات کا دوسرا اڈیشن ۱۸۶۲ء میں مطبع احمدی چارسو دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا۔ اس میں اور مطبع آلہی والے اڈیشنوں میں کلام کے فحش اور مبتذل حصے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد اُردو کے خزائن نایاب کو دستبرد فنا سے بچانے میں سب سے اول رہنے والے مطبع نامی منشی نولکشور لکھنؤ نے اسے اپنے یہاں انتہائی نفاست کے ساتھ شائع کرایا، لیکن اس کے وہ اشعار جو فحش سمجھے جاتے تھے خارج کر دیئے۔ مطبع نولکشور کے اس اڈیشن میں ذیل کی رائے مصحح کتاب سید تصدق حسین صاحب کے قلم سے درج ہے:—

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے۔ خوابِ غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پُرتاثیر ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر وقت میں اس کا مداح صغیر و کبیر ہے۔ یہی کلیات ہے کہ اگر چشم ظاہر سے اس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہے، اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو، تو سراسر دنیائے ناپائیدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ شبو ہے۔"

مطبع نولکشور کا یہی اڈیشن عام طور سے ملتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں نظیر کو قعر گمنامی سے نکالنے والے اور ورطۂ بدنامی سے نجات دلانے والے ادیب سحر طراز مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے ایک اور کلیات نظیر مرتب کر کے مطبع نولکشور سے شائع کرائی (پروفیسر شہباز کی مرتب کردہ نظیر کی سوانح عمری زندگانی بے نظیر بھی اسی مطبع نے شائع کرائی) اس کلیات کے علاوہ نظیر کے تین مکمل دیوان اور تھے، دو اُردو میں، ایک فارسی میں۔

لے پروفیسر شہبا[ز]
نے اس مطبع کو
آگرہ کا مطبع
کیا ہے لیکن مرز[ا]
فرحت اللہ بیگ
نے دیوان نظیر
کے مقدمہ میں
سے میرٹھ میں
قرار دیا ہے۔
اشرف علی

ان اُردو دیوانوں کی غزلوں کا انتخاب باطن کے تذکرہ گلستانِ بے خزاں میں ہے، لیکن فارسی کا دیوان لاپتہ ہے۔ اُس کے نمونے پروفیسر شہباز نے اپنی مرتّب کردہ کلیاتِ نظیر میں دیے ہیں اُنھوں نے زندگانی بے نظیر میں لکھا ہے کہ مرزا نوازش علی بیگ صاحب نے ان سے اس فارسی دیوان کا ذکر کیا تھا اور جب انھوں نے طلب کیا تو مرزا صاحب نے کہا کہ میرے ایک عزیز اُردو اور فارسی دونوں دیوانوں کو گوالیار لے گئے ہیں وہاں سے منگوا کر حاضر کروں گا لیکن یہ وعدہ وفا نہ ہوا

اُردو کے مشہور فرانسیسی محقق گارساں دی تاسی نے لکھا ہے کہ نظیر کا دیوان سب سے پہلے ۴۴ صفحات پر ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعہ ناگری حروف میں شائع ہوا، جس کے ٹائیٹل پر میاں نظیر کی تصویر بھی تھی، اور پھر ۱۸۵۱ء میں ان کا دیوان نستعلیق خط میں خاص آگرہ سے شائع ہوا، جسے خود نظیر نے مرتّب کیا تھا۔ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی (جنھوں نے ۱۹۴۲ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ دیوان نظیر مرتّب کر کے انجمن ترقی اُردو ہند کے زیرِ اہتمام چھپوایا) گارساں دی تاسی کے اس بیان کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس نے جن دیوانوں کے انطباع کا ذکر کیا ہے وہ دراصل دیوان نہیں، کلّیات تھے۔ جن میں صرف غزلیں نہیں بلکہ ہر قسم کے اشعار تھے۔

اُردو کے یہ دونوں دیوان، انجمن ترقی اُردو کے اس ۱۹۴۲ء والے اڈیشن میں شامل ہیں، اور ان کی ترتیب و تہذیب و تصحیح میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے بڑی ہی محنت کی ہے۔ یہ وہ نایاب دیوان ہیں، جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز عمر بھر سرگرداں رہے اور بالآخر ان لفظوں میں ناکامی کا اعتراف کر گئے:۔

"ورثا میں تحریک کی گئی، لیکن ان کیمیا گروں کو اس نسخے کی اشاعت منظور نہیں ...... باضابطہ دیوان اس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کے خلوتِ خوش خیالی میں بند ہے۔"

مرزا فرحت اللہ بیگ کو یہ دونوں دیوان جس طرح ملے، اُس کا حال اُنھوں نے دیوان نظیر شائع کردہ انجمن ترقی اُردو (مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی) میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے

اور اس کے آغاز میں یہ برمحل شعر چسپاں کیا ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہ دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ کو آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد (دکن) (جو ایک زمانہ میں نسوانی زبان کے اُردو رسائل میں مضامین لکھنے کے لیے مشہور تھے) کے یہاں اتفاقاً ہاتھ لگے، انھیں ایک مضمون لکھنے کے سلسلہ میں کلیات نظیر (شہباز اڈیشن) کی ضرورت تھی، چونکہ آغا صاحب پُرانی کتابوں کے جمع کرنے کے بڑے شائق تھے، یہ انھیں کے یہاں اسکو دریافت کرنے گئے، انھوں نے کہا کہ وہ کلیات تو نہیں، ہاں ایک قلمی دیوان ہے۔ دیکھتے ہی مرزا فرحت اللہ بیگ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں:۔

"یا میرے اللہ، یہ وہ دیوان ہیں جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز نے تمام ہندوستان چھان مارا اور نہ ملے۔ تذکرہ نویسوں نے ان دیوانوں کا ذکر تو کیا، مگر سوائے باطن کے اور کسی کو انکا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔"

یہ دونوں دیوان آغا حیدر حسن خاں کو اُن کے نانا عبدالرحمٰن خاں دہلوی المعروف بہ استاد احسان دہلوی کے کتب خانہ سے ملے تھے ۱۸۵۷ء کے ہوشربا ہنگامہ میں ان کا کتب خانہ غارت ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے جو چند کتابیں بچ گئیں، ان میں یہ دونوں دیوان بھی تھے۔ یہ دیوان نہایت نفیس کشمیری کاغذ پر ہیں، اور ان کے شروع میں نظیر کی تصویریں، اور شروع میں وہ نظمیں ہیں جو انھوں نے ہندوؤں کے اوتاروں کے بارہ میں لکھی تھیں، اور ان دیوانوں میں نظموں کے لحاظ سے بعض لاجواب تصویریں بھی تھیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا قیاس ہے کہ یہ دیوان نظیر کے کسی امیر ہندو شاگرد کے پاس تھے، اگر راجہ بلاس رائے کے لڑکوں کے پاس ہوتے تو جس طرح انھوں نے کلیات چھپوائی، ان دیوانوں کو بھی ضرور چھپواتے۔ نظیر کے امیر ہندو شاگردوں میں مہاراجہ بلونت سنگھ المتخلص بہ راجہ بھی تھے لہٰذا ان دیوانوں کو انکی ملک سمجھنی چاہیے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے نزدیک ان کے مرتّب کردہ دیوان نظیر میں نظیر کی ساری غزلیات آ گئیں، لیکن جناب مخمور اکبر آبادی صاحب روح نظیر نے روح نظیر کے دوسرے اڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۹۴۶ء میں اس رائے کو ذیل کے وجوہ سے غلط ٹھہرایا ہے۔

(۱) ضیائے عباسی ہاشمی ضیائی بدایونی والا نسخہ، جس سے صاحب روح نظیر نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، بہت سی ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں۔

(۲) مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج۔ آگرہ) نے کلام نظیر کا جو ذخیرہ مرتّب کیا ہے، اُس میں اس کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔

(۳) اسی طرح منشی درگا پرشاد مہر ایڈووکیٹ و رئیس پنّی گلی آگرہ کے پاس بھی نظیر کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ پنڈت کیلاش ناتھ کنزرو وکیل سرکار و رئیس اکبر آباد کے قبضہ میں بھی بہت سا غیر مطبوعہ کلام نظیر تھا جن کا بڑا حصّہ پورے دیوان حافظ کی تضمینوں پر مشتمل تھا۔

(۵) سہارن پور کے ایک ایڈووکیٹ بابو رام گوپال کے پاس بھی کچھ غیر مطبوعہ کلام محفوظ بتایا جاتا ہے، یہ اسی کھتری خاندان سے ہیں جہاں میاں نظیر پڑھانے جایا کرتے تھے

(۶) مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج۔ آگرہ) کے قول کے مطابق بندرابن کے کسی حلوائی یا کنجڑے کے پاس نظیر کا اچھا خاصہ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

(۷) نظیر کی جانب منسوب بہت سا کلام لوگوں کو زبانی یاد ہے، جو قید تحریر سے آزاد اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، کلام نظیر کے ان حافظوں میں پھیری کرنے والے گداگر، قلندر، خوانچہ والے "چنا جور گرم" بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں۔

تصانیف نثر

نظیر اکبر آبادی نے نثر میں جو کچھ لکھا، فارسی میں لکھا، صرف ایک چھوٹی سی کتاب

اُردو انشاء میں بھی لکھی ہے جس کا نام فہم قرین ہے۔ یہ دستور الصبیان کی وضع کی مختصر سی کتاب ہے، اور اس میں مبتدیوں کے لیے آسان عام فہم عبارت میں رقعات لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعہ کی عبارت میں کسی قدر رنگینی نظر آتی ہے۔ یہ رقعہ مرشد، باپ، چچا، خالو، ماموں پھوپھا۔ بھائی اور ماں کے نام ہیں۔ ان کا مقصود، مبتدی طالب علموں کو خط وکتابت سکھانا ہے، ان میں عام القاب، آداب، خط کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے اُس زمانہ کے مروّج طریقے درج ہیں، اُن کے مضامین میں روزمرہ کام آنے والی چیزیں مثلاً تقاضائے خرچ۔ ارسال زر، طلب خیریت، تلاش روزگار، معذرت وغیرہ شامل ہیں۔

نثر فارسی میں بقول باطن انھوں نے نو نثریں لکھی تھیں۔ لیکن پروفیسر شہباز کو صرف پانچ کی زیارت ہوئی۔ ان میں سب سے بہتر بزم عیش ہے جس میں اُنھوں نے آگرہ کے میلوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے، ان میلوں کا حال تفصیل کے ساتھ ان کے منظوم کلام میں بھی ہے۔ یہ نثریں چھپیں نہیں، ان کے قلمی نسخے شہباز صاحب کی نگاہ سے گذرے تھے ان کے دیکھے ہوئے ایک نسخہ کے بارہ میں اُن سے یہ بتایا گیا کہ یہ خود میاں نظیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، لیکن پروفیسر شہباز اس کو اس بناپر صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ کتاب میں ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جو مصنف کے قلم سے سرزد نہیں ہوسکتیں۔

نظیر کے شاگرد میاں باطن نے ان نثروں کے بارے میں یہ لکھا ہے:۔

"جس وقت مزاج عالی تحریر نثر پہ ملتفت ہوا، مضمونِ انشاہائے رنگین گزین قدرتمین۔ فہم قرین۔ بزم عیش۔ رعنا زیبا۔ حسن بازار۔ طرز تقریر وغیرہ نو عدد مثال نورتن، زیب بازوئے شاہد مدعا ہوکر دست بستہ آن پہونچا۔"

فارسی نثر کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ شریفہ نامی پھل کا ذکر ہے:۔

"شوخے لطیفہ پرداز شریفہ طلبید۔ چوں پیش رسید، گفتم شریف تر گردید۔ گفت دولت بکفایت دوید۔ گفتم جائے کہ بہتر وزود تر رسد مشرف بایدگردید۔

وحصول دو فرحت باید گردانید۔ یکے شریفہ و دیگر لطیفہ۔ عنایت کرد و گفت
دلت خوش گردید۔ گفتم وقتے کہ از دست ناز خواہد رسید" ؎

چوں ز دست ناز ہم آمد بدست
گفتم اکنوں خاطر من شاد شد (طرز تقریر ۲۳)

جامن نوش کیجیے:۔

" نزد نازنینے رفتم۔ و گفتم جامن خوب تر آمدہ است ؎

گویم بے تکلف طرفہ جامن   نتواں کردن بیانش تا کجا من

گفت بروئے من خوش دارم۔ رفتم و زود آوردم۔ قدرے بمن داد و گفت
دیگر۔ گفتم ہمیں ایں جامن۔ چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش بر من
انداخت۔ خوش وقت شدم و گفتم" ؎

ازیں جامن ہمینم آرزو بود
ز لطف نازنیں خوباں برآمد (طرز تقریر ۲۴)

ہر چند آگرے کے آم بہت اچھے نہیں مگر میاں نظیر کے باغ کے ہیں:۔
مضائقہ نباشد

روز اول انبہ کہ پسند خاطر خاص و عام ہست و شہد و شکر بے قدرے الثام
پیش نازنینے رفتم۔ گفتم انبہ ذائقہ فریب دیدہ آمدہ ام۔ گفت چرا نیاوردی
گفتم اکنوں چہ رنگ است۔ مگر رنج انامل نزاکت شامل نہ شود۔ تبسم کرد و گفت
خوب۔ رفتم و زود آوردم۔ گفت چہ قسم است۔ گفتم ہمہ بے ترشی درشت۔
گفت اگر زرد آید۔ گفتم یک مشت سرخ۔ سرخ را دل پسند و ہر سبزی نگاہ
نیاز مند۔ و زرد ہم ایں کہ مجنوں زرد روے گرفتم زرد نہ کند۔ ہنگام تناول
ہماں قسم۔ گفت ہر چہ ازیں خوش آید باید گرفت۔ شیرہ گرفتہ گرفتم۔ گفت چرا۔

گفتم باطاعت۔ حکم ہمیں خوش آمد۔ بخندید۔ زیادہ مسرور شدم و گفتم ؎

لذتِ انبہ خوردن ایں طور
پیش من بہ از یں نمی باشد

(طرز تقریر ۲۸)

اُس میوے کو بھی ملاحظہ کیجیے جس کی شان میں ہے ۔ "انجیر نام ست ہر میوۂ جنت کے فواکہ سے ہے۔"

"پیش محبوبے رفتم۔ دیدم کہ انجیر نہادہ است۔ و زلف گرہ گیر کشادہ۔ بقدر تفاوت نشستم گفت اگر دل پذیر چیزے ازیں بگیر۔ دانستم بعزم تسخیر گفتم کجا ایں توقیر۔ اگر لطف است ہمیں جا عنایت تاثیر۔ گفت ایں چہ تقریر گفتم از دور انجیر و نزدیک از زنجیر۔ ترک انجیر از بیم زنجیر۔ خوش تدبیر۔ گفت چناں۔ گفتم ؎

صیدرم دارد و صیاد فسوں می خواند
ہر کسے مطلبے خویش نکو مے داند

(طرز تقریر ۲۹)

سیب کا مزہ بھی چکھتے چلیے :۔

"نزد نازنینے سیمیں ذقن رفتم و گفتم سیب خوش رسیدہ است۔ گفت بیار۔ گفتم از دستم بہ سیب رسد۔ گفت بے آسیب نہ خواہد رسید۔ گفتم اگر باغباں نداند۔ گفت پاسبان زلف اسیر گرداند۔ برائے آں کہ دیدن و چیدن تفاوت دارد۔ گفتم چساں۔ گفت دردیدن ہمی دو در چیدن البھی۔ آوردم۔ ہنگام تناول پسند ساخت و دو دانہ را نیز معزز فرمود۔ مسرور شدم گفتم ؎

خوردن سیب از چنیں خوبی
غیر لطف بتاں نہ می باشد

(طرز تقریر ۳۳)

نثر کے یہ نمونے حضرت شہباز کی مہربانی سے "زندگانی بے نظیر" کے صفحات میں محفوظ رہ گئے ہیں۔

حضرت نظیر کے کلیات کا یہ نیا ایڈیشن، ادیب فاضل، شاعر سخن فہم و سخن سنج مولوی عبدالباری آسی نے بکمال محنت و دیدہ ریزی مرتب کرنا شروع کیا تھا، لیکن قبل اس کے کہ کام تکمیل کو پہونچے داعی اجل کو لبیک کہی "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ وہ اگر زندہ رہے ہوتے تو کلیات میر، و کلیات آتش وغیرہ کی طرح کلیات نظیر پر بھی بے نظیر محققانہ مقدمہ و تبصرہ تحریر کرتے لیکن اردو زبان کی بدقسمتی کہ وہ اس سلسلہ میں بلا ایک سطر لکھے اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے، اور یہ کام برادر محترم جناب مولوی سید جعفر علی صاحب لکھنوی فاضل دیوبند مصحح مطبع ہذا کے سپرد ہوا لیکن قدرت نے اُن کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو ہر جاندار کے لیے ایک نہ ایک دن درپیش ہوگا بالآخر یہ کام مجھ جیسے نااہل و ناقہم کے ذمہ ڈالا گیا۔

آخر میں عالیجناب معلّی القاب راجہ رام کمار و تیج کمار صاحبان مالکان مطبع منشی نولکشور دکبڈپو کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اردو، عربی اور فارسی کتابوں کی اشاعت کے بارہ میں اپنے بزرگوں کی شاندار روایات کو ایک بار پھر زندہ کر دیا۔ ان کی علم دوستی اور ادب نوازی جس کے ضمن میں کلیات نظیر کا یہ نیا اڈیشن جس میں وہ تمام غزلیں اور نظمیں جو اب تک دستیاب نہ ہوئی تھیں یا غیر مطبوعہ تھیں شامل کر دی ہیں، بھی شائع ہو رہا ہے، جو صفحات تاریخ میں ہمیشہ یادگار اور ضرب المثل رہے گا۔

احقر

ابوالخیر محمد اشرف علی لکھنوی

(۳۱ دسمبر ۱۹۵۰ء)

تبصرہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُردو کے جلیل القدر شعراء میں سب سے زیادہ گمنامی کس کے حصہ میں آئی، یا گمنامی کے ساتھ سب سے زیادہ بدنامی کس کے شامل حال رہی تو جواب میں سب سے پہلے نظیر اکبرآبادی کا نام لیا جائے گا۔ نظیر نے اپنے دور کی عام روش چھوڑ کر جو نئی راہ نکالی، اُسے اُن کے ہم عصر شعراء، ناقدوں اور تذکرہ نگاروں نے عموماً ناپسند کیا، اور انھیں نظر انداز کیا یا اگر ذکر کیا بھی تو کچھ اس طرح سے کہ اس کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ زندگی میں بھی نظیرؔ کی پوری قدر نہیں ہوئی، لیکن ان کی زندگی خود حد درجہ متوکلانہ تھی، کمالات شعر وسخن پر انھوں نے نہ کبھی فخر و ناز کیا، اور نہ اُس کے ذریعہ روپیہ کمانے پر ادنیٰ توجہ کی، بلکہ ساری زندگی لڑکوں کو پڑھا کر گذاری زندگی میں انکی تھوڑی بہت قدر جو ہوئی تھی، انتقال کے بعد وہ بھی گلدستۂ طاق نسیان ہو گئی۔ اگر صرف معمولی پڑھے لکھوں نے یہ تغافل شعاری اختیار کی تو اس پر چنداں حیرت نہیں، حد یہ کہ بڑے بڑے ناقدین سخن، جن پر اُردو زبان کو بجا طور سے ناز ہے، اور جن کی کتابیں ادب اُردو کا بہترین سرمایہ اور سدا بہار تحفہ سمجھی جاتی ہیں، نظیر کے ساتھ انصاف نہ کیا، حد یہ کہ شمس العلماء

مولانا محمد حسین آزاد صاحب تذکرۂ آبِ حیات کے سے جوہر شناس، نظیر اور اسکے بے نظیر کلام کو صاف نظر انداز کر گئے اور لکھا تو یہ لکھا:۔

"نظیر کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند اشعار منتخب لکھ دیتے تو ناواقف سوا اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے"۔

صاحب روحِ نظیر نے آزاد کے اس طرزِ عمل کی دو وجہیں ممکن بتائی ہیں، یعنی یا تو یہ کہ آزاد نظیر کو شاعر ہی نہ سمجھتے تھے، دوسرے یہ کہ ان سے سہو ہو گیا، لیکن روحِ نظیر کے دوسرے اڈیشن کی تمہید میں انھوں نے دوسری وجہ کو ساقط کر کے صاف صاف آزاد پر الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے عمداً و قصداً نظیر کو نظر انداز کیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"آبِ حیات میں جگہ نہ دے کر آزاد نے دانستہ نظیر کی اہانت کی کوشش کی ہے۔ وہ اگر دیانت سے نظیر کو شاعر نہیں مانتا تو اس کے ذوقِ شعر فہمی پر حرف آتا ہے۔ نظر انداز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نظیر کو جدید رنگ کی شاعری کا پیش رو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اگر یہ وجہ بھی غلط ہے تو یہ الزام مسلّم ہے کہ محض عامۃ الورود خیالات سے متاثر ہو کر آزاد نے اپنی ناقدانہ بصیرت کو پس پشت ڈال دیا اور نظیر کے متعلق غور و فکر، تحقیق و تفتیش کی سعی نہ کی"۔

مولانا حالی نے، پرانوں کی تقلید چھوڑ کر اردو کی جدید شاعری کی بنیاد ڈالی، اور اپنے مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعہ دنیائے ادب میں زبردست انقلاب پیدا کیا، لیکن افسوس نظیر کے بارے میں انکا قلم انصاف سے قاصر رہا، اور انھوں نے مخالف نظیر ماحول سے متاثر ہو کر یہ لکھ دیا:۔

"اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شائد میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اُس کی زبان کو اہلِ زبان کم مانتے ہیں بخلاف میر انیس کے کہ اس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے"۔

نظیر کے ساتھ مولانا حالی کے اس طرز عمل کی شاید وجہ یہ ہو کہ بعض تذکرہ نویسوں نے جن میں تذکرۂ بے خزاں کے مرتب قطب الدین باطن بھی شامل ہیں، اس امر کا بہ شد و مد دعویٰ کیا ہے کہ مرزا غالب، نظیر اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ اس تذکرہ نویس نے غالب، مومن اور دوسرے با کمال شعرائے دہلی پر سخت تعریض کی ہے، اور ان پر نظیر اکبر آبادی کو ترجیح دی ہے، گلستان بے خزاں کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"غالب و اسد تخلص۔ اسد اللہ خاں نام، ملقب بہ مرزا نوشہ، آپ دو تخلص کرتے ہیں، کچھ تو سبب ہے کہ دو تخلص کرنے پر دل دھرتے ہیں...... استادان باشعور مثل خلیفۂ معظم جو بڑے معظم و مکرم اور ہادی شعرا رجو بے نظیر روزگار تھے جن سے تعلیم پائی ایام صبا سے برکت انفاس متبرکہ ان استادوں کے برتبۂ علم پہونچے، تب ان کی فکر رسا نے یہ صورت دکھائی۔ کیوں نہ خوشگو ہوں، جن کے ایسے استاد ہوں، چونکہ وہ استاد مر گئے۔ یہ حد دہلی سے اُدھر گئے۔ اب خواہ شاگردوں سے انکار کریں یا شاگرد اقرار کریں۔"

مولانا حالی غالب کے شاگرد اور پرستار تھے، استاد کی تنقیص ان کے لیے قطعاً ناقابل برداشت تھی، اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ اُن کے خاص رفیق اور ہم مذاق تھے، نظیر کے بارہ میں ان کی رائے بھی کچھ اچھی نہ تھی، شیفتہ کے تذکرہ گلشن بے خار کو حالی بھی اُردو کا سب سے بہتر تذکرہ مانتے تھے اور شعراء کے بارہ میں جو رائیں اس میں ظاہر کی گئی ہیں، ان سے متفق تھے، اس لیے نظیر کے بارہ میں انکی یہ روش زائد تعجب انگیز نہیں۔ شیفتہ نے نظیر کے اخلاق شریفہ کی تو بہت تعریف و توصیف کی ہے اور اس اعتبار سے اُسے بے نظیر روزگار ٹھہرایا ہے، لیکن ان کی شاعری کے بارہ میں اُن کی یہ رائے مدت تک پتھر کی لکیر بنی رہی اور اب بھی بعض حلقوں میں ہے:۔

"اشعار بسیار دارد۔ بر زبان سوقیین جاری است، و نظر بہ آں ابیات در اعداد شعرا نہ شائد ش شمرد اما رعایت ابیات منتخب قطع نظر کردہ شد۔"

لیکن ناقدین فن اور شعرائے کرام میں نظیر خواہ کتنے نامقبول اور ناپسندیدہ رہے ہوں، عوام میں

وہ ہمیشہ مقبول رہے اور اس کثرت سے شعرائے ہند میں شاید کسی کا کلام نہیں پڑھا گیا اور نہ اس کثرت سے کسی کا کلام مجالس و محافل میں بطور ضرب المثل مستعمل رہا۔ حد یہ کہ شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن مجید میں آیۂ کریمۂ اللہ یستہزئ بہم و یمدہم فی طغیانہم، کے حاشیہ پر نظیر کے یہ اشعار درج کیے ہیں ؎

نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد کر بدی کو سات لے   کانٹے لگا کانٹے چلیں، پھل پات بو، پھل پات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے   کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

نظیر کی تعریف سب سے پہلے ایک غیر ملکی محقق ڈاکٹر فیلن نے کی اور انھیں سارے اردو شعرا میں بے نظیر قرار دیا، اپنی لغات ہندوستانی و انگریزی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"تحریری علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے مگر ہندوستان کی نقطہ پرستی اس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دل میں راہ کی ہے، اس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں، خصوصاً اس کے خاص شہر آگرہ میں، اور واعظین (پادری)، جو کہ اس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اس کے اور کبیر کے اقوال کا شارع عام پر وعظ کہتے وقت نہایت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیر میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اس کی نظمیں آپ اس کی سوانح عمری ہیں، کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔۔۔۔ (اس کی طبیعت کی رنگا رنگی اس کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں دکھائی ہیں۔ اس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے، جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل تماشے عیش و طرح

رنج، غم، دل دماغ، سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں)...... نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے جو صرف سلاطین (اقلیم سخن)، مثلاً چاسر و شکسپیر کر سکتے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوشنما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے جن میں نہ وہ ظاہر ہو سکتے ہیں، اور اپنی ذات پر جوان مردانہ اعتماد کر کے جو ذکاوت کا خاصہ ہے، اُس نے لفظوں کی نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں۔"

نظیر کو پروفیسر سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے اپنی کتاب زندگانی بے نظیر کے ذریعہ زندۂ جاوید بنانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا، انھوں نے نہ صرف اُس کے سوانح زندگی جس حد تک دریافت ہو سکے پہلی بار ایک مرتب شکل میں پیش کیے بلکہ اُس کے کلام پر مفصل تبصرہ کر کے کلام کے خصائص دکھائے اور معترضوں اور نکتہ چینوں کو منہ توڑ جواب دیے۔ بعد میں نظیر کی حمایت اور ان کے کلام کی توصیف و تحسین میں بہتوں نے قلم اُٹھایا، لیکن سب نے شہباز کی بلند پروازیوں ہی سے خوشہ چینی کی شہباز نے اس سوانح میں نظیر کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ بعض اعتبار سے نظیر کو سعدی ہند کہا جا سکتا ہے اور بعض اعتبار سے اُسے ہند کا شکسپیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ کے مؤلف مولانا سید احمد دہلوی بھی شہباز کی دوسری رائے سے متفق ہیں اور لکھتے ہیں:—

"میری رائے میں وہ ہند کا شکسپیر تھا اور فطری و قدرتی مضامین کے بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھنے والا تھا اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا کہ کوئی دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

شہباز نے اپنے ہم عصر فاضل اجل شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی (مترجم تمدن عرب و تمدن ہند) کی گفتگو نظیر کے متعلق سپرد قلم کی ہے، لکھتے ہیں:—

"اُن سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ بکشادہ پیشانی تمام

اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبیٔ کلام کا اقرار کیا، بلکہ اس کو ریلسٹک پوئیٹ (REALISTIC POET) کا خطاب دیا، اور اس امر کے ثبوت میں ...... نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے :۔

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے دُکھنا
گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا

کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مُشیّن بدن تھا معطّر کفن تھا

جو قبر کہن ان کی اُکھڑی تو دیکھا
نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیر آ گئے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو دیکھا تو نا حق کا دیوانہ پن تھا "

شہباز کے بعد جناب مخمور اکبر آبادی نے روحِ نظیر کے نام سے کلامِ نظیر پر جدید طرز اور رجحانات کے مطابق نظر ڈالی، اور خصوصیت کے ساتھ ان کی مؤثر اور ادبِ اُردو کے گنجِ گراں مایہ نظموں پر مفصل تبصرہ کر کے اُن کے داخلی لطائف، طالبانِ ادب کے سامنے پیش کیے۔

نظیر کی شاعری کی بڑی بڑی خصوصیات مختصراً حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) وہ ایک مخصوص طرزِ کلام کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ ان کی شاعری فطرت کی مصوری تھی، اپنے شاعرانہ ماحول سے بالکل الگ اُنھوں نے راہ نکالی، اور اس میں وہ کسی کے مقلد و متبع نہ تھے۔

(۲) جذبات کی ترجمانی انھوں نے بالکل صحیح طور پر کی جس جذبہ کی عکاسی وہ اپنے کلام میں کرتے ہیں، اُس سے وہ خود پوری طرح متاثر ہوتے ہیں؛ اس لیے تصنع و ریا کا ان کے یہاں پتہ نہیں۔

(۳) اُن کے کلام میں ہمدردی کا عنصر خاص طور سے نمایاں ہے۔

(۴) انسانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر کامیاب اور مؤثر عکاسی میں انھیں کمال حاصل ہے۔

(۵) عبرت کے پہلو اُن کے کلام میں کثرت سے دکھائے گئے ہیں۔ موت کو انھوں نے مصلحِ اخلاق قرار دیا ہے اور انقلاباتِ عالم سے عام خلقت کو درسِ عبرت دیا ہے۔

(۶) وہ ہر اعتبار سے خالص ہندوستانی شاعر تھے، انھوں نے وہی زبان اپنے کلام کے لیے چنی جو عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی تھی، اور مضمون کے اعتبار سے بھی انھوں نے ہندوستانی ہی

چیزیں عموماً پیش کیں۔ مینھ کی برسات، دریاؤں، پہاڑوں، اور دوسرے مناظر قدرت، اور ہندی معاشرت کے مختلف پہلو، جتنے نظیر کے یہاں ملتے ہیں اور کہیں نہیں۔ مضمون کی مناسبت سے ہندی الفاظ بھی وہ کثرت سے لائے اور ان کو خوب نباہا۔

(۷) بیانیہ کلام میں وہ سب سے ممتاز اور مقدم ہیں، ان کے کلام کا بڑا حصہ بیانیہ نظموں پر مشتمل ہے اور اس میں انھوں نے اپنی مہارت تامہ کا ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ قوت بیان کے ساتھ ساتھ صورت گری میں انھیں کمال ہے اور اس اعتبار سے وہ میرانیس کے قدم بقدم نظر آتے ہیں۔

(۸) تضمین نگاری میں نظیر فی الواقع امام کا رتبہ رکھتے ہیں۔

(۹) اپنے کلام میں انھوں نے خاص قسم کی ترکیبیں استعمال کی ہیں، بقول شہباز:۔

"الفاظ ایک خاص وضع سے اُن کے دماغ میں ترتیب پا گئے ہیں اور اُسی ترتیب سے پختگی کے ساتھ نکلتے ہیں، گویا اُس کے دماغ میں متفرق الفاظ نہیں ہیں جن کو وہ وقت پر ترکیب دیتا ہو بلکہ مختلف موتی کی لڑیاں ہیں جو پروئی ہوئی رکھی ہیں اور وقت ضرورت خود بخود نکل آتی ہیں۔"

(۱۰) مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق قافیے باندھنے میں اُنھیں درجہ کمال حاصل ہے۔

(۱۱) کلام میں مذہبی رنگ نمایاں ہے۔ انبیاء اور بزرگوں کی عقیدت قدم قدم پر نمایاں ہے لیکن ساتھ ہی تعصب کا نام نہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی رسوم کے ساتھ ساتھ انھوں نے ہندوؤں کے رسوم کا بھی ذکر اُسی لب ولہجہ میں کیا ہے۔

(۱۲) مذاق تصوف: نظیر صوفی منش تھے، ہمہ اوست مسلک تھا۔ کلام میں بھی یہی روح نمایاں ہے۔

(۱۳) موسیقی سے نظیر کو خاص مناسبت تھی، اکثر مقامات پر کلام میں اُنھوں نے الفاظ سے گویا موسیقی کے ساز کا کام لیا ہے۔

(۱۴) معشوق کو مذکر کے بجائے اُنھوں نے مؤنث باندھنا شروع کیا۔

(۱۵) نظیر کے کلام کا ایک اور خاص وصف کثرت اور پُرگوئی تھا۔ کثرت اور پُرگوئی کے

باوجود کلام میں بلا کی روانی پائی جاتی ہے۔

حضرت شہباز نے کلام نظیر کا مطالعہ بالاستیعاب کرنے کے بعد مضامین کے اعتبار سے اُنکی چودہ اقسام کی ہیں۔ (۱) تقریبات (۲) موسم اور فصل (۳) مختلف مراتب زندگی (۴) لوازمات تمدنی (۵) ایام ولیالی اور نور و ظہور قدرت (۶) مشاغل تفریح (۷) عمارات (۸) اشیاء قدرتی۔ (۹) نادر امثال اور مفید حکایات (۱۰) مذہب اور تصوف (۱۱) حسن و عشق (۱۲) اخلاق اور انقلاب و فنائے جہاں سے جو اثر عبرت کا دل پر مترتب ہوتا ہے (۱۳) لطف قصص (۱۴) ہزل و ظرافت

پھر شہباز ہی نے ان کے کلام کو ایک دوسری نظر سے دیکھ کر ان کو کسی صفت سے متصف کرکے ذیل کی قسمیں پیدا کی ہیں، اور ان قسموں کو باہم ملا کر سات قسمیں قرار دی ہیں۔ ذیل کی آٹھ قسموں کو انھوں نے اس بنا پر ایک قسم کے ماتحت رکھا ہے کہ وہ سب ایک ہی دل سے لکھی گئی ہیں، وہ دل جس کا رخ عقبیٰ کی طرف مڑا ہوا ہے۔ عارفانہ۔ عبرت مندانہ۔ صوفیانہ۔ عقیدت مندانہ۔ موحدانہ۔ واعظانہ۔ سپاس مندانہ۔ شیعیانہ۔

(۲) تین قسموں آزمودہ کارانہ، ناصحانہ اور حکیمانہ کو دوسری قسم کے تحت میں داخل کرتے ہوئے شہباز کے قلم نے یہ گلکاری کی ہے کہ یہ "تینوں قسمیں بھی گویا ایک ہی دل سے لکھی گئی ہیں، ان میں عقبیٰ کے خیالات کو بخط مستقیم دخل نہیں دیا گیا۔ معاملات دنیا کو جس طرح ایک حکیمانہ خیال آدمی دیکھ کر ان سے گہرے تجربے حاصل کرسکتا ہے اور نشیب و فراز زمانہ دیکھنے کے بعد لوگوں کو خیر خواہانہ نصیحت کرسکتا ہے، اسی قسم کے مضامین کو اس قسم میں داخل کیا گیا ہے۔"

(۳) اس کے بعد تیسری قسم میں انھوں نے پانچ ہم رنگ قسموں۔ رندانہ۔ قلندرانہ۔ خوش طبعانہ۔ ظریفانہ اور ہزالانہ کو رکھا ہے اور ان میں باریک فرق یہ ظاہر کیا ہے کہ "یہ سب کچھ ایک ہی قسم کے خیالات سے پیدا ہوتے ہیں، جب ان کو مذہبی رنگ میں نہیں رنگا گیا تو رندانہ ہیں۔ رندانہ کلام پر مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا تو قلندرانہ ہوگیا۔ عاشق نے وصل کی کامیابی میں خوش خوش اپنے خیالات عشرت کسی قدر معمولی متانت کے احاطے سے نکل کر بیان کیے تو وہ خوش طبعانہ ہوگئے

خوش طبعی کچھ زیادہ بڑھی پوری ظرافت ہوگئی۔ ظرافت نے اور ہاتھ پاؤں نکالے ہزل ہوگئی۔

(۴) کلام نظیر کے تین اور اقسام "وصافانہ، معاملہ بندانہ اور مصورانہ" کرکے ان کو شہباز نے چوتھی قسم ٹھہرایا ہے اور ان میں یہ باریک فرق ظاہر کیے ہیں۔ کسی شے کی صفت عمدہ طور سے بیان کی گئی تو یہ وصافانہ ہوا۔ کسی واقعہ کو عمدہ طور سے قلم بند کیا گیا تو یہ معاملہ بندانہ ہوا اور کسی سماں کو اس طرح بیان کیا کہ وہ سماں آنکھوں کے تلے پھر جائے تو یہ مصورانہ ہے۔

(۵) عاشقانہ اور رِندانہ قسم کے کلام کو پانچویں قسم میں شمار کیا ہے۔

(۶) چھٹی قسم مسخرجانہ کلام کی قرار دی ہے، یعنی وہ جس میں فقط کسی مشہور قصے کو معمولی طور پر نظم کر دیا گیا ہو، مثلاً ہرن اور گدھے کی دوستی کا قصہ۔

(۷) ہندوانہ۔ وہ مضامین جن میں ہندوؤں کے عقائد، تقریبات، قصص اور مختلف پیشواؤں کا ذکر اس دل سے کیا گیا ہے جو ایک ہندو کے لیے شایان ہے۔

یہ اقسام تو مضامین اور معنی کے اعتبار سے تھیں، مختلف اصنافِ سخن کے لحاظ سے نظیر کے کلام میں جتنا تفنن اور تنوع پایا جاتا ہے، اس کی مثالیں دوسرے شعرا کے یہاں کمتر ملتی ہیں۔ نظیر کے مداحِ اول اور شاگردِ خاص حکیم باطن صاحبِ تذکرہ گلستانِ بے خزاں نے اپنے قدیم طرز کے مرصع عبارت میں اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

"ہرگاہ عنصرِ لطیف سمتِ ترقیمِ نظم متوجہ ہوا، اور صیادِ فکر نے دامِ طبع بچھایا، مرغانِ مضمونِ لامکان پرواز اُڑنے سے باز آکر نخچیرِ صید ہوئے، تو غزل، مستزاد، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، معشر، رباعی، قطعہ بند، ترکیب بند، ترجیع بند، تضمین، ریختہ، بحرِ طویل وغیرہ ہر ایک کو متعدد تحریر فرمایا۔ یہ کچھ برائے گفتن و نوشتن نہیں بلکہ فی الواقع بلا تصنع اور اس میں کل صنعتیں شاعری کی ختم کیں۔"

غزلیات

آئیے سب سے پہلے نظیر کی غزلیات پر تبصرہ کریں۔ نظیر دشمنوں کا نظیر پر خاص اعتراض یہ ہے کہ اس کے یہاں تغزل کا پتہ نہیں۔ حد یہ کہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم دہلوی جنھوں نے دیوان نظیر اکبرآبادی مرتب کرکے پہلی بار اس کی اصل غزلیات کے مجموعہ سے روشناس کرایا ہے، (ورنہ اس سے قبل کلیات نظیر کے نام سے جو مجموعے شائع ہوئے ان میں غزلیات کی تعداد محض انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھیں) انھوں نے بھی مقدمہ دیوان نظیر میں غزلیات میں نظیر کی بے راہ روی کے ذکر کو مقدم کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ الفاظ کے استعمال میں کچھ زیادہ محتاط نہیں تھا، نظموں میں تو الفاظ کی یہ ٹھونس ٹھانس چل جاتی ہے لیکن تمام غزلوں میں ان کا کھپنا مشکل ہے۔" پھر آگے چل کر انھوں نے نظیر کے باندھے ہوئے متعدد الفاظ پر اعتراضات کی بھرمار کی ہے اور اس کی تشبیہات کو ایجاد بندہ سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن جناب محمود اکبرآبادی نے نظیر کے تغزل کی تعریف کا حق ادا کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"کہا جاتا ہے کہ نظیر کے یہاں تغزل نہیں ہے، یہ الزام قطعی غلط اور مطالعہ کی کمی پر مبنی ہے۔ نظیر تھوک فروش تاجر کی قسم کا شاعر ہے؛ اور غزل ایک قسم کی خردہ فروشی ہے۔ تھوک فروش کی دکان میں وہ سارا مال بڑی مقدار میں میسر آتا ہے جو خردہ فروش تھوڑا تھوڑا کرکے بیچتا رہتا ہے۔ جو شاعر نظیر کی طرح انسان کے تمام و کمال نفسیات کا ماہر ہو، وہ اس نوع کے جزوی نفسیات سے کیونکر آشنا نہ ہوگا جو غزل میں باندھے جاتے ہیں۔ جو شاعر انسان کے قلب کی جملہ کیفیات کو کتاب کی طرح پڑھ سکتا ہے، وہ اس کیفیت کا بھی نبض شناس ضرور ہوگا جس کا نام محبت ہے۔ اور اس نوع کی محبت بھی جو عاشق کو معشوق سے ہوتی ہے جب

وہ بیان کے جملہ اصناف پر قدرت رکھتا ہے تو زبان کے ان لطیف و نازک اشاروں اور کنایوں سے بھی خوب واقف ہوگا ...... اس کی غزلیں حسن و رنگ، مسرت و طرب، سرشاری و سرخوشی کی نوید ہیں۔ جو طول لمحوں کو مسرور بنا دیتی ہیں۔ اس نے مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں بھی ایسی ہی آسانی سے غزلیں کہی ہیں جیسی سادہ اور سہل ممتنع ہیں۔ بعض زمینیں اس نے خود پیدا کی ہیں، اس کی غزلوں میں بھی جگہ جگہ مکالمے کا التزام نظر آتا ہے۔ شوخی شرارت، چھیڑ چھاڑ، معاملہ بندی، جو بعض کے نزدیک غزل کی جان ہے اس کے یہاں بڑی مقدار میں موجود ہے۔"

نظیر کے تغزل کے جو پاکیزہ نمونے" جناب مخمور نے منتخب کیے ہیں، اُن میں چند ملاحظہ ہوں :۔

بھلا ہوا جو نقاب تو نے اُٹھایا چہرے سے بے پروا
وگرنہ سینہ سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں
ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

مقابل اس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
کہاں گل اور کہاں وہ منھ تو دیکھ لے باغباں اپنا

اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیر اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

چمک جا پھر خدا کے واسطے اب طور کے شعلے
کہ شل آتش فسردہ پھر کچھ دل جلا کھلا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

تیشہ کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا، پھر کسی کو کیا

خراب کر جاتا ہے کرم یکلخت آنکھوں سے
یاد آجاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پہ بلا تمہاری کرے تاسّف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمہارے سر کی قسم نوازش

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

طاقِ ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گُل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں ساقی کہیں جام کہیں

شہباز نے نظیر کی غزلیات کے جو اشعار انتخاب کیے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

رکھی ہرگز نہ ترے رخ نے رخِ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شبِ قدر کی قدر

مے پرستوں میں ہے یوں ساغر و مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کی قدر

یوسفِ مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تِل سے تِل

جتنے ہیں کشتگانِ عشق اُنکے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خون، گِل سے گِل

جب سے ہوا ہے کوہکن کرتے ہیں اُس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جُو سے جُو، سنگ سے سنگ، سِل سے سِل

یار ملا جب اے نظیرؔ میرے گئے تو مل گئے
جسم سے جسم، جان سے جان، روح سے روح، دل سے دل

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بدن گُل، چہرہ گُل، رخسار گُل، لب گُل، دہن ہے گُل
سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

شور افگنِ جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا

چمن میں جب سے لب اُس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے سینہ میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے کلامِ نظیر پر اعتراضات کرنے اور اُن کی خامیاں گنانے کے بعد اس کے وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو بقول ان کے سرسری طور سے نظر ڈالنے میں مجھے اچھے معلوم ہوئے ہیں۔ ان اشعار میں سے چند درج کیے جاتے ہیں:۔

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

بتوں کے ناز کی تب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیرؔ سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

طائرِ دل جب ہم سے گیا تو فائدہ کیا جو پوچھیں نظیرؔ
شوخ نے اسکو ذبح کیا یا قید کیا یا چھوڑ دیا

چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں

کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، پھینکی گئی، پیسی مہندی   جب اتنے دکھ سہے تب اُس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

اب کلیات کے اُس نسخہ کی غزلیات پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے جس کے لیے یہ مقدمہ تحریر ہو رہا ہے۔ یہ غزلیات کا مکمل ترین مجموعہ ہے۔ ردیف الف ۱۵ پوری اور ادھوری غزلوں اور دو درجن سے زائد متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ کلام کی بسم اللہ اس شعر سے ہوتی ہے:۔

دل ہوا جس روز بسمل ابروئے دلخواہ کا   تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

مطلع کے بعد دوسرا شعر یہ ہے ؎

جس نے دیکھا وہ رُخِ انور ہوا اس کو عمر بھر   پھر نہ روئے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

توحید پرستی اور شرک بیزاری کی شہادت مقطع کا شعر دے رہا ہے ؎

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی اپنا نظیرؔ   جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

قدرتِ خدا کی تعریف میں نظیر کا قلم یوں رطب اللسان ہوتا ہے:۔

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا   یا رب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا
لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ   ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات   اور روئے زمیں پہ گل و ریحان تماشا

مسلسل غزل لکھنے میں اوّلیت و ایجاد کا فخر نظیر ہی کو حاصل ہے۔ اکثر ایسی غزلوں میں مکالمہ کی شان پیدا ہو گئی ہے اور مکالمہ میں اس کا خاص لحاظ ہے کہ حسبِ طبقہ یا صنف کی گفتگو درج کی ہے ٹھیک اُسی کی زبان لکھی ہے۔ چھٹی غزل اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ہے۔

خد و خال خوبی آگئیں، لب لعل پان سے رنگیں   نظر آفت دل و دیں مژہ صد مضرت افزا
کھلی رخ پہ زلفِ پر خم مسی رشکِ رنگ نیلم   غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا
کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ، مہر پیکر   جو چلی ہو یوں جھمک کر، کہو عزم ہے کدھر کا
ہے جو قصدِ سیرِ بستاں، چلیں ہم بھی ساتھ لے جاں"   کہا سن کے "یہ اے میاں کوئی تم بھی ہو تماشا

"نہ کچھ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی	جو ہے دلبری کی مرضی تو ہے سوچ پھر یہ کیسا"
"کہا جب نظیرؔ ہم نے "یہی دل میں ہم تو رکھتے"	تو کہا "جو ایسی ہووے تو پھر اس کا پوچھنا کیا""

اس غزل میں بالکل نئے اور انتہائی پرکیف استعارے اور تشبیہات استعمال کیے ہیں خصوصاً دوسرے شعر میں جس میں معشوق کے مستی آلود خواب کو شیلم سے تشبیہ دی ہے۔ اور یہ شعر تو بالکل میر تقی میر کے رنگ کا ہے ؎

نظیرؔ اک دو تکلّے کرتے بہت ہوتے ہیں خوباں سے	چلو اب چُپ رہو بس کھل چکے تم تو دفتر سا

نظیر کا یہ قطعہ تو درسی کتابوں میں اس کثرت سے درج ہے اور مضمون فنا کے اعتبار سے اتنا پُراثر ہے کہ اسے ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہو سکی ہے۔ پورا قطعہ اس تبصرہ کے شروع میں درج ہو چکا ہے، یہاں صرف پہلے شعر پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا	گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا

اس قطعہ سے قبل اصل غزل کا یہ شعر بھی اسی رنگ کا ہے ؎

یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا	خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا

معاملہ بندی، جس میں اولاً جرأت نے اور پھر داغ اور امیر نے اپنا نام پیدا کیا، نظیر کے یہاں بے نظیر ہے:۔

وہ مجھ کو دیکھ کے اس ڈھب سے شرمسار ہوا	کہ ہیں حیا ہی پہ اس کی فقط نثار ہوا
سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے اور ہمیں گالی	ہزار شکر بھلا اس قدر تو پیار ہوا
ہمارے مرنے کو ہاں تم تو جھوٹ سمجھے تھے	کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر	پڑیں قرار پہ پتھر یہ کچھ قرار ہوا

بسنت کی رُت ہندوستان کی مشہور ہے، نظیر پہلا خالص ہندوستانی شاعر ہے، بسنت کے منظر سے مست ہو کر لکھتا ہے ؎

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا	ہے طرفہ روزگار طربزا بسنت کا

باغوں میں لطف نشو و نما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا

اپنا وہ خوش لباس بسنتی دکھا نظیر
چمکا یا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا

ہولی کا رنگ، بسنتی رنگ سے بھی شوخ ہے، اور کہنا چاہیے کہ بالکل تصویر کھینچ دی ہے ؎

گلال آلودہ گلچہروں کے وصف رخ میں بکتے ہیں
مزا کیا کیا صریر کلک سے بلبل کی چہچہ کا

گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جام مے پی کر
کوئی سرخوش، کوئی بیخود، کوئی توما، کوئی بہکا

چھڑکنا رنگ خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے
کبھی کچھ نانہ کی وہ تندہ، کبھی انداز رہ رہ کا

بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا اور شور قہ قہ کا

فارسی ترکیبوں کو اردو میں خوش اسلوبی سے نظیر نے اکثر نباہا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم وال ضبط آہ کرنا

شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغباں سے گل کا گریباں سلا دیا

یوں سنگ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل
مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہا

کچھ صید زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں
ہر صید گہ میں اس کی ہیں بسمل ہزارہا

مضمون کے اعتبار سے یہ مسلسل غزل، جس میں دنیا کی بے ثباتی، مال و جاہ کی بے وقعتی، علوم و فنون کی بے بساطی دکھائی گئی ہے، نظیر کے شاہکاروں میں گنی جا سکتی ہے۔ چند شعر پڑھتے چلیے ؎

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

جز بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و شان
ہے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا

اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سماوات تو پھر کیا

اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ   بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

تضمین کرنے میں تو نظیر کو ملکہ تھا، حافظ کی ایک مشہور فارسی غزل کی اُردو تضمین کا نمونہ ملاحظہ ہو،
ہر ہر مصرعہ کی تضمین اُردو میں کی ہے ؎

رہوں کاہے کو دل خستہ پھروں کاہے کو آوارا   اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو   بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے   بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے   جواب تلخ می زیبد لب لعل و شکر خا را

تصوف کے رنگ میں یہ شعر کتنا معنی خیز ہے ؎

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار   یہ خدنگ ناز تھا کس بے نشاں کی شست کا

تغزل کا کمال ان دو شعروں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ حیف ہے اُن ناقدین باتمکین پر، جن کی رائے
میں نظیر تغزل سے خالی ہے ؎

قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے   غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر   اُدھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

"ہمہ اوست"، کے مسلک کو کس سادگی اور صفائی کے ساتھ عوام کی زبان میں بیان کیا ہے ؎

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی   بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی یہ یکرنگی۔ تس اوپر یہ قیامت ہو   نہ کم ہونا، نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹنا بڑھ جانا
نظیر ایسا جو چنچل دلربا بہروپیا ہووے   تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

فارسی شعراء کے کلام کا اُردو ترجمہ کرنے میں بھی نظیر کو کمال حاصل ہے غنی کشمیری کا مشہور
شعر ہے:۔

رنگ سبزش بخط سبز مرا کرد اسیر   دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

نظیر نے اس کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اُسے خالص ہندوستانی رنگ دیدیا ہے ؎

زلف دوپٹہ دھانی میں کرکے نہاں مرا دل باندھ لیا   سینہ نہ کھادے کیونکر جل جب سینے میں پنہاں دام کیا

عربی فقرے اور الفاظ کلام نظیر میں جا بجا ملتے ہیں اور انھیں بڑی خوش اسلوبی سے نبا ہا ہے ؎

کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ   سنلقی علیک قولاً ثقیلا
نکل اس کے زلفوں کے کوچے سے اٹل   تو پڑھتا قم اللیل الا قلیلا
گلستاں میں ماروں اگر آہ کا دم   فکانت جبال کثیبا مھیلا
نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ   فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

معشوق کا سراپا اور اس کے اخلاق و شمائل کا خاکہ، نظیر کی اس مشہور و معروف غزل میں موجود ہے، غزل کا مضمون مسلسل ہے ؎

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا   جو عمر دیکھو تو دس برس کا، پہ قہر آفت غضب خدا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھالی، جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی   پہ دل وہ پتھر کہ سر اڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر   کسی کو ٹھوکر، کسی کو چکر، کسی کو گالی، بنیٹ لڑا کا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے، نظر کہیں ہے   کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کس کو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی، کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے   نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے، نہ وہ منائے منے کسی کے   جو قتل عاشق پہ آ کے مچلے تو غیر کا، پھر نہ آشنا کا

نظیر کا یہ مطلع مضمون کے لحاظ سے خسرو کے فارسی مقطع سے بہت مشابہ ہے ؎

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا   اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

خسرو کا مقطع یہ ہے ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند   آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

تا نغزاے سخن میر کے رنگ میں ؎

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا   کیجیے کیا، اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آ کر وہ پھر گیا ہیہات   کیا اسی رات ہم کو سونا تھا

میر تقی میر کی مشہور و معروف غزل ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا الخ

کا نقشِ ثانی نظیر کے مرقعِ سخن میں ؎

پردہ اٹھا کر رُخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول اِدھر، یاں عشق نے دل کا کام کیا

آگئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اسی کی ٹھہری مرضی جس نے اسیرِ دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب تمام کیا

یار کی میگوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا اوباش بنایا رند کیا، بدنام کیا

عبرت آگیں اشعار، کلامِ نظیر میں بکثرت ہیں، ایک اور قابلِ ذکر قطعہ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو ؎

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا

ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے
ابھی شور تھا قمری نغرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ داں تھا چمن کا

معشوق کا سراپا ایک اور جگہ ؎

سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہے اجالا

وہ زلفیں اسکی سیاہ پُرخم کہ اُنکے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل نہ پہونچے ریحاں نہ پہونچے ناگن نہ پہونچے کالا

وہ آنکھیں مست اور رنگلابی اسکی کہ انکو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اسکی دل پر ہو کیا ہی گہرا نشہ دو بالا

لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جسکا عالم ہو کچھ نرالا

اس غزل میں نظیر نے کمال یہ کیا ہے کہ عربی فارسی اور پنجابی اور بھاشا کے شعر بھی اسی وزن اور قافیے میں لکھے ہیں، عربی شعر غالباً تصحیفِ کاتب کی وجہ سے ترکیب نحوی میں غلط ہو گیا ہے۔ فارسی شعر حسبِ ذیل ہے ؎

پری رخ من، شکر لب من دمے تو باز آ بہ پیش چشم
بباد سرو، تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

بھاشا کا شعر ملاحظہ ہو ؎

تمھاری آسا لگی ہے نس دن تمھارے درشن کو ترسیں نیناں
دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن انوکھے لالا

اس مسلسل غزل میں عاشق کے مکتوب پر معشوق کے اعتراضات اُردو شاعری میں بےنظیر حیثیت رکھتے ہیں ؎

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا

جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا

چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اُڑ گئے تھے جو دُرِ خوش آب لکھا

لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا

جگر کباب لکھا اپنا تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

ذوقؔ اور داغؔ وغیرہ نے ذیل کی زمین میں بڑے معرکہ کی غزلیں کہی ہیں لیکن نظیرؔ کی غزل بھی کسی سے ہٹی نہیں۔ دیکھیے کس غضب کے تیور ہیں ؎

سامنے اُس صفِ مژگاں کے میں کل جاؤں گا
چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

بے کلف یا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤنگا اس بزم سے پیا
اور اک "ہوں" بھی کروگے تو مچل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

لے چلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیرؔ
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

ایک بالکل نئی تشبیہ ملاحظہ ہو:—

اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تنِ عریاں
یہ آبِ رواں کا ہے نیا پیرہن اپنا

سعدیؒ نے کہا ہے ؎

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

نظیرؔ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو — جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہی وطن اپنا

ردیف الف میں نظیر کی ایک مشہور غزل اس مطلع کے ساتھ ہے ؎

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا — المنۃ للہ تقدس و تعالیٰ

حسن اتفاق سے اس زمین میں میر، سودا، اور انشا کے سے اُستادان فن نے بھی طبع آزمائی کی ہے، حضرت شہباز نے ان سب کا محاکمہ کر کے یہ ناقدانہ رائے دی ہے کہ :-

"میری رائے میں میر، سودا، انشا، سب سے اس کی (نظیر کی) غزل بڑھی ہوئی ہے، زبان میں سادگی ہے اور روانی، مضمون آفرینی کے لیے مبالغہ کا دامن زبردستی نہیں کھینچا گیا، نہایت عاشقانہ گہرا رنگ ہے۔ ہر شعر میں زبان اور خیالات کی گھلاوٹ پائی جاتی ہے۔ سلمہ اللہ تعالیٰ کو میر سے بہتر سودا کہہ چکا تھا، ایسی گنجائش نہ تھی، نظیر نے بہ تبدیل ضمیر ترجمہ کر کے کچھ لطف پیدا کیا ہے۔
انشا نے ایک نیا فقرہ لیا۔ نظیر نے بھی مطلع ایسا ہی کہا، دونوں کے مطلع لطیف ہیں۔"

میر کا مطلع یہ ہے ؎

دل پہونچا ہلاکی کو نپٹ کھینچ کسالا — لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

سودا کا مطلع ؎

میں دشمن جان ڈھونڈھ کر اپنا جو نکالا — سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ

انشا کی نگارش ؎

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھالا — قُم، خذ بیدی وفقک اللہ تعالیٰ

نظیر کا مطلع اوپر درج ہو چکا، غزل کے چند اشعار اور سن لیجیے۔ یقیناً شہباز کی رائے سے آپ اتفاق کریں گے ؎

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا — ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالیٰ
دیکھو اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ — "پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر" مجھے کہتا ہے سو مرتا ہوں میں یارو — اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا
قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن — کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"
کیا خاک اُڑانے کو چلیں آہ چمن میں — نہ یار نہ ساقی نہ صراحی نہ پیالا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا — گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام — ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

سوداؔ کا مشہور شعر ہے ؎

کیفیتِ چشم اُس کی مجھے یاد ہے سوداؔ — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

نظیرؔ نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے ؎

اُس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت — منفعل ساغرِ شراب ہوا

اور یہ تو شعر تو بالکل میرؔ کے رنگ کے ہیں ؎

رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ — اہلِ محفل کو اضطراب ہوا
مے ہوئی خونِ دل صراحی میں — جام مے دیدۂ پُر آب ہوا
رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
پیرہن برگِ گل پہ جوں شبنم — عرقِ تن گلاب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں — یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

نظیرؔ نے دوسرے اُردو شعراء کی طرح محض لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد وغیرہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ہند کے روایتی عشاق اور ان کے معشوقوں کا ذکر بھی کثرت سے کیا ہے، پنجاب کے ہیر اور رانجھا کا ذکر ملاحظہ ہو ؎

میں تو صفِ محشر میں بھی لونگا تجھے پہچان — رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

غالبؔ کا مشہور قطعہ ۔ اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل الخ آپ نے بار بار پڑھا اور سنا ہوگا، نظیرؔ کا ہم مضمون قطعہ پڑھ کر "الفضل للمتقدم" کی صداقت تازہ ہو جاتی ہے ؎

اک دن دل اپنا عیش گذشتہ کو یاد کر
رو رو کے ہم سے مانگتا اسکا جواب تھا

بیتی وہ کیا زمانۂ عشرت تھا اے نظیر
جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا

تھا حبیب جلوہ گر تو دل و جاں میں دم بدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

اب زار و ناتواں و نحیف و ضعیف ہوں
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم
کیا کہیے اُسکو اور، مگر یہ کہ خواب تھا

جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا
جس میں مے طرب سے تو مست خراب تھا

ہیہات کیا بتائیں ہم اُس عصر خوش کا نام
اے غفلت انتہا وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اُسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیر
مجموعۂ حیات کا لُب لباب تھا

ردیف الف کے آخر میں متفرق اشعار دو درجن کے قریب درج ہیں، اُن میں سے دو شعر قابل انتخاب ہیں:

نہ گل اپنا نہ خار اپنا، نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل و جوئبار
اک اُڑ گیا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہہ گیا

غزلیات کی ردیف الف ختم ہوئی۔ "ب" کی ردیف بہت مختصر ہے، لیکن اشعار آبدار کے لحاظ سے اُسے نظر انداز نہیں کر سکتے:

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب
لیکن اس کو کہتے ہیں سب خوب، خوب خوب

فارسی کا ایک مشہور شعر ہے:

یک دل و خیل آرزو دل بچہ مدعا دہم
تن ہمہ ریش ریش شد پنبہ کجا کجا نہم

نظیر کے یہاں یہ مضمون یوں ادا ہوا ہے:

ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیر
دل ہے پُر از آرزو، کیجیے کیا کیا طلب

اس ردیف کی جان یہ غزل ہے۔ جو پوری کی پوری فلسفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس میں نہایت اعلیٰ قسم کی فارسی ترکیبوں نے کلام کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں:

بحرِ مستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بروئے آب حباب

بادۂ ناب کیا ہے خونِ جگر
زردی رنگ ہے شب مہتاب

جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہے ایک ہولائے خانہ خراب

حُسن اور عشق کیا ہیں، یہ بھی ہیں
خطفۂ برق و قطرۂ سیماب

عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریر موج نقش برآب

گردش آسماں میں ہم کیا ہیں
پر کا ہے میاں زگرداب

زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں
ایک مثل خیال و دیگر خواب

فرصت عمر قطرۂ شبنم
وصل محبوب گوہر نایاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

پ کی ردیف کچھ اور مختصر ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

ہے جو اس محبوب کے انگشتری بردست چپ
رکھتی ہو کیا کیا نزاکت پروری بردست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں
اُسکے قبضہ میں ہو سوزینت فری بردست چپ

شکوہ تو کریں ہم اُس سے اکثر
پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

ت کی ردیف میں بھی اختصار کا یہی عالم ہو۔ تغزل کے بے بہا نمونے اس میں بھی مل جاتے ہیں:۔

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہو کم بخت
اور تس پہ سنا یہ کہ بہار آئی ہو کم بخت

یارو ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی
آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہو کم بخت

رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے
قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہو کم بخت

تا ہندی (ط) کے اس شعر میں معشوق کی تلوّن مزاجی کا نقشہ کیا خوب کھینچا ہے:۔

نظیر دل کو بچا دے، یا روک اس صنم سے کہ جس میں ہو دے
گھڑی مچلنا، گھڑی چہکنا، گھڑی جھجکنا، گھڑی لگاوٹ

اس لگاوٹ کی مشکل ردیف میں ایک اور غزل بھی ہے، مقطع ملاحظہ ہو:۔

ہنسنے میں نظیر اُسکے لگاوٹ تو ہے لیکن
ابرو میں جو چین آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ث کی ردیف، صرف دو غزلوں پر مشتمل ہے، ایک شعر پڑھتے چلیے ؎

سُن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ
یہ تمنا بھی ہے بے جا، مدعا یہ بھی عبث

ج کی ردیف بھی غزلوں کی تعداد میں ث کے برابر ہے، پہلی غزل کا مقطع قابل ذکر ہے ؎

دل تو نہ دیتے ہم آہ دے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

چ کی ردیف میں تصوف کے مسائل ان دو شعروں میں سیدھے سادے لفظوں میں بیان کر دیے ہیں ؎

طریق عشق سے بے رہبر نہ ہو طے
کہ ہے یہ راہ نہایت پیچ در پیچ

نہ ہووے دل کی تکّل کٹ کے برباد
اگر ڈالے نہ وہ تارِ نظر پیچ

ایک غزل میں چار پانچ سوالات معشوق سے کر کے مقطع میں اُس کی جانب سے ایک جواب دیا ہے جو تجاہل عارفانہ کی بہترین مثال ہے ؎

سُن کے یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے لبِ ناز
جانے اُسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

حائے حطی کی ردیف میں یہ مقطع، عشق حقیقی کے رنگ میں ڈوبا ہوا، قابل ذکر ہے ؎

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیر اس یار کا ہم کو جیسی ہے
صبح اور بدن شام اور تعیین آج و روش کل کی طرح

خ کی ردیف کیوں خالی چھوڑ دیے ؎

پھرتے ہیں اُس جبیں کی تمنا میں مہ جبیں
اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رُخ

دال کی ردیف کے یہ اشعار شاعر کے کمال تغزل پر دال ہیں ؎

دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر
جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند

تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں
اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند

فارسی ترکیبوں کو خوش اسلوبی سے لانے کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو ؎

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند
خواہندہ یک جان ہیں ادھر مکر گرے چند

ذال کی ردیف میں مجنوں اور فرہاد کے لیے نئی نئی عام پسند تشبیہیں لائے ہیں ؎

زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو — کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ
کوہ کن کوہ کو کس لیے کاٹا کرتا — دیتے غم خوار نہ کیا اسکے تئیں لا تعویذ
آخر اُسکے بھی گیا دل کا دھڑکنا اُس وقت — قبر کا تیشہ نے جب اسکے تراشا تعویذ

اس کی ردیف ذرا بڑی ہے، اس شعر میں لطیف اور نادر فارسی ترکیب کے ساتھ معنی کی بلاغت ملاحظہ ہو:ے

اس لطف سے جز موئے قلم مانی تقدیر — کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور

اس غزل کا مقطع اور اس سے قبل کا ایک شعر بھی قابل انتخاب ہیں ے

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا — صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور
غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیر آہ — کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

اس ردیف میں ایک قطعہ بند غزل بے تکلفانہ سوال و جواب میں بھی بہت خوب ہے:ے

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور — بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشک حور
ہم کریں عجز و نیاز و انکسار — تم کرو جور و جفا، ناز و غرور
کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی — یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور
سن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں — کب لیا بلبل کے دل کو کرکے زور[لہ]
شمع نے بھی کب کہا پروانے کو — یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور
بلبل و پروانہ جب آپ ہی گریں — اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور
عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر — اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

رعایت لفظی کی گلکاریاں ملاحظہ ہوں ے

سبزہ پڑا ہے کان میں اس سبز رنگ کے — سرسبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر

دو اشعار عبرت آثار بھی پڑھ لیجیے:ے

پڑی ہے خاک گورستاں کیا کیا قد موزوں پر — اگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پر

لہ زور میں
مکر و حیلہ

وہ رکھے اینٹ چھاتی پر بزیرِ خاک سوتے ہیں
چمکتے تھے سنہرے قصرِ جن کے بامِ گردوں پر

قرآن مجید میں دنیا کو "متاع الغرور" کہا ہے۔ نظیر نے اس حقیقت کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفتِ ضرر
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثلِ قند
جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بیک دگر

اس ردیف کے ساتھ مستزاد بھی شامل ہے، ایک شعر نمونۃً ملاحظہ ہو ؎

یوں ہجر میں روتا ہوں اس گل کے شب و روز۔ کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے روتی تھیں یعقوب کی آنکھیں، ہر شام و سحر کو، خوناب میں بھر بھر

ایک مستزاد مثلث بھی شامل ہے، اس میں ہندی الفاظ اور تشبیہات کا استعمال کس روانی سے کیا ہے ؎

سدھ لے گئی بالے کی جھمک، صبر کرن پھول اور عقل کو بندے
بالے گئی جھوک لگا سینہ میں اک تال، دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لے گئی زنجیرِ طلائی، زنجیر پنہا کر
کاجل کی کھنچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں، جو ہوش اڑایا
مستی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں، جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینہ میں لگائی، مہندی کو دکھا کر

ڑ کی ردیف کتنی ثقیل ہے، مگر نظیر نے اس بھاری پتھر کو بھی پانی کر کے دکھا دیا ؎

اے شوخ ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے تو اہلِ وفا کو چھیڑ

ردیف ز کا بھی مختصر ہے صرف دو شعر ملاحظہ کرتے چلیے ؎

جو آوے منھ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
میں کس سے پوچھوں یہ خانہ خراب ہے کیا چیز

ردیف س کی ایک فرد بھی لیجیے جو واقعی اپنے رنگ میں فرد ہے ؎

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائرِ دل بھلا
اسے رنج پہنچے ہے لے صبا تو گھڑی گھڑی نہ ہلا قفس

ناامیدی کا اظہار جدت تشبیہ کے ساتھ ؎

ہوں نا اُمید وصل سے یوں جیسے وقت نزع
رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

نظیر اکبر آبادی کے اشعار ذیل کو درج کرکے جناب مخمور اکبر آبادی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:۔
"فارسی ترکیب بنانے کا اسلوب غالب نے نظیر سے سیکھا تھا" ؎

گر وہ مژہ ہو مائلِ جنگ پرطاؤس
تو سہم کے بے پر ہو خدنگِ پرطاؤس

یوں زلفِ معنبر کے خطِ سبز ہے نزدیک
گویا یہ طوطی ہے بہ جنگِ پرطاؤس

دیکھے جو ترے عاشقِ گل خوردہ کی تصویر
حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگِ پرطاؤس

اگلے زمانہ میں دستور تھا کہ کلامِ مجید اور درسی کتابوں میں مکتبوں کے طالب عالم مور کے پر رکھا کرتے تھے۔ نظیر کی عمر معلمی میں گذری ان کی بلند پروازی اس چیز کو کیسے نظر انداز کرتی ؎

لکھ لکھ کے نظیر اس غزلِ تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگِ پرطاؤس

شمع اور پروانہ کے بارہ میں شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے قلم نہ اٹھایا ہو، نظیر کے یہاں یہ چیز بھی ملاحظہ ہو

اے شمع رات تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی
کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس

اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب
اٹھ کے پھرے تو آکے ہر اک سر کے آس پاس

ہم معنی الفاظ کو جمع کرنا اور ان کے جوڑ پر تناسب الفاظ لانا نظیر کا خاص شیوہ ہے۔ ش کی ردیف میں سے اس کی مثال پیش ہے ؎

اُٹھاویں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جنکے ہوویں
جفا، لطف، عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم، نوازش

نامہ بر کا ایک پھر کتا ہوا جواب ملاحظہ ہو ؎

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زباں قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش

ص کی ردیف میں دو ہی غزلیں ہیں۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں اخلاص کی نایابی کا ذکر ہے ؎

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص
لیک مشکل ہے ہم نشیں اخلاص

ض کی ردیف میں معشوق کا طنز لطیف ملاحظہ ہو ؎

اب تلک دھن ہے حسن و بداں کی　　دیکھو اس پر پلے نظیر کی عرض

مصرعوں کے توازن و تقابل کا نظیر کو بڑا شوق ہے، ط کی ردیف میں اسکی بلند پایہ مثال دیکھیے:۔

قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی　　تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی　　آن کو غارت گری سے ارتباط
ہر مژہ کو تیر سے ہے ہم سری　　چشم کو افسوں گری سے ارتباط

اس کے بعد ظ کی ردیف کے دو شعروں میں ایک انقلاب کا منظر دکھایا ہے:۔

کیا تماشا ہے یارو، کل تو نظیر　　تھا بہت خانقاہ سے محفوظ
آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ　　مُغبچے کی نگاہ سے محفوظ

ردیف ع کی دونوں غزلوں کی ردیف شمع ہے۔ کلام کی تابانی ملاحظہ ہو ؎

محفل میں اسکے تن کی نزاکت کو دیکھ کر　　کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع
ہے منصفی تو یوں پر پروانہ پہ لکھے　　لکھنا اگر کسی کو ہو وصفِ جمال شمع
ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر　　وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع
آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر　　حسن کے گرمیٔ بازار میں مشہور کی شمع

ردیف غین معجمہ کا صرف ایک شعر حاضر ہے ؎

دیکھی جس دن سے اُس پری کی چشم　　پھر نہیں ہوش کا ملا نہ سُراغ

ردیف فا، کی پہلی غزل کا مطلع قابل ذکر ہے:۔

ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف　　ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

تغزل و حسن بیان کی کچھ اور اعلیٰ مثالیں:۔

مستی کے سواد و زمیں اس چشم سیہ کے　　کافر ہو جو ہو گردش ایام سے واقف
مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ　　اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف
صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ　　تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

اور مقطع کس غضب کا ہے :۔

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ آہ ۔۔۔ دل اُسکو دیا جسکے نہیں نام سے واقف

تقابل و تضاد اور لف و نشر کی مثال دیکھیے :۔

محفل میں ہم تھے اِس طرف وہ شوخ چنچل اُس طرف ۔۔۔ تھی سادہ لوحی اِس طرف مکر و فسوں چھل اُس طرف
کیا کیا دکھائی ہی الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم ۔۔۔ آہوں کی شورش اِس طرف لف مسلسل اُس طرف

یہ شعر تو امانت لکھنوی کی آبرو لکھوتا نظر آتا ہے ؎

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیرؔ ۔۔۔ گھات میں رہتے ہیں ہائے کے "مگر" دونوں طرف

ق کی ردیف میں بھی ایک ایسا ہی شعر ہے ؎

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں ۔۔۔ گر ہاتھ آئے کاغذِ کشمیر کا ورق

غالب کا مشہور شعر ہے ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ ۔۔۔ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

یہی خواب کا معاملہ نظیرؔ کے یہاں ردیف ک میں یوں رقم ہوا ہے :۔

چشم اپنی گئی کھل جو نظیرؔ اس میں تو پھر ہم ۔۔۔ ملتے کفِ افسوس رہے وقت سحر تک

ردیف گ کا ایک شعر :۔

دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم ۔۔۔ پھر نہ اُس دن سے پی مے گل رنگ

ردیف لام کی پہلی غزل میں تشبیہات کا کمال دیکھیے :۔

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق ۔۔۔ یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آکر نظر کے مُتّصل
ہیں یہ زلفیں منھ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ ۔۔۔ چلتے چلتے تھم رہے آکر قمر کے متّصل

دل کی ردیف میں تو کہنا چاہیے کہ نظیرؔ نے دل نکال کر رکھ دیا ہے :۔

آوے اگر بُتاں کے تئیں رسم دلبری ۔۔۔ تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل
اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دعا ۔۔۔ ظالم خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل

اور جس پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر — جو مطلقاً تر اوہ نہ خاطر میں لائے دل
شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر — خالق نے کیا ہی خوب تھے انکے بنائے دل
تھے اُسکے پاکے آبلے چھاتی پہ اسکی آہ — کیا اتحاد جسم تھا اور کیا صفائے دل

اس غزل میں معشوق کی سراپا نگشی میں کہنا چاہیے کہ قلم توڑ دیا ہے۔ کتنے مشکل قافیوں کو نباہا ہے۔ متناسب الفاظ اور ان کی شوکت گویا قاآنی کے قصائد کا نمونہ پیش کرتی ہے:-

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بے کل — پری رو تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل
وہ عارض اور جبین تاباں کہ ہوں کچھ اسکو تشبیہ — قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں انگلیوں میں، لعل لب میں چشم میگوں میں — حنا، آفت، ستم، فندق، مستی، جادو، فسوں کا جل
نزاکت اور لطافت وہ کہ پا تک کہ حیراں ہو دل — سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں، مخمل

اور اس قسم کے کلام کو تو ایک حد تک شاہ نصیر دہلوی کے رنگ سے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ انھیں کی طرح مشکل طرح اختیار کرنے کے باوجود کلام کی طرحداری علیٰ حالہ قائم رکھی ہے:-

کھولی جو ٹک اے ہلشیں اس دلربا کی زلف کل — کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل
دن کو تو ہم فتنہ سے ہم اس سے مل سکتے نہیں — آنا ہی جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل
تیرے بھی منہ کی روشنی، رات گئی تھی مہ سے مل — تاب سے تاب، رخ سے رخ، نور سے نور، ظل سے ظل
یوسف مصر سے گر ملتے ہیں سب ترے نشاں ہے — زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل
جتنے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے — اشک سے اشک، نم سے نم، خوں سے خوں، گل سے گل
جب یہ موئے کو کہن کرتے ہیں اُسکا غم سدا — کوہ سے کوہ، جُو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل
یار ملا جب اے نظیر میرے گلے تو مل گئے — جسم سے جسم، جان سے جان، روح سے روح، دل سے دل

جو دل کو دیکھیے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے چل بل
اگر نہ دیکھیے تو وہ میں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل
کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی

جو سوچے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

اس کے مقطع میں محاورے ذرا عامیانہ استعمال ہو گئے ہیں۔ مگر یہ تو نظیر کا خاص رنگ ہی ہے ؎

نہ جُل میں آوے نہ بھڑ کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پُرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا چنچل

ایک اور مقطع خاص نظیر کے رنگ کا ؎

ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدہ میں بیٹھ کر — تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجو کل کی کل

ہم کی ردیف میں سب سے مشہور غزل "ہم" کی ردیف والی ہے اور بقول صاحب روح نظیر، آج بھی اکبر آباد (آگرہ) اور اس کے قرب و جوار میں خلائق کے زبان زد ہے۔ کس غضب کی بے کسی کھائی ہے۔ یہ غزل اُردو کے شاہکاروں اور شاہ پاروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے :۔

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم — بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم
مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں — دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا — بس ترستے ہی رہے ہیں آب و دانے کو ہم
طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی — اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بت خانے کو ہم
باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل — اب کہاں لیجا کے بٹھلیں ایسے دیوانے کو ہم
کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیر — تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مر جانے کو ہم

کس غضب کا مطلع ہے :؎

نہ اُسکے نام سے واقف نہ اُسکی جا معلوم — ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بُت خدا معلوم

عاشق کے تجاہل کے بعد معشوق کا تجاہل بھی اسی غزل کے ایک اور شعر میں پڑھتے چلیے :؎

ہم اُس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے — قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم

میر کے رنگ میں :۔

جو ملنا ہے مل لو کوئی دم دگر نہ — یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

مسلسل غزل کہنے میں نظیر کو کمال حاصل ہے، کئی مثالیں پہلے گذر چکیں اب ایک اور مثال دیکھیے :۔

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائینگے ہم — تو ہار کے اک دن اسکی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائینگے ہم
بیزار کرینگے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے — پھر دلکو بھی منت سے کچھ ہیبت سے سمجھا لینگے ہم
گر کہنا دل نے مان لیا اور رک بیٹھا تو بہتر ہے — اور چین نہ لینے دیویگا تو بھیس بدل کر آئینگے ہم
اول تو نہیں پہچانوگے اور لوگے بھی پہچان تو پھر — ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دلکو خوش کر جائینگے ہم
گر چھپنا بھی کھل جاویگا تو مل کر افسوں سازوں سے — کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائینگے ہم

اور اس غزل میں تو تغزل کا کمال ہی دکھا دیا ہے :۔

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو، مجھے اس خم زلف دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارض گل کی طرف مجھے اس رخ مہر وفا کی قسم

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اسکی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم

جو نہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اس بت ہوش ربا کی قسم

بدن اسکا ہے رشک برگ سمن، مرے بر میں جو آئے وہ رشک چمن
کھلے غنچۂ دل مرا گل کے نمن، مجھے اس کھلے بند قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا تو کچھ اس سے مزا میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں، نہ کروں میں دوا، میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اسکے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں سو وہ کھائی ہے اس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیر جو اس کے تئیں تو تھا شرم و حیا سے وہ سرو قدیں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں میں کہوں کیا اب اسکی حیا کی قسم

شروع میں ایک غزل کا مطلع درج ہو چکا ہے جس میں عاشق کی ترجمانی یوں کی گئی ہے ؎

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائینگے ہم　　تو ہار کے آخر اسکی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائینگے ہم

میم ہی کی ردیف میں معشوق نے اس کا جواب بھی دیدیا ہے ؎

تدبیر ہمارے ملنے کی جسوقت کوئی ٹھہراؤگے تم　　ہم اور بھی چھپیں گے یا تنگ جی خوب ہی پھر گھبراؤگے تم

اسی غزل کا ایک اور شعر ؎

گر چھپ کر دیکھنے آؤگے ہم اپنے بالاخانے کے　　سب چلمن چھوڑے رکھینگے پھر کیونکر دیکھنے پاؤگے تم

یہ کلام تو سارے کا سارا حمد خداوندی میں ہے :-

اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام　　قدیر و حیّ و کریم و مہیمن و منعام

بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ باریکی　　کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ ان کے یار　　عطارد و زحل و زہرہ، مشتری بہرام

جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا　　پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

چمک رہا ہے اسی کی یہ قدرتوں کا نور　　بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

ردیف ن کی پہلی غزل میں دام زلف اور اسکے متعلقات کا کس خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے :-

دل خم ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے　　دام میں لیتا ہے اس کاکل کا اک اک بل ہمیں

اور یہ مطلع کس غضب کا ہے ؎

کہتے ہیں یاں کہ "تجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"　　پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں

اور اس کے بعد ہی ؎

تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں　　یوں نازنیں بہت ہیں پہ ناز آفریں نہیں

زلف کا جنجال ملاحظہ ہو :-

خم، تاب، حلقے، بل، چین، گرہ و شکن لئے باہم　　زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں

اسی ردیف میں ایک مسلسل غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی یہی کام کریں
کلک اٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آمدی سے
بعد اسکے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں

لیکن مقطع میں نامۂ شوق کی تحریر کو محض عبث ٹھہرایا ہے ؎

اسمیں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمہیں بدنام کریں

ذیل کا شعر کتنا عبرت آگین ہے ؎

چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

خاص میر کے رنگ کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے ہے تیری بھی پھرا کروں
جو نہیں تو سہ میں نے طلب کیا تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مبادا اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں
مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اسکی دوا یہ ہے تو کہا کرے میں سنا کروں

کہیں کہیں ریختی کے نمونے بھی ملتے ہیں جس میں آگے چل کر جان صاحب نے کمال حاصل کیا ؎

کبھو شک کبھی بس بس کبھو پیالہ ٹپک
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب کے پینے میں

فارسی ترکیبوں کو کلام میں بے ساختہ استعمال کرنے کی دو مثالیں ؎

چاہت کے اب افشاکن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدۂ شوخی رفتار تو ہم ہیں

ذیل کی مسلسل غزل فلسفیانہ حقائق سے پُر اور عبرت انگیزی میں فرد ہے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
دور فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ نیرنگ بوالعجب ہے شیشہ باز پُر فنوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اسکے ہیں زیر نگیں
کل اس صحرا میں ہم گذرے جو وقت صبحدم
اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تہ ہیں زیر زمیں

سید تقی میر کے یہاں بھی اس کا ہم مضمون ایک قطعہ "کل پاؤں اک کاسۂ سر پر جو آگیا" سے شروع ہونے والا

موجود ہے۔ نظیر کے کلام میں اُمید و رجا کا پیغام بھی جابجا ملتا ہے اور یہ غزل تو پوری اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے:۔

عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں　　شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں
جس قدر پینا ہو پی لے پانی ان کے ہاتھ سے　　آبِ جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں
اُلفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ　　مہرباں ہی اُٹھ گئے یہ مہربانی پھر کہاں
واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان　　دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں
جا پڑے چپ ہو کے جب شہرِ خموشاں میں نظیر　　یہ غزل یہ ریختہ، یہ شعر خوانی پھر کہاں

ایک اور غزل میں یہی رنگ نمایاں ہے:۔

ہجوم ابر ہے، چمکے ہے برق اور مینہ برستا ہے　　نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صدائے بلبلاں ہے، آبجو ہے صحن گلشن ہے　　سمن ہے سرو ہے گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
نظیر اب عیش کی بیتا ہے مے ہر دم یہ کہہ کہہ کر　　چمن ہے گل ہے گل رخسار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

تشبیہ کی جدت ملاحظہ ہو:۔

ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے　　کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

اسی غزل کا ایک اور چیدہ شعر:۔

تلا نہ حسن تمھارا وگر نہ میزاں نے　　فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں

مسلسل غزل میں معشوق کی سراپا نگاری اور اس کے عادات و شمائل کا بیان نظیر کے مخصوصاتِ کلام سے ہے، اس کی چند مثالیں پہلے درج ہو چکی ہیں اس ردیف میں بھی ایک مثال موجود ہے:۔

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن　　گل رُخ و گلگوں قبا و گل عذار و گل بدن
مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رُو، مہ جبیں　　سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں　　برق و ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام مشک تبت مشک چیں مشک خطا مشک ختن

نازنیں ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن

بے مروت بے وفا بیدرد بے پروا اخرام جنگجو قتال وضع و تند خو و دل فگن

دو رخ و بر دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل نسترن برگ سمن دُرِ عدن لعل یمن

سختی و بیرحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے معتمد موصی الیہ و مستشار و مؤتمن

محاورات کا استعمال نظیر کے یہاں کثرت سے ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو:

چار حرف اس بت پر خوں کے اوپر کھینچ لے نظیر آپ سے آپ جو ہو جاوے خفا تیسرے دن

اس تیسرے دن کی ردیف کے دو شعر اور سن لیجیے:-

غرقِ دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

زاہد اور شاعر کی باہمی نوک جھونک اردو شاعری میں فارسی کے اثر سے بکثرت ملتی ہے، نظیر کے یہاں کیوں نہ ہوتی:-

دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

اس غزل کا مطلع صوفیانہ رنگ کا ہے:-

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں اے یار میں تو کشتۂ روزِ الست ہوں

غالب کا مصرعہ ہے: "میں ہوں اپنے شکست کی آواز"۔ نظیر کا مقطع ملاحظہ ہو:-

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

صنعت تضاد کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں

اور یہ غزل بھی ناخدائے سخن میر کے طرز کی ہے:-

دل ٹھہرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا اے جان نہیں گر مول دیجیے اور لے لیجیے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

تم دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
تم کہتے ہو جسکو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اسکی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اسکے دام سے تو وہ دانا ہی نادان نہیں

ردیف ن میں ایک اور مسلسل غزل عبرت و فنا کے تذکرہ سے پر ہے، بلند معنی کے ساتھ ساتھ شوکت الفاظ بھی برابر قائم ہے :۔

کیا دل لگا دیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
لے واں ثبات اس سے بہم، نے یاں قیام اپنے تئیں

تھا اک مکان دلکشا، رشکِ چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ پر رونق فزا، رقاصہ شوخ اک نازنیں

قد حسرت سرو چمن، لب غیرتِ لعلِ یمن
جعد معنبر پُرشکن، نوک مژہ نشتر قریں

دیکھ اسکے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھے جابجا
نغمات یکسر سحر زا، انداز کل جادو گزیں

ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم دُر فشاں، طرز تبسم شکریں

گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ ہوگئی
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کیسوں کہیں نہیں

وہ گل سا کھڑا زرد ہے، گرمی کا عالم سرد ہے
جان رنج سے پر درد ہے، آزردہ دل اندوہگیں

نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
نے لب میں وہ سُرخی رہی نے منھ میں وہ دُرِ ثمیں

دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں
تھی کل تو رشکِ گلستاں، ہے آج خار سہمگیں

بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم دہر، گاہے چناں گاہے چنیں

یہ غزل تو تغزل کے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے :۔

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں

دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

دل بھی اور جان بھی دیا سب لیے اس پر ہی نظیر
گل کہیں غنچہ کہیں، بلبلِ بدنام کہیں

اور یہ شعر تو جان تغزل ہے :۔

خدا کی شان جنھیں بات بھی نہ آتی تھی
وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

داو کی ردلیف میں دست حنائی کی دست رسی کس خوبی سے دکھائی ہے :-

دکھلا حنائی دست لیا، جب پے دین و دل — کیا دسترس ہے، دیکھیے اس دستگاہ کو

اور یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے :-

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو — یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

ایک غزل پوری کی پوری مکالمہ میں ہے، دو شعر اس کے بھی سنیے :-

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو" — کہا کہ "اسلیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"

کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گذرتا ہے" — کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"

ذیل کے شعر میں بالکل نیا مضمون پیدا کیا ہے :-

گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں تحقیق — پھونکے جو اسیران چمن کے قفسوں کو

ایک اور شعر اسی ردلیف کا قابل انتخاب ہے :-

ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہو — وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو

اپنی محرومی و تشنہ لبی کی انتہا، ردلیف ھاء میں دکھائی ہے -

دریا بھی بہے گے، پر اے بادہ پرستاں — یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوے آہ

"عشق اللہ"، کی ترکیب نظیر نے اختراع کی اور پوری دو غزلیں اس میں لکھ ڈالیں۔ پہلی غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں :-

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب — کوئی اس فتنۂ دوراں سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہ قاتل — جا کے اس گنج شہیداں سے کہو عشق اللہ

غالب کی ایک غزل بہترین فارسی ترکیبوں سے مملو اس مطلع کے ساتھ آپکی نظر سے گذری ہوگی :-

از مہر تا بہ ذرہ دل و دین ہے آئینہ — طوطی کو شش جہت کے مقابل ہے آئینہ

نظیر کی غزل بھی اسی ٹکر کی ہے :-

بسکہ دل اسکا ہو مانوس خیال آئینہ — ہے وہ ملک حسن محو مثال آئینہ

تھا وہ پشتِ بام پر عکسِ آرسی یا ہم نے بھی — زورِ حکمت سے لیا بوسِ خیالِ آئینہ
تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے — بلبلِ تصویر و طاؤسِ خیالِ آئینہ
ہے اگر منظور سیرِ عالمِ حیرت نظیرؔ — تو دل اپنا کر تو محوِ خیالِ آئینہ

ی کی ردیف بہت بڑی ہے۔ دوسری غزل مسلسل ہے، دل کی جدائی کا نقشہ کیا بے مثل کھینچا ہے:

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے — کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے
ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رو لوں — تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہا لے
خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے — کہیں مت نکلنا اندھیرے اجالے
ترے اور بھی ہیں طلبگار کتنے — مبادا کوئی تجھ کو واں سے اڑا لے
نظیرؔ آہ دل کی جدائی بری ہے — بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

تغزل کے بلند پایہ نمونے اس غزل میں ملاحظہ کیجیے:

ہیں سب سے تو لے ماہ اشارات ولیکن — رہتی ہے پھری ابروئے خمدار ہمیں سے
محفل میں جو دیکھا تو ادھر تم ہو خفا اور — ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے
سمجھے گا جو رہنے کو نظیرؔ، اہلِ وفا کے — تو ملنے لگا وہ طرحدار ہمیں سے

رعایتِ لفظی کا کمال دیکھیے:

دل دیکھ شمعِ رو کے کوچے سے کب اٹھیں ہم — پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے

میر کے رنگ میں:

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے — دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
اسکی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپکر — تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

چاندنی کا مضمون بہت سے شعرا نے باندھا ہے۔ نظیرؔ کے یہاں پوری ایک غزل اسی کی ردیف میں ہے مطلع کی تابانی ملاحظہ ہو:

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی — خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

کس غضب کا ترنم اس غزل میں ہے، اور دیکھیے کہ فارسی ترکیبوں کا استعمال کس نفاست سے کیا ہے۔

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اسکے بیٹھنا، حسن کو اُسکے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں، باغ بھی اور بہار بھی

دیکھئے کیا ہو بے طرح، دل کی لگے ہیں گھاتمیں
غمزۂ پُر فریب بھی، عشوۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد، طرۂ تابدار بھی

نظیر کا مخصوص رنگ اس غزل سے ظاہر ہوتا ہے:۔

ہے پھنسا جو زلف میں اسکے دل تو بتاویں کیا تجھے ہم نشیں
کبھی بل سے بل کبھی خم سے خم، کبھی تاب پیچ سے تاب ہے

وہ خفا جو ہم سے ہو غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں، کبھی چشم غم سے پُر آب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رُخ پہ رُخ، کبھی لب پہ لب، کبھی ساغرِ مے ناب ہے

انشاء کی مشہور اور معرکۃ الآرا غزل ہے۔

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سوجھی
لا ہاتھ ادھر دے کہ بہت دور کی سوجھی

نظیر کی غزل بے ساختگی، سلاست، شگفتگی اور انداز بیان میں انشاء کی غزل سے کہیں فائق ہے۔
چند اشعار دیدۂ انصاف سے ملاحظہ ہوں:۔

دیکھ عقد ثریا ہمیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی

ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی

سر پاؤں سے جب پھنس گئے اُس زلف سیہ میں
تب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی

مشکل قافیہ اور ردیف میں بہتر سے بہتر شعر نکالنے میں نظیر کو ملکہ حاصل ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو:۔

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے ۔۔۔ اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی
پلکیں تو چھید ہی چکیں دل مارے بھی بر چھی نگاہ ۔۔۔ ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی

ایک اور مثال:۔

بہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے ۔۔۔ کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

نئی نئی تشبیہات، اور نئے نئے الفاظ کے ساتھ مضمون میں معاملہ بندی، نظیر کا خاص حصہ ہے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ جھمکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے ۔۔۔ اسی بالے کی دولت سے تمہارا بول بالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اسکی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں ۔۔۔ نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
وہ مکھڑا آگ سا اور اس پہ جو نارنجی دوشالا ہے ۔۔۔ سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے
کن انکھیوں کی نگہ گیتی، اشارت قہر چتون کے ۔۔۔ جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

عشق و محبت کے مختلف مدارج ایک شعر میں۔

ہنسے روئے بگڑے رسوا ہوئے جاگے نیند چھوٹے ۔۔۔ غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

اس غزل کا ایک اور بے مثل شعر۔

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدرد خوباں میں ۔۔۔ جو اسکے ہاتھ گل ٹوٹے تو ان کے ہاتھ دل ٹوٹے

وصل و عیش کی گھڑیاں کتنی جلد گذرتی ہیں، لیکن ہجر و مصیبت کا وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ اس مضمون کو نظیر نے یوں باندھا ہے۔

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں ۔۔۔ آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

فلسفیانہ واقعیت پسندی کی ایک بے نظیر مثال کلام نظیر میں۔

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی ۔۔۔ آپ نے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے

سراپا نگاری میں نظیر کے کمال کی بہت سی مثالیں گذر چکیں، ردیف ہی میں بھی یہ کمال کئی جگہ دکھایا ہے، ایک غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

جبیں مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہو

اور یہ غزل تو سراپا نگاری کے اعتبار سے اُردو شاعری میں بے نظیر مانی جا چکی ہے :-

رُخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب نام خدا ہو ترے قربان پری

جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری موتی پری اور کان پری

رشک خورشید جبیں، ابر سیہ سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلف پریشان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
قہر کاجل کی کھنچاوٹ، مسی و پان پری

بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھڑے ل جس سے
حور جنتی کی جھلک، گوہر غلطان پری

محاورے نظم کرنے میں نظیر کو مہارت ہے :-

اب ترے رونے کا عالم حد سے گذرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل، تھل کر بھر دیے

ایام شباب کی پُر حسرت یاد۔

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اُس وقت ہنر تھے

دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
زلفیں الم شام تھیں رُخ رشکِ سحر تھے

کیا شور تھے، کیا زور تھے، ہر لحظہ اہا ہا
کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانئے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

اور یہ مطلع کس غضب کا ہے۔

ہر اشک چشم سے موتی بہت پروئے گئے
دلے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے

یہ غزل سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے۔

کیا ادا کیا ناز ہے، کیا آن ہے
یاں پری کا حسن بھی حیران ہے

اُس کے سبز رنگ کی ہے چین میں دھوم
کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے

جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج
لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے

دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر ۔۔۔ جان بھی جی جان سے قربان ہے

اور یہ مقطع بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں :۔

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں ۔۔۔ یہاں نظیرؔ سے جب ہم فقط نظیر ہوے

کاروان شباب کے چشم زدن میں اور چپ چپاتے گذر جانے کی تصویر صرف ایک شعر میں کھینچ کر رکھ دی ہے

یوں کارواں شباب کا گذرا کہ گوش زد ۔۔۔ آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی

نظیرؔ کی فلسفیانہ نگاہ نے حباب کی مختصر زندگی سے انسانی زندگی کی کیا بے نظیر تمثیل دی ہے۔

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیرؔ ۔۔۔ ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ اک حباب سے

دنیا کی وقتی خوشی ہرگز قابل اعتبار نہیں، اس کو نظیرؔ نے یوں ادا کیا ہے۔

ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم ۔۔۔ کل سر کو پٹکنا ہے چمن کی روشوں سے

دل لگانے کے بعد کیا کیا ہوتا ہے، صرف ایک شعر میں۔

لے رو ٹھے، ہنسے، رو کے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے ۔۔۔ نظیرؔ اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

چشم تر کا مقابلہ ابر باراں سے ۔

مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہو کیا نسبت ۔۔۔ کہ وہ دریا کا پانی اور خون دل یہ برساتی

ایک اور جگہ "کچھ نہیں اور سب کچھ ہے"، کا مقابلہ ملاحظہ ہو۔

ہستیاں، نیستیاں، یاں بھی ہیں ایسی جیسے ۔۔۔ وہ کمر، اور وہ دہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہو

بے زری، فاقہ کشی، مفلسی بے اسبابی ۔۔۔ ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہو

ضمیمہ غزلیات

غزلیات کے ضمیمے میں بھی بہت سے قابل انتخاب اشعار ہیں، لیکن صرف چند ہی کے اندراج پر اکتفا کی جاتی ہے، کیونکہ ابھی نظیرؔ کے دیگر اصناف کلام پر اظہار رائے بھی کرنا ہے۔

گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا ۔۔۔ سب کچھ دیا، اگر دل بے مدعا دیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا، پر اللہ نے آسان کیا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

نظیر اُس شوخ نے سیکھی زبان فارسی جب سے
دلوں کے حق میں جز مشکن اسے مشکن نہیں آتا

ہر شب ترے فراق میں اے اختر مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنج ستارہا

ہے تو وہ مہر حُسن کہ ہر دم تری طرف
گل اختر سپہر ہیں گرم نظارہا

کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار ناز
رکھتی ہے ایک جنبش ابرو اشارہا

بدن گل، چہرہ گل، لب گل اور دہن ہے گل
سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

یہ دلِ نادان ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا
اسکو اپنا گھر سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

لکھیں نہ حرف وفا کیا کریں کہ اول سے
ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب

آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ
جو جنبشِ عشق ہر دو کے پاس سب ہے اب

طلب ہے کسکو رہائی ہے بحر ہستی میں
اگر صدف ہے تو اسکو بھی ہے گہر کی طلب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں اے دل
عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ حجاب

آ گئے ہی دل اپنا یہ سودائی ہو کم بخت
اور تس پہ سنا یہ کہ بہار آئی ہو کم بخت

یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی
سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں

ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو
کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں

میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو
یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدۂ شوخی رفتار تو ہم ہیں

ہم سے تو زرع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب
اپنی کھلی نہ تا بہ دم واپسیں گرہ

کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم بھولے
واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر سے — وہ کہتے ہیں غافل، یہ بقا ہے یہ فنا ہے
کیا دام زلف چاہیے جب جا بہ خال ہو — دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہو
گئی فلک تئیں پر اسکے دل میں راہ نہ کی — ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی
غنچہ لب، مہر جبیں، عارض گلفام پری — گلشن حسن ہو اب تو وہ گل اندام پری
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار — ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
لو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوکِ گیاہ — مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے
کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی چھنی، بھیگی، پسی مہندی — جب اتنے دکھ سہے تب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

تضمین نگاری

نظیر کے کلام کا ایک خاصہ بڑا حصہ تضمینوں پر مشتمل ہے، حضرت شہباز نے لکھا ہے:۔

"اُردو کے شعراء میں آج تک نظیر سے بہتر کسی نے تضمین نہیں کی۔ گویا نظیر تضمین کا بادشاہ ہے"

تذکرہ گلستان باطن میں لکھا ہے کہ تقریباً پورے دیوان حافظ کی تضمین اُردو میں کر ڈالی تھی۔ اس کے علاوہ پند نامہ سعدیؒ (کریما)، کی تضمین میں تو کہنا چاہیے کہ لفظ اور معنی ہر اعتبار سے سعدی سے مشابہت کاملہ حاصل کر لی ہے۔ سعدی کے علاوہ خسرو، کی بعض فارسی غزلوں، اور اساتذۂ اُردو کی متعدد غزلوں کی تضمین بہترین انداز میں کی ہے۔ کلام سعدی کی تضمین کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے — وہ حُسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اُسکی میں خوبی کے قرینے — خورشید رُخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

خسرو کی مشہور و معروف غزل کی تضمین۔

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری — قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبک دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری — اے چہرہ زیبائے تو رشک بتان آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیباتری

کلام حافظ کی تضمین میں کمال نظیر ملاحظہ ہو:۔

گو کہ مے پینے میں ہیں بدنامیاں — عزت و حرمت کا جاتا ہے نشاں
ہم تو سمجھے نہیں یہ، لا ساقی میاں — گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

اصل کمال تو کریائے سعدی کی تضمین میں دکھایا ہے، چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

الٰہی تو ستار و غفار ہے — مرا یاں گناہوں کا انبار ہے
نہ حامی کوئی نے مددگار ہے — اب اس بے کسی میں تو ہی یار ہے
نداریم غیر از تو فریاد رس
تو عاصیاں را خطا بخش و بس

کرم میں وہ خوبی ہے اے مہرباں — کہ ہوتا ہے جس کا ہر اک جا بیاں
زباں سے قلم سے قدم سے میاں — کیا کر کرم اور یقیں اس کو جاں
کرم نامدار جہانت کنند
کرم کا مدار امانت کنند

تکبر جو کرتا ہے یاں اختیار — وہ رہتا ہے لوگوں کی نظروں میں خوار
حذر اس سے رکھتے ہیں اہل وقار — یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار
کسے را کہ خصلت تکبر بود
سرش تخم غرور را از تصور بود

اُردو شعراء کے کلام پر بھی نظیر نے تضمین کی ہے۔ سراج کی غزل پر تضمین کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

کسی وقت کتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جب کہ مدرسۂ عشق میں تو اب آگے یاروکہوں میں کیا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی سو وہیں دھری رہی

فغاں کی غزل پر تضمین :۔

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے — اس کام کا آخر کو بدانجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زد عام نہ ہووے — ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

نظیر کے کلام میں مخمس بھی کثرت سے ہیں، اور ان میں بھی نظیر نے مہارت فن کا ثبوت قدم قدم پر پیش کیا ہے ۔ نمونے ملاحظہ ہوں :۔

سُرخی سے اسکے لب کی کب لعل ہو برابر — دنداں کو اسکے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پرخم نوک مژہ ہے نشتر — زلف اس صنم کی جب جا ہوتی ہو دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

ایک مخمس میں نظیر نے اپنی مشہور غزل کی تضمین کی ہے، پرلطف مقطع ملاحظہ ہو :۔

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے — کون سے درد و غم ہوے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے — یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جان، روح سے روح، دل سے دل

منہدی والی مشہور غزل کا مخمس ملاحظہ ہو :۔

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی منہدی — کہ باطن میں ہوئی ہے سُرخ، ظاہر میں ہری منہدی
کرے خونیں لوں سے کیوں نہ دم ہمسری منہدی — کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی منہدی

جب اتنے دکھ سہے جب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

خمسہ جات میں خمسہ رصفت زبان بھی نظیر کی قدرت کلام کو ظاہر کرتا ہے، لیکن عربی اشعار میں کاتب کی غلطی نے کلام کو بے لطف کر دیا ہے۔

یہ خمسہ واسوخت کے طرز میں ہے، ایک بند ملاحظہ کیجیے :-

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے — کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے — پر بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

"موتی"، کے عنوان سے نظیر کا خمسہ اُردو ادب کے دُرِ بے بہا کی حیثیت رکھتا ہے، اس شفاف نظم میں اس غواص سخن نے وہ جوہر طبع دکھائے ہیں اور ہر ہر زیور میں موتی ہی کی آب و تاب اور حسن و نزاکت پر وہ کمال سخندانی دکھایا ہے، جس کی داد نہ دینا ظلم عظیم ہے۔ سوانح نگارِ نظیر جناب شہباز کی تحقیق ہے کہ موتی، نظیر کی ایک محبوبہ کا نام تھا اور یہ نظم ساری کی ساری اُس کی تعریف میں ہے۔ پورا خمسہ طویل ہے، محض اقتباس پر اکتفا کرنی پڑے گی :-

کبھی وہ ناز میں ہنسکر جو کچھ باتیں بناتی ہے — تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے — وہ ہمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت — کہ خجلی ہے عقیق اور چنے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اُس پر پان کی رنگت — وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانہ قدرت
ادھر لعل اور اُدھر نیلم، ادھر مرجان، اُدھر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں — چمن کے گل سب اُسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں — فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشک قمر موتی

پری کے سراپا' والے خمسہ پر جناب مخمور نے بہت کچھ لکھا ہے، اور ان کے نزدیک یہ شاہکار لفظی مصوری کا جیتا جاگتا معجزہ اور جزئیات نگاری کا زندہ جاوید کرشمہ ہے۔ اُردو زبان کے شعری سرمایہ میں یہ ایک عدیم النظیر جمال پارہ ہے جسے دنیا کے کسی ادب کے بہترین عہد کے کارناموں کے مقابلے میں آسانی سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نظیر کا آرٹ اپنی پوری ندرت و قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے..... لفظوں کی ترتیب، ان کا توازن، ان کا ترنم، سارا اہتمام لاجواب و بے نظیر ہے۔ بحر کی موسیقیت ان محاسن پر مستزاد اور اپنی جگہ خود ایک لذت و مسرت ہے"۔ ذیل کے اقتباسات پڑھ کر آپ بھی مخمور کی اس رائے سے اتفاق کا اظہار کریں گے اور کلام کی خوبی آپ کو مست کیے بغیر نہیں رہیگی:

خونریز کرشمہ ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتال نگہ اور دشت غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ ویسی ہی
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دھج، جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب کڑے، پائل گھنگھرو، کڑیاں چھڑیاں، گجرے توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے،
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل، جی کی دشمن
مذکور کروں کیا اب یارو اس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو، تھرکے سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

"خواب کا طلسم" کہنے کو تو عاشقانہ خمسہ ہے، لیکن معنوی اعتبار سے اس میں فنا و بے ثباتی عالم کو دل نشین انداز میں ظاہر کیا ہے۔ ابتدا میں دنیا کی ظاہر فریبیاں دکھائی ہیں پھر ایک ستم پیشہ مہ لقا سے ملاقات اور وصال کا نقشہ کھینچا ہے اور آخر میں اس عارضی عیش و نشاط کا خاتمہ دکھایا ہے، اور اسے محض ایک خواب قرار دیا ہے، جس کے بعد محض اس کی حسرت باقی رہ جاتی ہے۔ آخری اشعار ملاحظہ ہوں:-

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں
چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں

اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ مجھ پہ پڑا آکے یک بیک　　آنکھوں سے میرے اُس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا، جل گئی پلک　　جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کالی گھڑی گھڑی

مسدسات

پہلا مسدس جدائی کے عنوان سے ہے، ہر بند چوٹ کھائے دل پر تازہ داغ لگانے والا اور فراق زدہ عاشق کو خون کے آنسو رُلانے والا۔ نمونے ملاحظہ ہوں:-

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا　　وہ ہے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا　　بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا
غضب ہے قہر ہے یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں　　گلی میں اسکی کبھی جا کے سر ٹپکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں　　نکلتی جاں نہیں اور نہ پڑا سسکتا ہوں
غضب ہے قہر ہے ......

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں اُٹھ اندوہناک　　جلا تا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ اور گریباں چاک　　یہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک
غضب ہے، قہر ہے ......

نہ سدھ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر　　نہ یاد باغ کی ہے اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر　　نہ ہوش دل کا ہے نہ مجھ کو تن بدن کی خبر
غضب ہے، قہر ہے ......

معاً بعد دوسرا مسدس "مجبوری محبت" کے عنوان سے ہے، اس میں بھی کمال غم نصیبی دکھانے میں کمال دکھادیا ہے:۔

گر ہاتھ دھو کر بیٹھ رہوں اب میں صبر کر   یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر   اس بیکسی میں آہ کہاں پٹکوں اپنا سر
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں

تیسرا مسدس بعنوان "فراق" ہے۔یہی رنگ اس میں بھی نمایاں ہے:۔

تم وہاں بیٹھے ہو، ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب   نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہے خواب
بیقراری یادگاری، انتظاری، اضطراب   کیا کہیں، تم بن پڑا ہے، ہم پہ اب کیسا عذاب
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے، جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

"التماس اخلاص" پر عاشق نے نشۂ جوانی سے سرمست معشوق کے سامنے عرض مدعا کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کی بے ثباتی کو ظاہر کرنے اور اُسے سنگدلی سے باز رکھنے کی بھی حتیٰ المقدور کوشش کر ڈالی ہے۔ اشعار میں ہندی ضرب الامثال کا استعمال بھی نہایت خوبی کے ساتھ ہوا ہے، اور تشبیہات کی جدت بھی قابل ملاحظہ ہے۔

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار   چاہنے والے سے کرلے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا، اور جوبن کا مت گن اعتبار   کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار
مان لے کہنا مرا، اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان، ہنس لے بول لے

اب تو منہ گل ہے، پیارے، پھر دھتورا آکھ ہے   آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا ساکھ ہے
جو اُٹھا شعلہ بھبھوکا، آخرش کو راکھ ہے   چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ہے

مان لے کہنا مرا اے۔۔۔۔۔۔۔

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پریرو بن رہے
چاند سے مکھڑے رہے اور گل سے اُنکے تن رہے

نہ کسی کا دھن رہے اور نہ سدا جوبن رہے
نہ سدا پھولے تری اور نہ سدا ساون رہے

مان لے کہنا مرا۔۔۔۔۔۔۔۔

وصل و فراق کے عنوان سے سعدیؒ کے مشہور شعر:۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

کی تضمین کی ہے:۔

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا
جب ہم نے کی نگہ تو لیا پردے میں چھپا

اپنا بڑھایا حسن، کیا ہم کو مبتلا
صد آفریں ہے، اے مرے عیار مہ لقا

دیدار می نمائی۔۔۔۔۔۔۔

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب۔

جب پھنس گئے ہم آہ تو جھٹکا دیا شتاب
اب فطرتوں کا تیری، غرض ہے یہی جواب

دیدار می نمائی۔۔۔۔۔۔۔

مسدس ''رضا جوئی'' کا مقطع، عاشقانہ تسلیم و رضا کی بہترین مثال ہے:۔

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیارے
یا تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اُڑا ہمارے

جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے
اب تو نظیر عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وہ وں بھی واہ وا ہے

ترکیب بند و ترجیع بند

نظیر کے اس مجموعۂ کلام میں چند ترکیب بند اور ترجیع بند بھی شامل ہیں ان میں بھی نظیر نے قدرت کلام

دکھائی ہے۔ ترکیب بند کا پہلا بند نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:۔

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا — ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور — تو پھر ادھر کو جھکتا وہ مہروار آیا
مزاج اس کا جو عاشق نواز ہے ہمدم — تو راہ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو — تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر — بھلا ہوا کہ تمھارا ابھی گل عذار آیا
خوشی یہ بولی تمھارے میں گرد خاطر ہوں
اِدھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

ترجیع بند میں معشوق سے مخاطبت کس زور و شور سے کی ہے:۔

اے گل اندام، دل آرام، پریزاد صنم — کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
نہ تکلم، نہ تبسم، نہ تلطف نہ کرم — کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
تو تو معشوق ہے، البتہ نہیں تجھ کو غم — لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت درد والم
چاہے شمشیر لگائے تو پر ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

چاندنی کے عنوان سے ایک نہایت پر لطف "گرہ بند" بھی اس کے ساتھ درج ہے۔ بحر کی روانی اور ترنم، مضمون کے لطف کو دوچند کرتی ہے صبح کی منظر کشی ہمارے شعراء نے کثرت سے کی ہے لیکن نظیر اس منظر کشی میں بھی فرد نظر آرہے ہیں:۔

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی — یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

اس شعر سے قبل بزم عشرت کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس پر بھی نگاہ ڈالیے، پھر اس شعر کا پورا لطف حاصل ہوگا

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک — چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک — یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک لپک

عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک ایسے مزے میں عیش میں آہ کہیں سے یک بیک

اسی نظم کا ایک اور شعر، قاآنی کے فارسی کلام کی یاد دلانے والا:۔

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟ یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری، وہ یا صنم؟

اس کے معاً بعد شب عیش بھی اسی ٹکر کی ہے، اس کا ٹیپ کا بند یہ ہے:۔

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

شب عیش کے پہلو بہ پہلو "سوز فراق" کے جملہ پہلوؤں کو ادا کرنا نظیر کے حصہ میں آیا تھا، اس نظم میں جس کا عنوان ہی سوز فراق ہے، اس کے ہر بند میں ایک شعر فارسی، اور ایک ہندی شعر کی تضمین کرتے گئے ہیں۔ دیکھیے الفاظ کتنے متناسب لائے ہیں:۔

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے جگر کی بے کلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپ ہی کو دکھ پانا بھی ہوتا ہے کف افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روز ازل داغ جدائی را نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی، پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی، پیت نہ کیجو کوئے

نظیر کے سے پرگو شاعر سے بحر طویل کیوں بچتی۔ کلیات میں دو مصرعے اردو کے اور دو فارسی کے درج ہیں۔ پہلے مصرعہ کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:۔

ایک دن باغ میں جا کر، چشم حیرت زدہ وا کر، جامۂ صبر قبا کر، طائر ہوش اڑا کر، شوق کو راہ نما کر، مرغ نظارہ اڑا کر، دیکھی رنگت جو چمن کی، خوبی نسرین و سمن کی، شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالۂ تر کی، تازگی گل کے بدن کی لچک

قطعات، قصائد و رباعیات

قطعات کے اقتباس قطعہ بند غزلوں کے تحت میں کثرت سے دیے جا چکے۔ قصائد کا عدم وجود

برابر ہے، حکیم باطن نے اپنے تذکرہ میں ان کے کسی قصیدے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ۔ شہباز کے خیال میں، غالباً قصائد کا کوئی بڑا مجموعہ ان کا موجود نہیں، البتہ غزلیات پر بعض بعض میں شوکت الفاظ، تسلسل مضمون، وغیرہ سے قصائد کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ قصائد کی کمی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نظیر فقیر منش تھے، بادشاہوں اور امرار و رؤسا کی مدح سرائی سے براحل دور رہتے تھے۔ بہر حال قصیدہ کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

توبس اس میں تو عبرت پذیر ہو اے دل — کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب
تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس — تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش برآب
تو آب جسکو سمجھتا ہے عطش غفلت ہے — وہ موج آب نہیں ہے، فقط ہے موج سراب

شہباز نے قصائد کے تحت میں ان دو مسلسل غزلوں کو بھی شامل کیا ہے:۔

(۱) یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب — اہل صورت کا ہے دریا، اہل معنی کا سراب
(۲) کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں — دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں

رباعیاں بھی تعداد میں بہت نہیں (اور شہباز کو تو ان کی اُردو رباعی ایک بھی نہیں ملی صرف فارسی کی چند رباعیاں ملیں) لیکن ان میں سلاست وروانی نمایاں ہے، اور بندش ہر جگہ بے مثل ہے:۔

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا — کھڑے میں عجب حسن کا نقشہ دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی — جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

ساقی سے جو ہم نے کا ایک جام لیا — پیتے ہی نشے کا، سر انجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے — یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

مثنویاں

صرف تین مثنویاں شامل مجموعہ ہیں پہلی کا نام مثنوی سیر دریا ہے، یہ تمہید، صفت کشتی، صفت دریا۔

صفت شیریں آب، صفت موج، صفت حباب، صفت گرداب، صفت ماہی، صفت صدف، ریگ صفت ساحل، صفت ذرۂ ریگ اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس صفت سخن میں شاعر کی روانی طبع کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو | شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثل باد | جس کو ہووے آرزو باد مراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق | جس کے چپو ہوں بدست اشتیاق

شیریں آب کے وصف میں معنوی لذت کے ساتھ رعایت لفظی سے بھی لطف اندوز ہوتے چلیے:۔

قند ہی چپکا نہ تھا کچھ ہو کے مات | منہ سے مصری کے بھی نکلی تھی نہ بات

دوسری مثنوی اس زمانہ کے عوام رواج کے مطابق ایک پری کے قصہ پر مشتمل ہے۔ تمہید کے شعر یہ ہیں:

عجب دلکشا عالم حسن ہے | عجب جانفزا عالم حسن ہے
ادا حسن کی وہ ہے اور یہ آن بھی | کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی
جہاں صاحب حسن تشریف لائیں | تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں
اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں | خوشامد کریں دل سے خدمت کریں
جنھیں ناز ہیں ہنس کے دشنام دیں | وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں

تیسری مثنوی ایک عشق کی داستان ہے، میر تقی میر کی دریائے عشق، مصحفی کی بحر المحبت، اور نواب مرزا شوق کی زہر عشق، سبھی میں عشق کے بارہ میں بہترین اشعار موجود ہیں، نظیر کے یہاں بھی اس جنس کا کال نہیں:۔

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے | عجب عشق کی رسم اور راہ ہے
عجب عشق کی شوکت و شان ہے | عجب عشق کا طور و عنوان ہے
عجب عشق کا رمز اور راز ہے | عجب عشق کا سوز اور ساز ہے

اور اشعار تو میر حسن کی شہرہ آفاق مثنوی سحر البیان سے مشابہت رکھتے ہیں:۔

ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں پھر رہیں ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے

نظمیات

مثنویات کے بعد کلیات میں ایک عنوان نظمیات کا قائم کیا گیا ہے اور اس میں بسم اللہ'' نظیر محراب عبادت ہیں'' سے کی گئی ہے۔ یہ ایک قسم کی مناجات ہے مقطع ملاحظہ ہو:۔

ترا شکر احسان ہو کس سے ادا ہمیں جھرسے تو نے پیدا کیا
کیے اور الطاف سب بے انتہا نظیر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

حمد باری میں دوسری نظم ''اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم'' میں اعلیٰ درجہ کا ترنم پایا جاتا ہے اور معنوی خوبی کا تو کہنا ہی کیا۔ موحد کی زبان سے اسکے سوا اور کیا نکل سکتا ہے:۔

تو خالق ارض و سما تو حاکم قدرت نما ہے حکم تیرا جا بجا ئے عرش تا تحت الثریٰ
برتر، مقدس، ذوالعلا بندے ترے شاہ و گدا دنیا و دیں کی یا خدا، برحق تجھی کو ہے روا
فرمانروائی، حاکمی، شاہی، خدائی، سروری

حمد کے بعد نعت نبیؐ ملاحظہ ہو:۔

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ سرگروہ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
رحمت للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

کلمہ کی تعریف میں ایک ایمان پرور نظم کہی ہے، ایک بند اُس کا بھی:۔

اسی کلمے سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر

اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھل کر — یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہے برتر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے — اگر یاں سے تو جاوے گا تو پھر واں بھی سلامت ہے
پڑھیگا جو اسے اسکا دل و جاں بھی سلامت ہے — اسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسکے بعد حضرت علیؓ کی منقبت بھی اسی جوشِ عقیدت کے ساتھ کی ہے :-

اسی نے ایک حملہ سے گرایا باب خیبر کا — کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
پہنچ بحر العلم میں کود کر دیووں کو جا مارا — ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منہ موڑا
بہادر بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

حضرت علیؓ کے معجزہ والی نظم بہت مشہور رہ چکی ہے اور اب بھی فقراء اسے خوش الحانی سے گاتے اور اس کی بدولت پیسے کماتے ہیں۔ اس نظم میں واقعہ نگاری کے ساتھ جذبات نگاری کا بھی کمال دکھایا ہے الفاظ ایسے چن چن کر رکھے ہیں کہ بلیا خستہ سننے والے پر اثر کرتے ہیں۔ نظم کا ہر بند پر کیف ہے مقطع نظیر کے جوشِ عقیدت کا آئینہ دار ہے :-

اے شاہ یہ نظیر تمہارا غلام ہے — رکھتا سوا تمہارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پر گناہ ہے اور ناتمام ہے — دن رات اسکا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجیو میری آبرو یا شیر کردگار

خیبر کی لڑائی میں "رزم نگار" نظیر، رزم نگاری کا کمال دکھاتے نظر آتے ہیں۔ نظم میں قافیے بھی سنگھاڑا، گڑاڑا، پچھاڑا، اکھاڑا، دہاڑا وغیرہ لگا کر پوری حربی شان پیدا کر دی ہے۔ نظم آواز بلند سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی برابر کی چوٹیں چل رہی ہیں اور میدان کارزار گرم ہے

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں — سب یہ ہوئے مولیٰ کے ضربے تو نمایاں
اس کے رفیقوں کے تب چھٹ گئے اوسان — مولیٰ نے اسے مار کے ٹھوکر سے اٹھی آں

حارث کو کچل کوٹ کے مرحب کو پچھاڑا

تھا ان میں ہی اک وہ پہلوان زور آور	مرحب کو اٹھانے لگا آکر وہ زور آور
دُلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر	اک لات جڑی قہر کی، دانتوں سے پکڑ کر

یوں چاب لیا، جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

مدح پنجتن میں نظیر کے قلم کی روانی، جس کے ساتھ والہانہ عقیدت بھی شامل ہے، ملاحظہ ہو:۔

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی	اور آرزو ہے ساقیِ کوثر کے جام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی	تسبیح ہزار دانہ ہے اور اُنکے نام کی

سمرن مجھے بھلی ہے، یہ پنجتن کے نام کی

نظیر کی شیعیت، اہل سنت کے بزرگوں خصوصاً صوفیائے کرام کے ساتھ اظہار عقیدت میں کبھی بھی مزاحم نہیں ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعصب اور تنگ نظری سے نظیر بالکل مبرا تھے۔

پہلا بند ملاحظہ ہو:۔

ہیں دو جہاں کے سلطان حضرت سلیم چشتی	عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سردفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی	مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی

سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

ایک اور شیخ طریقت حضرت شیخ علی مخدوم جلالی ملقب بہ داتا گنج بخش (جن کا مزار لاہور میں ہے) کی شان میں نظیر نے اسی قسم کا خراج عقیدت پیش کیا ہے:۔

کر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیر	اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیر
رکھ ان کی یادگی میں تو ہر حال اے نظیر	رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیر

ہے دل سے جو غلام، گر و گنج بخش کا

تقریبات اہل اسلام

نظیر، اپنے زمانہ کی معاشرت کی تصویر کشی میں اپنے سارے معاصرین ہی پر فوقیت نہیں رکھتے

بلکہ اس سلسلہ میں بہت کچھ ایجاد و اختراع کا سہرا اُنھیں کے سر ہے۔ اور اس معاشرت کے بیان میں وہ خاص طور سے عوامی شاعر کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے مذہبی و نیم مذہبی تقریبات پر بھی دل کھول کے طبع آزمائی کی ہے اور اُن کی ذرا ذرا سی جزئیات کو بھی انتہائی حسن کاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دیکھیے شب برات کی آتشبازی کس طرح چھڑائی ہے۔

اُڑ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی · اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی جھڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی · پاؤں سے لپٹی شور مچا کر شتلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا، آنکھیں جھلس گئیں · چھاتی کسی کی جل گئی، باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں جلیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں · مونچھیں کسی کی پھنک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

عید کی تقریب سعید، پر نظیر کی گلفشانی، سبھی کو مست کرنے والی ہے۔

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی · اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی · کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے · شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جوان کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے · لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے
ایسی نہ شب برات الخ......

لیکن جو بد نصیب عاشق، عید کے روز بھی محبوب سے بعید و مہجور رہا، اس کی ہجران نصیبی پر آنسو بہانے اور آہ سرد بھرنے کا حق بھی نظیر ہی نے "عید" کے عنوان کی ایک اور نظم میں ادا کر دیا ہے:

رکھتے تھے ہم اُمید یہ دل میں کہ عید کو · کیا کیا گلے لگا دیں گے دلبر کو شاد ہو

سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جُو　　تھی اُس عید کی، سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دلِ امیدوار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے　　یعنی کہ عیدگاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے　　ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

وطن مالوف اکبر آباد (آگرہ) کی محبت نظیر کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی، وہاں کی ایک ایک چیز کی تعریف میں وہ رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ وہاں کی عیدگاہ کا نظارہ عید کے دن کا دکھایا ہے:۔

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں　　تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں　　سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار　　خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار　　غل شور باجے بھونپے کھلونوں کی ہو پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

تقریبات اہلِ ہنود

ہندوؤں کی تقریبات، میلوں ٹھیلوں، نیز ان کے ماقبل تاریخ کے واقعات کو جنھیں ان کے یہاں مذہبی درجہ حاصل ہے، جس خوش اسلوبی اور قادر الکلامی کے ساتھ نظیر نے نظم کیا ہے، اس کی مثال اُردو کے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ ہر ایسی چیز کے بارہ میں انھوں نے اتنی جزئی واقفیت کا اظہار کیا ہے، اور ایسی نظموں میں الفاظ اور محاورے، اور تلمیحات تشبیہات بھی اس قسم کے لائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب، اُس کی تاریخ، اور رسوم

نیز ہندو معاشرت پر ان کی نظر کتنی گہری تھی، پیرایۂ بیان ہر جگہ عقیدت کا ہے، اور

با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

کا مصرعہ نظیر پر حرف بحرف صادق نظر آتا ہے۔

بسنت کے رنگین تہوار پر طبع آزمائی کرتے وقت شاعر بالکل مست و بیخود نظر آتا ہے اس کا شمار رندانِ آزاد میں کرنا پڑتا ہے:۔

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ ۔۔۔ سب کھیت اٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھنجھاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ ۔۔۔ ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی الجھی جھاڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

ایک اور نغمہ اس تہوار کا سنتے چلیے:۔

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی ۔۔۔ ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جان بسنت آئی
سنتے ہی اس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر ۔۔۔ پوشاک زر فشانی اپنی وہ ہیں رنگائی
اک نکھڑی اٹھا کر نازک سی انگلیوں میں ۔۔۔ رنگت پھر اس کی اپنی پوشاک سے ملائی

بعض غزلیں بھی پوری کی پوری بسنتی رنگ میں رنگی نظر آتی ہیں، ان کے اقتباسات غزلیات کے تحت گذر چکے۔ اب ہولی کی بہار دیکھیے۔ اس کلام کے دیکھنے کے بعد اب کون معترض کہہ سکتا ہے کہ اُردو محض مسلمانوں کی زبان ہے جس میں ہندوؤں اور ہندوستان کی ہر قابل ذکر چیز کو مسلمان شعرا اور ادیبوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا ہے۔ ہولی پر نظیر کی متعدد نظمیں ہیں پہلی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔ اظہار مسرت و سرخوشی کا بالکل وہی عالم ہے جو انکی عید والی نظموں کا ہے:

ہوا جو آکے نشاں آشکار ہولی کا ۔۔۔ بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا
سرور، رقص ہوا بے شمار ہولی کا ۔۔۔ ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا

زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

یہی عیش و طرب کا رنگ دوسری نظم میں دیکھیے:۔

گھنگھرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار — سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی ٹنکار
طبلوں کے کھڑکے طبل پہ سازوں کے بجے تار — راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکار رہے ہیں مردنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اور اس نظم کی بحر کتنی پرکیف اور کتنی موسیقی بھری ہے:۔

یہ روپ دکھا کر ہولی کے جب نین رسیلے ٹک مٹکے — منگوائے تھال گلالوں کے بھر ڈالے رنگوں سے مٹکے
پھر سانگ بہت تیار ہوئے اور ٹھاٹھ خوشی کے جھمکے — غل شور ہوئے خوشحالی کے اور ناچنے گانے کے کھٹکے
مردنگیں باجیں تال بجے کچھ کھنک کھنک کچھ دھنک دھنک

جب خوب ہاں آ کے رنگ پڑے پھر کیا کیا ہولی جھمک اٹھی — کچھ حسن کی جھمکیں ناز بھریں کچھ شوق ناز اداؤں کی
سب چاہنے والے گرد کھڑے نظارہ کرتے ہنسی خوشی — محبوب نشے کی خوبی میں پھر عاشق اوپر گھڑی گھڑی
ہر رنگ چھڑکتے سرخی کے کچھ لپک لپک کچھ چھپک چھپک

ایک اور نظم کا مقطع:۔

نظیرؔ ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے — وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے — جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

اور "ہولی کی بہاریں" والی نظم تو نظیر کے بہترین کلام میں شمار ہونے کے قابل ہے، موسم کی پوری کیفیت لفظوں کے ذریعہ بیان کردی ہے اور ہولی کی رنگ رلیوں کی دلچسپیاں نہایت وجد آور طرز پر دکھائی ہیں:۔

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی — اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی — خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا — وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شراب میں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا — اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا ہو محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہی بہار ایک دوسری جگہ نظیر کے پر بہار اور سحر کار قلم سے :-

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں — رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں — کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

دیوالی کے تہوار پر بھی نظیر نے طبع آزمائی کی ہے :-

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا — ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا — کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تہوار — کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار — ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

راکھی کی نظم رکشا بندھن کے تہوار سے تعلق رکھتی ہے، اس میں عاشقانہ جذبات کی بہترین مصوری کی گئی ہے :-

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی — جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہاہا، غنیمت ہے یہ عالم بھی — اٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

کنھیا جی کی راس، ہندوؤں کی خاص دلچسپی کی نظم ہے اس میں ہندی الفاظ کا استعمال نہایت بے ساختگی سے موجود ہے :-

ہے روپ کشن جی کا جو دیکھو عجب انوپ اور ان کے ساتھ چمکے ہے سب گوپیوں کا روپ
مہتابیاں چھٹیں ہیں گویا کھل رہی ہے دھوپ اس روشنی میں دیکھ کے وہ روپ اور سروپ

ہر آن گوپیوں کا یہی کھل بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

بلدیو جی کا میلہ' نظیر کی بیانیہ نظموں میں سرفہرست بنائے جانے کے قابل ہے جس میں صرف میلہ ہی کی جامع اور دلچسپ تصویر نہیں کھینچی ہے بلکہ اس زمانہ کے تمدن و معاشرت کا پورا نقشہ صحیح صحیح کھینچ دیا ہے۔ کہیں بھی تصنع اور آورد کا پتہ نشان نہیں۔ ہندوؤں کے یہاں کی تلمیحات اس نظم میں کثرت سے لائی گئی ہیں اور الفاظ بھی انھیں کے مناسب و متناسب :-

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں باہرا، کہیں مدن موہن کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن
سب سروپوں میں ہیں اسی کے جتن کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن بن کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
روز بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان آئے ہیں دور دور سے انسان
کوئی درشن کوئی دعائیں مان سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھل رہے ہیں گل ریحان ہار بدھی، مٹھائی اور پکوان
بھیڑ، انبوہ، غل دکاں دکان اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے الخ.....

آگرہ سے متعلق نظمیں :-

نظیر کے کلام میں اُن کے وطن ثانی اکبر آباد (آگرہ) کا مقامی رنگ بھی کثرت سے ملتا ہے۔

وہاں کے عرس اور میلوں اور ہر قسم کی تفریحات، عمارات وغیرہ کے بارہ میں انھوں نے بہت کچھ کہا ہے اور چونکہ دل سے کہا ہے اس لیے بہت خوب کہا ہے۔ ہولی، دیوالی، عید، شب برات وغیرہ کے سارے ہندو مسلم تہواروں میں انھوں نے آگرہ ہی کی مقامی خصوصیات ان تہواروں کے منانے کے سلسلہ میں دکھائی ہیں۔ نظم اکبر آباد میں حُبِ وطن کا جوش ہر مصرعہ سے نمایاں و عیاں ہے، اور وطن کی ترقی اور راحت فیت کے لیے دُعا بھی انتہائی صدقِ دل سے کی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:۔

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری شرمندہ جسکو دیکھ کے ہو عارضِ پری
ہر شام کبھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری لیلیٰ اگر کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن رُوئے مہر طلعت و شب زلفِ مہوشاں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام
ہر طور دل لیے ہے خوش اور طبع شاد کام میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دُعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

آگرے کی تیراکی، نظیر کے سے غواص سخن کا قلم ہی صحیح صحیح دکھا سکتا تھا۔ آگرہ میں دریا کے کنارے جتنے قابل ذکر و قابل دید مقامات واقع تھے، اُن سب کا نام اس نظم میں درج ہے، اب ان میں سے بہت سے مقامات فنا ہو چکے، لیکن نظیر کی نظم کی بدولت اُن کے نام زندہ چلے آتے ہیں۔ تیراکوں کی خاص اصطلاحیں بھی اس نظم میں موجود ہیں۔ اور تیراکی کا سماں تو ایسا دکھایا ہے کہ بیساختہ زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے:۔

جمنا کو پاٹ گویا صحنِ چمن ہے بارے پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے گورے پیارے پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں، کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

"حضرت سلیم چشتی کا عرس" والی نظم میں شاعر نے بکمال خلوص گلہائے عقیدت مزارِ شیخ پر نذر گذارے ہیں:۔

رنگ ہے گلشن بہشتی کا　　عرس حضرت سلیم چشتی کا

"تاج محل" دنیا کی مشہور اور لاجواب عمارتوں میں ہے، اس کا مکمل مرقع، نظیر ہی کے یہاں موجود ہے۔ عمارت کی ایک ایک خوبی گنائی ہے، اس کے چمن کی بہار دکھائی ہے، اُسکے نقش و نگار کو سراہا ہے:۔

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے　　مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے　　روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

گنبد ہے اُسکا زور بلندی سے بہرہ مند　　گرد اسکے گرزیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سرِ گنبد سے سربلند　　ایسا ہلال اُس میں سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

اب آگرہ کا شہر آشوب بھی ملاحظہ ہو، غریب طبقہ کے حال زار کا کیسا اچھا نقشہ کھینچا ہے اور صاحب مقدرت لوگوں کو ان کی اعانت پر آمادہ کیا ہے:۔

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی　　کوٹھے کی چھت نہیں ہے، یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی　　ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جو ایک بار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ　　آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ　　وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

آگرہ کے کھیل تماشوں کے ذکر میں بھی نظیر نے خوب جولانی طبع دکھائی ہے "کبوتر بازی" والی نظم میں کبوتر بازی پوری تفصیل سے بتائی ہے۔ ایک شعر خاص طور سے قابل ذکر ہے:۔

تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر / جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر نادِ کبوتر

نظم "ریچھ کا بچہ" بظاہر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت ایک اعلیٰ درجہ کی تمثیل ہے:-

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا / لڑنے کے سوا ناچ بھی اسکو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی سے تئیں گت پہ بجایا / اس ڈھب سے اُسے چوک کے جھمگٹ میں نچایا

جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچہ

اسی جوڑ کی ایک اور ظفلانہ نظم اژدھے کا بچہ لکھی ہے:-

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچہ / اور بیچتا ہے کوئی طوطی ہرے کا بچہ
مینا بیا لٹورے اور ابلقے کا بچہ / تیتر بٹیر، سارس، شکرے لوے کا بچہ

سب بیچتے ہیں آکر چلتے کھرے کا بچہ
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچہ

مدارج عمر

عمر کے مختلف مدارج، لڑکپن، جوانی، ضعیفی، سب کی تصویریں نظیر کے شاعرانہ قلم نے جس خوبی سے کھینچی ہیں ان کی نظیر اچھے اچھے اُستادوں میں بھی کم ملے گی۔ ان میں طفلی کا مضمون تو شاید سب سے اچھوتا ہی ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو:-

کیا دن تھے یارو وہ بھی جبکہ بھولے بھالے / نکلے تھی دائی لے کر پھرتی کبھی دوالے
روئی کوئی رکھالے، بدھی کوئی پنھالے / ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

"لطف شباب" کے عنوان سے عیش مجسم بنی ہوئی نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا / جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا کہیں شیدا

پھندے ہیں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا   مرتے ہیں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اب "عالم پیری" کا پرحسرت نقشہ ملاحظہ ہو۔ نظم خاصی طویل ہے اور اسے بہت شہرت حاصل ہو چکی ہے، متعدد یورپین ناقدین مثلاً ڈاکٹر فیلن اور فرانسیسی مستشرق موسیو دی تاسی نے اس کی بہت کچھ توصیف کی ہے:۔

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا   اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں، غم لائے بڑھاپا   ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے   چُہلیں ہیں بہاریں ہیں پری رو ہیں جھمکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے   وہ عیش و طرب کرتے ہیں ہم سر ہیں پٹکتے
سب چیز کو ہوتا ہے الخ۔

اس نظم کا صرف ایک اور شعر پڑھتے چلیے:۔

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے   ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے

"بڑھاپے کے عشق" پر نظم دوسرے رنگ کی ہے، اس میں فارسی کے مشہور شعر ؎

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است   در شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

کی تضمین کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:۔

طاقت بدن میں کہیے تو اب نام کو نہیں   ہوتا ہے اب بھی سیر تماشا اگر کہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دلشاد ہم وہیں   جو ہم کو دیکھتا ہے، وہ کہتا ہے "آفریں"
پیرے کہ دم ز عشق الخ ......

نظیر کو مناظرہ نگاری میں کمال حاصل ہے۔ اس کے دو بہترین نمونے "مناظرۂ شیب وشباب" اور دو موازنہ زور و کمزوری' میں ملتے ہیں۔ اول الذکر میں جوانی اور بڑھاپے کے سارے لوازم وامتیازات مکالمے کے طرز میں نہایت روانی کے ساتھ نظم کیے ہیں۔ بعد میں جدید اردو شاعری میں مولانا حالی نے غالباً اسی اسلوب کو پیش نظر رکھ کر "مناظرۂ رحم وانصاف" پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ وغیرہ نظمیں لکھیں۔ دو بند ملاحظہ ہوں:۔

ادھر ہے تیر سا قامت اُدھر وہ پیٹھ کماں
اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں
جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سن بڑھاپے میاں
کہ تیری خیر اسی میں ہے چل سرک اس آں
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

بڑھاپے کا جواب اس دوسرے بند میں:۔

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ
تو ہم بھی سوکھ کے جھڑبیری کے ہوئے ہیں جھاڑ
ابھی کہے تو تیرے کپڑے لتے ڈالیں پھاڑ
ذرا سی بات میں اکدم کے بیچ لیویں اکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

اب زور و کمزوری کا موازنہ دیکھیے

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں
خرمی خوشدلی و عیش وطرب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہیے عجب زور میں ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر
جس میں نہ طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ، دل آزردہ، بدن سخت حقیر
جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہیے نظیر
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

عبرت و فنا

نظیر کے یہاں یوں تو عیش وطرب، زندہ دلی و ہوسناکی کے مضامین کی بہتات ہے، لیکن دوسری طرف

عبرت و فنا کے مضامین کی بھی کمی نہیں بلکہ اگر دیدۂ انصاف سے دیکھا جائے تو نظیر کا اصل اور طبعی رنگ سخن یہی ہے اور اس رنگ میں انھوں نے جو کچھ کہا آج بھی سخت سے سخت دل والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پہلے "موت کا دھڑکا" سنیے:۔

ہے دم کی بات جو تھے مالک اپنے گھر کے ۔۔۔ جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے ۔۔۔ پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے میاں کدھر کے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہے

"کل نفس ذائقۃ الموت" کی تشریح عام فہم مثالوں کے ذریعہ۔ صرف ایک بند ملاحظہ ہو:۔

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا ۔۔۔ یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا ۔۔۔ پوسے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکاں محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

ایک اور پُر عبرت نظم عالم گذران کے عنوان سے ہے:۔

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر ۔۔۔ اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر ۔۔۔ اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا ساتھ تو پھر کیا

"فنا نامہ" میں گویا آیت کریمہ "کل من علیہا فان" کی تشریح عام فہم اور حد درجہ موثر مثالوں کے ذریعہ کر ڈالی ہے:۔

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا ۔۔۔ کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لے گرز اجل کا جب چوبدار آیا ۔۔۔ اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا
ہانسی، حصار، ٹھٹھا[ل]، بھکر ہوا تو پھر کیا

ل یہ سب مقامات کے نام ہیں ۱۲

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت — مُردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں، دھوئی ہر اک کی زحمت — جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقماں یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

ایک اور نظم اسی رنگ کی "مراتب دنیا محض بے ثبات ہیں" کے موضوع پر:—

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر — میوے مٹھائی بامزے حلوائے تر شیر و شکر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر نظر — ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر در بدر
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

"رہے نام اللہ کا" کا مقطع جس میں شعر و سخن کی بے ثباتی دکھائی ہے، خاص طور سے قابل ذکر ہے:—

یہ شعر و غزل اب جو بنائے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب ذرا طلسم زندگی کی حقیقت ملاحظہ ہو:—

آہ کیا کہیے رہی جب تلک اپنی حیات — تھے ہند سے کیا کیا تعلق، اپنے جینے جی کے سات
جب مٹے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات — زندگی اپنی تھی کل جو تھی گھڑی کی کائنات
اتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

اس ایک دن اور ایک رات میں جو کچھ ہم نے کیا اس کی تفصیل کا ایک نمونہ:—

پھر آگئی ان رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر — مسجد، تالاب، مندر، حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر — تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر
اتنے عرصہ ہی میں الخ.........

انسان خاک کا پتلا ہے، اور آخر خاک ہی میں اسکو ملنا ہے، یہ حقیقت نظیر کے عارفانہ قلم سے ملاحظہ ہو:

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کج کلاہ ۔۔ تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ بھی مثلِ ماہ
جاتی ہے ان کی قبر پہ جب دم مری نگاہ ۔۔ روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کہہ کے دمیں آہ

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

یہی عبرت اور فنا کا مضمون ایک اور نظم میں دیکھیے :۔

یا کوٹھی کر کر بیٹھ ہوئے یا کھود زمیں کو کھیتی کی ۔۔ لکھ ڈالیں بہیاں لاکھوں کی یوں ڈالی دھرتی بُری بھلی
جب ہنڈی آئی مالک کی اور آ کر جم کی بھیج لگی ۔۔ یا کوٹھی کوٹھے بیٹھ گئے وہاں کھیتی باڑی کھیت رہی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک رہے
جب موت سے آ کر کام پڑا سب قصے قضیے پاک رہے

"بعد از فنا"، نظم میں جنازہ کا منظر دکھاتے ہوئے اُس زمانہ کی ساری سواریوں اور ان سے متعلق سارے الفاظ جمع کر دیے ہیں۔ یہ سب سواریاں اب متروک ہو چکی ہیں :۔

گھڑ بہل، فیل بہل، شتر بہل، راہ وار ۔۔ ہرنوں کی بہل، بکری بہل، گھنٹے گھنگھرو دار
الک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار ۔۔ پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بچاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ، اور وہ چنڈول بگھیاں ۔۔ وہ بلیں، وہ بوچے، وہ چوپائے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھٹ کھڑیہ پہ رواں ۔۔ بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا، میاں

جب چار کاندھے پر الخ........

فقیروں کی صدا، یا "پیری کی سواری، اور سفر آخرت کی تیاری" بھی نہایت درجہ عبرتناک ہے۔ اس میں خاص طور سے بوڑھوں کو مخاطب کیا ہے کہ اب زندگی ختم ہوا چاہتی ہے، چلنے کی تیاری کرو، ہندی الفاظ کو اس خوبی سے نظم کیا ہے کہ روانی اور تاثیر دونوں میں انتہائی اضافہ ہو گیا ہے۔

قربِ موت کے علامات جس طرح اس نظم میں دکھائے گئے ہیں اُردو شاعری میں اُنکی مثال کہیں اور نہیں ملتی:-

یہ اسپ بہت کودا اچھلا، اب کوڑا مار زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا، لشکر بھاگ چکا، اب میان میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا، چاندی بال ہوئے منہ پھیلا، پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی، دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا الخ ....

بنجارہ نامہ، نظیر کی مقبول ترین نظم ہے عرصہ تک اُردو کی درسی کتابوں میں اس کے اقتباسات پڑھائے جاتے تھے، اور اب بھی شاید کہیں کہیں رائج ہے اسکی بحر عبرت و حسرت کے مضامین کے اظہار کے لیے نہایت موزوں ہے اور الفاظ بھی ایسے چُن کر استعمال کیے ہیں کہ ان سے بہتر ذکرِ فنا کے لیے اور مل نہیں سکتے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ناصحانہ نظم ہے جس میں بنجاروں کی خانہ بدوش زندگی سے انسان کی حباب آسا زندگی کی مماثلت دکھائی ہے:

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا، بیل شتر، کیا گونی پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول، موٹھ مٹر، کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر، مصری قند گری، کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ، مرچ، کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نظیر کے یہاں مناظرِ قدرت کی مصوری بھی بہت اعلیٰ قسم کی ہے۔ آجکل کی نیچرل شاعری کے قدردان اُن پر بےساختہ سر دھنتے ہیں۔ نئی نئی تشبیہات نے لطفِ کلام کو دوبالا کر دیا ہے برسات کے مناظر ان کے یہاں خاص طور سے دلفریب ہیں صرف ایک بند ملاحظہ ہو:-

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اٹھا کر	ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سُنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر	کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر
آیا ہے چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

برسات میں ان کی سب سے مشہور نظم "برسات کی بہاریں" ہے۔ اس میں آزادانہ برسات کی مصوری کی گئی ہے اور ساتھ ہی جہاں عاشق کے اضطراب کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں ہندی شاعری کی خصوصیت یعنی عورت کو عاشق قرار دیکر اس کے صدمۂ ہجر کی وضاحت کی گئی ہے:۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں	سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں	ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سناتی	سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دُھن کو سن کر بے کل ہے کہتی جاتی	مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی
کیا کیا مچی ہیں الخ.........

برسات کے بعد اب جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ محاکات کا کمال دکھا دیا ہے:۔

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	پالا بھی برف پگھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا غم ٹھونک اُچھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر کے یہاں اخلاقی شاعری کا سرمایہ اتنا موجود ہے کہ انھیں آسانی سے اُردو کا سعدی قرار دیا جا سکے۔ اس قسم کے کلام کے کچھ نمونے بھی ادھر گذر چکے اب کچھ اور ملاحظہ ہوں۔ "مذمت دنیا" کی نظم میں فارسیت نمایاں و مطالب نہایت بلند پایہ ہیں

وہ ناز و حسن رکھتی ہے لے دل یہ پیرزال	جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکھ جال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و بال	ہوتا ہے آخر اسکے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

ایک اور نظم اسی مضمون کی جس میں اعمال کی سزا و جزا نہایت موثر انداز میں دکھائی ہے :۔

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے　　نیکوں کو نیکی کا مزہ، موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دے موتی ملیں، پتھر میں پتھر دیکھ لے　　گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہات لے

نظم آئینہ میں "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی دلنشین تشریح کرتے ہوئے انسان کی عظمت و جلالت قدر پر روشنی ڈالی گئی ہے:

لے آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ　　صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور خطِ مشکبار دیکھ　　زلف دراز و طرّۂ عنبر تتار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نظیر کے فلسفیانہ کلام میں "آدمی نامہ" سر فہرست قرار دیے جانے کے قابل ہے انسانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں کی بہترین عکاسی کی گئی ہے، نظم کی سادگی، روانی اور بے تکلفی بے نظیر ہے :۔

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر کا ہنس نامہ آج تک زندہ و مقبول ہے، معنوی اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حکیمانہ تمثیل ہے اور ظاہر خوبی میں سب سے نمایاں اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جتنے پرندوں کے نام اس نظم میں جمع کر دیے ہیں اُردو کی کسی نظم میں نہیں مل سکتے

چنڈول اگن ابلقے چھپان، بئے ڈھیر　　مینا و بئے کالکلے، بگلے بھی سمن بر
طوطے بھی کئی طور کے ٹوئیاں کوئی لہبر　　رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر
اس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

نظیر کا فارسی کلام زیادہ تر متفرق اشعار، دو چار غزلوں، چند قطعات و رباعیات اور سات خطوط منظوم اور

دو واسوخت پر مشتمل ہے۔ روضۂ تاج گنج کی تعریف کا قطعہ ملاحظہ ہو:۔

فضائیش پُر بہار و نزہت افزا — بہر جا نرگس و نسریں ہیٹا
چنیں خوبی کہ از ہر سو عیان است — ہمہ از دولت شاہ جہان است

ایک رباعی بھی ملاحظہ کرتے چلیے:۔

یک بار بآں سمن بر غنچہ دہن — گفتم بہ نیاز و عجز "کاے رشک چمن
بیمار کہ کرد نرگس شہلا را" — چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ من

کلام نظیر پر اعتراضات

نظیر کے کلام پر اس کے معاصرین نے لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے بہت حرف گیری کی ہے اور پروفیسر شہباز نے زندگانی بے نظیر میں ان سارے اعتراضات کا احاطہ کرکے ان کے شافی جوابات دیے ہیں اور بعض اعتراضوں کی معقول توجیہات بھی پیش کی ہیں۔ انھوں نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے:۔

"نظیر کے زمانہ سے آج تک زمانہ نے بہت ترقی کی ہے اور یہ بات کوئی ہماری ہی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر زبان میں ترقی کی رفتار یونہی واقع ہوئی ہے۔ بہت سی ترکیبیں جو اُس وقت عام تھیں اب بالکل معیوب ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے غالبؔ، ذوقؔ، ظفرؔ، مومنؔ وغیرہ کے کلام سے مثالیں دی ہیں کہ ان لوگوں نے بھی اپنے یہاں فلاں فلاں الفاظ اور ترکیبوں کا استعمال کیا ہے جو آج اردو شاعری میں متروک ہی نہیں بلکہ معیوب سمجھی جاتی ہے، لیکن اسکے باوجود ان شعرا نامدار کے کمال پر کوئی حرف نہیں۔ نظیر پر ایک بڑا اعتراض اس کے ہمعصر ناقدوں نے یہ کیا ہے کہ اس نے عام لوگوں کی بول چال و محاورے لکھے ہیں لیکن معترضوں نے یہ حقیقت بالکل نظرانداز کردی ہے کہ نظیر نے عوام کے الفاظ اور محاورات کا استعمال اپنے اس کلام میں کیا ہے جس میں اُس نے عوام کو مخاطب اصلی بنایا ہے۔ جہاں جہاں خواص کی طرف اس کا روئے سخن ہے، وہاں اس قسم کے مقبول عام فقروں اور الفاظ کا استعمال اس نے نہیں کیا ہے۔ نظیر کا اصل جوہر کلام یہی ہے کہ وہ جس طبقہ سے مخاطب ہوتا ہے یا جو طبقہ نظم نگاری میں اُسکے پیش نظر ہوتا ہے

وہ اسکے مطابق حال الفاظ لاتا ہے، اور اسی رنگ میں ڈوب کر سخنوری کا کمال دکھاتا ہے۔ نظیر پر دوسرا سنگین الزام فحاشی کا ہے۔ مطبوعہ کلیات میں ان کے ایسے اشعار میں غیر مہذب الفاظ کو خارج کر کے انکی جگہ نقطے لگا دیے گئے ہیں لیکن پڑھنے والا عموماً آسانی سے حذف شدہ الفاظ کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن اول تو نظیر کے اتنے بڑے ذخیرۂ کلام میں ایسے اشعار کی مجموعی تعداد چند سو سے زائد نہیں، انکے کلام میں اسکے برعکس اعلیٰ قسم کی اخلاقی تعلیم کثرت سے ملتی ہے جو اس ساری ظرافت آمیز فحاشی یا حقیقت نگاری پر مشتمل فحاشی کی تلافی کر دیتی ہے اور سارے مجموعۂ کلام کی بنا پر نظیر کا شمار فحش گو اور رند مشرب شعرا میں نہیں بلکہ سنجیدہ معلم اخلاق شعرا کی صف میں ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ نظیر کے یہاں اس قسم کی چیزیں محض اس بنا پر ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنے زمانہ کی معاشرت کا بالکل صحیح صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے زمانہ کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں، وہ ان میں کسی بات کو خلاف واقعہ نہیں بتا سکتے۔ آج کل یورپ و امریکہ میں آزادی اور بے حجابی نسواں کی وجہ سے معاشرت میں جیسی بے اعتدالی پھیلی ہوئی ہے۔ اس دور کا کوئی شاعر معاشرت نگاری اگر کرے گا تو لامحالہ اسے ان چیزوں کا ذکر بھی کرنا پڑے گا۔ تقریباً یہی پوزیشن نظیر کی تھی، خدانخواستہ وہ فحاشی اور بے حیائی کے مبلغ نہ تھے۔ انھوں نے معاشرت انسانی کے جتنا ایک پہلو دکھائے وہ غلط اور غیر فطری نہ تھے، بلکہ عجب نہیں کہ اس سے انکا مقصد بگڑی ہوئی معاشرت کی اصلاح ہو۔ شیخ سعدیؒ کو دنیا بجا طور پر بہترین معلم اخلاق مانتی ہے اور ان کے بزرگ بلکہ شیخ طریقت ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں، لیکن کلیات سعدیؒ کے حصہ نظم میں تو اس قسم کی عریانی اور فحاشی (جسکے سامنے میاں نظیر کی فحاشی بھی مات نظر آتی ہے) ملتی ہے خود گلستان سعدی کے باب پنجم و ششم میں ایسی حکایتیں موجود ہیں جو طالب علموں کو پڑھائی نہیں جا سکتیں، جو لوگ نظیر پر نکتہ چینی کرتے ہیں، سعدیؒ وغیرہ کی ان تحریروں کی آخر کیا توجیہ و تاویل کر سکتے ہیں۔

نظیر پر یہ الزام بھی ہے کہ انھوں نے الفاظ عوام کے تلفظ کے مطابق نظم کیے ہیں۔ یہ اعتراض اسلیے بے وقعت ہے کہ نظیر نے جہاں قصداً عوام کی زبان لکھی ہے، وہاں اگر وہ عوام میں مروج تلفظ ترک کر دیتے تو ان پر عوامی شاعر کا اطلاق ہی صحیح نہ ہوتا۔

شاعرانہ حیثیت سے نظیر پر بڑا اعتراض ایک یہ ہے کہ بعض حرف جن کا تقطیع میں گرنا استادوں نے

ناجائز رکھا ہے مثلاً ع، ح، ہ، س، وغیرہ، ان کے کلام میں جابجا تقطیع سے گر گئے ہیں۔ مثلاً
اسقاط "عین" کی مثال ؎

ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی　　جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

اسقاط "ح" کی مثال ؎

اس نے جب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا　　مہربان مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا"

اسقاط "ہ" کی مثال ؎

کہتا ہے کوئی کسی سے اے دلربا ہٹیلے　　ایک ہی گلابی مے کی ہاتھوں سے میرے پی لے

اسقاط "س" کی مثال ؎

جو پاسا پھینکے بنا بنا کر اور داؤں کتنے ہی ملیں ٹھانے　　جو چاہتا ہی اٹھارہ آویں تو اسکو پڑتے ہیں تین کانے

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نظیر کے زمانہ میں عین کے اسقاط کو شعرا عیوب نہیں سمجھتے تھے، اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تقطیع میں اکثر تلفظ کو ملحوظ رکھتے ہیں، نیز اردو میں عین اور الف کا تلفظ ملتا جلتا ہے، مثلاً عید، علم وغیرہ کا تلفظ اید اور الم کی طرح ہوتا ہے۔ اسقاط عین کی مثالیں سودا کے یہاں بھی ملتی ہیں، مثلاً ؎

اس عقدے کو کیجیے گا ہم پر بھی صاف　　کہ وضع جہاں سے ہے یہ بر خلاف

اسی طرح فارسی شعرا غنی کشمیری، ظہوری ترشیزی، قاآنی شیرازی کے یہاں بھی متعدد مثالیں ایسی ہی ملتی ہیں۔ سقوط "ح" کی مثال بھی سودا اور ان کے شاگردوں کے یہاں ملتی ہے، مثلاً ؎

دنیا نہیں اے یار تلاش اپنی سے منظور　　کرتا ہوں اس محبت کو میں اتمام جہاں پر

یہی حال اسقاط "ہ" کا ہے، سودا کہتے ہیں ؎

پس ہمت کے نزدیک ہے کیا بھلا　　کہ میں اور پہ ٹالوں اپنی بلا

یگانۂ روزگار فارسی شاعر عرفی کا شعر ہے ؎

پیش عرفی مدہ از دست عناں کاین استاد　　خوش را ابلہ نمودہ است ولے ابلہ نیست

اسقاط س میں لفظ اور کی "ر" گرنے کا جواب یہ ہے کہ اور کا تلفظ کئی طرح پر ہے کہیں تو اور قول کے

وزن پر ہوتا ہے اور اس کا تلفظ 'ار' بوزن 'زر' اور کہیں باسقاط را' بوزن ضَبْ ہوتا ہے۔ لیکن وہ لکھا صرف دو طرح جاتا ہے 'اور' یا "و"۔ نظیر نے جس مقام پر اسے لکھا ہے وہاں مقصود "و" (یعنی واو عاطفہ ہندی) لکھتا تھا، مگر چونکہ تلفظ کے مطابق لکھنے کا رواج اس عہد میں زائد نہ تھا، اس لیے تلفظ خواہ کوئی سا مقصود ہو، لکھا ایک ہی طرح جاتا تھا۔

نظیر کے زمانہ میں تصحیح الفاظ کے قواعد میں اتنی سختی نہیں برتی جاتی تھی جتنی بعد میں برتی جانے لگی، اس وقت تو عموماً یہی دیکھا جاتا تھا کہ گفتگو میں الفاظ کس طرح رائج ہیں، مثلاً تسبیح اگرچہ بروزن صحیح ہے لیکن تلفظ میں محض تسبی ہے، اس لیے اس زمانہ میں اس کی جمع تسبیاں بھی عام طور سے رائج تھی۔ اسی قسم کے غلط العوام الفاظ نظیر کے یہاں کثرت سے ہیں، لیکن دوسرے مشہور اساتذہ یہاں تک کہ مرزا محمد رفیع سودا کا کلام بھی ان سے خالی نہیں، مثلاً مسلا مسائل ؎

کہا حضرت نے سن کر تم ہو گمراہ نہیں مسلہ مسائل سے کچھ آگاہ

کمی کے بجائے کمیں ؎

کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے کمیں پاس سے میرے تم نہ جاؤ کہیں

اس طرح زبان کی تبدیلی کے باعث اس وقت کے بہت سے محاورے آج ہمیں معیوب نظر آتے ہیں، لیکن اس زمانہ میں کوئی بھی ان کے عام رواج کی وجہ سے معترض نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ میں اضافت کی علامت اور فاعل کی علامت کو حذف کر دینے کا عام رواج تھا، اور یہی حال اور بہت سے الفاظ کا بھی تھا، اس زمانہ میں ماٹی، مٹی کے بجائے مستعمل تھی۔ "لاگا"، "لگا" کے معنی میں رائج تھا، "ان کے تئیں" کے بجائے "انھوں کے تئیں" بولا جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ هَدَىٰ اِلَیَّ عُیُوْبَهٗ

غزلیات دیوان نظیر اردو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

(۱)

دل ہوا جس روز بسمل ابروے دلخواہ کا
تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

جس نے دیکھا وہ رُخ انور تو اُسکو عمر بھر
پھر نہ روے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

ایک دن آگے خلیل اللہ کے اک شخص نے
یک بیک آ کر لیا مُنہ سے جو نام اللہ کا

اُس خلیل اللہ نے سنتے ہی آ کر شوق میں
سب دیا اس کو جو تھا اسباب عزّ و جاہ کا

اور کہا اے شخص پھر بہر خدا یہ نام لے
میں بجان مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا

گر وہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقیں
جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا

حاصل اس کہنے کا اُسکی چاہ کچھ آساں نہیں
جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اُسکی چاہ کا

دی ہمیں اس نے نفخت فیہ من روحی[ل] سے جان
مال بھی ہم کو دیا عرفان کی رسم و راہ کا

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بندہ اے نظیر
جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

(۲)

دل کو چشم یار نے جب جام سے اپنا دیا
اُس سے خوش ہو کر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا

دیکھ اُس کی جامہ زیبی گل نے اپنا پیرہن
اس قدر پھاڑا کہ بلبل سے نہیں جاتا سیا

[ل] یعنی ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی ۱۲

بے قراری نے نگاہ سیمبر پھیری ادھر
کی عنایت ہم کو اس سیماب[1] نے یہ کیمیا

اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی
مسندِ زربافت پر غالب ہے اس کا بوریا

دل چھپا بیٹھا تو اس زلفِ مسلسل سے نظیر
اے اسیرِ دامِ نافہمی یہ تو نے کیا کیا

(۳)

خوباں[2] کو جب اُس کا رُخِ زیبا نظر آیا
کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا

محبوب بہ لستمِ شکل جسے رشک سے دیکھیں
اُس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا

دیکھا نگہ مہ نے اُدھر شام کو کیا کیا
خورشید سحر کو اُسے تکتا نظر آیا

ہر قطرۂ شبنم سے لگا منھ کو چھپانے
جب گل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا

ہم کیا ہیں نظیر اُس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

(۴)

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے اے سنگدل ترسا
ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا

میں اس پہ مبتلا وہ غیر مذہب شوخ اب ترسا
قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا

فقط تیر نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی
ترے قرباں لگا اب کے کوئی اس سے بھی بہتر سا

نہ جاؤں میں تو اُسکے پاس لیکن کیا کروں یارو
یکایک کچھ جگر میں آکے لگ جاتا ہے نشتر سا

پکارا دور سے دے کر صفیر اُس نے تو کیا میرا
دھڑک کر یک بیک سینے میں دل لوٹا کبوتر سا

ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پر
مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا

نظیر اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

[1] سیماب پارہ سیماب سے کیمیا بنتی ہے ۱۲-
[2] اب اس قسم کی جمع متروک ہے - آسی -

(۵)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یارب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا

لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ
ہر شکل عجائب ہے ہر اک شان تماشا

افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات
اور روئے زمیں پر گل و ریحان تماشا

جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر
انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا

جب حُسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ
کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں
رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا

گر عشق کے کوچے میں گزر کیجے تو واں بھی
ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا

منہ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک
غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

(۶)

مجھے اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا
کہ خور اُسکے حسن رُخ کو لگا تکنے ذرہ آسا[له]

خد و خال خوبی آگیں، لب لعل پان سے رنگیں
نظر آفتِ دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا

پڑی رخ پہ زلف پر خم، مسی رشک رنگ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا!

کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ مہر پیکر
جو چلی ہو یوں جھمک کر کہو عزم ہے کدھر کا

ہے یہ وقت سیر بستاں چلیں ہم بھی ساتھ اے جاں"
کہا سُن کے "اے میاں کوئی تم بھی ہو تماشا

ہے یہ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی
جو ہے دل دہی کی مرضی تو ہے لوچ پھر یہ کیسا

کہا جب نظیر ہم نے "یہی دل میں ہم تو رکھتے"
تو کہا "جو نیکی ہو وے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

له آسنا کو حسن آسا کہا گیا ہے صحت کے نسخے میں ہے ۱۲

(۷)

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
جانا بھی آگے اُس کے اکثر پئے نظارہ
باعث بھی بہرِ اخفا پھر رو براہ کرنا
ملنا بھی اُس روش سے جس میں گمانِ اُلفت
گر کچھ بھی ہو تو وہ دل میں دور اشتباہ کرنا
پوچھا اگر اُس صنم نے "ہم حُسن میں ہیں کیسے؟"
تو بے شعوری اپنی، ہنس کر، گواہ کرنا

کیا کیا نظیر تجھ میں مکر و فریب ہیں، جو
اُس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

(۸)

وہ رشکِ چمن کل جو زیبِ چمن تھا
چمن جنبشِ شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اُس بن چمن میں، تو ہر گل
مجھے اُس گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا
تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو، جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشیّن بدن تھا، معطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا
نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

یہ ایک نسخے میں آغاز قطعہ مقطع سے ہے۱۲

(۹)

وہ مجھ کو دیکھ کچھ اُس ڈھب سے شرمسار ہوا
کہ میں حیا ہی پر اُس کی فقط نثار ہوا
سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے، اور ہمیں گالی
ہزار شکر! بھلا اس قدر تو پیار ہوا
ہمارے مرنے کو، ہاں! تم تو جھوٹ سمجھے تھے
کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر
بڑیں قرار پہ پتھر، یہ کچھ قرار ہوا

گلے کا ہار جو اُس گلبدن کا ٹوٹ پڑا — تو ڈور نظر کا ذہیں اُس کو ایک بار ہوا

کسی سے اور تو کچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر
نداںؔ میرے ہی آ کر گلے کا ہار ہوا

(۱۰)

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا
باغوں میں لطفِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں
چادر پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبحدم
تشریف تم نہ لائے جو کر کر بسنتی پوش
سنتے ہی اس بہار سے نکلا کہ جسکے تئیں

ہے طرفہ روز گار طرب زا بسنت کا
بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
ہے جن سے زر نگار سراپا بسنت کا
اے جاں ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
کہئے گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا
دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا

اپنا وہ خوش لباسِ بسنتی دکھا نظیر
چمکا یا حُسن یار نے کیا کیا بسنت کا

(۱۱)

بتوں کے زرد پیراہن میں عطر چنپا جب مہکا
گلال آلودہ گلچہروں کے وصفِ رُخ میں نکلے ہیں
گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جامِ مل پی کر
چھڑکتا رنگ، خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے

ہوا نقشا عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا
مزا کیا کیا صریرِ کلک سے بلبل کی چہ چہ کا
کوئی سرخوش، کوئی بیخود، کوئی لوٹا، کوئی بہکا
کبھی کچھ ناز کی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا

بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا، اور شور قہ قہ کا

(۱۲)

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا — اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

ل نداں -
آخر کار - پرانا
لفظ ہے اور
اب اردو میں
متروک ہے

جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈا بھی نہ پایا
حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ
دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مری جاں
پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان
اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
دو دن کو جو تعویذ و فتیلہ و عمل سے
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری
اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا

قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا
ے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا
تسخیر کیا عالم جنّات تو پھر کیا
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا
وہ مانگتا در در پھیر اخیرات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات تو پھر کیا

(۱۴)

سحر آیا جو نہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا
پڑا ہے کیا فسردہ مثل برف لے شعلۂ آتش
اُٹھا کر گرد ڈال کر خاک، نکلا گھر سے پھر باہر
ہجوم محشر م۔ ہنگامہ ام، دیوانہ ام مستم،
قضا نے لا دیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغان سے وہ

وہیں اک بارگی جو شِ جنوں نے دل کو للکارا
بہار آئی، دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا
چڑھایہ بند، اور ہو کر کے، نالہ آہ کا مارا
نہ از پا سے شناسم سر، نمی دانم زسر پارا[۱]
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا
کہ گرجا زمیں کے رعد کی نوبت کا نقارا

نظر آیا جو نہیں پھر ہوش میں، تو کھکے یہ بولا
کہ "آخر ہر کمالے را زوالے می شود یارا[۲]"

له جو بولا — یہ جھنکار بھی عاشقوں بڑھا ان نظیر کا اختراع و تصرف ہے ۱۲
له یارا میں الف ندائیہ ہے
آسی

(۱۴)

رہوں کاہے کو دلخستہ پھروں کاہے کو آوارا — اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
ہم اپنا تو بہشت و چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلےٰ را
زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں رویا — کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را
یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ — چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے — بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے — جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را
تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل — کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معما را

نظیرؔ اس لطف سے تضمیں کر تو مصرع حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

سلہ شست
جنگی ؟ سلہ
ادا و ناز۔ دوش نبرد
آسی

(۱۵)

دیکھے جو عالم اُس کے حُسن بالا دست کا — حوصلا اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا
نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے — یہ فقط احسان ہے اُس ذات پاک مست کا
بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار — یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

بات کچھ کہتا ہے اور نکلے ہے منھ سے کچھ نظیرؔ
یہ نشہ تجھ کو ہوا کس کی نگاہ مست کا

(۱۶)

دیا دل تو پھر عہد و پیمان کیسا — لیا جس نے اس کا ہے احسان کیسا
جہاں زلف کا فر میں دل پھنس گیا ہے — تو واں دین کیسا اور ایمان کیسا
او اس نے کیا دل کو پہلو میں بیکل — کرے گی ستم دیکھیے آن کیسا

ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا کھلا ہے — ملا ہے مسی سے اُدھر پان کیسا

نظیر اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا"

(۱۴)

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا — اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی — تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑ باز — ان پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی جن دیکھے بیکلی — ہے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا

اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیر
کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

(۱۵)

نگہ کے سامنے اُس کا جو نہی جمال ہوا — وہ دل ہی جانتے ہے اُس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند — تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے — غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر — ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

بہارِ حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیر
تو دل وہیں چمنِ عشق میں نہال ہوا

۱؎ چھپ خورا
اسی

(۱۶)

لطفِ تشریف جو عشق اسکے نے آغاز کیا — ہم نے تعظیم کی اور چھپ ور دل باز کیا
دیکھ کر اس کو بتاں بحر سب اپنا بھولے — اس شہِ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا
لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اُس نے — اُس کو سو قدر شرف سے وہیں ممتاز کیا

جس کے ہاں پاؤں رکھا اُس نے تو کیا کیا اسکو
عالم ظاہر و باطن میں سرافراز کیا

ہم تو کس گنتی میں ہیں جن نے اُس کے تو نظیر
ہیں جو معشوق انھیں عاشق جانباز کیا

(۲۰)

مرا خط ہے جہاں یارو وہ رشک حور لیجانا
کسی صورت سے تم و ہاں تک مرا مذکور لیجانا

اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے دل کے پھپولوں کو
تو اُس کے سامنے اک خوشۂ انگور لیجانا

جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہے اُسکے رنگ پر زردی
تو یارو تم گل صد برگ با کافور لیجانا

اگر پوچھے مرے سینے کے زخمونکو تو اے یارو
کہیں سے ڈھونڈھ کر اک خانۂ زنبور لیجانا

رقیب روسیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے
تو اس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا

نظیر اک دن خوشی سے یار نے ہنس کر کہا مجھ کو
کہ تو بھی ایک بوسہ ہم سے اے رنجور لیجانا

سالہ بیمار کرنا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہو سکتا ہے لیکن اردو میں اس خلاف دور کا ہے ۱۲

(۲۱)

بتوں کی مجلس میں شب کو مہرو جو اور ٹک بھی قیام کرتا
گُنشت ویراں صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا

خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے میری میں نام کرتا

کروڑوں دل جو موے پڑے ہیں، نکلتے خوں میں کفن سے نالاں
قیامت آجاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا تو مسکرا کر

تڑپتی بلبل، سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے ہٹ پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن ہی کھاتا، نہ شب بتاتا، نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم اپنی تھی مخموری کی، فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں انکو سلام کرتا
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو اس سے آکر کلام کرتا

(۲۲)

کلالِ[1] گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کو جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب یہ عیش مدام کرتا
جو پاتا لذت لبانِ مستاں مئے محبت سے تیری زاہد
تو صومعے[2] سے نکل کے اپنے وہ میکدے میں مقام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میکشی کی دو تو سیر ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو میں یہ کہکر سلام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن ہی کھاتا، نہ شب بتاتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا
نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو لے کے مجھ کو وہ شوخ اپنا غلام کرتا

[1] یہ غزل مجمع الاشعار سے لی گئی ہے۔ دو شعر اس کے بادنیٰ تغیر غزل (۲۱) میں گزر چکے ہیں۔ باقی شعر نئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اسی غزل کی نظیر نے نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو ۱۲

[2] صومعہ عبادتخانہ ترسایان و نصرانیان ۱۲

(۲۴۲)

شانے نے اس کے کل جو ہیں درد شانہ تھا ۔ وہ درد شانہ کاہے کو تھا رشک شانہ تھا
ترچھی نگاہ نے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ ۔ والہ ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا
زرّیں مباف کا بھی دکھا تا کمر کو موڑ ۔ لیلیٰ کو اسپ شوق کے اک تازیانہ تھا
لیلیٰ ہی اسکے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں ۔ اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنوں دِوانہ تھا

اقرار کرکے وہ جو نہ آیا میاں نظیرؔ
وہ پُرفسوں ہے یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

(۲۴۳)

جب سر زلف تا کمر پہونچا ۔ اس کمر کو بہت ضرر پہونچا
ہلکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے ۔ نازک اس کا ہے اس قدر پہونچا
اے نسیم سحر تو اس گل کو ۔ ق ۔ بیکلی کی مری خبر پہونچا
کہیو اے جان نظیرؔ کو تیرے ۔ رنج ہجر اب تو بیشتر پہونچا

یا بلالے اسے اِدھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو اُدھر پہونچا

نامۂ یار جو سحر پہونچا ۔ خوش رقم خوب وقت پر پہونچا
تھا لکھا یوں کہ اے نظیرؔ اب تک ۔ کس سبب تو نہیں ادھر پہونچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب ۔ اس لیے میں نہیں اُدھر پہونچا
یوں سُنا تھا تم آپ آتے ہو ۔ اس میں نامہ یہ پُر گھر پہونچا

مجھ کو پہونچا ہی جانو اپنے پاس
آج۔ کل۔ شام یا سحر پہونچا

له شانہ اول یعنی کنگھی۔ دوم یعنی کندھا۔ شانہ [illegible] سے مراد [illegible] آسی

(۲۵)

ساقی ظہورِ صبح و ترشح ہے نور کا — دے مے یہی تو وقت ہے نور و ظہور کا[1]
کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر — مائل ہوا نہ صحنِ چمن کے سرور کا
یہ گل[2] جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو — ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا
سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں — دل آب ہو گیا ہے کسی ناصبور کا
مے پی کے عاشقی کے خرابات میں نظیر
نے ڈر ہے محتسب[3] کا نہ صدر الصدور کا

(۲۶)

یہاں ہیں جو نہ ہوا اس پری کا دیوانہ — تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا
ق
کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیر — یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا
تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں — کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا
جو ہم نہ ہوویں تو آ کر ہمارے کوچے میں — یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا
جو ہم خفا ہوں تو آ کر ہزار منت سے — خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا
پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

(۲۷)

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا — کہا خلق نے رشک گلزار نکلا
کئی آ گئے پیچ میں زلف کے واں — مری چشموں سے جو گھر بار نکلا
قضا تیری کافر ادھر آ گئی جو — بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا
عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو — جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا
خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں — سرے مجھ کو دے کر وہ بازار نکلا

[1] نور ظہور کا وقت صبح کے وقت کو کہتے ہیں ۱۲
[2] گل کھانا - آگ میں گرم کی ہوئی چیز سے داغ کھانا ۱۲
[3] محتسب - منہیات شرعیہ پر احتساب رکھنے والا۔ صدر الصدور شاہی زمانہ میں ایک بڑا عہدہ ہوتا تھا ۱۲ آسی

بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو ۔۔۔ میرے دل کا وہ نا خریدار نکلا

صراحی سے ساقی نے جو پلائی
نظیرؔ اس قدر ہو کے سرشار نکلا

(۲۸)

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا ۔۔۔ تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو ۔۔۔ سُنا جو شوخ کے منھ سے کلام رخصت کا
چلا ہوں یار کی مجلس سے اُٹھ کے اے ساقی ۔۔۔ مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا
میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی ۔۔۔ امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا

تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا ، نظیرؔ سے لیجے سلام رخصت کا

(۲۹)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا ۔۔۔ منھ سے جلاد فلک کے بھی اہا ہا نکلا
آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے ۔۔۔ آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا
یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثل انار و مہتاب ۔۔۔ جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا
کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک ۔۔۔ جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا
غم میں ہم بھان متی بن کے جہاں بیٹھے تھے ۔۔۔ اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے ۔۔۔ شعلے پر شعلہ بھبھو کے پہ بھبھو کا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیرؔ
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۳۰)

نظر پڑا اک بُت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا ۔۔۔ جو عمر دیکھو تو دس برس کی یہ قہر و آفت غضب خدا کا

جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی — پہ دل وہ پتھر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر — کسی کو ٹھوکر کسی کو چھکڑا کسی کو گالی، یہ نٹ لڑاکا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے — کہاں کا اونچا کہاں کا نیچا خیال کسکو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے — نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ چنچلاہٹ یہ چلبلاہٹ خبر نہ سر کی نہ تن کی سدھ بدھ — جو چیر اُلجھا بلا سے اُلجھا نہ بند باندھا کبھو قبا کا
گلے لپٹنے میں یوں شتابی کہ مثل بجلی کے اضطرابی — کہیں جو چمکا چمک چمک کر کہیں جو لپکا تو پھر چھپا کا[1]
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے نہ وہ منائے سے کسی کے — جو قتل عاشق پہ آ کے مچلے تو غیر کا پھر نہ آشنا کا
یہ رحم یہ نفرت یہ دور کھنچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے — جو پتا کھڑکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا
جتا دے الفت چڑھا دے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تغافل — کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش ہٹیلی چلن دغا کا

نظیر ہٹ جا پرے سرک جا بدل لے صورت چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر تو یار ہوگا ابھی جھڑاکا[2]

(۱۴۱)

کہنے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال گیا — واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا
دام کاکل سے گلا کیا یہ جو ہے طائر دل — آپ اپنے یہ پھنسانے کو یہ وبال گیا
ق
دل بے تاب کی کیا جانے ہوئی کیا صورت — پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا
لے گیا ساتھ لگا وہ بت قاتل گھر تک — یا اُسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا

خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیر
کچھ تاسف نہ کرو۔ جانے دو۔ جنجال گیا

(۱۴۲)

دل لگا کر قرار کھونا تھا — ہم کو سیماب وار ہونا تھا
دل کو اس سیمبر کے کوچے میں — عاشقوں کی طرح جو سونا تھا

---

[1] چھپا کا: جلدی ۱۲
[2] جھڑاکے: مراد صفایا۔ خاتمہ ۱۲ آسی

جب وہ سویا تو جاؤ تھا تکیہ | حاصلِ مدعا بچھونا تھا
جوں ملی چشمِ تر کفِ پا سے | ق | وہیں واں آبلے کا ہونا تھا

اشک تھا گرم تر نظیر اسے
کچھ دمِ سرد سے سمونا تھا

(۳۴)

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا | کیجے کیا اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات | کیا اسی رات ہم کو سونا تھا
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے | ق | یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہرِ اشک | ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا

یا چھپانا نظیر تھا بہتر
یا تعشق سے ہاتھ دھونا تھا

(۳۵)

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا | دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو | مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
مہندی بھرے جو ہاتھ سے اٹکا تو اس نے بھی | ایسے طمانچے مارے کہ منھ لال کر دیا
ہنس کر کہا تمھارے طرف کل ہم آئیں گے | ق | ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا

پھر پاؤں در پہ آگے رکھا تنے جب نظیر
جتنے تھے رنج و غم انھیں پامال کر دیا

(۳۶)

کر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا | گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا
بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور | اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہے یار کے لب کا

اس کان کے چھلّے کی لٹک دیکھ لی شاید — ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہے عنب کا
دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منھ اپنا — ق — لے دست حنا بستہ میں آئینہ حلب کا
جب ہم نے کہا رکھیے اب آئینہ کو یہ تو — حصّہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا
یہ سُن کے ادھر اس نے کیا غصّے میں منھ سرخ — بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا

تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیرؔ آہ
وہ دلبرِ عیّار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

(۳۷)

حسن اُس شوخ کا اہا ہا ہا — جن نے دیکھا کہا اہا ہا ہا
زلف ڈالے ہے گردنِ دل میں — دام کیا کیا بڑھا اہا ہا ہا
تیغِ ابرو بھی کرتی ہے دل پر — وار کیا کیا نیا اہا ہا ہا
آن پر آن وہ اجی اوہو — اور ادا پر ادا اہا ہا ہا
ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے — چپکے چپکے حیا اہا ہا ہا
طائرِ دل پہ اُس کا بازِ نگاہ — ق — جس گھڑی آ پڑا اہا ہا ہا
اس کی چھڑتی اور اسکی لپ جھپ کا — کیا تماشا ہوا اہا ہا ہا
بزمِ خوباں میں جب گیا وہ شوخ — ق — اپنی سج دھج بنا اہا ہا ہا

کی "اوہو ہو" کسی نے دیکھ نظیرؔ
کوئی کہنے لگا اہا ہا ہا

(۳۸)

کان میں اس شوخ چنچل کے جو تھیں بالا پڑا — آگئی جگر میں برق اور ماہ پر ہالا پڑا
دیکھنا ہمدم یہ اُترا سنبلستاں میں قمر — یا یہ کاکل میں کسی کے چھلّے ہے بالا پڑا
دیکھ نقشِ تن مرا اپنی گلی کی خاک پر — ق — یوں کہا یہاں تو اودیوانہ نہ تو آنا پڑا

عیش سے پھر نہ سونے کے لیے اس جا مگر
رات تھا کوئی ہمارا چاہنے والا پڑا
جب گل لالہ سے پوچھا میں نے اے دل سوختہ
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا
سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہے یاں
یار مجھ پر بھی اسی آتش کا پرکالا پڑا

سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدرد سے پالا[لہ] پڑا

(۳۸)

[۲] پردہ اُٹھا کر رخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا

آ گئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اُسی کی ٹھہری مرضی جن نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دلکو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب اتمام کیا

سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اُس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا

ق

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا

اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اُٹھیے چلیے یار سے ملیے اب تو بہت آرام کیا

یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

(۳۹)

لہ پالا پڑنا - سابقہ ہونا - معاملہ پڑنا ۱۲

۲ میر کی غزل بھی اسی زمین میں موجود ہے ۔ "اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا" الخ مقابلہ کرو ۱۲ - آسی

جب میں سُنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلےٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا

اتنا کوئی کہے کہ دوانے، پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

چھینا تھا دل کو چشم نے، لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صفِ مژگاں میں بٹ گیا

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سُن کر لگی یہ کہنے وہ عیّار نازنیں
"کیا بولیں، چل، ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا"

جب میں نے اس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اُچٹ گیا

آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جان،
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

ق
کتنا ہی اس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۴۰)

مرا دل ہے مشتاق اس گلبدن کا
کہ یہ باغ اک گل ہے جس کے چمن کا

وہی زلف ہے جس کی نکہت سے اب تک
پڑا خون سوکھے ہے مشک ختن کا

وہی لعل لب ہے کہ حسرت سے جس کے
جگر آج تک خوں ہے لعل یمن کا

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

لٹ جانا - زار و زار ہونا، نحیف ہونا ۱۲
اُکھٹنا - سوکھنا، اکھڑنا، خراب و تباہ ہونا ۱۲
غٹ - جمع، گروہ، پرا ۱۲
نٹنا - مکرنا ۱۲
پھٹنا - دل پھٹنا، دل میں کدورت پیدا ہونا، بیزار ہونا ۱۲
قینچی باندھ کر لپٹنا - دونوں ہاتھ کھول کر اس طرح لپٹنا کہ دوسرا مجبور ہو جائے
قینچی باندھنا - حریف کی دونوں ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں ڈال دینا ۱۲
آسی

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا
ابھی شور تھا قمری نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

(۴۱)

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا
کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ
ہوا رنگ سُن کر رقیبوں کا نیلا
سنلقی علیک[۱] قولاً ثقیلا
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے لے دل
کہستاں میں ماروں اگر آہ کا دم
تو پڑھتا، قم اللیل الا قلیلا
فکانت[۱] جبال کثیباً مہیلا

نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

(۴۲)

آن رکھتا ہے عجب یار کا لڑ کر چلنا
جتنے بن بن کے نکلتے ہیں صنم نام خدا
ہر قدم ناز کے غصے میں اکڑ کر چلنا
سب میں بھاتا ہے مجھے اس کا بگڑ کر چلنا
ناتوانی کا بھلا ہو. جو ہوا مجھ کو نصیب
اُسکی کاکل ہے بڑی مان کہا اے افعی
اُسکی دیوار کی اینٹوں کو رگڑ کر چلنا
دیکھیو اس سے تو کاندھا نہ رگڑ کر چلنا

چلتے چلتے نہ خلش کر فلک دوں سے نظیر
فائدہ کیا ہے کمینے سے جھگڑ کر چلنا

(۴۳)

سحر[۱] جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے پر اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا

---

۱ سنلقی علیکم عن انا انقیاد

۱ اصل آیت یوں ہے: فکانت الجبال کثیبا مھیلا

۲ اس غزل میں سات زبانیں استعمال کی ہیں۔ اسی

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یار و
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھنویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو گیا ہی گھر انشہ دو بالا
لبوں پہ سُرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی، وہ قدِ زیبا
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم جھٹک لیا جھپ تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا پلک نے اُدھر اچھالا ؎¹ نہ وال
جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُسکا وے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
پری رخِ من، شکر لبِ من، بُرے تو باز آ بہ پیش چشم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہالِ عشقت شدہ است بالا
فداک وجھک عشق شر قاً و موع نہر اُ ومن فراقک
کثیر حزناً مع الھموم ثقیل ہجرا و کالجبا لا
تُساڈے ملنے نوں دل ہے بے کل ایہی او وہ کلاں نہ آکھدا ہے

¹ عبارت اسکی بہ ترتیب نحوی ٹھیک نہیں مگر ہر جگہ یوں ہی مستعمل ہے ۱۲

سدا اے مِنّوں وے اپنے گھر وِچ نہیں تو اُٹھے اساڈے نال آ
تہاری آسا لگی ہر نس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں ل
دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
چہن کے من کو جو چھنوں تھی اے یار کائیں لگائی آنچ
بھرا ئیں آکر کھبر لوبھاں کی پلک کٹارا جو تھان نے گھالا
اگن برت ہے ہیا میں موسے برہ میں تیرے لئے من موہنوال
تورے جو نیناں نے موہا مُجھکو نہ جینوں تنکو بھوا دکھالا
جگت سبّھا، امت برہکھ، اٹک کھسوا، مُمن کرن کھا
دوانی کینی ہمن سُر یچن، نہ سُدھ کی گر ہا، نہ بُدھ کی جھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک لے جاں
بنا کے سج دھج، پھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۴)

ادھر یار جب مہربانی کرے گا	ق	تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا
دیا دل نظیر اسکو یوں کہہ کے لے جاں		کھوگے تو یہ پاسبانی کرے گا
پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک		جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا
بٹھاؤ گے در پر تو ہوگا یہ درباں		لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا

اطاعت میں۔ خدمت میں۔ زمانبری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

(۴۵)

جو دل دے کے کچھ شادکامی کرے گا	تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا
بجسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری	وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا

کہا یوں نظیرؔ ایک دن دل سے میں نے ق وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا
بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا

جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

(۴۶)

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہوگا کچھ ہار پڑے ہوں گے کچھ عطر ملا ہوگا
بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکر چھلّوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہوگا
محفل میں ہوئی ہوگی یاد اسکو بہت میری جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہوگا
اس لب سے ملی ہوگی دشنام بھی اک جس کو شکر کی طرف اُس کا پھر دل نہ چلا ہوگا

مت دیکھ نظیرؔ اس کی ہر دم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہوگا

(۴۷)

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہوگا دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہوگا
ہاتھ اس کے حنابستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا
کوچے میں نظیرؔ اس کے دل جا تو پڑا لیکن ق ہر دم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا[۱] ہوگا
ابرو نے کیا ہوگا جس دم اسے بسمل وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہوگا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے منہ بھی تو کِلا[۲] ہوگا

(۴۸)

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہوگا ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہوگا
دل ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر جان من دل کا بدل کیا ہوگا

[۱] جھلا ہوگا ۔ برداشت ہوا ہوگا
[۲] منہ کلنا ۔ بات نہ کر سکنا۔ آسی

حسن کے ناز اُٹھانے کے سوا
ہم سے اور حسن عمل کیا ہوگا

کل کا اقرار جو میں کرکے اُٹھا
بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہوگا

تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیرؔ
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہوگا

(۴۹)

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا
نظر آیا تو دل سینے میں دھڑکا

نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے
نہ صدمہ اُٹھ سکا جس کی پھڑک کا

فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل
دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا

ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل
ق
رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا

پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیرؔ آہ
جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

(۵۰)

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا

جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا

چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اُڑ گئے تھے جو دُرِ خوشاب لکھا

لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا

گلاب عرق کو لکھا تو بولا ناک چڑھا
اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا

جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجھلا کر
کہا میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا

جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا
وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بحساب لکھا

ہوئی جو رد و بدل ایسی کتنی بار نظیرؔ
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

(٥١)

رُخ و جبیں، مژۂ تیز و چشم و ابرو کو
سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال، لکھا
تن و دل و لب و دنداں کو رہِ فکرت سے
عقیق و سیم و دُر و سنگ کے مثال، لکھا
ذقن کو، چاہ، زنخداں کو، گوش و گردن کو
صراحی، سیب و گل و چشمۂ زلال، لکھا
کفِ حنائی و انگشت ساعد و قد کو
سناک و برگ گل و غنچہ و نہال، لکھا

(٥٢)

ق

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا
اس کو لازم نہیں اُٹھا دینا
لے چلا تھا نظیر وہ جس دن
تھا نہیں دل کو یہ جتا دینا
جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پہ تیغ
تو سر اپنا وہیں جھکا دینا
اور یہ اُس شوخ سے بھی کہنا تھا
اس کی تم یاد مت بھلا دینا
ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو
ورنہ اس کو ہوا بتا دینا

(٥٣)

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا
تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
مت ربط کر اس سے ورنہ اے دل
اپنے تو کیے کو پا رہے گا
دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو
کچھ ہوش اگر بجا رہے گا

ق

خوباں پہ میاں نظیر اپنا
ایسا ہی جو دل فدا رہے گا
پہلو سے نکل کے آخر اک دن
کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

(٥٤)

نہ آیا آج بھی کل کی طرح وہ گلعذار اپنا
گلے کا ہار پھر ہوگا دل امیدوار اپنا

نہیں پھر چھوڑتا یارو وہ آخر یہی جاتا ہے
جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جا شکار اپنا

جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، نازنیں لوگو!
نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا

ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اُس محبوب کا ہم نے
تو یوں بولا، کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا

تمھیں تو بوجھ کا[۱] سمجھے تھے ہم لیکن اب آگے کو
نظیر اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

(۵۵)

منتظر اس کے دلا تا بہ کجا بیٹھنا
شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا

ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل
پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا

لطف سے اے دل تجھے لاکھ جو ابرو بٹھائے
بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا

دل کی ہماری غرض باندھے ہے کیا بند بند
شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھنا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیر
جُل میں کہیں اپنی جاہ تم نہ جتا بیٹھنا

(۵۶)

سامنے[۲] اس صف مژگاں کے میں کل جاؤں گا
چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہوگی
اپنی جانبازی کے گوہر میں اُگل جاؤں گا

ہے کف پا وہ مصفّا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظّارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

مجھ کو دیتے ہو عبث خانۂ زنجیر میں جا
جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا

آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤنگا اس بزم سے میں
اور اک "ہوں" ابھی کر دوگے تو مچل جاؤں گا

گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ
پر جو چھیڑا تو شرر ساں میں اُچھل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

۱ بوجھ کا سمجھے تھے۔ یعنی تم کو ہوشیار جانتے تھے ۱۲

۲ اس زمین میں بھی اکثر اساتذہ کی غزلیں موجود ہیں مثلاً۔ داغ، ذوق، بیان یزدانی وغیرہم
آسی

غصّہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ — میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بکلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیرؔ
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

(۵۷)

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہونی — فلاطوں کیا اگر خود عیسیٰ گردوں نشیں آتا
عجب احوال ہے کچھ اضطرابِ دل سے کیا کہیئے — غرض اک دم قرار اس بن نہیں آتا نہیں آتا
مری بیتابیوں کی اب تلک اسکو بدگمانی ہے — اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا
مجھے یاں تک خوشی تھی اسکے آنے کی کہ میں خوش تھا — اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا
بڑے حظ لوٹتے گر اس شبِ مہتاب میں یار و — ادھر ساقی اُدھر مطرب ادھر وہ مہ جبیں آتا

(۵۸)

گلزار ہے داغوں سے یہاں تن بدن اپنا — کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا
اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں — یہ آبِ رواں[۱] کا ہے نیا پیرہن اپنا
کس طرح بنے لیسے سے انصاف تو ہے شرط — یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا
انکار نہیں آپ کے گھر چلنے سے مجھ کو — میں چلنے کو موجود جو چھوڑو چلن[۲] اپنا

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہے وطن اپنا

(۵۹)

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے چہلوں کا — تو ہو تباہ نہ پچھلوں کا اور نہ پہلوں کا
سنے سے نام محبت کا کفر تھراتے ہیں — یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں[۳] کا
کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے — طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں[۴] کا
مکاں ہو ایک سنہرا دھرے ہوں شیشہ و جام — بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ[۵] رو پہلوں کا

۱؎ آبِ رواں ایک کپڑے کا نام
۲؎ چہلا کیچڑ دلدل کی زمین ۱۲
۳؎ دہل خوف
۴؎ اہلے گہلے۔ خوشحال لوگ۔ بفکرے خوش فعلیاں کرنے والے ۱۲
۵؎ بادلہ ایک کپڑا ریشم و پہلا نقرئی رنگ۔ چاندی سا چمکدار ۱۲ آسی

یہ سُن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیرؔ
کہ سوئیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

(۶۰)

اُس کے شرارِ حُسن نے شعلہ جواک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اُسی کے روبرو
اُس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اسکے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں[1]
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بُرُدں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سُن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیرؔ
چل بے زیادہ اب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

(۶۱)

نہ آیا رات بھی کتنا ہی انتظار کیا
قرار کر کے مجھے کافر نے بیقرار کیا

چمن میں اُس گُلِ رنگیں کی جامہ زیبی نے
ہر ایک گل کے گریباں کو تار تار کیا

کیا ہے کیا مہ کنعاں پہ حُسن نے احساں
کہ اُس کے دور میں تجھ کو نہ آشکار کیا

وہ کیا ہنر تھا کہ مجنوں نے رام کی لیلیٰ[2]
ہنر تو اُس نے کیا جس نے تجھکو یار کیا

نظیرؔ آج تصدق کو کچھ نہ تھا ہم پاس
وہی جو باقی تھا اک جی وہی نثار کیا

(۶۲)

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالےٰ

کر قتل سبھے مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

[1] بے ستون وہ پہاڑ جس سے فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی ۱۲ -

[2] اس میں بھی میر کی غزل موجود ہے اور دیگر اساتذہ کی بھی غزلیں ہیں ۱۲ -

دیکھ اب تو بجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ — "پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"
"مر مر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو — اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا؟
بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے — نِکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا
قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن — کہنا! "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"
کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں — نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا
جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا — اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے — ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا
لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں — "صدقے ترے پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا — گر پھوٹ کے رویا، تو مرے پاؤں کا چھالا
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام — ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اُسی روز کو روتے تھے، نظیر آہ!
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۶۳)

پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا — اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا
شیریں کے در او پر یہ جو ہے شیر نہ جانو — فرہاد کے لوہو کا چھلکتا ہے پیالا
کیا جانیے کس حال میں ہو ویگا، عزیزو، — دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالے
بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے "چل دور" — اور دل کو کہا لے تو وہیں ہنس کے کہا "لا"
رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشکِ مسیحا — مرتا ہوں، مرے اب کوئی جینے کی دوا لا
مجھ زلف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ — کافی ہے مرے قید کو اک مکڑی کا جالا
شاید کہ ہوا رات کو سینے میں مرا دل — نے آہ، نہ زاری، نہ دمِ سرد، نہ نالا
یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں تھیں تہ — چھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں
جا آج پلنگ اس کے تو سونے کا اُٹھا لا

وہ آپ سے روٹھا نہیں منے کا نظیر آہ!
کیا دیکھے ہے، چل، پاؤں پڑ اور اُسکو منا لا

(۶۴)

آتے ادھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن
پوچھا نظیر اس سے کیا یاں تو آہی آیا

ق

پھر تار دل کو بے دستگاہ دیکھا
جب مہ رخوں نے یارو وہ رشک ماہ دیکھا
پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا
یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا

بولا میں بے گنہ ہوں۔ ہم نے کہا غلط ہے
چھوڑا اب تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

(۶۵)

اُس شوخ کا جو ہم نے رُخ بھر نگاہ دیکھا
کوچے میں اُس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہے
آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا
سن کر کہا یہ اُس سے اے یار اس صنم کو

ق

ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھا
کیا جانے کیا جھکڑا جادو پناہ دیکھا
تم نے نظیر اس کو دو دن ہی چاہ دیکھا
ہر لحظہ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا

چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
ہے سچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

(۶۶)

اس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت
دل اُدھر سے خجل پھرا جو نظیر

حیرت چشم آفتاب ہوا
منفعل ساغر شراب ہوا
جی میں اندوہ بے حساب ہوا

سلہ جھکڑا - جلوا - جمال ۱۲ آسی

سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ — ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا

یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

(۶۷)

چاہ میں دل بہت خراب ہوا — جب وہ گل ہم سے بے حجاب ہوا
سختیاں ہجر کی سہیں جس نے — وصل سے جب وہ کامیاب ہوا
خانۂ زیں میں دیکھ کر اس کو — خیل عشّاق ہمرکاب ہوا
ق
رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ — اہل محفل کو اضطراب ہوا

مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام مے دیدۂ پر آب ہوا

(۶۸)

وہ رشک چمن گل جو زیب چمن تھا — چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل — مجھے ہر گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا — خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
ق
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی — جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا — مشکین کفن تھا معطّر بدن تھا -

جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

(۶۹)

ہو کے مہ وہ تو کسی اور کا بالا نکلا — ہم نے سمجھا تھا جسے گل سو وہ لالا نکلا

لینے خیرات ترے چہرۂ پُر نور سے رات
بدر چاندی کا لیے ہاتھ میں پیالا نکلا

اس کے چہرے پہ نہیں کاکل شکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ ترا چاہنے والا نکلا

ق

رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو
منظر بام سے اس کے، وہ اُجالا نکلا

برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب
وہ اُجالا تو چھپا اس سے بھی نرالا نکلا

جی کی سب دھوم تھی جب تن سے وہ نکلا تو نظیر
پھر نہ سینے سے اُٹھی آہ نہ نالا نکلا

(٧٠)

ے کے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا
تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا

تم سے جو ہو سو کرو، ہم نہیں ہونے کے خفا،
کچھ ہمیں اور سے کرنی ہے نئی یاری کیا

جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہو چیں بہ جبیں
ہم سے اک دم کے لیے کرتے ہو بیزاری کیا

تیغ ابرو کی تو اُلفت نے کیا دل کو دو نیم
دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنان مژہ دل پر وہ اُٹھاتا ہے نظیر
زخم شمشیر نگہ آہ نہیں کاری کیا

(٧١)

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا
شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا

ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب
پاس لا منھ پھر ہٹا کر ہنس دیا

ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لیے
پاؤں کی مہندی دکھا کر ہنس دیا

ایک دن اُس نے بوقت اختلاط
خوب ہم کو گدگدا کر ہنس دیا

ہم نے جب کی گدگدی اس کے نظیر
پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

(۷۲)

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
نہیں گھٹا عبادت کا ترے ماتھے پہ لے زاہد
عبث محنت ہے کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے

ہماری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا

نظیر آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہے
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

(۷۳)

آج دیکھ اس نے میری چاہ کی چتون یارو
پھر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
تلخیٔ مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس

منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس دہر میں آنا ہوگا

(۷۴)

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال

اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا
لے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

(۷۵)

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
اس تن کو نہیں طاقت شبنم کے تلبس کی
سو بار حریر اس کا مسکا بخیۂ گل سے

لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا لبس لبس کا
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ کر مس کا
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا

؎ گھٹا: سیاہ نشان جو جسم پر پڑ جاتا ہے ۲؎ تلبس: پہننا، لباس کرنا ۔ ۳؎ مسکی

(۷۷)

جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا
وہ نہ اس دام میں آوے گا جو دانا ہوگا

دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہوگا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہوگا

دل کو ہم لائے تھے مژگاں کی صفیں دکھلانے
یہ نہ سمجھے تھے کہ تیروں کا نشانہ ہوگا

آج دیکھا اُس نے مری چاہ کی چتون یارو
منہ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھنگے اُس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

خوں بہانے کا مرے حشر میں جب ہوگا بہا
دیکھیں کیا اُس گھڑی قاتل کو بہانا ہوگا

وہ بھی کچھ ایسی ہی کہہ دیگا کہ جس سے اسکو
بات کی بات بہانے کا بہانا ہوگا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

(۷۸)

مانی[۵۱] نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

اس ابروِ خم دار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دمِ شمشیر کا نقشا

مژگاں کو تری دیکھ، یہ کہتے ہیں سپاہی
"تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا"

یہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ!
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

کیا گردشِ ایام ہے، اے آہِ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

دن رات ترے کوچے میں روویے ہی ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

میں تو صفتِ محشر میں بھی لُوں گا تجھے پہچان
رانجھا[۵۲] کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

[۵۱] ایک نقاش کا نام۔ جو بابل کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام قوزنیتوس بن فاتق تھا۔ یہ حکیم قادرون کا شاگرد تھا۔ اس نے دین زردشت اور دین مسیحی کو امتزاج دے کر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی اور خود پیغمبری کا دعوی کیا تو اُس کے بہت سے پیرو ہو گئے۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ شاپورگان۔ کنز الاحیا۔ سفر الجبابرہ وغیرہم اس کی مشہور تصانیف ہیں اس نے بہت سیاحی کی اور فن نقاشی میں روم اور چین کے نقاشوں سے بھی بڑھ گیا اس کا خیال تھا کہ عورتوں سے مقاربت کرنے سے پاک روحیں آسمان سے آتی اور کثیف جسموں میں رہتی ہیں اسلیے جماع نہ کرنا چاہیے شاپور بادشاہ سے اسی بات پر اس کا مکالمہ ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تیرے کہنے پر عمل کیا جائے تو دنیا ویران ہو جائے گی مانی نے کہا کہ جانوں کی آبادی ہو گی اس لیے اجسام کی ویرانی کی پروا نہ کرنا چاہیے بادشاہ نے کہا کہ اگر تجھے مار ڈالا جائے تو آبادی ہو گی یا ویرانی اُس نے کہا جسم کی ویرانی اور جان کی آبادی۔ بادشاہ نے کہا ہم تیرے ہی قول پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا اور شہر شاپور کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اُس کی پیرو جماعت کا نام مانویہ ہے ۱۲ استفادہ از فرہنگ آنندراج۔

[۵۲] ہیر اور رانجھا دو عاشق و معشوق کا نام۔ رانجھا ہیر پر عاشق تھا ۱۲ مولانا عبد الباری آسی

فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا

یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلےٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۷۹)

"قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کشا کہا؟

تجھ کو قسم ہے، کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا"

قاصد نے جب تو سنکے کہا کیا "کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا

میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بے جا کہا یہ اس نے مجھے، یا بجا کہا

کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں،
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا"

(۸۰)

ہاتھ اُس کا جب نقاب کے گوشے تلک[1] گیا
گوشہ اُٹھا تو نور کا بقعہ[2] جھلک گیا

ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جو لب تک آتے آتے کئی جا چھلک گیا

آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھپکتا پلک گیا

نالہ شبِ فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تا سرِ بامِ فلک گیا

اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیر
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھیرا ڈھلک گیا

[1] تک کی بجائے تلک اب اکثر فصحا کے نزدیک غیر فصیح اور متروک ہے

[2] نور کا بقعہ یہ لفظ دو طرح رائج ہے۔ بُقعَہ اور بُکّا۔ بقعہ لقعہ کا بگڑا ہوا ہے جس کے معنی زمین کے اُس ٹکڑے کے ہیں جو اوروں سے ممتاز ہو جیسے جنگلوں آبادی سے جو نور کا مقام ہے بقعہ ہے نور کا۔ بقعے کی بجائے بکّا رائج ہو گیا جس کے سچے معنی روشنی کی مشت نور وغیرہ

[3] اس گل کے سامنے نہیں جچنے والوں کے رنگ اُڑے کے اُڑا رہا ہے حسینوں میں گلاب کے برق لکھنوی ۱۲ آسی

(۸۱)

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمھاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا

کوچے میں اس رشکِ چمن کے جا کے جو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا

لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل کو بھی کچلا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پر ایسا چھوڑ دیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا

طائرِ دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیر
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

(۸۲)

تیجی نگہ کی ہم نے تو اس نے منھ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رخ سے پردہ اٹھانا چھوڑ دیا

زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشا دیکھنے کو
نظروں کا اس پر سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منھ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

ق
بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا
اس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے دیکھ کے اس نے ہم کو نظیر

یوں تو کہا: ہاں آؤ جی! لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

(۸۳)

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس[1] کا لگا
ہے دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا

صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھلک گیا
تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا

اے زلف یار کیا ہمیں سنبل کی بو سے کام
ہے یاں تو دل کو عشق تیری باس[1] کا لگا

دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف
ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پر میاں نظیر
صد حیف ایک تو لگا اور پاس[2] کا لگا

(۸۴)

دل میں جب چاہ نے قیام کیا
عقل کی پختگی کو خام کیا

ق

چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو
نگہ شرمگیں نے کام کیا

منع تھا اشک کا بہا دینا
پر جفا نے جو ازدحام[3] کیا

اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر
چاہ نے رکنے کا پیام کیا

جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانۂ چشم میں قیام کیا

(۸۵)

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد[4] رہا
ہم کرتے ادھر سے چاہ رہے وہ کرتا اُدھر بیداد رہا

صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پاؤں میں
ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا

وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم
تھے کہتے کا جام جسے پھر نام نہ اُس کا یاد رہا

گو ناز اٹھائے ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن
شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا

کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اسکا
تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

[1] باس - بو - اکثر بد بو کے معنی ہیں۔ اور کمتر خوشبو کے معنی میں آتا ہے ۱۲
[2] یعنی یہی بہت تھا کہ زخم لگا۔ مگر یہ زخم قریب سے لگا جا اور بھی مہلک ہے ۱۲ آسی
[3] بعض لوگ ازدحام میں (ز) کی بجائے (ژ) بولتے اور لکھتے ہیں وہ قطعی غلط ہے ۱۲ آسی
[4] ایراد - اعتراض کرنا ۱۲ آسی

(۸۶)

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے نہ اخفا ہوگا
اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہوگا

تم کو ہر آن ادھر ہووے گی حسن آرائی
ہم کو ہر لحظہ ادھر ذوق تماشا ہوگا

ہم بھی سو چاہ سے دیکھیں گے تمھاری جانب
تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہوگا

جونہی ہم دیکھیں گے تم اور متبسم ہوگے
چاہ کا غنچۂ سربستہ وہیں وا ہوگا

گفتگو ہووے گی باہم جو اشارات[۱] کے ساتھ
متن[۲] اس کا بھی حریفوں میں محشّیٰ ہوگا

پاؤں تک ہاتھ جو لادیں گے کسی عذر سے ہم
تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہوگا

جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیر
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہوگا

(۸۷)

کل جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک دکھا دیا
پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگا دیا

اس کے شرار حسن نے جلوہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے روبرو
اس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا

میں[۳] ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا ادھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بے ستوں[۴]
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

گزرے جو سوئے خانقاہ واں بھی بشکل جانماز
اہل صلاح[۵] و زہد کو فرش کیا بچھا دیا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں
گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بروں[۶] سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیر
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

---

۱ اشارات - اشارے - مجازاً رمز و کنایہ۔ علم حکمت کی ایک کتاب جو بو علی سینا کی تصنیف ہے۔ متن اصل کتاب جس پر حاشیہ لکھا گیا ہو ۱۲

۳ رشتہ در گردنم افگندہ دوست ٭ میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ۱۲

۴ بے ستون وہ پہاڑ جس میں نہر بنانے کی شیریں نے فرہاد سے فرمائش کی تھی۔ اور یہی شرط عقد کی ٹھہرائی رکھی تھی ۱۲

۵ اہل صلاح و زہد۔ عابد، زاہد لوگ۔ فرش کر دینا بچھا دینا گرا دینا

۶ مفت بر - بغیر کسی قیمت اور محنت کے کوئی چیز لے جانے والا ۱۲ آسی

(۸۸)

بھنوں کو سے ہمیں خونناب دل پلانا تھا … فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر[1] کھانا تھا
لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے … اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا
نگہ سے ان کی بچاتا میں کس طرح دل کو … ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا
نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ رنگیں آہ … اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا
ق
شب فراق کی ادنیٰ سی اک یہ حالت ہے … کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانا تھا
جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی … جو خواب تھا سو وہ دل غش میں ڈوبا جانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیرؔ
سرھانا پائینتی اور پائینتی سرھانا تھا

(۸۹)

شور آہوں کا اُٹھا نالہ فلک سا نکلا … آج اس دھوم سے ظالم تیرا شیدا نکلا
یوں تو ہم تھے یوں ہی کچھ مثل انار و مہتاب … جب ہمیں آگ دکھائی تو تماشا نکلا
ق
غم سے ہم بھانمتی[2] بن کے جہاں بیٹھے تھے … اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے اپنے … شعلے پر شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیرؔ
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۹۰)

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا[3] رہا … جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا
کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم … تھی جہاں فوج طرب، واں لشکر غم آ رہا
آ رہا آنکھوں میں دم، تو بھی نہ آیا وہ صنم … حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ "وہ کس جا رہا"

[1] زہر کھانا: حسد کرنا۔ جلنا ۱۲۔
[2] بھانمتی: بازیگر، شعبدہ بازی دکھانے والا ۱۲
[3] شہر آرا: شہر کو آراستہ کرنے والا ۱۲ آسی

(۹۱)

عیسیٰ کی قم سے حکم نہیں کم فقیر کا
خوبی بھری ہے جسمیں دو عالم کی کوٹ سب
سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہارا ہو تم میاں
ہم کیوں نہ اپنے آپ کو رولیویں جیتے جی
مرجاویں ہم تو پر نہ خبر ہو یہ تم کو آہ
اب ہم پہ کیا گزرتی ہے اور کیا گزر گئی
جب جیتے جی کسی نے نہ پوچھا کہ مہرباں
ہو کیوں نہ اُس کو فقر کی باتوں میں دستگاہ

ارنی پکارتا ہے صدا دم فقیر کا
اللہ نے کیا ہے وہ عالم فقیر کا
بابا کسے خدا کے سوا غم فقیر کا
اے دوست کون پھر کرے ماتم فقیر کا
کیا جانے کب جہاں سے گیا دم فقیر کا
کس سے کہیں وہ یار ہے محرم فقیر کا
پھر بعد مرگ کس کو رہا غم فقیر کا
ہے بالکا نظیر پر آتم فقیر کا

(۹۲)

کدھر ہے آج الٰہی وہ شوخ چھل بلیا
تمام گوروں کے حیرت سے رنگ اُڑجاتے
تجھے خبر نہیں بلبل کے باغ سے گل چیں
نظیر یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
سو یار آپ نہ آیا رقیب کو بھیجا

کہ جس کے غم سے مرا دل ہوا ہے باولیا
جو گھر سے آج نکلتا وہ میرا سانولیا
بڑی سی پھولوں کی اک بھر کے لے گیا ڈلیا
پکایا قرض منگا کر پلاؤ اور قلیا
ہزار حیف ہم ایسے نصیب کے بلیا

ادھر تو قرض ہوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی قسمت سے ہوگیا دلیا

(۹۳)

ترے جمال کی سورج، جھلک نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے

کھلی نقاب رہی جب تلک، نہ دیکھ سکا
بشر تو کیا ہے، مری جاں، ملک نہ دیکھ سکا
ہمیں تو، آہ! فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

سلہ ارنی بفتح اول وکسر دوم صحیح ہے مگر فارسی کے شعرا نے بسکون دوم بھی استعمال کیا ہے عہ موسیٰ ارنی جام تہی بود دست شیشہ بکف پا یہ ارنی شکست عہ نقابی گنوی ۱۲ سلہ بالکا ۔ مُرید ۔ پرا تم ۔ قدیم ۱۲ سلہ چھل بلیا ۔ مکار ۔ دھوکہ باز ۔ باولیا ۔ باولا ۔ پاگل ۱۲ سلہ سانولیا ۔ سانولے رنگ والا ۱۲ سلہ بلیا ۔ نذر و بلا لی ۱۲ سلہ کھیر پکائی قسمت سے دلیا ہوگیا یعنی قسمت نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا ۱۲ ۔ عبدالباری آسی

یہ ناتواں ہوں، کہ آیا جو یار ملنے کو — تو صورت اُس کی، اُٹھا کر پلک، نہ دیکھ سکا
گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا — کبھی خوشی سے مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا
لگا گھٹانے جو آبِ مے کو دمبدم ساقی — ہمارے جام کی، شاید، چھلک نہ دیکھ سکا
نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے،
پہ کیا کرے، کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۹۴)

عشق کا جو گلِ زخمِ دمِ شمشیر کھلا — رہ گیا جسم پہ مثلِ گلِ تصویر کھلا
طفلِ اشک، اے مژہ، چاہے کہ سپے ٹک تو اُسے — پیارے، پھر سے، اُلفت سے، بہ تدبیر کھلا
محو تدبیر ہیں ہم، لیک خدا ہی جانے — کون سا گل ہے پسِ پردۂ تقدیر کھلا

(۹۵)

اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آ کر پلٹ جانا — اِدھر مرنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم اُلٹ جانا
یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی — بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے — نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ[له] میں بٹ جانا

(۹۶)

رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
کی نگہ چشم پر تو اُس کو بھی — ساغرِ پُر شراب سا دیکھا
پیرہن برگِ گل پہ جوں شبنم — عرقِ تن گلاب سا دیکھا
ق
تھے ابھی ہم جواں نظیر اور اب — رنگ موسم ناب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

له دل یا ظرف کو کہتے ہیں ۱۲-

(۹۷)

چاہ میں اس کی دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھا کر کام کو چھوڑا کام کیا

زلف دوپٹہ دھانی میں کر کے پنہاں مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھا دے کیونکر جل جب سبزے میں پنہاں دام کیا

رم پر اپنے آہوئے دل کو غرّہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا

سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگا کر یاد دیں گے یاں آرام بہت
حیف ای فہمیدہ نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

ہم نے کہا جب ناز بتاں سے کہ تم تو بہت کام آئے نظیر
سن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بت کے موافق کام کیا

(۹۸)

چشم ساقی سے جس نے جام لیا
دل تغافل سے گر چلا جس دم
صبح بہر سلام ہم نے نظیر
سر جھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پر

ق

اس نے پھر نشۂ مدام لیا
دست لطف صنم نے تھام لیا
پہلے اک پر ادب سے تھام لیا
دو گھڑی جھک کے خم سے کام لیا

جب ذرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

(۹۹)

کسی کو بتا دیں چھ دکھا جا رہے گا
کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے

کسی کو دل اس سے لگانا رہے گا
کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا

کہیں دل کو لے کر ہنسیں گے خوشی ہو　　کہیں غم میں آنسو بہاتا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی ناز و ادا کی　　کہیں دیکھ اُنھیں غش میں آتا رہے گا
یہ حسن اور نظیرؔ عشق جب تک رہیں گے
میاں یاں یہی کارخانا رہے گا

(۱۰۰)

جو پیش نظر وہ گل اندام ہو گا　　تو دامن نگہ کا شفق[لہ] فام ہو گا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو لے دل وگرنہ　　ابھی چھد کے تو رشک بادام ہو گا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر　　تو بس ایک ہی وار میں کام ہو گا
دیا دل نظیرؔ اپنا مدت سے تو نے　　ق　مگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہو گا
لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے
اور آغوش میں وہ دل آرام ہو گا

(۱۰۱)

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا　　مرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا سحر وہ پری رو جدھر جدھر یا رو　　میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا
پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم　　تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
لیلا اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ　　ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا
نظیرؔ پیر ہوا تو بھی بار ناز بتاں
کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

(۱۰۲)

بے جا ہے رہ عشق میں اے دل گلہ پا　　یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلہ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشّاق　　غش کر دہ ہیں ٹھوکر کے بہ ہر فاصلہ پا

[لہ] شفق فام سرخ آتشی

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے
پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلۂ پا

سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگا نا
اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلۂ پا

گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا
شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلاؔ[1] پا

دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیر آہ
وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

(۱۰۳)

ہے عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا
فریب دے ہے تبسم ہمیں بشارت کا

بسا جو وادی میں جا کر تو وہ ملا آرام
کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا

دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں
مجھے تو ڈر ہے نہایت تیری جسارت کا

بھویں تو کھینچ چکی ہیں کمان اے غافل
نگہ کا تیر ہے اب منتظر اشارت کا

نظیر سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے
یہ فیض اس کو در دل کی ہے زیارت کا

(۱۰۴)

گلچیں نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا
بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا

جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں
کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیبؔ[2] کا

احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا
آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا

اس کی دوا جو ہو تو کسی نازنیں سے ہو
ق
اے مہرباں یہ کام نہیں ہے طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیر
کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

[1] خلا پا: پاؤں میں لگی ہوئی پھانس
[2] طیب - خوشبو۔
آسی ۱۲

(۱۰۵)

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا ۔۔۔ لٹکا لیا جو باندھ کے چیں سے لٹک گیا
جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم ۔۔۔ دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا
کیا جانے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج ۔۔۔ کانٹا سا کچھ جو دل میں ہمارے کھٹک گیا
دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر ۔۔۔ جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا

آیا وہ ناپسند اُسے جب تو اے نظیرؔ
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پہ ٹپک گیا

(۱۰۶)

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا ۔۔۔ دیکھا اسے تو بھولا "زنہار میں نہ دوں گا"
بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار بار اس سے ۔۔۔ بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا
جب اُس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا ۔۔۔ میں نے کہا یہ ہنس کر اے یار میں نہ دوں گا
سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم ۔۔۔ ق بولا نظیرؔ اس سے زنہار میں نہ دوں گا

قدر اس کی چاہ میں ہے سو درج دُر سے افزوں
اے سلک در مکنوں یہ ہار میں نہ دوں گا

(۱۰۷)

دل واں سے جو کل شتاب آیا ۔۔۔ دلبر کو بہت عتاب آیا
مدت میں ذرا اُٹھا دیا تھا ۔۔۔ پھر چہرے پہ اب نقاب آیا
اس چشم کو دیکھ چشم نرگس ۔۔۔ ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا
پیری میں نظیرؔ اپنے بر میں ۔۔۔ وہ شوخ جو بے حجاب آیا

آ کر لگے کہنے اس سحر کو
آغوش میں آفتاب آیا

(۱۰۸)

محفل میں اس کے پہونچے اور یار کو نہ دیکھا
بھولے ہیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا

عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم
جو ابروؤں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا

ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منھ کو ہم سے
چاہا بہت پر اس کے رخسار کو نہ دیکھا

ق
دل دیکھنے کو آیا۔ یارو۔ تو اس صنم نے
ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا

تیر نگہ لگایا ایسا نظیرؔ جس کی
پیکاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

(۱۰۹)

اُس نے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا
ایک جھلک میں حرف صبر صفحۂ دل سے دھو دیا

چہرے کو جب چھپا لیا ناز سے اس کی شرم نے
دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا

مہندی سے ناخن اس کے سُرخ دیکھے تو اُن کے رنگ نے
چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا

چھید لیا نگہ سے دل اُس نے تو ہم نے دیکھ کر
نوک مژہ سے اشک کے قطروں کو سے پرو دیا

دیکھیں جفائیں اسکی جب ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیرؔ تو نے تو دل ڈبو دیا

(۱۱۰)

ہے اب تو یہ دھن اس سے میں آنکھ لڑا لوں گا
اور چوم کے منھ اس کا سینے سے لگا لوں گا

گر تیرِ لگا دے گا پیہم وہ نگہ کے، تو
میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اُٹھا لوں گا

ق
دل جائے اُدھر دیکھا جب میں نے نظیرؔ اُسکو
روکا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لوں گا

واں ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں چلتے
ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا

پڑ جاوے گی جب شہ[1] وہ لے دل تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

[1] لہ شہ پڑنا سے مراد ۔ مقابلہ پڑنا یا مصیبت پڑنا ہے ۔ آسی

(۱۱۱)

اُٹھا دے تو گر ناز اس دلستاں کا
نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا
کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو
زبردست ایسا ہے نازان بتاں کا
ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت
جو احوال ہوتا ہے مہ سے کتاں[1] کا
نظیرؔ اب سنا ہے کہ اس تند خو نے
ق کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا
جو آتا ہے آنے دو اس تیغ زن کو
ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

(۱۱۲)

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا
یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہے
اُٹھاتا ہے جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم
تو کب ہے یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے
کہا طول چھوڑو نظیرؔ اس بیاں کا
کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو
میاں تم نے چھیڑا یہ قصّہ کہاں کا

(۱۱۳)

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا
نہیں سوئے تحت[2] پھرتا وہیں آفتاب اُلٹا
مجھے بیقرار کرنا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں
بصد انتظار آ کر بصد اضطراب اُلٹا
تجمل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی
کہ پہونچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب اُلٹا
کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا
تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب اُلٹا
مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کہ لے یہ گل ہیں
یہی گل کھلا کے واں سے وہ صنم شتاب اُلٹا
بھرے جام چشم کیا کیا مے اشک سے وہ میکش
جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب اُلٹا

[1] کتاں ایسی ریس کا ایک کپڑا تیار کیا جاتا ہے جو مشہور ہے کہ چاندنی میں پھٹ جاتا ہے ۱۲
[2] تحت نیچے عبدالباری آسی

گیا گھر نظیرؔ اس کے بہزار نامرادی
پہ ہزار شکر وہاں سے وہ ہو کامیاب اُٹھا

(۱۱۴)

خط بھی آیا تو بھی ظالم مجھ کو ترساتا رہا — جیسے شرماتا تھا جب ویسے ہی شرماتا رہا
آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے — اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا
سہو سے اک شب جو میرا لگ گیا زلفوں کو ہاتھ — کیا کہوں کیا کیا بلا سر پر مرے لاتا رہا
وہ تو وہ پر اُس کی کج ذاتی کو دیکھا چاہیے — زلفِ کافر کا بھی ایک اک بال بل کھاتا رہا
اُٹھ گیا پردا جو اُس رشکِ پری کے منہ سے رات — اسقدر دل غش میں آکر آپ سے جاتا رہا
جو سر اُس کا رکھ کے زانو پر میں چشمِ تر سے آہ — دو گھڑی تک پانی اُس کے منہ میں ٹپکاتا رہا

یار سے ہو کر خفا غیروں سے کیا ملنا نظیرؔ
منہ سے ٹھہرا ابر جب پھر دم سے کیا ناتا رہا

(۱۱۵)

کیا ڈھب ہے دل کو لینا اور اجتناب کرنا — آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا
کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی — کچھ بے طرح ہے دل کا آج اضطراب کرنا
پیتے ہیں مدتوں سے ناصح جو ہم تو اس کو — کہنے سے تیرے کب ہو ترکِ شراب کرنا
بھولیں نظیرؔ کیونکر ہم اس معاملے کو — ق — دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا

اپنا وہ پاس جانا۔ کہنا کہ ملیے اے جاں
اس کا پرے[۱] سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

(۱۱۶)

شیوۂ ناز ہوش چھل جانا — طرزِ رفتار دل کچل جانا
صفِ مژگاں کے جھوک سے گرگر — ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا

[۱] پرے سرکنا۔ علیحدہ ہٹنا ۱۲ عبدالباری آسی

اس نے آنے کہا ہے صبح۔ اے رشک ق تو پلک سے نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا

دل نے سیکھا ہے بے طرح سے نظیر
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

(۱۱۷)

بے ناز اسے ہر دم میں منتظر آنے کا اب دیکھیے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا
دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی ہو جاتا ہے تیروں سے جو حال نشانے کا
صد چاک ہوا کیا کیا دل شانے کے آرے سے جب ربط نظر آیا اس زلف کے شانے کا
ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اٹھانے کا

ٹھہرا تھا نظیر آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

(۱۱۸)

ادا کے توسن پہ اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا تو لیتے ہی ٹک عناں کے کیا کیا کچلتے صبر و قرار دیکھا
جھپک پہ مژگاں کے جب نگہ کی تو اُس نے اک پل میں تیر اڑایا جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اسکا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اسکے دیکھی تو رنگ دل کا ہوا عجب کچھ کمر بھی دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پہ نثار دیکھا

وہ دیکھ لیتا ہماری جانب تو آنکھیں ہوتی کچھ اور خوبی
پر اُس نے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیر ہم نے ہزار دیکھا

(۱۱۹)

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپٹیے گلے سے اے جاں جھمک سے کر تھپ چراغ ٹھنڈا

ہم اور تم ایک جان دو قالب تمہارا امیر ہے ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا

لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا

درخت بھیگے ہیں کل کے مینہ سے تپن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجیے تو آج صاحب عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا

وہی ہے کامل نظیر اس جا، وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوائے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

(۱۲۰)

شب مہ میں دیکھ اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا

روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا

ندھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ ٹھوکر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجک جھجک کے چلنا

جو نوازشوں میں آنا تو رگڑ کے روش جانا
جو سر عتاب ہونا تو پھٹک پھٹک کے چلنا

ہے کھبا نظیر اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

(۱۲۱)

آن نے دل لے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا

لے کے دل پھر بیٹھا ہے وہ دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا

جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درمان کیا

کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا

کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہو کے بیقدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

(۱۲۲)

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا

ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے ہی قیبوں کا دہاں[1] باندھ لیا

جنت و خلد و ارم سب نظر آجاتے ہیں
دھیان محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا

گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہے جہاں[2] باندھ لیا

ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے اے جاں
ق
سچ کہو تم نے مرے دل کو کہاں باندھ[2] لیا

دل کو خوباں سے گر کھینچے کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

(۱۲۳)

اُس نے کہا کہ مجھ سا غنچہ دہن ہے کون سا
مینے کہا کہ واقعی اس میں سخن ہے کون سا

دیکھے ہے کیا چمن کو تو جسکی چمن ہے رنگ و بو
دیکھے تو دیکھ اُسے کہ وہ رشک چمن ہے کون سا

قبلہ نما کی طرح سے تکتی ہے جسکو چشم خلق
ایسے تو اب تمھیں ہو اور قبلہ امن ہے کون سا

لعل و دُر اس کے دیکھکر ہم نے نہ جانا پھر کہ یاں
لعل یمن ہے کون سا دُر عدن ہے کون سا

اُسکی جو بوئے زلف سے رکھے ہے عزم ہمسری
میں بھی تو دیکھوں ٹک اُسے مشک ختن ہے کون سا

تو جو نظیر شادماں بیٹھا ہے گھر بنا کے یاں
کچھ تو خیال کر میاں تیرا وطن ہے کون سا

(۱۲۴)

گرم یہاں یوں تو بڑا حسن کا بازار رہا
میں فقط ایک دکان ہی کا خریدار رہا

جب سے دیکھا اُسے پھر آئینۂ چشم کے بیچ
تا دم مرگ وہی عکس نمودار رہا

کس طرح دیکھتے ہم جاکے چمن میں سنبل
دل تو اس کاکل مشکیں کا گرفتار رہا

آ پھنسا جو کوئی اس دام گہ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

[1] دہاں باندھ لیا یعنی منھ بند کر دیا ۱۲ [2] غزل کے پہلے مصرع اور اس مصرع میں باندھ لیا بمعنی گرفتار کے ہیں ۱۲ آسی

بس جو ہوتا تو نہ رہتا کبھی دنیا میں نظیرؔ
تھا جو بے بس کوئی اس دام میں ناچار رہا

(۱۲۵)

آنے کا عہد اس کے گر سچ نظر میں آتا
تو اشک لحظہ لحظہ کیوں چشم تر میں آتا

پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو
گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا

تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر وہ ہمدم
جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

طائر کو دل کے اس نے باندھا نظیرؔ جو تھا
ق
چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہے کہ چھوٹا شاید غلط ہے یارو
گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

(۱۲۶)

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا
اپنا نہال الفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل
پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا
بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ق
ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی ملیں گے
جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیرؔ تم کو ہے چار دن کی چاہت
وہ تند خو تمھیں تو کیا ایک چار دے گا

(۱۲۷)

کچھ تو ہو کر دو بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہہ دیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہہ دیا

باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہہ دیا

اب کہیں کیا اس سے ہمدم دل لگاتے وقت وہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہہ دیا

چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
ق
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہہ دیا

یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیرؔ
اس نے اُس سے اُس نے اِس سے اس نے اس سے کہدیا

(۱۲۸)

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ چاہ کی مے کو تو نہ پینا
جو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہے جینا

جو انکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو چھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم اے جاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر وہیں پسینا

کیا ہے غصہ میں ہاتھ لاکر میرا گریبان جو ٹکڑے اس نے
پھٹا ہی رہنا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا

کہا تھا آؤں گا دو ہی دن میں وہ لے نہ آیا وہ شوخ اب تک
اگنا جو ہم نے نظیرؔ دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

(۱۲۹)

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگرچہ یوں ہے خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑے گا پھر آنا ہوگا محال دل کا

گہرتے اشکوں کے یاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا

کبھی اشارت کبھی لگاوٹ کبھی تبسم کبھی تکلم
یہ طرزیں ٹھہریں تو ہم سے پھر ہو بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا

وہ زلف پر پیچ و خم ہے اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز

ہمارا کہنا ہے سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا

میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہے جاتا
کروں نظیر اس کی فکر میں کیا ہے اب تو میرے یہ حال دل کا

(۱۳۰)

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا | جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہے مسکرانے کا
حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، و لیکن سے | یہ لطف پنجۂ مژگاں کے گدگدانے کا
بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر | بسیرا جو ہے طائر کب آشیانے کا
پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے اے دل | جو ہاتھ آ گیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دست حنا بستہ سے دل اس نے نظیر
یہی مآل ہے اس کے حنا لگانے کا

(۱۳۱)

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی چھپک تیر لگا | تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا
کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید | یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا
ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات | لے گئی دل کو تری زلف گرہ گیر لگا
میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیر | ق | سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا

میں تو کیا پرزے اُڑا دے وہ بھی اگر کوئی
اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

(۱۳۲)

کلال[۲] گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا

جو پاتا لذت لبان مستاں مئے محبت سے تیری زاہد

لہ لگا کرے جانا بہلا پھسلا کر ساتھ لے جانا ۱۲ سے کلال ۔ کمہار ۱۲ آسی

تو خانقہ سے نکل کے اپنی وہ میکدے میں قیام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے کشی کی فرشتے ہو جاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے خوری کی فرشتے ہو جاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا
(مکرر)

نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر وہ شوخ اپنا غلام کرتا

(۱۴۳)

گہ چشم اُٹھا رخ پر مرآت[۱] لقا ہونا
ہے ایک جو وہ کرتی اس تیغ سے ابرو کی
اُس نخلہ[۲] قامت کا یہ پھل ہے کہ دیکھ اسکو
کاکل کے رسا کا بھی ہے لطف یہ کچھ جس سے
گو حسن سے فندق[۳] کے دل شاد ہوا لیکن

گہ سر بہ گریباں ہو ہم چشم حیا ہونا
یہ فائدہ ہے یعنی یکتا سے دو تا ہونا
جوں نخل خزاں دیدہ بے برگ و نوا ہونا
ہر صبح نسیم آسا زنجیر بپا ہونا
پڑتا ہے کئی دن تک انگشت نما ہونا

بالفرض سراپا یہ ہو کوئی نظیر عاشق پر
اُس سے بھی پھر آخر کو ہے بے سر و پا ہونا

(۱۴۴)

اگرم گلشن کا جو کل وہ رشک مہر و مہ گیا
طرۂ آواز خندیدن سے کامل پھر تک
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل اور آبجو

ق

جب پھرا واں سے تو گل بازار تک ہمرہ گیا
گل سے ز ر بلبل سے چہچہ کبک سے قہقہ گیا
اک اُڑا اک گر گیا اک جل گیا اک بہ گیا

[۱] مرآۃ آئینہ
[۲] نخلہ بمعنی نخل
[۳] فندق ایک میوہ کا نام جسے پورے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲

ہو گیا سنتے ہی بیدم بیقرار و بے حواس — گوش دل میں نامہ بر کیا جانے کیا کچھ کہہ گیا
وائے آخر ہم رہے اور سُنے وہ سرو گلعذار — قصہ خوانوں کے مگر کہنے کو قصہ رہ گیا
کس توقع پر کرے یاں کی کوئی ثروت بہم — جب کہ خالی ہاتھ اسکندر سا شاہنشہ گیا

غور سے دیکھا تو اُس کے طاق ہستی پر نظیرؔ
اتنی حشمت تھی فقط اک آئینہ ہی رہ گیا

(۱۳۵)

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا — جب ہنس دیا تو سالک دُرِ عدن کو دیکھا
تا رنگ ہمارا ہے آج تک بھی رنگیں — کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا
سنبل[۱] ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل — نسرین[۲] نثار لائی جب اُس کے تن کو دیکھا
بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے — ق — میں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا

ہم نے نظیرؔ ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

(۱۳۶)

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا — پھر نشہ صہبا سے نہ تریاک[۳] سے باندھا
اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے — شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا
دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں — جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا
جو آہوئے دل بھاگ گیا اس صید فگن کو — ق — جھٹ اس نے اسے کاکل پیچاک[۴] سے باندھا

اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیرؔ آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

(۱۳۷)

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا — جو دیکھنا پڑا اب غصہ گھڑی گھڑی کا

[۱] سنبل کو اب مذکر بولتے ہیں ۱۲
[۲] نسرین سیوتی ۱۲
[۳] تریاک۔ افیون ۱۲
[۴] پیچاک پیچیدہ ۱۲ آسی

عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا — اب کھولنا ہے اس کی خاطر کی گلجھڑی[1] کا

اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کی — کب پہونچے حسن اس کو ایسی گرگی[2] پڑی کا

اس گلبدن نے ہنس کر اک لیکے شاخ نسریں — ق — ہم سے کہا کہ کیجیے کچھ وصف اس چھڑی کا

جب ہم نظیر بولے اے جاں یہ وہ چھڑی ہے
دل ٹوٹتا ہے جس پر جوں پھول پنکھڑی کا

(۱۳۸)

جن دنوں حسن بتاں کے دل پئے نظارہ تھا — سو بسو ہر دم رواں اور کو بکو آوارہ تھا

مدتوں میں ایک دن ہم دلی سے ملنے کو گئے — کس لیے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ[3] تھا

وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا — جور سے سنگیں دلوں کے شیشۂ صد پارہ تھا

تھے پڑے پہلو کے نیچے جائے بستر خار و خس — اور بزیر سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا

کھو چکا تھا بیوفاؤں میں جو عمر اپنی نظیر
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

(۱۳۹)

ہوا خورشید کے دیکھے سے دونا اضطراب اپنا — کہ یہ نکلا سحر کو اور نہ نکلا آفتاب اپنا

ترے منھ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہے — ذرا آئینہ لے کر منھ تو دیکھے آفتاب اپنا

نہ اتنا ظلم کر اے چاندنی بہر خدا چھپ جا — تجھے دیکھے سے یاد آتا ہے مجھ کو ماہتاب اپنا

خفا دیکھا ہے اس کو خواب میں دل سخت مضطر ہے — کھلا دے دیکھیے کیا کیا گل تعبیر خواب اپنا

سحر آسا عیاں ہوتے ہی لی راہ عدم ہم نے — ہوا آنا بھی اور جانا بھی ایسا کچھ شتاب اپنا

نظیر اس بحر میں فرصت کم اور عیش و طرب کا کیوں
تو پھر اب حق بجانب ہے کرے کیا کیا حباب اپنا

[1] گلجھڑی۔ گرہ۔ گتھی ۱۲
[2] گرگی پڑی — گتھی گزری مقید ۱۲
[3] ہموارہ ہمیشہ ۱۲ آسی

(۱۴۰)

عشق کا مارا نہ صحرا ہی میں کچھ چوپٹ پڑا
ہے جہاں اس کا عمل وہ شہر بھی ہے چپٹ پڑا

عاشقوں کے قتل کو کیا تیز ہے ابرو کی تیغ
ٹک اُدھر جنبش ہوئی اور سر دھڑ سے کٹ پڑا

اشک کی نوک مژہ پر شیشہ بازی دیکھیے
کیا کلائیں کھیلتا ہے بانس پہ یہ نٹ پڑا

شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں
اب تلک غنچہ جمائیں لیتا ہے چٹ چٹ پڑا

دیکھ کر اس کے سراپا کو یہ کہتی ہے پری
سر سے لیکر پاؤں تک یاں حسن کر جیٹ پڑا

کیا تماشا ہے کہ وہ چنچل ہٹیلا چلبلا
اور رستے تو ہٹ گیا پر سب دلوں پر ہٹ پڑا

کیا ہوا گو مر گیا فرہاد لیکن دوستو
بیستوں پر ہو رہا ہے آج تک کھٹ کھٹ پڑا

ہجر کی شب میں جو کھینچی آن کر نالے نے تیغ
کی پٹے بازی وہ لے تا شر سے بٹاہٹ پڑا

دل پڑا تھا گر اس میں کھینچی آہ نے پھر پیچھے
اے نظیر آخر وہ اس کا نیچہ بھی پٹ پڑا

(۱۴۱)

کل جو وہ دلربا ادھر آیا
دل کو لینے کو تھا مگر آیا

ق

دوسرے دن بھی شوخ پھر آیا
اس طرف جب ہوئی سحر آیا

پھر گیا دیکھ دکھا کے پھر دم میں
مسکراتا وہ سیمبر آیا

میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا
ہے اسی کی یہ تاک پر آیا

جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
خود ہی دل اس کے نذر کر آیا

(۱۴۲)

ق

جب ہمنشیں ہمارا ابھی عہد شباب تھا
کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا

حیرت ہے اس کی زود روی کیا کہیں ہم آہ
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

ملہ چوپٹ پڑنا یعنی برباد تباہ ہونا چپٹ پڑنا جہاں آکر ... ملہ شیشہ بازی ... شیشے کے ... سر پر رکھ کر بانس اور ... پر چڑھتے ... نٹوں کی کثرت ... کرتب ۱۲ ملہ ہٹ پڑنا یعنی ... لینے کے ... ۱۲ ملہ ... پٹا ... آسی

تھا جب وہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

سقّۂ باغ زندگی کو اسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام ہے نظیر
مجموعۂ حیات کا لُب لُباب تھا

(۱۴۳)

اگر اس گلبدن کا دل میں کچھ آثار ہو پیدا
تو پھر اپنے ہی سینے میں عجب گلزار ہو پیدا

پھر اپنے قتل ہونے کا ابھی جوہر وگر دیدیں
اگر قاتل کی ابرو کی کہیں تلوار ہو پیدا

تجلّی طور کی ٹھہری نگاہوں میں ٹھہر جاوے
اگر موسیٰ سا کوئی طالب دیدار ہو پیدا

بس آئینے میں یکباری جمال اس کا نظر آئے
تو روز حشر تک اس میں نہ پھر زنگار ہو پیدا

اگر انکار کی لذت کو ہم سمجھیں تو پھر یارو
اسی انکار کے پردے میں پھر اقرار ہو پیدا

کرے دل زنار اپنی گردن دل کا نظیر اس کو
اگر اس زلف کافر کا کبھی اک تار ہو پیدا

(۱۴۴)

دل پری رویوں کی چاہت نے تو بے مغرور کیا
اُن کے دیوانوں میں تنہا ہے تو ہی مشہور کیا

وصف تن حور و پری کا یوں کہا اک رشک کر
حُسن میں ہم سے زیادہ ہے پری اور حور کیا

جب کہا ہم تو تمھیں اُٹھنے نہ دیں گے بزم سے
ہنس کے فرمایا کسی کی تاب کیا مقدور کیا

چھینے دل لیتے ہیں پھر کہتے ہیں اسکو تلخ کام
کیوں جی ان شیریں لبوں کا ہے یہی دستور کیا

منہ بنا کے کس لیے بیٹھے ہو دل تو لے چکے
اب جبیں کرنے سے پر چیں ہے تمھیں منظور کیا

جاں اگر درکار ہے تم کو تو کہتے کیوں نہیں
اس کا بھی دے ڈالنا اے جاں ہے ہم کو دور کیا

لے جو ہو کر دو بدو آج اس کو دیکھ آیا نظیر
اس کا بدلہ تجھ سے وہ لیگا تو ہے مسرور کیا

(۱۴۵)

جب اُس کے ہی ملنے سے ناکام آیا / تو یارب یہ دل میرا کس کام آیا

کبھی اس تغافل منش کی طرف سے / نہ قاصد نہ نامہ نہ پیغام آیا

ق

صد افسوس دم اپنا نکلا ہے کس دم / کہ جب گھر سے گھر تک وہ گلفام آیا

مجھے صبح کو قتل کر وہ مسیحا / جو گھر اپنے فرخندہ فرجام آیا

کسی نے مری بات بھی واں نہ پوچھی / اگرچہ ہر اک خاص اور عام آیا

غرض پھر اُسی کو جو یاد آئی میری / تو گھبرا کے جس دم ہوئی شام آیا

جلایا اُٹھایا گلے سے لگایا / عزیزو دکھو پھر آخر وہی کام آیا

گئی بیوفائی نظیر اب جہاں سے / وفاداریوں کا بھی ہنگام آیا

(۱۴۶)

بحسب عقل تو کوئی نہیں سامان ملنے کا / مگر دنیا سے لیجا دیں گے ہم ارمان ملنے کا

عجب مشکل ہے کیا کیجے بغیر از جان دینے کے / کوئی نقشہ نظر آتا نہیں آسان ملنے کا

ہمیں تو خاک میں جا کر بھی کیا کیا بیکلی ہو گی / جب آ جاوے گا اس غنچہ دہن سے دھیان ملنے کا

کسی سے ملنے آئے تھے سو یاں بھی ہو چلے[ل] اکدم / کہے دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ملنے کا

نظیر اک عمر ہم اس دلربا کے وصل کی خاطر / بہت روئے بہت چیخے پہ کیا امکان ملنے کا

ہماری بیقراری اضطرابی[ل] کچھ نہ کام آئی / وہ خود ہی آ ملا جب وقت آیا آن ملنے کا

(۱۴۷)

تمہاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا / ہمارے دل سے[ل] اک بال بھر خلل نہ گیا

ہلیں ہلیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے / وگرنہ یاں سے یہاں ہاتھ کون مل نہ گیا

ل ہو چلے یعنی فنا کا[illegible] کرتے چلے ۱۲ ل اضطرابی یعنی بےچینی اکثر چھپا کے [illegible] درست نہیں ہے ۱۲ ل سی یعنی سے [illegible] دہان کا نقطہ [illegible] نظیر کے سامنے سی قریب قریب متروک ہو چکا تھا ۱۲

جلا کے پر جو لگن میں بڑا اسلگتا ہے پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا	

(۱۴۸)

دیکھیئے جلوہ جو اُس کے حُسنِ بالادست کا		حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہِ پست کا
بے صدا آکر لگا اور ہوگیا سینے کے پار		یہ خدنگِ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

(۱۴۹)

اک پردہ ہستی نہ رہا جوں نظر آیا		وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا؟
اُس مہرِ پر انوار سے شبنم کی طرح ہم		گُم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

(۱۵۰)

سرسبز دل جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک		دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھُن گیا
عجب سے ہوئے ہیں وہ لبِ جاں بخش جلوہ گر		تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گن گیا

(۱۵۱)

لاکر ہر اک ادا میں نہ وہ عیتا رہ چٹکلا		چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکلا
سب جانتے ہیں چٹکلا بازی نظیر کی ہے		اس کے ہر اک سخن میں ہے لے یار چٹکلا

متفرقات ردیف الف

لائے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا	۱	جس کے آگے مہر گیا، مہ گیا، پری گیا حور گیا
دل ہوا نظر دن سے بسمل ابروئے دلخواہ کا	۲	تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا
نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا	۳	بنایا آہ! کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا
بہار آئی ہے کیا ہر شاخِ گل پر لے مکاں اپنا	۴	بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا
پہونچے نہ ذیلِ وصف میں دست اُسکے عام کا	۵	موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

دیکھ سبزوں کی قراءت کو زمیں پڑھتی ہے	٦	آیۂ انبتہ اللہ نباتاً حسنا
چمن طراز حقیقی نے اپنی صنعت سے	٧	کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا
وصل اُس کا ہوتا کیونکر میسّر	٨	وہ نورِ جاں تھا، میں آب و گل تھا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے	٩	کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا
ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیرؔ	١٠	کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا
جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیرؔ	١١	خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا
جو وصف زلف کا پوچھا تو حلقے حلقے کو	١٢	تاب و مرجع و ملجائے صد اسیر کیا
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل اور جویبار	١٣	اک اُڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہ گیا
تو ہے وہ گل، اے جان، کہ ترے باغ میں ہی شوق	١٤	جبریل کو بلبل کی طرح نعرہ زنی کا
ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور؟	١٥	ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اُس کی جا؟
بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہی گل	١٦	سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا
نظیرؔ اب اس ندامت سے کہوں کیا	١٧	"تف آہا ثم آہا ثم آہا"
ہے کفِ پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا	١٨	پائے نظارہ یہ کہتا ہے "پھسل جاؤنگا"
نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحفِ رخ کی	١٩	نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گل کا
اب تو ذرا سا گاؤں ہی، بیٹی نہ دے اسے	٢٠	لگتا تھا ورنہ، چین کا داماد آگرا
ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل	٢١	آرہ ادھر دکھاتی ہے، اُدھر تبر قضا
بتوں کی نازبرداری میں بھی تیری عبادت کی	٢٢	مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا
عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں، ذرا جاگو	٢٣	جرس فریاد می دارد کہ "بربندید محمل ہا"
ہوئی جو ردّ و بدل رائے کتنی بار نظیرؔ	٢٤	تو اُس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا
ہے تاج گنج میں اب تو نظیرؔ کا میلا	٢٥	نظیرؔ کیا ہے عجب بے نظیر کا میلا

ملیح خدا اس کو
بھی طرح اگائے
شنہ یس افسوس
پھر افسوس پھر
افسوس ہا ہا آتشی

ردیف بار

(۱۵۲)

دیا جو ساقی نے ساغرِ مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ سرکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب

نہ دے ہمیں آ کے کوئی دھوکا۔ کہ ہے تصور میں تو تو بیٹھا
کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب

چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے مُنہ سے بولے بس اب ہمیں تو
یہی ہے خواہش، یہی تمنا۔ یہی ہے مقصد۔ یہی ہے مطلب

کبھی جو آتے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب

نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیر ہم میں تھا دین و ایماں
لگا لبوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دیں اور کہاں کا مذہب

(۱۵۳)

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب
بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب

عشق میں اس گوہرِ نایاب کے
آج تلک خشک ہیں دریا کے لب

نام سے اس لب کے ہیں لبریز شہد
خلد کی حورانِ شکر خا کے لب

لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد
دیکھے اگر اس بتِ زیبا کے لب

ایک تبسم سے دیئے لاکھ دشنام
ایسے ہیں اس شاہدِ رعنا کے لب

اس لبِ جاں بخش کے آگے نظیر
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

(۱۵۴)

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب — لیکن اسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب
نام خدا میں کیا کہوں اس گل کے حسن میں — کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب
فرقت میں اب کے یار تو دلدار سنے ہمیں — خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب
فضل الٰہی اب تو نظیرؔ اپنی بزم میں — اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

(۱۵۵)

ق

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب — اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب
وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جنکی رفعتیں — ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب
وہ مطلا قصر وہ رنگیں منقش بام و در — وہ مرصع خوابگاہیں بہر عیش و بہر خواب
صحن میں بستاں سرا ایسے پُراز غلمان و حور — جن کی انہار ؔوں میں جائے آب گل خالص گلاب
وہ مطلا قصر رنگین و منقش بام و در — جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنھیں کہتے تھے لوگ — کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہر وش، بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش — مشتری پیکر ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تمول وہ تفوق وہ غرور — وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب
ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں — جن کے عارض رشک ماہ و رشک فیض آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی — طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بصبح — دمبدم رقص و سرود اور پے بہ پے جام شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی — ساغر و مینا و گل، عطر و مے و نقل و کباب
کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش سے — از زمیں تا آسماں شور نے و چنگ و رباب

سلہ نہر کی جمع انہار ہے۔ پھر انہار کو مقصور بنا جمع از ترہ کہنا صحیح نہیں ہے اس کے استعمال سے اجتناب ضروری ہے متقدمین بے پروائی سے الفاظ لکھ جاتے تھے۔ "مثلاً" لفظ ذا ہی ہے اہل فارس نے بقاعدہ عربی اسکو اسم مفعول کی صورت میں استعمال کیا ہے مگر اس کی صحت میں کلام ہے اگرچہ آج بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ نسبت و غیرہ بھی اسی قسم کے لفظ ہیں۔
آسی

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور — وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط[1] تھا یا دفعتاً — کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حبابِ آسا گر — رہ گئے عبرت فزا وہ قصرِ ویران و خراب
تھا جہاں وہ مجمعِ رنگین وہاں اب ہے تو کیا — نقشِ سُمِ گور یا کہنہ کوئی پر عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں — اور جو کوئی طاق ہے تو صورتِ چشمِ پرآب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیرؔ اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶)

بحرِ ہستی میں صحبتِ احباب — یوں ہے جیسے برہنۂ آب حباب
گردشِ آسماں میں ہم کیا ہیں — پر کا ہے میانۂ گرداب
بادۂ ناب کیا ہے خونِ جگر — زردیِ رنگ ہے شبِ مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں — وہ بھی ہے اک ہولِ خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے — مثلِ تحریرِ موج نقش برآب
جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ — روح کیا اک سوارِ پا بر کاب
حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں — خطفۂ[2] برق و قطرۂ سیماب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں — ایک مثلِ خیال و دیگر خواب
فرصتِ عمر قطرۂ شبنم — وصلِ محبوب گوہرِ نایاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو کہے — یار مہ چہرہ اور شبِ مہتاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

[1] تنشیط نشاط خوشی [2] خطفہ بجلی کی چمک ۱۲ آسی

(١٥٧)

رات کھینچا جو اُنے رُخ سے نقاب — چھٹ گئی روئے ماہ پر مہتاب
اس حنا بستہ دست کو پہونچے — پنجۂ آفتاب میں کیا تاب
اس کو توسن پہ کل جو ہم نے نظیر — آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب
چوم لی باگ اس طرح پہلے — جی میں خوش ہوگیا دل بیتاب

دل سے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد رشے رکاب

(١٥٨)

تمھارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب — جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش — کہ اب تو آپ بھی اسباب کو کھو لیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بوسے تو البتہ بولیے صاحب

[illegible]

(١٥٩)

خوباں میں اس طرح ہے وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستارہ دل میں ہے ماہ سب سے خوب

محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہے یہی راہ سب سے خوب

دل جس کو چاہتا ہے وہی جانے جناہ کو
اپنی تو فہم میں ہے وہی چاہ سب سے خوب

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہے جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب

خوبی میں خوب رو تو سبھی خوب ہیں نظیر
پر خوب غور[1] کی تو ہے اللہ سب سے خوب

(۱۶۰)

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیر
ہوئی مزار کو اپنے، نہ ایک خشت نصیب

(۱۶۱)

دل سا دُرِّ یتیم بکا کوڑیوں کے مول
کیا کیجیے، خیر یہ بھی خریدار کے نصیب
بازارِ یوسفی نے نہ دیکھی تھیں خواب میں
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

(۱۶۲)

میں ہوں اور مہرو ہے اور ساقی ہے اور بزمِ شراب
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
ثروت و مال و منال و حشمت و جاہ و جلال
کوئی اسکو کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں یہ خواب

(۱۶۳)

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے
یارِ مہ چہرہ اور شبِ مہتاب

متفرقات ردیف (ب)

۲۶ ساغر کے لب سے پوچھیے اُس لب کی لذتیں، کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
۲۷ ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں، یا رب؟ سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں، یا رب
۲۸ گزرے دو دم نہ خوشی سے کبھی ہائے نصیب تھی عجب کلک وہ جس سے مرے لکھے ازل نصیب
۲۹ بقولِ حضرت صائب ہزار حیف، نظیر کہ در بہار ندارم بکیف بہائے شراب
۳۰ ایک نظر گر تجھے دیکھیں، تو شادی سے پھر مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

[1] غور بہ تذکیر و بہ تانیث دونوں طرح صحیح ہے ۱۲ عبد الباری آسی

ردیف باء فارسی (پ)

(۱۴۴)

ہے جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ — رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری در دست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں — اسکے قبضے میں ہے سوز نیت دری در دست چپ

لکھے جو لکھتا ہے قلم لے کر تو پھر کیا کیا رقم — کرتے ہیں قرطاس پر زیب آوری در دست چپ

ق

کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر — اور مصلے کی عنایت گستری در دست چپ

آج صہبا کی گلابی اس کے ہے در دست راست
اور چھلکتی مے کی ایک پیالی بھری در دست چپ

(۱۴۵)

کیونکر رہے نہ آہ وہ الفت پذیر چپ — سحر نگاہ کا جسے کر دیوے بیر چپ

بوسہ جو مانگتے ہیں تو منھ پر طمانچہ مار — کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ

کاکل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا ذرا — بولی وہ چشم اس کی وہیں "اے اسیر چپ"

ق

دیکھ اس نے ہم کو چیں بجبیں ہو کے یوں کہا — دیکھے ہے کس طرح ہمیں ہو کر یہ پیر چپ

چاہا کہیں کہ پیر سے کیا دل نہیں میاں
تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

(۱۴۶)

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ — ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ

شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر — پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

ق

سن شور گلی میں اپنی ہر دم — بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ

جب ہم نے کہا نظیر اس سے — ہم رہنے کے یاں نہیں گے چپ

سوچو تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کیے ہیں چہچہے چپ

(۶۷)

دل کو لیکر ہم سے اب جاں بھی طلب کرتے ہیں آپ
لیجیے حاضر ہے پہ یہ تو غضب کرتے ہیں آپ

ہوو تقصیر گر ہوتے تو لازم تھی سزا
یہ جفا پھر کیجیے ہم پر کس سبب کرتے ہیں آپ

کرتے ہو ابرو سے گشتہ رخ سے دیتے ہو جلا
حسن میں اعجاز کیا کیا روز و شب کرتے ہیں آپ

قیس سے جو تھا کیا در پردہ لیلا نے سلوک
سو وہی اے مہرباں ہم سے بھی اب کرتے ہیں آپ

بیکلی ہوتی ہے حسرت سے دل صد چاک کو
اپنی زلف عنبریں کو شانہ جب کرتے ہیں آپ

ق
ہم نے پوچھا پھر بھی اسکی جاں پھری سب جسم میں
نزع میں دو رہی ہے جس کو جاں بلب کرتے ہیں آپ

ہنسکے فرمایا نظیر اپنی دعائے لطف سے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیا اس کا عجب کرتے ہیں آپ

ردیف تاء فوقانی (ت)

(۶۸)

کسی نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں اغلام ہوں اس شکل کا بہر صورت

ہیں آئینے کے بھی کیا طالع اب سکندر واہ — کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت
عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ — جو میں ادھر کو ہوا اُس نے کی اُدھر صورت ق
اُدھر کو جب میں گیا اُس نے لی ادھر کو پھیر — پھرا میں اُس نے پھرائی جدھر جدھر صورت
ہزاروں پھیریاں میں نے تو کیں پر اے نظیر — نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

(۱۶۹)

دل ہے یوں پہلو میں یاد رخ گلفام سمیت — جیسے رہتا ہے انگوٹھی میں نگیں نام سمیت
کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکل مشکیں اس کی — آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت
جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم — آ گیا رشک میں پستہ گل بادام سمیت
دیکھی ساقی کے حنا پنجہ نے رشک میں جب — بوسۂ دست لیا ہم نے لب جام سمیت
خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستاں کو نظیر — جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

(۱۷۰)

کھل گیا رخسار اس کا جب گھڑی کاکل سمیت — حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت
ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب — ہو گئی محو نگاہ رشک بلبل گل سمیت
بزم میں اس کی بہار چشم مے گوں دیکھ کر — کیا کہیں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت
اُس کے بازو کی لچک سے لگ کے یوں ہلتا ہے دل — جس کی جنبش پر فدا ہو شاخ گل بلبل سمیت
خوش ہوا دل میں و لے ناخوش وہ ظاہر میں نظیر — آ گیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

(۱۷۱)

کیا نام خدا اپنی بھی رسوائی ہے کمبخت — رسوائی مجنوں بھی تماشائی ہے کمبخت

لڑنے کو لڑے اُس سے پراب کرتے ہیں افسوس	افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کمبخت
اک بات بھی مل کر نہ کریں اُس سے ہم اے چرخ	کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کمبخت
ہمدم تو یہی کہتے ہیں چل بزم میں اُس کی	کیا کہیے اُسے اپنی جو خود رائی ہے کمبخت
وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دل میں خجل ہیں	کس منہ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کمبخت
یارو ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی [1]	آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کمبخت
رہنے دو ہمیں کنجِ قفس میں کہ ہمارے	قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہے کمبخت
اس جام نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر [2]	یاں بادہ نہیں بادپیمائی ہے کمبخت

ٹوٹے ہیں بہت شیشۂ دل جس سے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبد مینائی ہے کمبخت

(۱۷۲)

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا	بے اختیار، آپ سے شیشہ کرے گا جست
کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و دُرد کا	اے ساقیانِ بزم، بیارید ہرچہ ہست

متفرقات ردیف (ت)

فرد

تری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت	ترے آگے کوئی قادر کب آسکتا ہے کیا قدرت

ردیف تاء ہندی (ٹ)

(۱۷۳)

گلے سے دل کے رہی یوں ہے زلفِ یار لپیٹ	کہ جوں سپیرے کی گردن میں جائے مار لپیٹ
مزے اٹھاتے کمر بند کی طرح سے اگر	کمر سے یار کی جاتے ہم ایک بار لپیٹ

[1] غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا غالبؔ
[2] آسماں جام نگوں مال کردئیے عشرت تہی است جستن بے اینی ساغر نشاں الٰہی ہست جامیؔ

ہمارے پاس وہ آیا تو کھول کر آغوش — ق — یہ چاہا جاویں ہم اُس سے بہ انکسار لپیٹ
وہیں وہ دور سرک کر عتاب سے بولا — ہمارے ساتھ نہ ہو کر تو بیقرار لپیٹ

ہمیں جو چاہیں تو لپٹیں نظیرؔ اب ورنہ
تو چاہے لپٹے سو ممکن نہیں ہزار لپیٹ

(۱۷۴)

نگہ لڑانے کے آگے اسکی ہے ناز کرتی بڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ

دکھا کے جبیں کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھاتا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہے وہ بڑی لگاوٹ

چھڑی اُٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا
لگا دے تن پر وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہے چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا بس اب نہ لیکن
پھنسا وہ پھندے میں مدتوں کو جہاں تک اسکی لڑی لگاوٹ

نظیرؔ دل کو بچا دے یار و کب اس صنم سے کہ جس میں ہو دے
گھڑی مچلنا۔ گھڑی چھکنا۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ

(۱۷۵)

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ — باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ
آتے نہیں اوّل تو کبھی، اور کہیں شاید — تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ
جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے — وہ ہم کو جو سمجھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط چُل — اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
ہنسنے میں نظیرؔ اس کے لگاوٹ تو ہے لیکن — ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ردیف ثاء مثلثہ (ث)

(۱۷۶)

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث — ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث
کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے — اگرچہ اس سے کرے ہمسری کی تدبیر عبث
وہ ہم کو جھڑکے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں — کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث
جھجک کے بوسے کو لیتے نہ پائے جب بہانہ — ہم اس کی نظروں میں اے دل ہوئے حقیر عبث

وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منہ لگاتا ہے
لپٹتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

(۱۷۷)

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث — اور جو کہیے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث
دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا چھوڑ دو — پھر جو یہ کہیے غضب کیجے اب یا یہ بھی عبث
ہوں جو بیدرد ان سے کیا کہیے توقع لطف کی — پھر اگر کہیے تو پھر ہو ملتفت کیا یہ بھی عبث
سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ — یہ تمنا بھی ہے بے جا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیر
پھر جو بوسے کے لیے تو نے کہا یہ بھی عبث

ردیف جیم (ج)

(۱۷۸)

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج — ہم نے کہا جان کل اس نے کہا ہنس کے آج
زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک — چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج

شعر ایک
ریشمی کپڑا ۱۲
شاہ باج۔ خراج
محصول ۱۲ آباشی

اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تو، جو دل
رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج

کام پڑا آن کر چارہ سے جس دن ہمیں
چھٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج

دل تو نہ دیتے ہم آہ لے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

(۱۷۹)

اس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل سنے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج

کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت مدت میں
اپنے دلخواہ پھرا گنبد مینائی آج

ہو گئی باغ میں عطریت سنبل برباد
نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج

ق
اس کے کوچے کی طرف جاتے ہیں ہم سے ہمدم
امتحاں کو جو ذرا دیر کی ٹھہرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیر
کیا سبب ہے نہیں آیا جو وہ سودائی آج

تکل: ایک قسم کا پتنگ جس میں دو کانیں نہیں ہوتی ہیں ۱۲ [illegible]

ردیف جیم فارسی (چ)

(۱۸۰)

بتوں کی کاکلوں کے دیکھ کر پیچ
پڑے ہیں دل پہ کیا کیا پیچ پر پیچ

طریق عشق بے رہبر نہ ہو طے
کہ ہے یہ رہ نہایت پیچ در پیچ

نہ ہووے دل کی تکل کٹ کے برباد
اگر ڈالے نہ وہ تار نظر پیچ

وہ زلف اس کی جو ہے پر پیچ و پر خم
کمند جاں ہے اے دل اس کا ہر پیچ

نظیر اک روز اپنے زخم سر کو
جو باندھا ہم نے دے کر بیشتر پیچ

ق
نظر کرتے ہی اس سرکش نے اک بار
کہا کر کے سخن کا مختصر پیچ

دعا دیجے ہماری تیغ کو آج
کہ جس نے آپ کو سمجھا یہ سرپیچ

(۱۸۱)

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ
جس کی کھبتی ہے جھوک[1] جان کے بیچ

دل کو اس کی ہوا نے آن[2] کے بیچ
کر دیا باؤلا اک آن کے بیچ

آتے اس کو ادھر سنا جس دم
ق آ گئی انبساط جان کے بیچ

راہ دیکھی بہت نظیرؔ اس کی
جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ

پان بھی پاندان میں بند رہے
عطر بھی قید عطر دان کے بیچ

(۱۸۲)

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہے یا سچ
سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہے یا سچ

غصہ بھی کیا دکھ بھی دیئے تم نے ولیکن
چپ ہو رہے ہم سر کو جھکا جھوٹ ہے یا سچ

تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان
پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہے یا سچ

جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے
اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ

سن کر یہ نظیرؔ اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

نظیرؔ یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا؟ ۳۳ سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ "سانچ کو کیا آنچ"؟

ردیف حائے حطی (ح)

(۱۸۳)

کچھ ایسی ہے کوئے یار کی صبح
ہو جس سے خجل بہار کی صبح

مکھڑا جو کھلا سحر کو اس کا
گردوں نے دی ہیں نثار کی صبح

کی زلف سیہ نے منفعل شام
رخسار نے شرمسار کی صبح

---

[1] جھوک۔ لرزش لچک۔ ریلا جیسے کی دھکا۔ [2] آن معنی ساعت۔ دونوں مصرعوں میں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تحریف کاتب ہو۔ گر مطابق اصل لکھ دیا گیا۔ ورنہ یہ ایطائے جلی کی بدترین مثال ہے۔ آسی

۱

رہتا ہے جہاں وہ یار ہم کو / بھاتی ہے اُسی دیار کی صبح
اُس گل نے سنی جو بے قراری / میرے دلِ بیقرار کی صبح
فرمایا کریں گے ہم تسلی / اس خستۂ دل فگار کی صبح

ق

(۱۸۴)

تھی چھُوٹی اس کے مکھڑے پر کل زلف مسلسل اور طرح
پھر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہے ہم کو، کر غصہ ہر دم اور ہمیں
ہے چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غمّاز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہے چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہے تو اس کے پاس مجھے
جب لے پہونچا تھا بھیس بدل پھر اب کے لے چل اور طرح

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیر اس یار کا ہم کو جس کی ہیں
صبح اور برن شام اور پھبن آج اور روش کل اور طرح

(۱۸۵)

ق

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح / جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح
محفلِ خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں / ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح
دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا / دے نشاں اس کا تو اب حیرت زدہ کس کی طرح
جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اُس نے ناز سے / رکھ کے آئینے پر انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطف خوباں اے نظیر
ہے وہ مثل کیمیا ہم منتظر کس کی طرح

ردیف خاء معجمہ (خ)

(۱۸۶)

جب مجھ سے پھیرتا ہے وہ کر کے عتاب رُخ / ہوتا ہے آنسوؤں سے مرا غرق آب رخ
غش سے نہ آوے ہوش میں مجبور ناتواں / چھڑکے اگر نہ لطف سے اس کا گلاب رخ
پھرتے ہیں اُس جبیں کی تمنا میں مہ جبیں / اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رخ
ناخن سے میرے رخ کو جو کرتا نہ ہو فگار / تو آ کے مجھ کو یار دکھا دے شتاب رخ
تابش سے جس کے چہرے کی خورشید ہو خجل / پھر مہ کب اُس کا دیکھ سکے بے نقاب رخ
جس شخص منتخب ہے یہ پوچھیں ہیں جا کے ہم / دیوان حسن میں ہے وہ کیسا کتاب رخ
کہتا ہے وہ کہ جتنے پری رو ہیں اے نظیر / سب میں اُسی کا ہم نے کیا انتخاب رخ

شعلہ کی برق تجلی رخ
دیا نہیں ہو سکتا
آتی

(۱۸۷)

چھپاتا ہے جو ہم سے وہ صنم رخ / دکھاتا ہے ہمیں کیا کیا الم رخ
نہیں دم لینے دیتی بے قراری / نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایک دم رخ
ق
نظر آتی ہے کیا کیا شکل فرحت / ٹک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ
نظیر اس دلربا کا حسن ہے وہ / پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم رخ
قمر ہر شام تکتا ہے جبیں کو / سحر دیکھے ہے مہر صبحدم رخ

(۱۸۸)

ق
ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ / ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ
ایک شب ہم نے بے قراری سے / چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ

لا کے ابرو پہ چیں کہا اُس نے — نکلے تم تو کوئی عجب گستاخ
ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے — کس لیے تم ہو بے ادب گستاخ

آج تو زلف چھو لی تم نے نظیر
کل یوں ہی چوم لوگے لب گستاخ

ردیف دال مہملہ (د)

(۱۸۹)

مرہم ہو کس طرح سے دل افگار کو پسند — آئی ہے کب شفا دل بیمار کو پسند
دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر — جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند
تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں — اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند
کل سے ہمارے پہلو میں فریاد دل نہیں — کیا جانے آگیا وہ کس عیّار کو پسند
آزادگی میں عیش ہیں لاکھوں پر آہ کب — اُس زلف پُر شکن کے گرفتار کو پسند
کیونکر نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو دل اُس کا جو کرے — سو جان سے تیغِ ابروئے خمدار کو پسند
کوچے میں دلبروں کے دل ناتواں کو ہم — جب لے گئے کہ ہو کسی دلدار کو پسند
واں جس نے دیکھا اُس نے کہا ہنس کے او میاں — کرتا ہے کون ایسے دل زار کو پسند

ناچار پھیر لائے اُسے ہم کہ وہ نظیر
آیا نہ مہر ورز نہ ستمگار کو پسند

(۱۹۰)

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند — ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند
کرنے فریب روز جو آتے ہو تم میاں — ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند بند[۲]
گردن کب اُس کا کل پیچ سے چھٹے[۱] — بندش میں حلقہ حلقہ[۳] ہے جس کا کمند بند

۱ سقوط - تعین ۱۲
۲ چھند بند - مکر و فریب ۱۲ -
۳ یعنی جس کے ایک ایک حلقے میں کمند کے بند کا اثر ہے ۱۲ آسی -

ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح ۔۔۔ پھڑکے ہے جیسے دام میں ہو کر پرند بند

آیا جو وہ تو اس سے نظیرؔ اس طرح ملا
نیمے کے جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

(۱۹۱)

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند ۔۔۔ خواہندۂ یک جاں ہیں ادھر مو کمرے چند
کیا کیا مگس ہوش کے باندھیں ہیں پر و بال ۔۔۔ کر کر کے شکر خند، بہم لب شکرے چند
ایک دن یہ ہوا عزم کہ باصد طرب و عیش ۔۔۔ ق ۔۔۔ گلشن میں بسر کیجیے شام و سحرے چند
جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا ۔۔۔ حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند
دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو ۔۔۔ یوں لب سے کیے پند کے افشاں گہرے چند
اے یار تو جاتا ہے چمن میں تو خبر دار ۔۔۔ جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند
واں آج تو البتہ مہیّا ہیں بہر سو ۔۔۔ داؤدی و نسرین و گل و برگ و بے چند

گل برگ خزاں دیدہ نظیرؔ اس میں اڑیں گے
اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

(۱۹۲)

چھوٹا، بڑا، نہ کم، نہ منجھولا ازاربند ۔۔۔ ہے اُس پری کا سب سے اَنُوٹھا ازاربند
ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان ۔۔۔ کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازاربند
گوٹا، کناری، بادلہ، مقیش کے سوا ۔۔۔ تھے چار تولے موتی، جو تولا ازاربند
ہنسنے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ ۔۔۔ لونڈی سے بولی "جا مرا دھو لا ازاربند"
"اور دھو نہیں، تو پھینک دے، ناپاک ہو گیا، ۔۔۔ وہ دوسرا جو ہے، سو پرو لا ازاربند"
اک دن کہا یہ میں نے کہ "اے جان! آپ کا ۔۔۔ ہم نے کبھو مزے میں نہ ..... ازاربند"
سُن کر لگی یہ کہنے کہ "اے واہ چھڑے! چہ خوش ۔۔۔ ایسا بھی کیا میں، دکھتی ہوا، بولا ازاربند"

لے نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ - یا انگرکھی صدری ۱۲
سے انمولا - بے قیمت، بیش بہا ہستی

آجاوے اس طرح سے جواب ہر کسی کے ہاتھ
اک رات میرے ساتھ وہ عیّار، مکرباز
جب سوگئی تو میں نے بھی وحشت سے اُسکی آ

ویسا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند"
لیٹی، چھپا کے اپنا مولا ازار بند
پہلے تو چپکے چپکے ٹٹولا ازار بند

آخر بڑی تلاش سے اُس شوخ کا نظیر
جب آدھی رات گزری تو..... ازار بند

(۱۹۳)

تو ہی نہ سنے جب دلِ ناشاد کی فریاد
تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو
کل رات کو اس شوخ کی جا کر پس دیوار
سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا

پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد
کی غور تو وہ تھی دلِ فرہاد کی فریاد
اک درد فراہم سے جو بنیاد کی فریاد
کس نے یہ بلکتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگئے ہی اس کے ہے بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

سلہ کاغذ یعنی خط نامہ ۱۲ اسئلہ
جب نہ تب گاہ بیگاہ ۱۲ آسی

ردیف ذال معجمہ (ذ)

(۱۹۴)

دیا ہمارا اُسے نامہ بر نے جب کاغذ
ابھی تو دیر نہ گزری تھی ایک ساعت کی
جنوں ہوا اُسے یا خبط جس میں کھو کر ہوش
رقم کرے ہے اگر وہ جواب خط ہم کو
کبھی نہ ہم نے لکھا اُس کو یہ کہ تو ہاں آ
بغیر لکھنے کے اوپر یہ کچھ قیامت ہے

تو بولا طیش میں آ کر پھر آیا اب کاغذ
وہ سمجھا کیا ہے جو بھیجے ہے جب تب کا غذ
گھڑی گھڑی جو وہ لکھتا ہے بے سبب کاغذ
تو کوئی پوچھے اُسے ہم نے بھیجا کب کاغذ
کبھی نہ اس سے کیا بھول کر طلب کاغذ
کہ پے بہ پے چلے آتے ہیں روز و شب کاغذ

غرض یہ آ کے کہا ہم سے نامہ بر نے نظیرؔ
کہ تم بھی زور ہو اور لکھتے ہو عجب کاغذ

(۱۹۵)

جو پا دیں دست بت دلستاں کا تعویذ — تو ہم بنا دیں اسے اپنی جان کا تعویذ
یقیں ہو جس کے اثر کا وہ نقش دل کا ہے — قلم سے لکھیے تو ہے وہ کمان کا تعویذ
جنونِ عشق میں تاثیر کی یہ بو، لاوے — بخطِ مشک ہو یا زعفران کا تعویذ
کلائی ہم نے جو پکڑی بچک گیا ہمدم — وہ اس کے دست نزاکت نشاں کا تعویذ

نہ اُٹھتا پھر بچے سے بھاری اسی سبب سے نظیرؔ
بنا تھا بھاپ سے وہ عطر داں کا تعویذ

(۱۹۶)

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیے گنڈا تعویذ — اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ
دل کو جس وقت یہ جن آن کے پیٹا پھر تو — کیا کریں واں وہ جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ
ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پا دیں — یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ
زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو — کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ
کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا — دیتے غم خوار نہ کیا اس کے تئیں لا تعویذ
آخر اس کے بھی گیا دل کا دھڑکنا اس روز — تیر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ

ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دیے آہ نظیرؔ
پر کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

مطلع

عشق کا دُور کرے دل سے جو دھڑ کا تعویذ — ۳۴ — اس دھڑاکے[1] کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

[1] دھڑاکے کا تعویذ یعنی زور کا تعویذ ۱۲ آسی

ردیف رائے مہملہ (ر)

(۱۹۷)

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آبِ[۱] ارغوانی بھر
کہ جوں ساغر میں دے ساقی شراب ارغوانی بھر

گلِ عارض شگفتہ صبحدم دیکھ اس کا خجلت سے
گیا[۲] پانی سحر کا آفتاب ارغوانی بھر

بھری ہے کاسۂ سر میں وہی اپنے ہوا ساقی
کہ جس سے ہے رہا ہے کا حباب ارغوانی بھر

گلوں سے اشک کے اس دیدۂ خونبار نے یارو
دیا اک دم میں دامان سحاب ارغوانی بھر

نظیر اس گل نے بنوائے جو تھے اوراق گلگوں کے
گئی شعروں سے وہ تیرے کتاب ارغوانی بھر

(۱۹۸)

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور
بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشک حور ق

ہم کریں عجز و نیاز و انکسار
تم کرو جور و جفا ناز و غرور

کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی
یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور

حسن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں
کب لیا بلبل کے دل کو کرکے زور[۳]

شمع نے بھی کب کہا پروانے کو
یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور

بلبل و پروانہ جب آپ ہی کریں
اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور

عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر
اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

(۱۹۹)

کس طرح مل جائیے اس چنچلے[۴] سے دوڑ کر
ڈر کے چلتا ہے جو اپنے دل چلے سے دوڑ کر

گھر سے جب آیا وہ ادھر دیکھنے کو اس کے میں
اُٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر

۱؎ آب ارغوانی بھر ادسرخ پانی خون کے آنسو
۲؎ پانی بھرنا عاجز ہونا ۱۲
۳؎ زور زور مکر، فریب، حیلہ، بہانہ ۱۲
۴؎ چنچلا - چلبلا ۱۲ آسی

عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو بُرا
ہاں بیاں سچ ہے کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر

شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر

آج اس کی مہر میں کیا جانے کیا آیا نظیر
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

(٢٠٠)

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
جز یہ کہ لگا جائیے شمشیر کوئی اور

یوں چھوڑ کے زخمی جو ہیں جاتے ہو تم آہ
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور

اس لطف سے جز موئے قلم مانی تقدیر
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیر آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

(٢٠١)

یوں آئینے میں عارض تر آتا ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آتا ہے نظر

حسن صفا سے اس رخ آئینہ رشک پر
ٹھہرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر

کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر

جینے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

چھوٹے ہم اس کے کوچے تو جنت میں کب نظیر
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظر

(٢٠٢)

ہرگز نہ پلائے مجھے تو آنکھ بدل کر
ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا سنبھل کر

ہیں کشتۂ ابرو ہوں ترا اے مرے قاتل
آتے ہو لیے ہاتھ میں کیوں تیغ مچل کر

لہ حوالی سے
ہو ہجوم پر شاید
کعبے سے پھر کر
لوٹ آتا ہے
۔۔۔ وہی ہے
ہم نے نظر ایسا ۱۲
آتی

تم نے تو ابھی دل سے کیا قتل ہے مجھ کو
بیٹھے ہو لبیں باندھ کے باہر جو نکل کر
جب ہم سے خفا ہو کے ہے وہ شمع رہ جاتا
خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر
میں عاشقِ بے دل ہوں ترا اے مرے جانی
مت آنکھ چرا ہم سے، تو ایسا نہ خلل کر

کہتا ہے نظیر اس کو ذرا پیار سے تو سوچا
تب اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اچھل کر

(۲۰۳)

رہے جو شب کو ہم اُس گل کے سات کوٹھے پر
تو کیا بہار سے گزری ہے رات کوٹھے پر
یہ دھوم دھام رہی صبح تک، اہاہا ہا!
کسی کے اُترے ہے جیسے برات کوٹھے پر
مکاں جو عیش کا ہاتھ آیا، غیر سے خالی
پٹے کے چلنے لگے پھر تو ہات کوٹھے پر
گرایا، شور کیا، گالیاں دیں، دھوم مچی
عجب طرح کی ہوئی واردات کوٹھے پر
لکھیں ہم عیش کی تختی کو کس طرح لے جاں
قلم زمین کے اوپر، دوات کوٹھے پر
کمندِ زلف کی لٹکا کے دل کو لے لیجے
یہ ڈھب یوں نہیں آنے کی ہات کوٹھے پر
خدا کے واسطے زینے کی راہ بتلاؤ
ہمیں بھی کہنی ہے کچھ تم سے بات کوٹھے پر

لپٹ کے سوئے جو اُس گل بدن کے ساتھ نظیر
تمام ہو گئیں حل مشکلات کوٹھے پر

(۲۰۴)

کبھی تو آؤ، ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر
گھڑے نے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر
تمہیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہے گی تمہارے ہی جان، کوٹھے پر
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان، کوٹھے پر

بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمھارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

تمھیں تو کیا ہے، ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

گو چونے کاری میں ہوتی ہے سُرخی تو ایسی
کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

لڑا اُو غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ! ق
کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر

خدا کے واسطے، اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیرؔ
چڑھا لیا مجھے اپنے ندانؔ[1] کوٹھے پر

(۲۰۵)

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر
وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل مسی لگا کر

نقط جو چتون پہ غور کیجیے تو وہ بھی وہ سحر ہے کہ جس کا
کرشمہ بندہ، غلام غمزہ، دغائیں نوکر، فریب چاکر

خرام کی ہے وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھنا تو تن کے رکھنا جو پھر اُٹھانا تو ڈگمگا کر

لٹک میں بُندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی ہو گئے ہیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے ادھر سے بالا جھمک دکھا کر

مجال کیا ہے جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑا دے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کر

سنے کسی کے نہ درد دل کو جو گر سنے تو جھڑک کے اس کو

[1] ندان - آخر کار ۱۲ آسی

یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہے جو سر پھراتا ہے ناحق اگر

نظیر وہ بت ہے دشمن جاں نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
دگر ملا تو خدا ہے حافظ، بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

(۲۰۶)

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر
کیونکر نہ ہو پھر اُس کا دماغ آسمان پر[1]
سبزہ[2] پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے
سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر
جگنی[3] پہ جان تڑپے ہے چنپا کلی پہ دل
اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پر

کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے
کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پر

(۲۰۷)

رکھی ہرگز نہ ترے رخِ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے تھی آخر کو شبِ قدر کی قدر
عزت و قدر کی اُس گل سے توقع ہے عبث
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر
راستی خوار ہے اُس چشمِ فسوں پرور سے
ہاں، مگر منزلت مکر ہے، اور غدر[4] کی قدر
مے پرستوں میں ہے یوں ساغرِ مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر[5] کی قدر

کفش برداری سے اُس در کی چمکا ہے نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر

غزل مستزاد

(۲۰۸)

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اُس گل کے شب و روز کر نالۂ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے روئی تھیں یعقوب کی آنکھیں۔ ہر شام و سحر کو۔ خوناب میں بھر بھر

---

[1] آسمان پر دماغ ہونا۔ غرور ہونا ۱۲
[2] سبزہ۔ سبز رنگ کا بندا جو کان میں پہنا جاتا ہے زمرد۔ پنّا۔
[3] جگنی۔ گلے کا ایک زیور۔ چنپا کلی گلے کا ایک زیور ۱۲
[4] غدر۔ بیوفائی۔ شکست عہد ۱۲
[5] صدر زمانہ شاہی کا ایک معزز عہدہ ۱۲ آسی

خط میں نے جو بھیجا اُسے باحسرتِ دیدار۔ لکھ خونِ جگر سے۔ اور داغ کی کر مُہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں اُس رشکِ قمر کو۔ حسرت سے سراسر

(٢٠٩)

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں پر
وہ رکھے اینٹ چھاتی پہ بزیرِ خاک سوتے ہیں

اُگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پر
چمکتے تھے سُنہرے قصر جن کے بامِ گردوں پر

(٢١٠)

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخرِ کار
قرب سمجھا تھا جسے تو وہ ہی دوری ای شیخ

موسیٰ بیخود ہوئے اور جل گیا طور آخرِ کار
اُسی نزدیک نے پھینکا تجھے دور آخرِ کار

(٢١١)

دنیا ہے ایک نگار فریبندہ جلوہ گر
آج اس پہ تھی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہرِ فریبِ دل
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثلِ قند
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار
نہیں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا منع آہ
تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزیں
گر درمیان رہ کوئی مل جائے باغ اُسے
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
اس حرف کو نظر کے تئیں دل میں دے مکاں

الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
مست رفتار ہوش ربا و شکیب بر
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
حیران ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
جب سے چکھے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
لیکن کروں میں کیا۔ تجھے در پیش ہے سفر
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گذر
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۲۱۲)

مستزاد مثلث

بے جرم و خطا یار نہ کر چشم نمائی تیوری کو چڑھا کر | اور رنجش بیجا سے نہ کر صاف لڑائی منھ سرخ بنا کر
اس جور کی کب ہم سے ہوئی عہدہ برائی آتی نہ جفا کر

کرتا ہوں ترے ہجر میں اے شوخ پریزاد میں نالہ و فریاد | دیتا نہیں خاطر سے تری اے ستم ایجاد جب کوئی مری داد
پھر ہار کے دیتا ہوں میں تیری ہی دہائی ہاتھوں کو اٹھا کر

دل تڑپے ہے بسمل کی طرح جی میں نہیں جی مشتاق اجل ہوں | آنکھوں میں دم آیا ہے نہیں مرنے میں باقی چھن یا کوئی پل ہو
لائی مجھے ظالم تری اس درجہ جدائی اے آتو ملا کر

سدھ لیگئی بالے کی جھمک صبر کرن پھول اور عقل کو بندے | بالے کی گئی ہوک لگا سینہ میں اک ہول دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لیگئی زنجیر طلائی زنجیر ہلا کر

کاجل کی کھچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں جو ہوش اڑا یا | مسی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے غضب آگ سی سینے میں لگائی مہندی کو دکھا کر

کیا اسکی نظیر اب میں کہوں تن کی لطافت یہ طاہر جو نگہ سے | اور اسکے سوا اور یہ نرمی و نزاکت اک نازو ادا سے
اک پھول اٹھا دے تو مڑک جاتی ہے کلائی بل سیکڑوں کھا کر

مستزاد دوم

(۲۱۳)

یہ نورفزا رخ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار | اب تیرے سوا رخ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار
فرقت کے الم سے دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں نہایت | دیکھیں گے ترا رخ وہ کونسا دن ہو گا مبارک جو ہم اے یار

متفرقات ردیف "ر"

کتنا تنگ صفا ہے کہ پاے نگاہ کا ۳۵ ہلکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر
داغ مرنے کا وہی محروم جانے جسکو، آہ! ۳۶ مدت آپہونچی شتاب، اور یار آیا دیر کر

ردیف راے ثقیلہ (ڑ)

(۲۱۴)

اے شوخ، ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ — ایسا ہی چھیڑنا ہے، تو اہل وفا کو چھیڑ
چھیڑے گا جب، تو پیش نہ جاویگا کچھ فسوں — اے دل نہ اُس کے افعیِ زلفِ دوتا کو چھیڑ
چھیڑیں تو یاد مجھ کو بھی ہیں گی بہت، و لے — دل کی خوشی یہ ہے کہ نہ اُس دلربا کو چھیڑ
اک رگ کے اشک چشم کے لایا ہے عنقریب — اے غنچہ لب، بس اب نہ دل مبتلا کو چھیڑ

اک حرف چھیڑ کا تو صریحاً نہ کہہ نظیر
چھیڑے تو پردے پردے میں اُس پر جفا کو چھیڑ

(۲۱۵)

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دل زار کو چھوڑ — جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ
آئی کیا کیا نظر اس دم گل و سنبل کی بہار — رُخ پہ جب اس نے دیا کاکلِ[1] ملبدار کو چھوڑ
خار کی اس لے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی — ق — اور نہ چنگل سے دیا دامن غبار کو چھوڑ
جب نظیر اس نے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم — دیں کلائی کو بھی اور دامن زرتار کو چھوڑ

پر یہ ہے شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ ادھر چھوڑ دے یا تار کو چھوڑ

[1] کاکل ملبدار، اکثر فصحا ایسی ترکیبوں کو جائز نہیں رکھتے ۱۲ آسی

(۲۱۶)

نازنیں اس نازنیں نے جب لیا منہ ہم سے موڑ
دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتۂ الفت کو توڑ

ہم نے جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ
دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ

گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بیوقوف
یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ

دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو
کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ

گر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیرؔ
سر جھکا تقصیر بخشا پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

ردیف زاء معجمہ (ز)

(۲۱۷)

آیا ادھر کو اک دن وہ گلبدن نہ ہرگز
کام آئے کچھ ہمارے اے دل جتن[۱] نہ ہرگز

اک پل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا
لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز

کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن
آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن نہ ہرگز

ساعد[۲] ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو
نسریں نہ پہونچے اصلا اور نسترن[۳] نہ ہرگز

ہووے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیرؔ چلیو ایسا چلن نہ ہرگز

[۱] جتن بمعنی جان۔
[۲] ساعد۔ بازو۔
[۳] نسرین نسترن سیوتی۔ سیوتی سفید پھول کا نام ہے نسرین لغات میں سفید گلاب بھی بتایا گیا ہے

(۲۱۸)

جو آوے منہ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز

یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک
کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز

بھلا دیں ہم نے کتابیں کہ اس پری رو کے
کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز

تمہارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے
نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز

نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا

میں کس سے پوچھوں یہ ندرت مآب ہے کیا چیز
جو نرم ہووے تو برگ گلاب ہے کیا چیز

گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز

ردیف سین مہملہ (س)

(۲۱۹)

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس
پہلے آنے سے اس کے آئی ہے

آ گیا وہ صنم ہمارے پاس
ہم کو اس زلف عنبریں کی باس

مل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا
تو یہ خاطر میں یاد رکھیے گا

کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس
ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس

جب نظیر اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزۂ الماس

(۲۲۰)

گردہ مژہ ہو مائل جنگ پر طاؤس
یوں زلف معنبر کے خط سبز ہے نزدیک

تو سہم سے بے پر ہو خدنگ پر طاؤس
گویا پر طوطی ہے بجنگ پر طاؤس

دکھلادیں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی
دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر

پرواز کرے خوف سے رنگ پر طاؤس
حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگ پر طاؤس

لکھ لکھ کے نظیر اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگ پر طاؤس

ریزۂ الماس

(۲۲۱)

زلفیں یہ دو نہیں رُخِ دلبر کے آس پاس
ابر سیہ ہے ماہِ منور کے آس پاس

تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی سچ کہہ اے نسیم
کس کی پھری تو زلفِ معنبر کے آس پاس

گلشن میں جا کے پھرتا ہوں اُس قد کو یاد کر
دو دو پہر میں سرو و صنوبر کے آس پاس

روویں گے ہم تو دیکھیو کوچے میں اپنے یار
پانی ہی پانی ہوگا ہر اک گھر کے آس پاس

اُس شوخ کی طرف میں رقیبوں کے خوف سے
دیکھوں بھی ہوں تو، آہ! نظر بھر کے آس پاس

ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے
لپٹے کے ساتھ ساتھ کمر کے آس پاس

مثلِ بیٹی آہ کا چکر سا باندھ دوں
پھرنے دے گر وہ اپنے مجھے سر کے آس پاس

باراں ہو گرچہ باد ہو، کچھ ہو، ہر ایک بار
پھر آنا اُس صنم کے مجھے گھر کے آس پاس

اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی
کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس

اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب
اُٹھ کے پھرے تو آکے ہر اک سر کے آس پاس

کیا کیا ہجوم ہوں گے مجنوں کے اے نظیر
حشر کے روز ساقیِ کوثر کے آس پاس

فرد

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائرِ دل بھلا ۳۷ اُسے رنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی ہلا قفس

ردیف شین معجمہ (ش)

(۲۲۲)

ہم نے پوچھا آپ کا آنا ہوا یاں کس روش
ہنس کے فرمایا لے آئی آپ کے دل کی کشش

دل جو نہی تڑپا وہیں دلدار آپہونچا شتاب
اپنے دل کی اس قدر تاثیر رکھتی ہے طپش

سیر کو آیا تھا جس گلشن میں کل وہ نازنیں
تھی عجب نازاں بخود اس بات کی ایک ایک روش

ڈالتی ہے زلفِ پیچاں گردنِ دل میں کمند   اور رگِ جاں سے کرے ہے نشترِ مژگاں خلش

بھول کر اس کی جفا کا شکوہ مت کیجیو نظیر
تو پریشاں گو ہے سخت اور یار ہے نازک منش

(۲۲۳)

شیر پا کو جیسی جو کی تھی شہر پر نوازش   ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش
کنٹھی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے   اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش
دو دن خفا جو اس سے چاہا جو لطف ہم نے   کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پر نوازش
ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اُس کے در پر   دیکھی تو کر کے اس کی تحریر پر نوازش

ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

(۲۲۴)

ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں بھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پہ اے جاں فقط عنایت کرم نوازش

کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو لے جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمھاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمھارے سر کی قسم نوازش

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں ایسا قلم نوازش

اٹھا دیں ناز ان کے ہم نے کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہو دیں
جفا، تلطف، عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم نوازش

لہ پریشان گو - بکواس کرنے والا
بکی، فضول گو

مقطع

واماندگانِ راہ تو منزل پہ جا پڑے ۳۸ اب تو بھی اے نظیر یہاں سے قدم تراش

ردیف صاد مہملہ (ص)

(۲۲۵)

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص — کھل رہا تھا وہ جابجا اخلاص
اس کو بھی ہم سے تھی بہت اُلفت — اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
مل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں — تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص
ایک دن ہم میں اور نظیر اس میں — ق — ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص
ہم یہ بولے کدھر گئی اُلفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

(۲۲۶)

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص — ایک مشکل ہے ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے — ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو — ق — اپنے دل کا جتا دہیں اخلاص
یوں کہا تم نظیر سے اے جاں — دل سے رکھتے ہو یا یوہیں اخلاص
اس نے اخفائے راز کو میرے — منہ سے اس کے سنا جو ہیں اخلاص
یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے — کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص
اس کو ہو کچھ تو خیر وہ جانے
ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ (ض)

(۲۲۷)

سنیے اے جاں کبھی اسیر کی عرض
اپنے کوچے کے جا بذیر کی عرض

پھد گیا دل زباں تلک آتے
ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض

اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجے
ہے یہی اب تو کشۂ تیر کی عرض

جب تو اس گلبدن شکر لب نے
یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض

ق

اب تلک دھن سے حسن دنداں کی
دیکھ اس پوپلے نظیر کی عرض

(۲۲۸)

کہیے کہاں تک نہیں تم سے ہے جو جو عرض
کچھ نہ اگر ہو سکے منھ سے تو بولو غرض

چشم سے ہم نے کہا لیجیے دل کے تئیں
اس نے نشے میں کہا او میاں کس کو غرض

یار نے ہم سے کہا کچھ ہے تمنا تمھیں
ہم نے کہا جی بہت پر ہے یہ اب تو غرض

پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو
اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض

ق

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

ردیف طائے مہملہ (ط)

(۲۲۹)

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط
زلف کو ہے جاں پروری سے ارتباط

ہر خرشہ کو تیرے ہے ہمسری
چشم کو افسوں گری سے ارتباط

قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی   تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی   آن کو ہے غارت گری سے ارتباط

دل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیرؔ
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

(۲۳۰)

جب ہم نے اسے رقم کیا خط   جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو   اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے   خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیرؔ ہنس کر   تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط

تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

ردیف ظائے معجمہ (ظ)

(۲۳۱)

دل ہے اس کجکلاہ سے محظوظ   جی بھی سب ہے اس کی چاہ سے محظوظ
تم سے جو ناز ہو کرو اے جاں   ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری بھی جو ہو سو ہو ہم تو   ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یارو کل تو نظیرؔ   تھا بہت خانقاہ سے محظوظ

آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

(۲۳۲)

رہا سہ گر ہلال خوش محظوظ | دل سے ہم ہیں کمال خوش محظوظ
خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ | کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش محظوظ
خوش مجھا ہوں کو سن کے آہو چشم | دشت میں ہیں غزال خوش محظوظ
خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا | دل ہے گل کی مثال خوش محظوظ

سب ہے یہی خوب یار سے جو نظیر
رہ بیٹھیے بن کے حال خوش محظوظ

ردیف عین مہملہ (ع)

(۲۳۳)

اس رخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع | اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع
محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر | کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع
ہے منفعلی تو یوں لب پر پروانہ یہ لکھے | لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع
جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک | ق | دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع

ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

(۲۳۴)

ہے ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع | دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع
چشم بد دور اسی رخ سے ہوئی تھی روشن | مشعل وادیٔ ایمن، شجر طور کی شمع
ہے شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک | جس کے پرتو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع
آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر | حسن کے گرمیٔ بازار میں مشہور کی شمع

آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیر
اہل محفل نے خجل ہو کے وہیں دور کی شمع

ردیف غین معجمہ (غ)

(۲۳۵)

ساقیا ہے بہار زینت باغ — دے چھلکتے ہیں بھی مے کے ایاغ
دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم — پھر رہیں ہوش کا ملا نہ سراغ
ق
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم — کئی مکتوب کر چکے ابلاغ[1]
جائے حیرت ہے کل نظیر اپنا — تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ
آج لینے کو جام سب پے در پے — نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

(۲۳۶)

کی ہنسا اس نے پھر کہہ کے دریغ — کیوں رہے دل ہم یہ کہتے بہکے دریغ
وہ تو ہنستا ہے اور ہمارے آہ — آسکے دامن تلک اشک بہہ کے دریغ
کیا کریں اب تو آگئے اے دل — جل میں اس شوخ رشک مہ کے دریغ
لینے دن ہم بھی منہ لگے اس کے — پھر معاتب[2] ہوئے نگہ کے دریغ
مثل خس جا کے رو کے بحر نظیر
آ لگے پھر کنارے بہہ کے دریغ

ردیف فاء (ف)

(۲۳۷)

ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف — ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

[1] ابلاغ بھیجنا ۱۲
[2] معاتب۔ معتوب ۱۲ عبدالباری آسی

مستی کے سواد ور میں اُس چشم سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف

مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیزو
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

اوروں سے قسم کھایئے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمہاری قسم اقسام سے واقف

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ آہ!
دل اُس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

(۲۳۸)

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکر نظارہ اس طرف کھڑکے پہ آنچل اس طرف

کیا کیا دکھائی ہے اَلم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلف مسلسل اس طرف

ہم دے کے دل ہیں رنج کش وہ لے کے دل ہے جی میں خوش
بے تابیٔ جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیرؔ احوال ہے دل کا عجب
ہم کھنچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

(۲۳۹)

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف

بزم میں اس یار کی ہم ہیبت اغیار سے
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف

خوف بدنامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے
یہ وہ ٹھہری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف
بچا و رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف
غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیر
گھات میں رہتے ہیں بالے کے گرد[1] دونوں طرف

(۲۴۰)

اے صف مژگاں تکلف برطرف
دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا
دیکھیے تو کیا ہے اُلٹ دے صف کی صف
پڑ گئے ہیں ماہ کے منھ پر کلف[2]
شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف قاف (ق)

(۲۴۱)

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق
پاس اپنے بٹھالے ہم کو ابھی
اب تو ملتی ہے دمبدم دشنام
اس کی چین جبیں سے دل کو نظیر
ق
ہے وہی زلف اور وہ چیں[3] لائق
جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق
ٹھہرے اس لطف کے نہیں لائق
دیکھا ہوتا جو ہم کہیں لائق
ہم نے ہنس کر دہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

(۲۴۲)

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
وہ دست اور پا اس کے وابستہ جو دیکھے
ق
ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق
پھر دست میں اور پا میں ہیں کچھ نہ رہا فرق

[1] گرد کھڑیاں جو ایک دریائی زندہ ہے۔ یہاں سے ایک زیور کا نام ۱۲
[2] کلف چھائیں ایک قسم کے داغ جو منھ پر پڑ جاتے ہیں ۱۲
[3] جبیں۔ شکن ۱۲

کل ہنس کے نظیرؔ اس نے کہا ناز میں ہم سے ‌ ق ‌ کچھ بوسہ و دشنام میں بھی تم نے کیا فرق
جو چاہو سو ہم دیویں تمہیں ہم نے کہا جب ‌ ‌ دونوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق

گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں لے جاں ہے بڑا فرق

فرد

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں ‌ ۳۹ ‌ گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف کاف تازی (ک)

(۲۴۳)

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی بولو گے تم نہ جب تک ‌ ‌ دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک
اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا ‌ ‌ جو شام ہونے آئی اور وہ نہ آیا اب تک
محفل میں گلرخوں کے آیا جو وہ پری رو ‌ ‌ ہو نخل حیرت اس کی صورت اسے ۱؎ سب تک
بوسہ نظیرؔ ہم کو دینے کہا تھا اس نے ‌ ق ‌ ہم وقت پا کے جس دم لینے کی پہونچے ڈھب تک

ہر چند تھا نشے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

(۲۴۴)

بے خود وہ جو دیکھا اسے آتے ہوئے در تک ‌ ‌ دشوار پہونچنا ہوا اپنے ہمیں گھر تک
پردہ جو اُٹھا اس رُخ تاباں سے تو دیکھا ‌ ‌ اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک
مست زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو لے دل ‌ ‌ پر مار سیہ ہے اسے پُر۲؎ خوف وخطر تک
ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیت ‌ ق ‌ جب لیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک
ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یارو ‌ ‌ ہم اشک فشاں پہونچے جو اس رشک قمر تک

۱؎ یعنی حیرت سے سب اس کی صورت تک کر رہ گئے ۱۲
۲؎ یعنی اس کو دیکھتا ہے تو خوف وخطر کے ساتھ دیکھتا ہے ۱۲
آسی

عزم اس نے کیا پونچھیے اشک اپنے کے بصد مہر ۔۔۔ وہ دست نگاریں سے گئے جب دیدۂ تر تک

چشم اپنی گئی کھل جو نظیرؔ اس میں تو پھر ہم
ملتے کفِ افسوس رہے وقتِ سحر تک

ردیف کاف فارسی (گ)

(۲۴۵)

اس کے ناز و ادا سے رنگ اور ڈھنگ ۔۔۔ ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ
لعل دیکھے جو سرخی اس لب کی ۔۔۔ طے کرے رشک سے کئی فرسنگ
دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم ۔۔۔ پھر نہ اس دن سے پی مے گلرنگ
جب نظیرؔ آگیا وہ آئنہ رو ۔۔۔ ق ۔۔۔ مہر سے کر کے اس طرف آہنگ

رنج دل یوں گیا رخ اُس کا دیکھ
جیسے اُٹھ جائے آئینے سے زنگ

(۲۴۶)

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ ۔۔۔ چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ
آن دکھا کر قریب ہو گئے گیسو وہیں ۔۔۔ غمزۂ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ
تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں ۔۔۔ سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز، قرار و خرد لے کے گیا پھر مگر ۔۔۔ تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ

نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھرتی نظیرؔ
ہے جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ

ردیف لام (ل)

(۲۴۷)

ہے یہ شور اس دل جلے کا اس کے در کے متصل
جیسے لگتی ہے کسی کے آگ گھر کے متصل

آتے جاتے ہر گھڑی ہم دیکھتے تھے اُس کو آہ
جن دنوں گھر تھا ہمارا اُس کے گھر کے متصل

گر نکلتا ہے تو لے دل جلد سینے سے نکل
ورنہ غم کی آگ آ پہونچی جگر کے متصل

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق
یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آ کر نظر کے متصل

ہیں یہ زلفیں منہ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ
چلتے چلتے تھم رہے آ کر قمر کے متصل

اب تو یہ دُھن ہے کسی تدبیر سے یارو اگر
ہاتھ جا پہونچے مرا اُس کی کمر کے متصل

کچھ نہیں تو جی جاوے اس میں یا رہے پر ایک بار
کھینچ لاؤں اس صنم کو اپنے گھر کے متصل

جی چھپانا اس گھڑی قاتل سے کیا حاصل نظیر
آ گئی شمشیر اُس کی اب تو سر کے متصل

(۲۴۸)

کب مثل شیشہ اُن کا کسی سے بر آئے دل
پتھر جنھیں خدا نے دیا ہو بجائے دل

جب لے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر
دل سے مرے صدا یہی نکلی کہ "ہائے دل"

آوے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری
تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل

ق

اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دُعا
ظالم خدا کرے کہ تم کہیں تو لگائے دل

اور حسن پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر
جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل

تجھ پہ بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے
دُر دُر اُدھر کرے اور اِدھر کو ستائے دل

ناچار جیسے تجھ سے پھرا آتا ہوں دل کو میں
ایسا ہی تو بھی اُس سے لگا کر پھرائے دل

شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر
خالق نے کیا ہی خوب تھے اُن کے بنائے دل

تپے اُس کے پاس کے آبلے چھاتی پہ اسکی آہ . کیا اتحادِ جسم تھا اور کیا صفائے دل

ہیں یاں بڑے بڑے جو اہل دل اکثر یہ کہتے ہیں
چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکپائے دل

(۲۴۹)

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل
وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ
کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں، چشم مشگوں میں
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب آور
نزاکت اور لطافت وہ کہ جس پا تک کر حیران ہیں
سراسر پُر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے

پری رُو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل
قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
حنا، آفت، ستم، فندق، مِسی، جادو، فسوں، کاجل
کڑے، بندے، چھڑے، چھلے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل
سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں[1]، مخمل
شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھلبل

نظیر اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

[1] سلہ پرنیاں: ایک نفیس ریشمی کپڑا۔ اسی

(۲۵۰)

اے دل اپنی تو چاہ پر مت بھول
عشق کرتا ہے ہوش کو برباد
دام ہے وہ ادا کمند ہے وہ
واہ کہہ کر جو ہے وہ ہنس دیتا

دلبروں کی نگاہ پر مت بھول
عقل کی رسم و راہ پر مت بھول
دیکھ زلفِ سیاہ پر مت بھول
آہ اس ڈھب کی واہ پر مت بھول

گر پڑے گا نظیر کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پر مت بھول

(۲۵۱)

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل . کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل

آتا ہو باہر گھر سے وہ ہوتی ہیں کیا کیا خوشی
گر دیکھ لیتے ہم اُسے پھر ایک دم یا ایک پل

دل کو تو ہم فتنہ ہے ہم اس سے مل سکتے نہیں
آتا ہے تب دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل

کیا بے بسی کی بات ہے یارو نظیر اب کیا کرے
ق
وہ آنے والی دنیا نہیں آتی نہیں یاں جی ہیں کل

دل ہر گھڑی کہتا ہے یوں جس طور سے اب ہو سکے
اُٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

(۲۵۲)

تیرے بھی منھ کی روشنی / رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رُخ سے رُخ، نور سے نور ظل سے ظل

یوسف مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم تل سے تل

جتنے ہیں کشتگانِ عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، غم سے غم، خون سے خون گل سے گل

جب سے ہوا ہے کوہ کن کرتے ہیں اُس کا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو، سنگ سے سنگ سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر میرے گلے، تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل

(۲۵۳)

جو دل کو دیجے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیجے تو وہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل ذرا گلے مل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اُٹھا کے یعنی بلا سے میری، مجھے تو ہے کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے چھڑا لے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اسکی اٹکل

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر صریحاً تو دیکھو پھرتی
کہ آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منھ کو الٹ کے آنچل

لہ اٹکل۔ اندازہ، شناخت ۱۱ای

کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجے تو ہنس کے لیلے بہت خوشی سے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا کبھی تو آج اور کبھی کے کل

نہ جل بیٹھ آوے نہ پھر کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پُرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

(۲۵۴)

اُسی کا دیکھنا ہے ٹھانتا دل
بہت کہتے ہیں مت مل اس سے لیکن
کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو
چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں

ق

جو[1] تیر نگہ سے چھانتا دل
نہیں کہنا ہمارا مانتا دل
تمہارا ان دنوں ہے ماننا دل
ہمارا ہے نشاں پہچانتا دل

کہا ہم نے نظیر اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہے اسی کا جانتا دل

[1] جلد جلد آتا ۔ قریب دکھتا ۔ دھوکہ … تیز نگہ سے دل کو چھانتا ہے دل اُسی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ آسی

(۲۵۵)

دیکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک ہیکل کی کل
جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے ارے چل کیا ہے تو
ہے وہ کلف پا زم تر اس کی کہ وقت ہمسری
ہم ہیں تمہارے مبتلا مدت سے ہے یہ آرزو

بائی ہر ایک تعویذ میں اپنے دل بیکل کی کل
کیا کیا پسند آئی ہمیں اس نازنیں چنچل کی چل
ڈالے کلف پائے صنم نرمی دہن مخمل کی مل
بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی پل کی پل

ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجیو کل کی کل

ردیف میم (م)

(۲۵۶)

کر کے نیرنگ فقط دل ہی نہ لے جاؤ گے تم
ایسے ایسے تو بہت رنگ ابھی لاؤ گے تم

لے چلا دل کو وہ جب ہم نے یہ پوچھا کیوں جی
پھر بھی آؤ گے تو ہنس کر کہا اب آؤ گے تم

ق

روٹھ کر اس سے چلے ہم تو کہا یوں اس نے
اب تو اس طیش میں البتہ چلے جاؤ گے تم

بے کلی بعد گھڑی بھر کے ستاوے گی جب
ہار کر پھر ادھر آنے ہی کی ٹھہراؤ گے تم

بس یہ بہتر ہے کہ مت روٹھ کے جاؤ ورنہ
پھر جو آؤ گے تو یاں آنے نہیں پاؤ گے تم

ایک تو ہم تمھیں یاں آنے نہ دیویں گے نظیر
اور سوا اس کے جہاں جاؤ گے پچھتاؤ گے تم

(۲۵۷)

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترسنے ہی چلے افسوس! پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیر
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مر جانے کو ہم

(۲۵۸)

نہیں یاں بیٹھتے جو ایک دم تم
تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم

ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو، بھلا جی
نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم

جو یاں آیا کبھی چاہو تو بے خوف
ادھر لایا کرو اپنا قدم تم

نہایت سادہ دل ہیں ہم تو اے جاں
نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم

سنا جب یہ نظیرؔ اس نے تو ہنس کر
کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دم تم

(۲۵۹)

رہ کے خاموش خوش آئے[۱] بت گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم

لذت آن و ادا لینے کو ہیں او رہی آہ
ناز برداروں میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم

میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں
لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم

جس سے کرتے ہیں بتاں بعد جفا مہر و وفا
رشک سے تکتے ہیں اس نیک سرانجام کو ہم

چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیرؔ
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

[۱] خوش آئے یعنی اچھے معلوم ہوئے خوش آمد یار کا محاورہ ہے ۱۲ آسی

(۲۶۰)

نہ اُس کے نام سے واقف نہ اُس کی جا معلوم
ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بُت خدا معلوم

جواب دیکھیے دل لے کے یہ کہا چپکے
نہ ہو یہ اور کسی کو ترے سوا معلوم

لگا کے زخم جگر پر جو پھر نمک چھڑکا
تو اس میں ہم کو ہوا اور ہی مزا معلوم

بدن پری کا ترے تن سے گو کہ گورا ہے
ولے وہ چاہیے کہ ایسا ہو گدگدا معلوم

ہم اُس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے
قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم

کیا تھا عہد نہ وعدہ نہ قول نے اقرار
ق جو آگیا وہ مرے پاس شب کو نا معلوم

جو مجھ سے ہنس کے کہا جس لیے ہم آئے ہیں
نظیرؔ تم نے بھی سچ کہیو کیا کیا معلوم

کہا یہ میں نے مجھے کیا خبر تمھیں جانو
کسی کے دل کی بھلا جی کسی کو کیا معلوم

(۲۶۱)

تمھیں جس گھڑی دیکھتے ہیں میاں ہم — تو ہوتے ہیں جی میں بہت شادماں ہم
بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے — جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم
تمھیں جس قدر چاہتا ہے دل اپنا — وہ جی جانتا ہے کریں کیا بیاں ہم
نظیر اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو — ق — تمھارے ہی ملنے کو آئے ہیں یاں ہم
جو ملتا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

(۲۶۲)

بتوں کی دیکھ زلف عنبریں ہم — پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم
لگا نا دیکھتے تیر نگہ کا — اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم
کہا ہم نے کبھی آؤ ادھر کو — کہا ہنس کر نہیں جاتے کہیں ہم
نظیر اب تو ہوئے اے جاں تمھارے — ق — عجب کیا ہے اگر بیٹھیں قریں ہم
جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

(۲۶۳)

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم
بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم
گر کہنا دل نے مان لیا اور رک بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم

اوّل تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائیں گے ہم

جب وہ بھی پیش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی پھر تو
جس صورت سے بن آوے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم

موقوف کرو گے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیرؔ آسا
جو حرف زباں پہ لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

(۲۶۴)

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو میں، مجھے اُس خم زلفِ دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارضِ گُل کی طرف، مجھے اُس رُخِ مہر و وفا کی قسم

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم

جو ہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بُت ہوش رُبا کی قسم

بدن اُس کا ہے رُو کشِ برگ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشکِ چمن
کھلے غنچۂ دل مرا گُل کے نمن، مجھے اُس کھلے بندِ قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اُس سے مزہ میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں میں دوا میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اُس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھاتی ہے اُس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیرؔ جو اُس کے تئیں، تو تھا شرم و حیا سے وہ سرو قریں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں، میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

(۲۶۵)

ہوں تیرے تصوّر میں، مری جاں، ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں ہمہ تن چشم

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں
رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

آنکھوں کو ملے تاکہ ترے پاؤں کے نیچے
ہر نقش قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم

دیوانگی میری کے تحیّر میں شب و روز
ہے حلقۂ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم

اُس آئنہ رو کے ہے تصوّر میں، نظیرؔ، اب
حیرت زدہ نظّارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

(۲۶۶)

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم
لذّتیں چاہ کی نہ پاتے ہم

گر نہ کرتے کچھ احتمال[۱۵] جفا
تو بھلا ناز کیا اُٹھاتے ہم

ق

ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا
بہر تسلیم سر جھکاتے ہم

شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم
لب پہ شکر قدوم[۱۶] لاتے ہم

چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیرؔ
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

۱۵ احتمال: برداشت اُٹھانا ۱۲
۱۶ قدوم - آنا ۱۲ آسی

(۲۶۷)

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم
ہم اور چھپیں گے یاں تک جی جو خوب ہی پھر گھبراؤ گے تم

بیزار کرو گے دل ہم سے یا منّت در سے روکو گے
وہ دل تو ہمارے بس میں ہے کس طور اسے سمجھاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
اس کوچے میں بھلا دیں گے پھر کیسے کیونکر آؤ گے تم

گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالاخانے کے
سب پردے چھوڑے رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
تصویر اگر منگواؤ گے تو دیکھ ہماری صورت کو

تاثیر کو اس کی کھو دے گا کچھ پیش نہیں لے جاؤ گے تم
حیران مصور ہو وے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤ گے تم

جس وقت نظیرؔ ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زباں پر لاؤ گے تم پھر کیونکر کر دکھلاؤ گے تم

(٢٦٨)

اُسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
بروج بارہ میں لا کر رکھی وہ بارہ کی
ادھر فرشتۂ کروبی، اور اُدھر غلمان
یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
بشر جو چاہے کہ سمجھے اُنھیں، سو کیا امکاں
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ و برگ و بار
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
کہ اس کا شکر کریں شب سے تا بروز ادا

قدیر، و حیّ، و کریم، و مہیمن، و منعام
کہ جس کو پہونچے نہ فکرت، نہ دانش و اوہام
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقتِ ارقام
عطارد و، زحل، و زہرہ، مشتری، بہرام
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام
چھوہارے، کشمش، و انجیر و پستہ، و بادام
بہر زباں، و بہر ساعت، و بہر ہنگام
اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیرؔ نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو
اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

له پیش نہ لے جاؤ ۔ کچھ کر نہ سکنا ١٢ ۔ ۲ یہ سب خدائے کریم کے اسم پاک ہیں ١٢ ۔ ۳ بہرام ستارۂ مریخ ، ایک فرشتہ کا نام جو مسافر کی محافظت پر مقرر ہے ١٢ ۔ کی

(٢٦٩)

دیکھے نہ مجھے کیونکر، از چشم حقارت او
چپ بیٹھوں تو کہتا ہے: "خاموش چرا استی؟"

وہ سرو جواں یارو، من فاختۂ پیرم
کچھ بولوں تو ہوتا ہے، آزردہ ز تقریرم

ردیف نون (ن)

(۲۷۰)

گڑ گئی ہے اُس کی مژگاں کی جھپک بیکل ہیں
کل اگر چاہے تو ہمدم اس گھڑی کچھ کل ہیں

کچھ تو جاتا دل سے خارِ بیقراری کا خلش[1]
کاش وہ نوکِ مژہ دیتی قرار اک پل ہیں

وہ کفِ[2] پا ہم نے سہلائی ہے نازک نرم نرم
کیا جتاتی ہے تو اپنی نرمی اے مخمل ہیں

اس پری پیکر کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
جس طرح سے ہو سکے اے ہمنشیں لے چل ہیں

ہم تو ہوں کیفی[3] ترے پر کیا کریں اے چشمِ یار
ہوش میں آنے نہیں دیتا ترا کاجل ہیں

دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
دام میں لیتا ہے اُس کاکل کا اک اک بل ہیں

ہم تو اُس کے چاہنے والے ہیں مدت سے نظیر
اور نیا گنتا ہے اب تک وہ صنم چنچل ہیں

(۲۷۱)

کہتے ہیں یاں کہ "مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"
پیارے، جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا، کہیں نہیں

تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
یوں نازنیں بہت ہیں، پہ ناز آفریں نہیں

ق
ساقی کو جام دینے میں، اُس خوش نگہ کو آہ!
ہر دم اشارتیں ہیں کہ "اس کے تئیں نہیں"

جب اُس نہیں کے کہنے سے مانے ہے وہ بُرا
آپ ہی پھر اُس کو کہتا ہوں ہنس کر نہیں نہیں

اتنا تو چھیڑتا ہوں کہ کہتا ہے جب وہ شوخ
"بندہ تو میرا مول خریدا نہیں، نہیں؟"

ساقی تجھے قسم ہے دیے جا مجھے تو جام
یاں دم میں دم ہے ہوتی نہیں جب نہیں نہیں

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی تجھ کل نظیر کو
کہتا ہے "ہم نے مارا ہے" ہاں ہاں "نہیں نہیں"

---

[1] خلش کو متقدمین نے بتذکیر بھی استعمال کیا ہے سودا کا یہ شعر ہے
زباں ہے شکر میں تالو سے شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے نکالا خلش نہالی کو
مگر نئی زبان فصحا اس کو بتانیث ہی فصیح جانتے ہیں ۱۲ آسی

[2] کفِ پا = تلوا۔ کف کئی معنوں میں مستعمل ہے یعنی جھاگ۔ بلغم اس معنی میں کف بالاتفاق مذکر ہے ہتھیلی یا تلوے کے معنی میں کف بالاتفاق مؤنث ہے
عیب و زشتی سے بری حسن خداداد ہے
برق وش کف موسیٰ کبھی نہ دیکھی ہے
حنائی ہوتی تجھ الس پر دشت مکرو مثال کریں کیا لچک کر دکھاتا صورت ملائے ہاتھ سامنے خورشید کے گو کف پا نگر دیا۔ آتش

[3] کیفی = نشہ کرنے والا۔ مست
ستاترا پی۔ اکثر افیون کھانے والوں کے لیے مستعمل ہے ۱۲ آسی

(۲۷۲)

سزاوار ارے ارے ہوئے ہیں
نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے
تمھاری دیکھ کر عیاریوں کو
بلاتے ہی نہ آئے ہم تو بولا[1]

بھلا اتنے تو ہم بار سے ہوئے ہیں
مگر اس کے یہ سنکارے ہوئے ہیں
میاں کچھ ہم بھی عیارے[1] ہوئے ہیں
ق کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں

پھر آپی یوں نظیر اس نے کہا ہاں
کسی چنچیل کے للکارے ہوئے ہیں

(۲۷۳)

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں
خم تاب، حلقے، بل، چین گرہ و شکن سے اب تم
ابرو کو دیکھتے ہی وہ تیغ سے لگاتی
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پر تو اس سے

جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
اور زخم کا نمک سے جب خال دیکھتے ہیں
دل کو ہر اک قدم پر پامال دیکھتے ہیں

اڑتا ہے رنگ رخ سے ڈر کر نظیر کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منھ لال دیکھتے ہیں

(۲۷۴)

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی یہی کام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے
یا خود آوے آپ ادھر یا جلد بلا دے ہم کو وہاں
حسن زیادہ آن موثر ناز کی شوخی ہو وہ چند
سنکے وہ سنکر یوں بولا یہ تو تمھیں ہے فکر عبث
کام یقیناً ہے وہی اچھا جو کہ ہوا نہ موقع سے

کلک اٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
بعد اس کے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں
اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب سرانجام کریں
ایسے کتنے حرف لکھیں ورنامے کو اتمام کریں
عقل تمھیں ہے وہ تو ہرگز اب خیال خام کریں
بات کہیں یا نامہ لکھیں یا روز صبح سے شام کریں

[1] عیاری کی بجائے عیارے استعمال کیا ہے اور [2] آپ ہی کی بجائے آپی استعمال کیا گیا ہے جو اب بالکل ناجائز ہے ۱۲ آسی

اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تجھیں بدنام کریں

(۲۷۵)

خوباں تمھارے آگے جو نام جمال لیں
دامن سے لگ کے منہ کو گریباں میں ڈال لیں
تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھووں کی تیغ
پھر کھینچتا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں
دل ناوک نگاہ پیاپے سے گر چلا
فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اس کو سنبھال لیں
روکے ہی رکھیے ٹک صف مژگاں کی نوک جھوک
ہم طاقت اپنے دل کی ذرا دیکھ بھال لیں

دل ہم تو دے چکے ہیں بتوں کو میاں نظیر
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اُجال لیں

(۲۷۶)

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ[1] جلتے ہیں
پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں
ہمارے دیکھیے ارمان کب نکلتے ہیں
ہجوم آہ ہے آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
بھرے ہیں چاؤ جو دل میں سو یوں نکلتے ہیں
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں
برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ
یہی کہا کیے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں
نکالتا ہے ہمیں پھر وہ اپنے کوچے سے
ابھی تو نکلے نہیں ہیں، پر اب نکلتے ہیں
فدا جو دل سے ہے ان شوخ سبزہ رنگوں پر
یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ[2] دلتے ہیں
ہوا نحیف بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں
ق
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

کوئی تو پگڑی[3] بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیر ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

[1] گھی کے چراغ جلنا۔ خوشی منانے کی علامت ۱۲
[2] چھاتی پہ مونگ دلنا علانیہ تکلیف پہنچانا ۱۲
[3] پگڑی بدلنا بھائی چارا کرنا۔ دوستی کرنا ۱۲ آسی

(۲۷۷)

صفائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں
نہ توئی ہے، نہ کناری نہ گوکھرو تس پر
جو پوچھا میں کہ "کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی
پڑا جو ہاتھ مرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک
جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے
کبھو مٹک کبھی بس بس، کبھو پیالہ پٹک
چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی

چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے سینے میں
"میاں لگ رہی تھی اس انگیا موئی کے سینے میں"
پکاری! "آگ لگے اوئی اس قر سینے میں"
کبھو جو آئے تو ہفتے میں یا مہینے میں
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں
تو میں نے جالیا اُس کو اُدھر کے زینے میں
لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

یہ سُرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی نظیر
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

(۲۷۸)

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
یہ کاسۂ فیروزگوں ہے شیشہ باز پر فسوں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبح دم
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن
دن رات ناز و نعمتیں معشوقوں کی صحبتیں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے

دورِ فلک سے کیا خبر پہنچے کا اب تک یا نہیں
جتنے حِیَل ہیں اور فسوں سب اُسکے ہیں زیر نگیں
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے دہیں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیرِ زمیں
زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب بزیں
ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتانِ نازنیں
اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں

سلہ توئی ایک قسم کی کرچے پر بنی ہوئی بیل۔ کناری تیلا گوٹا۔ گوکھرو ایک قسم کا چُنا ہوا اور سوڑا ہوا گوٹا۔ بنت لمبی تیپ جس پر سنہری غرقی تاروں کا کام ہو ۱۲ آسی سلہ اُدھر۔ درمیان ۱۲ سلہ لاہی۔ ایک سرخ کپڑا ۱۲ سلہ حیل جمع حیلہ ۱۲ سلہ وقت صبح دم کی قسم کی ترکیب ۔۔۔ مستعمل ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل زبان ۔۔۔ استعمال کرتے ہیں جیسے صائب کا یہ شعر ۔۔۔ بر شور و خروش ۔۔۔ گردد + خواب سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد ۱۲ آسی

سنتے ہی جی بھر آگیا، رخسار پر اشک آگیا
دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس بھنگیں

اس میں سرا پا نا گہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیرؔ آگہ ہو ہاں، من نیز رہ زرسے ہیچ نیں

(۲۷۹)

گرے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مٹھ بھیڑ[1] آندھی میں

بتا کر خاک کا اڑانا، دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اُس گلبدن کو گھیر آندھی میں

رقیبوں نے جو دیکھا یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے "ہائے! یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں!"

وہ دوڑے تو بہت، لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اُس پری کو لا لئے گھر میں گھیر آندھی میں

چڑھا کوٹھے پہ، دروازے کو موند اور کھولا کر پردے
لگا چھاتی لئے بوسے، کیا ہت پھیر آندھی میں

وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو
عجب رنگوں کی ٹھہری آکے ہیرا پھیر آندھی میں

اُٹھا کر طاق سے شیشہ، لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں

کبھی بوسہ، کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پر
لگے لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

مزے، عیش و طرب، لذت، لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہو ویں ڈھیر آندھی میں

رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں یارو
بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی کی اُڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن
گری ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں، ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

(۲۸۰)

کھلے گل سبزہ نزہت بار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہر رنگ و بو سے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

ہجوم ابر ہے چمکے ہے برق اور مینھ برستا ہے
نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

صدائے بلبلاں ہے آ بجو ہے صحن گلشن ہے
سمن ہے سرو ہے گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

[1] لہ مٹھ بھیڑ – مراد سامنا ۱۲ آسی

صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی پیر رنگیں
کناری ہے دھنک ہے، ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عاشق کی بتاہٹ ہے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہر گل ہر گل رخسار ہی کیا کیا بہاریں ہیں

(۲۸۱)

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں
ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں

اپنے ملنے سے دیکھیے کس دن
ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں

ق

کل کہا ہم نے او نظیر میاں
تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں

چپکے بیٹھے ہو کیوں تو سن کے کہا
شکوے جی میں حساب کرتے ہیں

ہیں تو کرنے بہت و لیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

(۲۸۲)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں
تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں

ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے
اُدھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں

ستم ہے کن انکھیوں سے گر اک لیجے
غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں

نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا
کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں

جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ
ابھی سر اُڑے گا اگر دیکھتے ہیں

مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر
یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں

چھپا کر، دغا کر، نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

(۲۸۳)

مژگاں وہ جھپکتا ہے اب تیر ہے اور میں ہوں
سر پاؤں سے چھدنے کی تصویر ہے اور میں ہوں

کہتا ہے وہ گل تیرے پرزے میں اُڑاؤنگا — اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہے اور میں ہوں
بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے روا یارو — اس خوبیٔ قسمت کا نخچیر ہے اور میں ہوں
ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پہ — تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں

دل ٹوٹا نظیر اب تو دو چار برس رو کر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

(۲۸۴)

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں — گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز ہیں گردان — تمہارے باغ میں ایسے کئی ہنڈولے ہیں
تُلا نہ حسن تمہارا، وگرنہ میزاں میں — فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں
ہمارے قطرۂ اشک اس کی سر دھری سے — کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیر کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

(۲۸۵)

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن — گل رخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن
مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبیں — سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں — برق و ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن
زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام — مشک تبت مشک چیں مشک ختا مشک ختن
نازنیں، نازآفریں، نازکبدن، نازک مزاج — غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن
بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام — جنگجو قتال وضع و تندخو و دل شکن
دو ش و بر دندان لب چاروں سے یہ چاروں خجل — نسترن برگ سمن دُرِ عدن لعل یمن
سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے — معتمد، موحی الیہ و مستشار و موتمن

مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

(۲۸۶)

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے
غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
دل بیمار ہے عشق میں کیوں کر سر سبز
چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
عمر اک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل مت بھول

ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن
نسخے بدلیں ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن
خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن
ٹھنڈی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف[1] اس بت پرخوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

[1] چار حرف بھیجنا: لعنت بھیجنا۔ آسی

(۲۸۷)

عیش کر خوباں میں، اے دل، شادمانی پھر کہاں
جس قدر پینا ہو پی لے پانی انکے ہاتھ سے
لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہونگے نشاں
الفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
واعظ و ناصح کہیں تو انکے کہنے کو نہ مان
جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر

شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں
ان پریزادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں
مہرباں ہی اٹھ گئے، یہ مہربانی پھر کہاں
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

(۲۸۸)

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں
اک دم کی زندگی کے لیئے مت اُٹھا مجھے
تو مست کر شراب سے، اے گُل بدن، نہ مجھے
دور از ذُرّہ مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا

اے یار میں تو کشتۂ روز الست ہوں
لے جا بے خبر میں نقشِ زمیں کی نشست ہوں
ظالم میں تیری چشمِ گلابی سے مست ہوں
اگر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

(۲۸۹)

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں
بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے
کھڑے تھے ہم جو اس گروہ کے آگے
کہا کہیے نظیر اپنی تمنا کے

ق

اگر ہم جاہ کے لائق نہیں ہیں
اگر بیباک ہیں یا شرمگیں ہیں
سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں
بڑے ہی آپ صاحب دور بیں ہیں

کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

(۲۹۰)

اس کے رخسار کی صباحت میں
حُسن کو دیکھ اے دل ناداں
ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں
دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم

ق

شور ہے خال کا ملاحت میں
ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں
پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں
رنج سے دور ہو کے راحت میں

جب سنا یہ کہ یاں ہے فرقت بھی
آ گیا فرق استراحت میں

(۲۹۱)

کیا کہیں ہم یہ رات چاہت میں
گزری کیا واردات چاہت میں

شدت الفت میں کیا مزا اے دل
چاہیے کچھ ثبات چاہت میں

یار چاہے تو پل میں آساں ہو
ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں

کڑوی باتیں نظیرؔ لگتی ہیں
دل کو شل نبات چاہت میں

کردے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی یہ بات چاہت میں

(۲۹۲)

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں[1]
پر ان کے حسن کے آگے کچھ اختیار نہیں

ق

نظیرؔ ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا
یہ فارسی میں کہ اے مہ عذار و زہرہ جبیں

چہ کردہ ام[2] کہ نگاہے بحال من نہ کنی
چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں

بجز جفا و تعدی نمی کنی بر من[3]
نگہ عتاب قریں داری و جبیں پُرچیں

دلم برائے ہمیں بردہ[4] کہ ظلم کنی؟
شنید و گفت ''بلے بردہ ام برائے ہمیں''

(۲۹۳)

دور سے منہ کو دکھا جادے تو کچھ دور نہیں
اپنے منظور کو یہ بات بھی منظور نہیں

تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں
دل پر اک آبلہ ہے خوشۂ انگور نہیں

اک تبسم ہے بتوں کا مری صحت کی دوا
پر وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں

اُن کا گورا وہ بدن ہے کہ برابر اس کے
سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں

حسن میں اس درے کتا ہے جو ہمتا ہو نظیرؔ
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

[1] تئیں متروک ہے اور اس کے بجائے اب کو زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
[2] میں نے کیا خطا کی ہے کہ تو میرا حال نہیں دیکھتا اور ایسا میں نے کیا کیا ہے کہ دم بھر بیٹھنے کے لیے تو مجھ سے نہیں کہتا ۱۲
[3] سوائے اس کے تو مجھ پر ظلم و جور کرے اور کچھ نہیں کرتا۔ میری طرف سے تیری نگاہ میں عتاب بھرا ہے اور پیشانی پر شکن پڑی ہے ۱۲
[4] کیا تو میرا دل اسی لیے لے گیا تھا کہ مجھ پر ظلم کرے۔ اس نے یہ سنا تو بولا کہ جی ہاں اسی لیے میں نے دل لیا تھا

(۲۹۴)

دل ٹھہرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا اے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں

کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیرؔ اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

(۲۹۵)

کیا دل لگا دیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں	نے واں ثبات اس سے ہم نے یاں قیام اپنے تئیں
تھا اک مکان دلکشا رشک چمن جس کی فضا	تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن	جعد معنبر پر شکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں بیچا بجا	نغمات یکسر سحر زا انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں	طور تکلم در فشاں طرز تبسم شکریں

کیا کیا لگاوٹ بے بدل کیا کیا رکھاوٹ برمحل
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ[1] ہو گئی
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے
جوں بید لرزاں دست و پا ہی چلے چوب اگر گل عصا
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں

کیا کیا بناوٹ پل بہ پل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
وہ تو جوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں
جاں رنج سے پر درد ہے آزردہ دل اندوہ گیں
ہر مو جو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں
نے لب میں وہ سرخی رہی نے منہ میں وہ دُرثمیں[2]
تھی کل تو رشک گلستاں ہے آج خار سہگیں

بولی نظیرؔ عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں

(۲۹۹)

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں

تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں

جو نہی بوسہ میں نے کیا طلب تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مباد اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے دردِ دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں

جو نگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا لگے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں جا کروں

[1] عجوزہ۔ بڑھیا ۱۲
[2] دُرثمیں۔ قیمتی موتی ۱۲ ۔ مثال سقوط عین ۱۲ آسی

کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل و جاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

(۲۹۷)

دوانہ ترا عاشقِ زار میں ہوں
فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں

فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم
فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں

جسے اس نے کاٹا سوا بے اجل وہ
سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں

اگرچہ وہ گل ہے دیا چشم نرگس
ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

(۲۹۸)

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں، شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں

دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں
بُندے بالے کہیں اور زلفِ سیہ فام کہیں

نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہہ دوں
خط کے پرزے پہ لکھوں قاصدِ ناکام کہیں

دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبلِ بدنام کہیں

(۲۹۹)

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آ رہا ہے ترے غم سے آب آنکھوں میں

جدھر وہ دیکھے اُدھر حسن کی صف الٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں

تھما نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شتابی آن کے محبوبو، پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

(۳۰۰)

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں / لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں
منھ کو پھرا کے ہم سے آئینے کو دکھانا / آئینہ رویوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں
کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے / ایک اک سخن میں سو سو طرزیں کنایتیں ہیں
بے رحمی نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے / تو ہم کو جھڑکیاں ہیں اس کی حمایتیں ہیں
بخت سیہ ہمارا محروم لطف سے ہے / اور سرمہ و مسی پر کیا کیا عنایتیں ہیں
سن کر کسی کے غم کو کہتے نہیں کہ سچ ہے / تحریک لب کی اپنے یاں تک کفایتیں ہیں

دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہیے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

(۳۰۱)

یہ جو گلگیر و نگار ہنستے ہیں / فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں
عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم / ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں
ق
دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں / جس طرح شرمسار ہنستے ہیں
ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں / خوبرو بار بار ہنستے ہیں

جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

(۳۰۲)

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیے ٹک اس کا بیاں / تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی / آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے / فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این و آں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کبھی / پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں

شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں

شست روش پست قد سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں

ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں

وضع سبک اس کی تھی ہتس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پہ پٹے بھی تھے پنبہ ساں

پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی
ویسی ہی رہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں

جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے سوا
چاہیے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں

فضل سے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں

(۳۰۳)

جب کہ الٹی ہم نے تکرارِ نظر پہ آستیں
کھینچ لی اُس نے رخِ رشکِ قمر پہ آستیں

اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس
تارِ دامن خاور پہ، شاخِ شجر پہ آستیں

(۳۰۴)

طلعتِ یوسف صباحت میں ہے لاثانی ولے
یہ نمک یہ خال و خط، یہ زلف یہ ابرو کہاں

کس طرح سنبل ہو اُن زلفوں سے آکر سر بسر
یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں

(۳۰۵)

یہ حسن دی بہاراں جن دہلی آندیاں ہیں
کہ کہ طرح جگر وچ دھوماں مچاندیاں ہیں

کوئی نہ دیکھدا اے، دیکھو ادھر تو پیارے
تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاندیاں ہیں

(۳۰۶)

کل نظیر اس نے جو پوچھا بہ زبانِ پنجاب
نہیں وچ مینڈی ہے کے حال تسادا وے میاں

جوڑ ہیتھ ہم نے کہا حال " اساڈے دل دا
تسی سب جان دی ہو جی اسے کے عرض کراں

(۳۰۷)

چاہت ہے اب افشاکن اصرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں

متفرقات (ن)

۴۰ چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں
ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں

۴۱ چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

۴۲ میں اک اپنے یوسف کی خاطر، عزیزو
یہ ہستی کی ساری دکان بیچتا ہوں

۴۳ طوفان اٹھا رہا ہے مرے دل میں سیل اشک
وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں

۴۴ صبح جب بول اٹھا مرغ سحر گگڑوں کوں
اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹڑوں ٹوں

۴۵ کس کو کہیے نیک اور ٹھہرائیے کس کو برا
غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف واؤ۔ (و)

(۳۰۸)

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو
جس کی نوید پہونچی ہے رنگ بسنت کو

دی بر میں اب لباس بسنتی کو جیسے جا
ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آلگو

گر ہم نشے میں بوسے کہیں دو تو لطف سے
تم پاس منہ کو لاکے یہ ہنس کر کہو کہ لو

بیٹھو چمن میں نرگس صد برگ کی طرف
نظارہ کر کے عیش و مسرت کی داد دو

سن کر بسنت مطرب نو زیں لباس سے
بھر بھر کے جام پھر سے خوش رنگ کے پیو

کچھ قمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں جا
کچھ بلبلوں کا زمزمہ دل کشا سنو

مطلب ہے یہ نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت
ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

(۳۰۹)

ہم دَم چھپا وے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو   شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو
دکھلا حنائی دست لیا جیب سے دِینؔ دل   کیا دست رس ہے دیکھیے اس دستگاہ کو
بیٹھا جو چاندنی میں تو رُخ کی جھلک دکھا   خجلت تھی کون سی کہ نہ دی روے ماہ کو
ناصح تو راست کہتا ہے، لیکن وہ کیا کرے؟   دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کُلاہ کو
جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا: ق   "کیا ناپسند گنتے ہو اس رسم و راہ کو
جانے ہیں جھڑکیوں میں ہماری وہ لذتیں   جو چاہ میں سمجھتے ہیں بہت نگاہ کو

گر عار ہے کچھ اس میں تمھیں، تو میاں نظیرؔ
لے جاؤ اپنے اس دل عزّت پناہ کو

(۳۱۰)

حسن و فا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو   کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو
ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا   دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو
تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا   مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو
چاہت کی دُھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا   ق   نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو

مشکل ہے وہ تو اور تم سمجھے نظیرؔ آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

(۳۱۱)

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو   وہ راہ واں نہ چلیے جس راہ کا گلہ ہو
مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا   کیونکر نہ ہو وہ لیلیٰ جس کا یہ حوصلہ ہو
بے بوسۂ کفِ پا ہیہات تو نہ اے دل   ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو
چاہت کی شرط یوں ہے، ہو چاہ جسکی اس سے   ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو

مژگاں کی نوکیں جھوکیں دل کو نظیرؔ اپنے
کب دیکھنے میں آویں، جب پھر مقابلہ ہو

(٣١٢)

بھوؤں کی تیغ کہا دل پہ آزمانے دو
قرار ایک کا کر کر لگے لگانے دو
مجال کیا جو چھوئیں ہم تمہاری زلف اے جاں
بھلا نہیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو
حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا
نہ باہر آنے کے اکثر یہ ہیں بہانے دو

ق

کہا کسی نے نظیرؔ آتا ہے تو اس گل سے
کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو
جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
ہمارے پاس نہ اس وقت اس کو آنے دو

(٣١٣)

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو
لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو
وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے
تو کیا شک ہے کہ بہ جاوے پری کا حسن پانی ہو
مجھے کل اک پری نے یوں کہا ہم اے نظیرؔ اس دم
کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو
نہ مل اس سنگدل سے تو جو ملنا ہو تو مل ہم سے
کہا میں نے یہ سنکر واہ تم بھی خوب سیانی ہو
اسے میں چھوڑوں اور چاہوں تمہیں لے بی یہ ممکن ہو
عجب تم بھی کوئی اُلّن سڑن خبطن دوانی ہو

(٣١٤)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے
الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا
سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو
نظیرؔ اپنا تو معشوق خوبصورت ہے
جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

(۳۱۵)

مہ ہے اگر جو بے شیر، تم بھی زری پوش ہو — دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو
آئینۂ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا — چشمۂ کافور میں آگ لگانے چلو
تم ہو مہ چاردہ، چار قدم رکھ کے آج — بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

(۳۱۶)

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو — لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو
ان ابروؤں کے وہ بھی مقابل نہ ہو سکیں — بالفرض آسماں پہ اگر سو ہلال دو
ڈالی سمیت گل کو اُٹھایا تو ہے وسے — پہنچے میں نازکی ہے بس اب اسکو ڈال دو

تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر
دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

(۳۱۷)

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اُٹھاتے ہو؟" — کہا کہ "اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"
کہا "لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم؟" — کہا کہ "تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو"
کہا جو حال دل اپنا، تو اُس نے ہنس ہنس کر — کہا "غلط ہے، یہ باتیں جو تم بناتے ہو"
کہا "جتاتے ہو کیوں ہم سے روز ناز و ادا؟" — کہا "کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو"
کہا کہ "عرض کریں ہم یہ جو گزرتا ہے" — کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"
کہا کہ "روٹھے ہو کیوں، ہم سے کیا سبب اسکا؟" — کہا "سبب ہے یہی، تم جو دل چھپاتے ہو"

کہا کہ "ہم نہیں آنے کے یاں" تو اُس نے نظیر
کہا کہ "سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو؟"

(۳۱۸)

دل جن کو دیا نام تلک اُن کا نہ پوچھا — تکلیف نہ ہو تا لب ریحاں نفسوں کو ٹ

گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

(۳۱۹)

خط کی رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو
ہے وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو

حسن وہ ترک ستمگر ہے کہ جس کے پاس چار
ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں دو

یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کے یاں
گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں دو

فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک
لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پر نظیرؔ
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

(۳۲۰)

کچھ ڈر ہے ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو
ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو

خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل
تم ان میں لیے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو

زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار
اس کوچے میں تم مثل پریشان نہ بیٹھو

یوں کھول کے رخسار پہ کاکل سر محفل
غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو

آئے ہو نظیرؔ اب جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

(۳۲۱)

منھ کو دکھا کر ذرا اے گل خنداں تو
پوچھ کبھی تو مرے دیدۂ گریاں تو

داغ بہ دل، چشم تر، آہ بلب، سینہ چاک
دیکھ مری چاہ کے آن کے ساماں تو

ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم
توڑے ہے کیوں زخم پر میرے نمکداں تو

شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام
دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو

جان تو دے گا نظیرؔ جانے نہ دے گا تجھے
ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہے داماں تو

(۳۲۲)

چھڑکے بھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو — تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو
مشاطہ[لہ] ذرا ابھر خدا حسن کی اس کے — اتنی نہ ہوا باندھ جو برباد کوئی ہو
اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام — دشنام تو دے وے جو اسے یاد کوئی ہو
تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا — شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو
منظور ہوا دام میں جب دل کو پھنسانا — پھر وسوسہ کیا چاہیے صیاد کوئی ہو
ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے — وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو

بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستۂ بیداد کوئی ہو

فرد

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ — ۴۶ — حضرت خضر کہیں سے جاکر شراب لاؤ

ردیف ہائے ہوز (ہ)

(۳۲۳)

جنھیں بر آرہے صحبت خیال یار کے ساتھ — وہ سب بہاریں ہی سمجھے ہیں اس بہار کے ساتھ
اکیلے باغ میں جانے سے لطف کیا ہمدم — چمن کی سیر جو کیجے تو گلعذار کے ساتھ
ہوا میں ہو کے یہاں روح سنبلستاں کی — لگی پھرے ہے تری زلف مشکبار کے ساتھ
میں منتظر بھی ہوں اور پوچھ بھی نہیں سکتا — یہ اور رشک کا نسخہ ہے انتظار کے ساتھ
رقیب کہتے ہیں پھرتا ہے یار ساتھ تیرے — وہ گر پھرا بھی تو مجھ سے خراب خوار کے ساتھ
شراب و شاہد و عیش و نشاط و درد و الم — یہ سب معاملے ہیں اک نفس کے تار کے ساتھ

لہ مشاطہ کنگھی کرنے والی اور عورتوں کا بناؤ سنگھار کرنے والی عورت ۱۲ آسی

نظیر کا کل پیچاں نہ جانیو اس کو
میاں یہ مار ہے بازی نہ کیجو مار کے ساتھ

(۳۲۴)

داماں وکنار اشک سے کب تر نہ ہوئے آہ
دو چار بھی آنسو مرے گوہر نہ ہوئے آہ

جیسے کہ دل ان لالہ عذاروں کے ہیں سنگیں
دل چاہنے والوں کے بھی پتھر نہ ہوئے آہ

کہتے ہیں کہ نکلا ہے وہ اب سیر چمن کو
کیا وقت ہے اس وقت مرے پر نہ ہوئے آہ

خوباں کے تو ہم فدوی و بندہ بھی کہائے
لیکن وہ ہمارے نہ ہوئے پر نہ ہوئے آہ

کیا تفرقہ ہے جب کہ گئے ہم تو نہ تھا وہ
اور آیا وہ ہم پاس تو ہم گھر نہ ہوئے آہ

کیا نقص ہے اس غیرت خورشید کے آگے
ہم لعل تو کب ہوتے ہیں اخگر نہ ہوئے آہ

دریا بھی بہے مے کے پر اے بادہ پرستاں
یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوئے آہ

دیکھ اس کو نظیر اب مجھے آتا ہے یہی رشک
کیوں ہم بھی اسی طرح کے دلبر نہ ہوئے آہ

(۳۲۵)

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ
رشک رنگ لعل ہو گا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم یہ فرمائش نہیں کرتے میاں
دیکھ کر منھ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

ق

دیر تک دیکھا کیا منھ کو تو ہم نے یوں کہا
دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ

لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا ہنس کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ

یہ پرانے ہیں اگرچہ تو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

(۳۲۶)

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا واہ بسم اللہ

قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہے محفل میں
کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ

لگائی اس نے جو جو تیغ ابرو کی مرے دل پر
لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ

شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ شہ انجم
وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ

وہ جس دم نسخۂ ناز و ادا آغاز کرتا ہے
تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پر واللہ بسم اللہ

جو اس کی چاہ جی میں ارادہ ہو تو بس اے دل
مبارک ہو تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ

نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہے دم بدم اللہ بسم اللہ

(۳۲۷)

لگی[1] ہے دل کی لگن اس حیا شعار کے ساتھ
جو آرسی کو کبھی دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ

کمال شوخیاں تس پر یہ تمکنت یہ مزاج
کہ ہے سبک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ

ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر
تمہارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ

جو پا ہو طائر دل بچ سکے تو کیا امکان
ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیر
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

(۳۲۸)

زاہد و روضۂ رضواں سے کہو عشق اللہ[2]
عاشقو، کوچۂ جاناں سے کہو، عشق اللہ،

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب
کوئی اُس فتنۂ دوراں سے کہو، عشق اللہ،

یارو دیکھو جو کہیں اُس گلِ خنداں کا جمال
تو مرے دیدۂ گریاں سے کہو، عشق اللہ،

ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہِ قاتل
جا کے اُن گنج شہیداں سے کہو، عشق اللہ،

آہ کے ساتھ مرے سینے سے نکلے ہو دھواں
اے بتاں مجھ دلِ بریاں سے کہو، عشق اللہ،

یاد میں اُسکے رُخ و زلف کی ہر آن نظیر
روز و شب سنبل و ریحاں سے کہو عشق اللہ،

لہ بسم اللہ کا لفظ عام بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کسی کام کے شروع کرتے وقت بھی کہتے ہیں ۱۲ آسی

[1] لگن لگنا۔ دل لگنا تعلق خاطر ہونا۔ دھن بندھنا ۱۲

[2] عشق اللہ آزاد فقیروں کا سلام ۱۲ آسی

(۳۲۹)

نورِ حق، شافعِ امت سے کہو، عشق اللہ
ہر دم اس شاہِ ولایت سے کہو، عشق اللہ

یاد کر، مومنو، اُس کا وہ ہرا پیراہن
سبزۂ باغِ امامت سے کہو، عشق اللہ

لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہرِ درجِ شجاعت سے کہو، عشق اللہ

پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا
اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو، عشق اللہ

ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں
سب ہر اک صاحبِ عزت سے کہو، عشق اللہ

راہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر
ان شہیدوں کی شہادت سے کہو، عشق اللہ

مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا
اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو، عشق اللہ

دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
ان جوانوں کی قناعت سے کہو، عشق اللہ

کہیں ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو اُن کی عبادت سے کہو، عشق اللہ

چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے
اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو، عشق اللہ

کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیرؔ
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۳۳۰)

اُس[1] نے ایسے حُسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ
رکھتی ہے تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ

آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ عشق آتا اسے
رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

یوں پڑا کوچے میں اسکے میں کہ اس نے رحم سے
رکھ لیا، ہا، کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ

پاؤں اس کے دابتے غیروں نے دیکھا تھا مجھے
کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ

کب اُترتا بام سے میرے وہ ملنے کو نظیرؔ
دل نہ رکھتا زیر پا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

[1] یہ غزل بطریق سلام کہی گئی ہے
سے ہاتھ یا ناقضہ
یا ہاتھ قدرت یا ہاتھ
اسی

(۳۳۱)

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ — دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ
ایسے جو کرکے وعدہ دینے لگا تو بولا — لو جی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ
بالین تو اس کا پر غور سے جو دیکھا — کیا کیا لگاوٹیں ہیں مقدار سے زیادہ
پوچھا تمھارے منھ کی ہے کس قدر تجلی — ہنس کر کہا کہ مہ کے انوار سے زیادہ

بیدردی بتاں کا شکوہ نظیر مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

(۳۳۲)

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں عجب[1] تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجۂ مہتاب پہ ہاتھ

پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ

پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ

پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سر انگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ

دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیر
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

(۳۳۳)

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ — ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ
تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں ہم نے بھی — زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ

[1] یعنی اُس کے گورے ہاتھ عجب تاب پر قدرت رکھتے ہیں۔ آسی

تھا بہ آزادہیں دام و قفس کے جور سے
بلبلِ تصویر و طاؤس خیال آئینہ

دل جفا سے اس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں
بے خطر ہے زنگ سے روئے خیال آئینہ

کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشقِ خرام
تھا دو صد جا ہم کو پابوس خیال آئینہ

صافیٔ دل کا لطف اس سے نہ پھر پنہاں رہے
یک نظر دیکھے جو قاموس خیال آئینہ

ہے اگر منظور سیرِ عالمِ حیرت نظیر
تو دل اپنا کر تو محبوس خیال آئینہ

(۳۳۷)

ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے اُمیدوار آہ!

ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!

تھی اس عید کی سو گئی وہ بھی، دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار، آہ!

ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار، آہ!

جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اس کے اوپر تو حیف ہے، اور صد ہزار آہ

(۳۳۸)

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسول اللہ
کہ لامکاں نے کہا "لا الٰہ الا اللہ"

وہ نورِ دیدۂ احمدؐ کہ جس کے رتبے کی
حدیثِ بضعۃ منی ہے دو جہاں میں گواہ

متفرقات ردیف (ہ)

مطلع

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لیجاتا ہے وہ ۴۷ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

مصحفِ رُخ پہ ترے ابروے پیوستہ نہیں ۴۸ سو قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ

ردیف یائے تحتانی (ی)

(۴۳۹)

خجلت تو نہ دی کچھ اُس جمہر کی یاری نے
شرمندہ کیا ہم کو ناتجربہ کاری نے

گلشن میں نقاب اُٹھا دو بارہ رخ اُسکے سے
کیا لطف کیا ہم پر کل بادِ بہاری نے

صد پارہ کیا دم میں کل گل سے گریباں کو
اُس رشکِ گلستاں کی اک زیب شعاری نے

رات اُس کو سنا آتے پھر صبح تلک ہم کو
اک لحظہ نہ دی فرصت ساعات شماری نے

کیا کیا چمن پر گل نہ کھلائے نظیرؔ اُس دم
اُس دستِ نگاریں کی توصیف شماری نے

(۴۴۰)

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے

ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رولوں
تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہالے

چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے
لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے

خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے

ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے
مبادا کوئی تجھ کو واں سے اُڑالے

کہیں تھر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بلا نے پڑیں فال تعویذ والے

کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے

تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کر دوں
کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلائے

سنو دلبرو! گلرخو! مہ جبینو!
میں تم پاس آیا ہوں اک التجا سے

خدا کی رضا یا محبت سے اپنی
پڑا اب تو آ کر تمہارے یہ پالے

تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو
کبھی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو
تمھارے یہ سب ناز اٹھا دے گا لیکن
نظیرؔ آہ دل کی جدائی بری ہے

تسلی دلاے میں ہر دم سنبھالے
کہ غم ہیں یہ وہ کر کرے آہ و نالے
وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اٹھالے
بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

(۳۴۱)

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز منھ اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے

جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہوکے اس کے لطف سے ہم
وہ بزم وہ خط وہ عیش وہ مے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے

مسرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہو گا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج وہ آن وہ سج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے

وہ کاجل تیکھی آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی یہ
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ چھب وہ گوش وہ بالا دیکھیں گے

ہے جو جو خواہش دل میں نظیرؔ آسے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط وہ دہن وہ چین وہ سکھ وہ سیر وہ چرچا دیکھیں گے

(۳۴۲)

خوشی دو چند تھیں سیر ماہتاب میں ہے
لیا ہے ہم سے دل اور دیں بھی ہو طلب کرتے
کہا کہ "دفتر حسن پر یہ خوں کی نظیرؔ

ق

جلو میں چاہنے والے قمر رکاب میں ہے
دل اس تقاضے سے اپنا تو پیچ و تاب میں ہے
تمھیں خبر نہیں، یہ بھی اسی حساب میں ہے"

(۳۴۳)

تھے آگے بہت جیسے خوش اے یار ہمیں سے
ایسے ہی تم اب رہتے ہو بیزار ہمیں سے

ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات، ولیکن
رہتی ہے بھری ابروئے خمدار ہمیں سے

محفل میں جو دیکھا تو اِدھر تم ہو خفا، اور
ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے

اور وں سے جو کہتے ہو کہ "ہم اُن سے ہیں ناخوش"
اُس کو تو فقط کرنا ہے اظہار ہمیں سے

گلگشتِ چمن کرتے ہو جب ہمرہِ یاراں
واں بھی غرض آتی ہے تمھیں عار ہمیں سے

اقرارِ ملاقات ہے ہر اک سے بقصد، پھر
کی غور تو ہے گا تمھیں انکار ہمیں سے

سمجھے گا جو رتبے کو "نظیر" اہلِ وفا کے
تو ملنے لگے گا وہ طرح دار ہمیں سے

(۳۴۴)

دل لے کے پھر نہ کیجیے ہنس کر ملا کرو گے
یا کر کے عار ہم سے پٹکے رہا کرو گے

کہئے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم
جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کرو گے

خوبی تو لطف میں ہے اے جاں وگرنہ ہم تو
سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کرو گے

ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے فریب دل میں
کہتا ہے تم تو اک دن ہم سے دغا کرو گے

مت عاشقی میں یارو ناخوش "نظیر" سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کہئے کیا کرو گے

(۳۴۵)

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے
جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے

دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اُٹھیں ہم
پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے

سحر نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل
جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے

لیلیٰ وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت
مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے

کل تو وہ وضع بدل کر دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس پھبن سے نکلے

(۳۴۶)

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

ناز اُٹھانے میں جفائیں تو اُٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

زخم اس تیغ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی فرقت میں ہمیں چرخ ستمگار نے آہ
یہ رُلایا یہ رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

حکم چُپّی[۱] کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا[۲] ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

تلوے سہلانے میں گو اونگھ کے جھک جھک تو پڑے
پر مزا بھی وہ اُڑایا ہے کہ جی جانے ہے

رنج ملنے کے بہت دل نے سہے لیک نظیر
یار کبھی ایسا ہی پایا ہے کہ جی جانے ہے

[۱] چپی۔ آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں دبانا ۱۲
[۲] رتجگا۔ رات بھر کسی تقریب کے لیے جاگنا ۱۲ آسی

(۳۴۷)

دوری میں اس قمر کے جب آئی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روئے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا مُسلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسریں و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی

کیا ایک دل ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی

سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی

گر ہم بغیر واں شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

(۳۴۸)

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اسکے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

دیکھیے کیا ہو، سے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
غمزۂ پر فریب بھی عشوۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

ق

بیٹھے بتوں کی بزم میں جتنی ہے قدر جیسے لوگ
اپنے فریب ذہن سے واں تھا یہ خراب و خوار بھی

گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا "ہیں یار بھی"

(۳۴۹)

جو تو کہتا ہے اے غافل "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ سب کا ہے، اسی کا ہے، "نہ تیرا ہے نہ میرا ہے"

تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے
تمازی ہے شرابی ہے، اچکا ہے، لٹیرا ہے

فرشتہ ہے، پری ہے، دیو ہے، یا آدمی، جن ہے
بلا ہے، بھوت ہے، یامن، مزور یا لگیرا ہے

تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر ہے وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے

جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے
تو اسکے بعد پھر کہیو "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے او بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

تو کچے سوت کا دھاگا عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے

تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اٹیرن میں اٹیرا ہے

تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا ہا ہا!
مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے

ترقی میں تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اجالا ہے، اجالے میں اندھیرا ہے

طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج یہی شام اور سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہے

(۳۵۰)

ابرو نے کماں زلف نے زنجیر دکھادی — مژگاں نے بھی اک ترکش پر تیر دکھادی
ملکر دُرِ دنداں میں مسی شوخ نے ہنسکر — کیا کیا رقم طرفہ کی تحریر دکھادی
کوچے کی تری خاک نشینی نے ہمیں تو — تانبا ہو طلا جس سے وہ اکسیر دکھادی
کل اُس نے کہا حُسن میں ہم رشکِ پری ہیں — مکھڑے نے ہمارے ہے وہ تنویر دکھادی

ہم بولے نظیر اُس سے کہ ہے جھوٹ تو ہنسکر
جھٹ اُس نے پری کی ہمیں تصویر دکھادی

(۳۵۱)

ناگن ہے تری زلف کی دل کیونکہ نہ ڈر جائے — یہ کاٹے بھی کھادے جو کسی کو تو گذر جائے
شکل و بدن و زیور و پوشاک سب اُسکی — اک عالمِ تصویر ہیں جس جس پہ نظر جائے
عشاق سے ہے گرم تپاک اتنی ہی خاطر — تو کوئی مرے در سے دم سرد نہ بھر جائے
ہے حسن پرستی بھی عجب چیز وفا کیش — دل پر یہی ہو جائے تو اس کا نہ اثر جائے

محبوب کے رتبے پہ نظر رکھیو نظیر آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل سے تو اُتر جائے

(۳۵۲)

نہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی — نہ یاسمن میں صفائی ترے بدن کی سی
میں کیوں نہ پھولوں کہ اُس گلبدن کے آنے سے — بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی
یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے — جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں — یہ رنگتیں ہیں تمھارے ہی پیراہن کی سی

وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں کبھی چشم غم سے پُر آب ہے

نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغرِ مئے ناب ہے

(۳۵۸)

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے
دکھانے لگی زلف اپنی درازی
نظیر ایک دن اس پری رو کے آگے
دیا جام اور ہم جو ہچکچے[1] تو بولا

ق

تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے
مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے
گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے
تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے

پلا دیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

(۳۵۹)

پھر اس طرف وہ پری رو جھکتا آتا ہے
ادھر ادھر جو نظر ہے تو اس لیے یارو
کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی
طلب کرنا ہے جس سے تو اس کی جانب واہ

برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے
جو ڈھب سے[2] تاکتے ہیں انکو تکتا آتا ہے
تو اس سے کہتا ہے کیا تو یہ بکتا آتا ہے
قدم اٹھاتا ہے جلد اور ہمکتا[3] آتا ہے

ہمارے دل کی جو آتش ہے دینی پھر بھڑکا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے

[1] ہچکچے یعنی ذرا ہچکچائے ۱۲ [2] ہمکنا۔ بچے کا ایک گود سے دوسری گود میں جانے کا ارادہ کرنا۔ ہمک کر چلنا ناز و انداز اور تبختر سے چلنا ۱۲ آسی

(۳۶۰)

دیکھ عفت د ثریّا ہمیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی

موسیٰ کے تئیں گو شجر طور کی سوجھی
پر ختم رسالت کو بہت دور کی سوجھی

غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو بھلا کہئیے تو کیا طور کی سوجھی

ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی

دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا
بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی

سر پاؤں سے جب پھنس گئے اُس زلف سیہ میں
جب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی

جنّت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی

مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک کی بھر کی ہے جہاں دور کی سوجھی

(۳۶۱)

یہاں تو کچھ اپنی خوشی سے نہیں ہم آئے ہوئے
اک زبردست کے ہیں کھینچ کے بلوائے ہوئے

آتے ہی رو دئے تو آگے کو نہ روویں کیونکر
ہم تو ہیں روز تولد ہی کے دکھ پائے ہوئے

دیکھ کر غیر کے ساتھ اس کو کہا یوں ہم نے
ہو تو تم چاند پہ اسوقت ہو گہنائے ہوئے

کل جو گلشن میں گئے ہم تو عجب شکل سے آہ
ہجر کے مارے ہوئے جی سے بتنگ آئے ہوئے

گل جو تازے تھے کھلے کہتے تھے شبنم سے یہ بات
دیکھ کر اُن کو جو وہ پھول تھے کُمھلائے ہوئے

آج ہیں شاخ پہ جس طور سے پژمردہ نظیر
کل اسی طرح سے ہم ہو دیں گے مرجھائے ہوئے

(۳۶۲)

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

پلکیں تو چھیدتی تھیں دل مارتی تھی برچھی نگاہ
کچھ طپش دل تھی کچھ سنتے ہی فرقت کا نام
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہے
گرچہ اُبھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں

ابرو نے اس پہ رے ایک تیغ جڑی اور بھی
آگ سی ایک آگ پہ آن پڑی اور بھی
روک لے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیر
سنتے ہی اس بات کے ایک جڑی اور بھی

(۳۶۳)

جہاں ہے قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہے
وہ قامت[1] ایسا ہے کچھ قیامت، قیامت اُس کی رکاب میں ہے

یہ سب غلط ہے جو یوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہے
نقاب کیا ہے وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہے

وہ گورا پنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے سر سے تا پا
کیا ہے پیدا تو موتیوں کا در اس کو گوندھا شہاب[2] میں ہے

جھلک جو مکھڑے کی دیکھی اس کے تو ہم نے اپنے یہ دل میں جانا
اسی کے پرتو سے مہ ہے روشن اسی کا نور آفتاب میں ہے

رہے گا محبوب جس مکان میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جا کر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہے یہ دھن اس عالیجناب میں ہے

جو غصہ ہو کر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے، کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اُسکے عتاب میں ہے

بندھا ہے جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہے
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پر آب میں ہے

[1] قامت کی تذکیر و تانیث میں فصحا کو اختلاف ہے ۱۲
[2] شہاب ایک سرخ رنگ ۱۲ آسی

وہی ادھر ہے وہی اُدھر ہے وہی زباں پہ وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہے جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہے

نظیر سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے

(۳۶۴)

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اُٹھانے والے
تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے
بند کر قید محبت میں خبر میری نہ لی
دام میں جیسے پھنسے دام چھڑانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا
کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے
گزری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے
کیا ہوئے یار وہ گلے ہم کو لگانے والے
یوں تو اوقات گزرتی ہے مزیداری میں
نہ ملے چین مرے دار دکھانے والے

اب کے ملتا ہو نظیر اس سے تو کہنا جا کے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار بلانے والے

(۳۶۵)

کسی کی چھین نہ لی ہم نے جاہ کی گٹھری
نظر پڑی نہیں ہرگز تباہ کی گٹھری
پس از وفات نہ آئے ہماری تربت پہ
بجائے سبزہ رکھی لا کے کاہ کی گٹھری
مژہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ، یارب
ادھر یہ دل ہے اُدھر ہے سپاہ کی گٹھری
تمہارے طرۂ دستار نے کتا لی ہے
متاعِ صبر اسی داد خواہ کی گٹھری
حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا
کہ سر پہ ہے مرے بارِ گناہ کی گٹھری
رکھے ہے کون، جنوں، وادیٔ محبت میں
بغیر آبلہ پا زادِ راہ کی گٹھری
ہم ہو اتھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے
کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

کھلی تو غرق ہے بحرِ فراق کا یاں شوخ
نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گھڑی
اُبھار سینے، یہ اس کے کچوں کا ہے بارے
یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گھڑی
بڑا، ہے ناز و ادا کا ہجوم جو یہ لشکر
بجا ہے گر کہیں گردِ سپاہ کی گھڑی

زمیں، نظیر نہیں گرم اس میں ہے کیا خاک
مگر بزورِ طبیعت نباہ کی گھڑی

(۳۶۶)

نہیں اسے کل سے جو تم ادھر لے کیا خیال میں لائیے
جو کچھ عذر ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آتے تھے لائیے
یہ کہا کہ ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منہ کہا غیرت
یہ سخن سے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے بساط ہم تو کہا میاں
یہ جو دام بیٹھے بچھاتے ہو اسے جلدیاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و گلبدن جو گلے سے آکے لگے تو پھر
یہ شگفتگی ہو برنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ستم کریں یہ بہار اُن کی عجیب ہو جب
کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب چابیئے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھا چکے
نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جوں ہی آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنی ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آئیے اجی آئیے

(۳۶۷)

یہ چھپکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے
اسی بالے کی دولت سے تمھارا بول بالا ہے
نزاکت سر سے پاؤں تک پڑی قربان ہوتی ہے
الٰہی اس بدن کو تو نے کس سانچے میں ڈھالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اُسکی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں
نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
بلائیں ناگ کالی ناگنیں اور سانپ کے بچے
خدا جانے کہ اس جوڑے میں کیا کیا باندھ ڈالا ہے
نہ غول آتا ہے خوباں کا سرکتا دل میں کہتا ہوں
یہ کمپو کی نہیں پلٹن یہ پریوں کا رسالا ہے
جسے تم سے کے بیدردی سے پاؤں میں کچلتے ہو
یہ دل میں نے تو اے صاحب بڑی محنت سے پالا ہے

۱۵ جو کچھ عذر ہیں عین ساقط ہوتا ہی ممکن ہے کوئی عذر ہو ۱۲ آسی

نظیر اک اور لکھ ایسی غزل جو سُن کے جی خوش ہو
تری اس ڈھب کی باتوں نے تو دل میں شور ڈالا ہے

(۳۶۸)

نہ مرنے کوند بجلی کی نہ شعلے کا اُجالا ہے
کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمکڑا ہی نرالا ہے

وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے

کہیں خورشید بھی چھپتا ہے پردے میں چھپائے سے
اُٹھا دو منھ سے پردے کو بڑا پردا نکالا ہے

کھلے بالوں میں منھ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہے
تمھارا حسن تو صاحب اندھیروں کا اُجالا ہے

نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اُسکے حسن کے جھمکے
ادھر جھمکا اُدھر بندا ادھر بجلی کا بالا ہے

رقیب اور یار آتے تھے سو ہم نے مکر سے یارو
اسے دل دے کے رکھا اور اسے دم دے کے ٹالا ہے

کن انکھیوں کی نگہ گپتی اشارت تیر چتون کے
جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

اُبھارا گالیوں پر پہلے پھر بوسہ لیا ہم نے
جب اُس نقشے پہ کھینچا تھا اب اس قالب میں ڈھالا ہے

ہوئے ہیں ہم چراغ صبح کیا تم ایسے بیٹھے ہو
جو تم نے اب تلک کانوں میں اپنے تیل ڈالا ہے

جہاں تک رنگ ہیں دونوں جہاں میں سب اُسی کے ہیں
ولے وہ آپ تو ہرگز نہ گورا ہے نہ کالا ہے

نظیر اس سنگدل قاتل سے دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اُس نے مار ڈالا ہے

(۳۶۹)

کون یاں ساتھ لیے تاج و سریر آیا ہے
یاں تو جو آیا ہے پہلے سو فقیر آیا ہے

عشق لایا ہے فقط ایک ہی سینے کی سپر
حسن باندھے ہوئے سو ترکش و تیر آیا ہے

کل کسی شخص نے اُس شوخ سے جا کر یہ کہا
آج در پر ترے اک عاشق پیر آیا ہے

پشت خم کردہ عصا ہاتھ میں گردن ہلتی
ضعف پیری سے نہایت ہی حقیر آیا ہے

سن کے یہ شکل و شباہت مری اس شوخ نے آہ
وہیں معلوم کیا یہ کہ نظیر آیا ہے

(۳۷۰)

ہوش نگہ سے چکی زلف کی اب گھات ہے
دیکھیے آگے ابھی پہلی ملاقات ہے

کھینچ کے ابرو کی تیغ کہتے ہو کچھ ڈر نہیں
میرا تو کانپے ہے دل آپ کی کیا بات ہے

اُٹھتے ہو کیوں ڈر کے تم جان تمہاری ہے مجھے
زلف سیہ کی قسم چار گھڑی رات ہے

بوسے کی درخواست میں تم نے جو دشنام دی
دل میں نہ کچھ لائیے ہم کو مساوات ہے

مشت[۱] اُٹھائی نظیر تم کو تو اس شوخ نے
اب جو کھسکتے نہیں یاں سے تو پھر لات ہے

(۳۷۱)

دیکھ کر گرتی گئے ہیں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

کیا تعجب ہے اگر دیکھے تو مُردہ جی اُٹھے
چین نیفے کی ڈھلک پڑ جو پہ آنی آپ کی

ہم تو کیا ہیں، دل فرشتے کا بھی کافر چھین لے
ٹک جھمک دکھلا کے پھر انگیا چھپانی آپ کی

آ پڑے دو سو برس کے مُردہ بیجان میں جان
جسکے اوپر دو گھڑی ہو مہربانی آپ کی

اک لپٹ کشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا
ہاں بھلا ہم بھی تو جانیں پہلوانی آپ کی

دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو
ورنہ کوسے گی ہمیں یہ سُرمہ دانی آپ کی

چھلّے غیروں پاس تو وہ خاتم زر لے نگار
ہے ہمارے پاس بھی ابتک نشانی آپ کی

وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی
ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپ کی

ہم نے بھیجا تم کو، تم کہتے ہو "یاں پہونچا نہیں"
کھا گئی شاید وہ کٹنی میری جانی آپ کی

ایک شب اے جانِ جاں گھر میں مرے بچانیئے
حال پر بندے کے ہوئی مہربانی آپ کی

کیا عجب صورت رقیب روسیہ کی دیکھ کر
خوف سے حالت ہوئی ہو پانی پانی آپ کی

ایک عالم کو مکھی کی طرح سر پھوڑے گا اب
گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

کیا ہمیں لگتی ہے پیاری جب وہ کہتی ہے نظیر
ٹک بے میاں کچھ ان دنوں نامہربانی آپ کی

[۱] مشت - گھونسا، مکا ۱۲ آسی ۱۲

(٣٧٢)

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گل ہیں ہاتھوں پر
کھلے ہیں دیکھیے، ہم میں بھی یہ الفت کے گل بوٹے

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدرد خوباں میں
جو اُس کے ہاتھ گل ٹوٹے تو اُن کے ہاتھ دل ٹوٹے

ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا
بھلا، اتنی تسلی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے

کھلے ہو جب مجھے تم، میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
کوئی دلبر مرے آگے تمھیں بھی خوب سا کوٹے [1]

زباں کی کر کے مقراض اور بنا دشنام کا کاغذ
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے [2]

یہ کہتے ہیں کہ عاشق چھوٹ جاتا ہے اذیت سے
جب اُس کی عُمر کو لشکر اجل کا آن کر لوٹے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

(٣٧٣)

بھبکا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی
تو بولا کہاں جائیے گا بچا جی

جو کچھ حسن میں اس کی خاطر ہے نازک
پری میں کہاں ایسی نازک مزا جی

خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن
کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی

[1] خوب سا کوٹے یعنی اچھی طرح مارے ۱۲ رشید
[2] گل کترنا عجیب غریب کام کرنا ۱۲ آسی

جو بیٹھا تھا جا کر نظیرؔ اس کے در پر ق بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی
اٹھایا جو اس نے جھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی

(۳۶۴)

ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے

مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کر دیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے

دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے

جب دیکھی اس کی چیں جبیں یوں ہم نے نظیرؔ اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے

کیا لطف رہا اس چاہت میں جو ہم چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

(۳۶۵)

ہے عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھوٹے گا یہ تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے

جو نقشہ ہوگا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہے اے دل پھر تو اسے ہم جا کر اکثر دیکھیں گے

سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہوئے
اب اور کسی کے کہنے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے

ق

وہ حسن کی تابش سے منھ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہے
بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یاں ہم آہ یوں ہی کر دیکھیں گے

اور شاید گھونگھٹ کھول دیا کر لطف نظیر اس نے پھر ہم
ٹھہرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھہری تو کیو نکر دیکھیں گے

(۳۷۶)

ناز کا اس کے جو جھگڑا ہے — طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہے
کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو — گرد دیوانے[1] کو تم نے چھیڑا ہے
دیکھو نرگس کے ٹک خیاباں کو — دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہے
ق
دیکھ انکار جام اس سے نظیر — یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے

پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے
ورنہ پھر تم ہو اور تڑیڑا ہے

(۳۷۷)

نہ آیا آج بھی اسپ کھیل اپنا مٹی ہے — تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہے
جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے — بھوؤں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے
چھینکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو — ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے
گلے لگائیے منھ چومیئے سلا رکھیئے — ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اکٹھی ہے

کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیر
مگر تو آپ ہی پردہ اور آپ ہی ٹٹی ہے

(۳۷۸)

منھ سے پردہ نہ اُٹھے صاحب سن یاد رہے — پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے
کلاد لو انتی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے — پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے

[1] سلہ دیوانے کی بجائے دوانہ قدیم زبان ہے

کوچہ گرد دل میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
خاک کرنا ہے ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے

عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ[لہ] بند میں دے
اس سے شاید تجھے اے عہد شکن یاد رہے

آپ کے کوچے کو ہم کعبۂ مقصود سمجھ
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے

حرف اُٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہیئے گا کبھی قبلۂ من یاد رہے

سو چمن ایک فقط مکھڑے میں اسکے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

(۳۷۹)

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہے نہ بک بے
اور پاس جو بیٹھوں تو سناتا ہے سرک بے

کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہے کہتا
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو ٹپک بے

جب پدر نکلتا ہے تو کہتا ہے وہ مغرور
ق کہدو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے

پردہ جو اُلٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں
اُڑ جائے گی چہرے کی ترے شب چمک بے

سب بانکپن اب تیرا نظیر عشق نے کھویا
کیا ہو گئی سچ کہہ وہ تیری دوٹ[ملہ] زبک بے

(۳۸۰)

اس کا اِدھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو غش پہ غش اُدھر آنا گھڑی گھڑی

دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
پڑتا ہے ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی

آتا ہے اب تو پہر میں کچھ آٹھ سات بار
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی

باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو مجھ کو بلانا گھڑی گھڑی

ہر شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی

القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
اور ہم کو پاؤں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی

باقی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

لہ بند میں گرہ یار رہنے دیا کرتے ہیں ۱۲
ملہ رد ست زبک دلبستہ ڈیٹ ۱۲ آسی

(٣٨١)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل
جبیں مہتاب آنکھیں شوخ، شیریں لب گہر دنداں
نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا
ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت
سرین نازک، کمر پتلی، خط گلزار رو مادل
لٹکتی چال، مد ماتی، چلے بچھوؤں کو جھنکاتی

پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے
پھبیں تصویر سی جس پر لگا گوٹا کناری ہے
اٹھا سینہ، صفا پیڑو، عجب جوبن کی ناری ہے
کہوں کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے
ادا میں دل لیے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے

بھرے جوبن پہ اترائی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی، لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

(٣٨٢)

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
منہ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاند کی تختی
بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ
نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اس کا
گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
کل میں نے کسی شخص سے نام اسکا جو پوچھا
وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا

ختم اس کے اوپر گل رخی و سیمتنی ہے
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے
یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے

تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

(٣٨٣)

کمر تک اس نے زلفوں کو جو بل دے دے کے چھوڑا ہے
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہے
سمند آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہے ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہے
دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو
جو سچ پوچھو تو ہم نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے
یہی ہے دھوم کل سے وہ مرے ملنے کو آتا ہے
گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی جوڑا ہے
غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل[1] بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

(٣٨٤)

تمہارے حسن کے شعلے کو دیکھ شمع جلتی ہے
چھپی ہے یہ وہ فانوس میں جس پر پگھلتی ہے
حنا اس ہاتھ سے بند ہو کر کھلی ہے ایسی کچھ جس سے
پری کے ہاتھ کی مہندی بھی اپنے ہاتھ ملتی ہے
منھ اپنا دیکھتا ہے شوخ آئینے میں خوش ہو کر
بتوں کی شوخیوں کے سامنے کچھ بات چلتی ہے
نزاکت سے جو آیا ہے پسینہ اُسکے عارض پر
تو کیا پنکھا موافق کا جھپک مژگاں کی جھلتی ہے
صفت کرتا ہے وہ اٹکھیلیوں کی چال چلنے کی
کہ جس سے دل کو شوخی اس کی پے در پے کچلتی ہے
لگا لیتی ہے دل کو دیکھتے ہی دیکھتے جب سے
ہنسی کی آن بھی ہنستے ہی ہنستے دل کو چھلتی ہے
نظیر اب دل تو مجلا یار کے کوچے میں کیا کیجے
اٹھو جلدی نہیں تو جان بھی اب دم میں نکلتی ہے

[1] نیل بگڑنا - شامت آنا ١٢ اسی

(٣٨٥)

درجِ غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے
اشک نے جنگل کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے

جلوہ گر محفل میں رات اُس حُسن کے شعلے کو دیکھ
شمعدان شمعوں نے اپنے سب پگھل کر بھر دیے

کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کر وہ گُل بدن
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی اُچھل کر بھر دیے

جام کم بھرتے میں ساقی کو ذرا چھیڑا جو میں
اُس نے ایک دو چار ساغر مجھکو جل کر بھر دیے

ذبح کرتا تھا وہ قاتل مجھ تپش آلودہ نے
خوں میں سب دامن کے پاٹ اُسکے اُچھل کر بھر دیے

زخم شانوں کے تری زلفوں نے اے عدہ خلاف
آخرش لپٹ لعل سے آج کل کر بھر دیے

کہتے ہیں اے باغباں جتنے کہ خالی تھے چمن
جوشِ گُل نے اُن کے سب وہ پھول پھل کر بھر دیے

اب ترے رونے کا عالم حد سے گزرا اے نظیرؔ
اشک نے تیرے تو سب جل تھل نکل کر بھر دیے

(٣٨٦)

رخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب، نام خدا ہو، ترے قربان پری

جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری

رشکِ خورشید جبیں، ابرِ سیہ سی چوٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلفِ پریشان پری

حسن گلزار، قمر شکل، صراحی گردن
مہ جبیں سیب ذقن، چاہِ زنخدان پری

مار غمزہ کی بلا، تیر نگہ، دست سناں
تیغ ابرو کی ستم، تو کشِ مژگان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
قہر کاجل کی گھلاوٹ، مسی و پان پری

بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھیدے دل بس
حور [illegible] کی جھلک، گوہرِ غلطان پری

ڈھکدھکی چاند سی، جگنو بھی ستاروں کی مثال
عطرداں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری

چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا
انگیا تصویر کی، کرتی کا گریبان پری

پشت گلبرگ، شکم سیم، کمر تارِ نگاہ
ساقِ بلور، لگاوٹ میں ہر اک آن پری

گھیر اپشواز کا وہ جس کے کناری قرباں
چال آفت کی نشاں جنبش دامان پری

کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قد پری، دھج پری، عالم پری، اور شان پری

(۳۸۷)

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دیگی
کچھ گاہ گاہ ہوگا پیہم نہ لینے دے گی

اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ وخم سے اپنے
پھر چین تجھ کو اے دل اک دم نہ لینے دے گی

ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو
ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی

ق
مت دو نظیر دل کو اس تند خو کی چاہت
دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی

مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دیگا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دے گی

(۳۸۸)

وہ جب گھر سے نکلا سجکتے سجکتے
قدم بھی اُٹھائے جھجکتے جھجکتے

نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا
نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے

نہ آیا ادھر کر کے وعدہ وہ اور ہم
گئے جی میں گھبرا اُدھر تکتے تکتے

ق
نظیر اس کی محفل میں جب جا کے بیٹھا
ہوا جب وہ ناخوش جھڑکتے جھڑکتے

بٹھایا تو دور اس نے پر اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہونچا سرکتے سرکتے

(۳۸۹)

اُدھر جو دیکھا تو اُس پری کی نگاہ جام شراب لائی
اُڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی

اُٹھایا اُس نے جو رخ سے پردہ بہار نظارت رنگ لائی
بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اس کو نگاہ ہرگز نہ تاب لائی

کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجے تو شرمگیں ہو نہیں تو کی ادھر
وہ دل کا لینا ہی تھا جو سکی حیا جبیں پہ حجاب لائی

گلہ جفا کا نظیر ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جا کر
ق
تو سن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جوش میں آیا ہیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ بھی عرق کی تری جو منہ پر وہی تری پھر گلاب لائی

(۳۹۰)

دیا جسے دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجے
لگے کو جی میں نہ راہ دیجے نہ چشم اپنی پر آب کیجے

کیا ہے آنے کا وعدہ اس نے لگی ہے ڈھلنے گو رات تو بھی
بجا ہے اب جاگنا ہی لے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجے

ق

ہم آئے ملنے کو تم سے اس دم تم اپنا بیٹھے ہو منھ چھپا کر
یہ وضع کیا ہے جو دل کو لیجے اور اپنے تازہ عتاب کیجے

جو یوں ہی ٹھہری تو ڈر ہے کس کا بس ایک گھڑی ہی کی ہے جھڑکی
ہمیں اٹھا دیجیے یہاں سے نے جاں تو گر نہ ترک حجاب کیجے

میاں نظیر اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر میں ہے یاں
درنگ اس میں نہ آنے دیجے جو کچھ ہو کرنا شتاب کیجے

(۳۹۱)

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہرائے ہے

اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پہ لہر آئے ہے

ہیچ کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب
دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پھر آئے ہے

گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دیجے ہیں جسے قہر آئے ہے

مجھ کو کاٹا ہے صریحاً زلف کی ناگن نے آہ
تو مجھے افعی گزیدہ کس طرح ٹھہرائے ہے

زہر مہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھ کو بے طرح چڑھتا ہوا منہ پر آئے ہے

گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیر
ہم بھی پار رکھتے نہیں ندی تو کیا گھبرائے ہے

(۳۹۲)

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستاں میں — واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوے
یعنی اک شخص یہ بولا کئی یاں عظم رہن — سخت بوسیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوے
مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظم رمیم — وہ بصد عیش و طرب خوش خورد و خوش پوش ہوے
رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے — کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ — دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوے
اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ — ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوے

جب سنا میں نے یہ اس شخص سے احوال نظیرؔ
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوے

(۹۲۴)

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے — کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی — زلفیں الم شام تھیں رخ رشک سحر تھے
ساقی کے ادھر جام، ادھر ناز و ادا سے — جادو نظراں خوش نگہاں پیش نظر تھے
محفل سے جو اٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر — نازک بدناں موکمراں دست و کمر تھے
ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں — باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے
کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ اہاہا — کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھلک جاتے رہے دم میں نظیرؔ آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

(۹۴)

گلبازِ عشرت ہو جیسے کیا گر خوں سے دو گھڑی — گرتا ہے گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہے جاں — جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں چھڑی
اک گلبدن مغرور تھا رقص و سرکا بس مشہور تھا — جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا جو راس پر گھڑی

دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم و تقصیر و گنہ
ہر دم نگاہ جانستاں سے کر بٹا غمزے کا ہاں
سرپانوں سے گلپوش تھا بلبل وشوں کا جوش تھا
وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں
وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا

مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جھڑی
کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جا پڑی یاں آ اڑی
ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی
ناگاہ جور آسماں اس مہر پیکر سے لڑی
بولا میاں اب کیجئے کیا حیرت ہے مجھکو بھی بڑی

تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب پاس یک
کیا جانے وہ ظالم جھمک مہتاب تھی یا پھلجھڑی

(۳۹۵)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے
کہہ رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل
ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں
پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی
دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، الپشت و کمر
ابرو و بینی، جبیں، نقش و نگار و خال و خط
رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
کھل رہا تھا رو بر و جنت کے گلشن کا چمن
لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ
گلبدن اور گلعذاروں کے کنار و بوس سے
مچ رہے تھے پیچھے اور اڑ رہے تھے قہقہے
ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر

خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے
کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے
اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے
نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے
جو نہ ہم تھے اور نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

(۳۹۶)

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے — کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے
قائم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں — وہ بھی سر زمیں میں سمائے چلے گئے
دارا رہا نہ جم نہ سکندر رسا بادشاہ — تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے
عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں — رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے

دیکھا نظیر ہیں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

(۳۹۷)

سرشک چشم سے موتی بہت پرونے گئے — دبے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارے ہاتھ ہی کھینچا سر — پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملیے گئے
ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت — اُدھر وہ ہنستے گئے ہم اِدھر سے روئے گئے
سمائے ایسے ہیں آ کر کہ پھر مرے دل سے — نہ جاگتے ہیں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ کھوئے گئے

(۳۹۸)

لگا یہ دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے — بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے
مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں — نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں چلنے
کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی یوں لالا ہا ہا — تعجب ہو کے مزے اسوقت نظاروں کی اکل نے
نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش ادا جبری — مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشہ
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
پلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا

کیا اک بار منھ غصہ میں سرخ عیار حیل نے
اٹھا کر جھپٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
اڑا کر مفت نظارے بچا اب تم گئے ٹلنے
لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

دکھا کر مجھ کو اپنی والی زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اس شوخ چنچل نے

(۳۹۹)

الطاف بیاں کب ہم سے ہوں لے جان تمھاری صورت کے
کچھ کہنے پر موقوف نہیں معلوم ابھی ہو جاوے گا
منھ دیکھے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اپنے بیاں میں
آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت عیاں تم ہوتے ہو

ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں میں احسان تمھاری صورت کے
خورشید مقابل ہو دیکھے اک آن تمھاری صورت کے
بے صبر کریں ہیں پریوں کو ارمان تمھاری صورت کے
سب آئینہ ساں رہ جاتے ہیں حیران تمھاری صورت کے

کی عرض نظیرؔ اک بوسے کی تو ہنس کے چنچل یوں بولا
اس منھ سے بوسہ لیجیے گا قربان تمھاری صورت کے

(۴۰۰)

بے ہوش دل کو لینا ٹھہرا دیا ابھی سے
بوسے کی ہم کو چیٹک اور واں ہے تازہ الفت
کر عہد مہربانی دکھلا دی چین ابرو
پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا

ہم کو یہ ناز اس نے دکھلا دیا ابھی سے
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے
اس شمع رو نے اے دل ہلا دیا ابھی سے
چنچل نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے

کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

(۴۰۱)

دل وجاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے

دکھائے ستم تو ہمیں پر انھی نے
بھلائے وہ گر نہ وہ ہم سے نہ چھلتے

وہ گجرے جو تھے نسترن کے تو اس سے
نزاکت نہ ہوتی تو پہونچے نہ چھلتے

اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی
تو پھر عمر بھر ہم وہاں سے نہ ہلتے

ملا وہ تو بولا نظیر اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیونکہ ملتے

(۴۰۲)

ہوئے خوش ہم ایک نگاہ سے ہوئے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے

ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی کرتے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے

وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اسے دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے

گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو گلوں کو دیکھ کے خوش ہوئے
کبھی سرو سے کبھی نہر سے کبھی رنگ سے کبھی بار سے

وہ نظیر سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع میں اس طرح
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

(۴۰۳)

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہے
کبھی اشک ہے کبھی آہ ہے کبھی رنج ہے کبھی تاب ہے

ذرا در پہ اس کے پہونچ کے ہم جو بلا دیں اس کو تو دوستو
کبھی غصہ ہے کبھی چھیڑ ہے کبھی حیلہ ہے کبھی خواب ہے

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے ہے ہم کو واں
کبھی عجز ہے کبھی بیم ہے کبھی عتاب ہے کبھی داب ہے

وہ ادھر سے جا کے جو آتا ہے اسے دونوں حال سے دلبراں
کبھی سوچ ہے کبھی فکر ہے کبھی غور ہے کبھی تاب ہے

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیر کو
کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

(۴۰۴)

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی
ہے جو نقش حب اسی کی رات دن تحریر تھی

کس روش سے دیکھیے اور ملیے اس سے کس طرح
تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی

ہم نے دیکھا دو بدو اور تم نے چھیدا دل کو آہ
لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی

یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پر نظیر
ق
گریہ آور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پر پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار
چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

(۴۰۵)

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے
شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پذیر ہوئے

خدنگ وار جو غمزے تھے اس کے بچپن میں
پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے

جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اس نے جس دم دیکھ
ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے
جو گاہ گاہ اُدھر جاتے ہم تو رہتی قدر
گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے

ق

نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیر اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

(۴۰۶)

تن پر اس کے سیم فدا اور منھ پر مہ دیوانہ ہے
سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سا دانہ ہے
نازنیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب
سینہ ابھرا صاف، شکم اور چھب کا قہر یگانہ ہے
بانکی سج دھج آن انوکھی بھولی صورت شوخ مزاج
نظروں میں کچھ کھیل کھلاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہے
تن بھی کچھ گدرایا ہے اور قد بھی بڑھتا آتا ہے
کچھ کچھ حسن تو آیا ہے اور کچھ کچھ اور بھی آنا ہے

جب یہ حسن قیامت ہو بیٹھا، پھر دل کیونکر نظیر
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہے

(۴۰۷)

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو پڑا پالا ہے
دل مرا جھوک سے دونوں کی تہ و بالا ہے
بالے پن میں تو ہمیں تھے، یہ قیامت دیکھی
اب ذرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہے
جتنے اس باغ میں ہیں سرو، صنوبر، شمشاد
اس کا قد نام خدا سب کے اوپر بالا ہے
خال چہرے پہ نہیں اس کے، یہ اللہ نے واہ
حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے
سرخ رو پان ہوا، اس کے لبوں سے ایسا
جس کے ہم رنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہے
سنگدل، شوخ، جفا کار، ستمگر، بے رحم
دل پرونے کے لیے جس کی نگہ بھالا ہے
پھر جھمکوں کی جھمک تس پہ غضب ہے بالا
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہے نظیر
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہے

(۴۰۸)

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل اُمید وار لے

ہو بیقرار کیونکہ نہ جاویں ہم اُسکے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

ق

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وار نا ہے سو اب تو بھی وار لے

اُس کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو بے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لیے
شاید وہ جل میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا جو اس کے تئیں دیجیے اے نظیر
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ اُدھار لے

(۴۰۹)

دست غیر اس کے حنا وال پاؤں پر باندھا کیے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا کیے

اُڑ کے آخر جا پڑی اس روئے رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا کیے

اپنے اشکوں سے ہم اسکے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا کیے

قال وابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پر ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا کیے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادی مرگ ہو
اول منزل کو پہنچے وہ کمر باندھا کیے

غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چشم اس کے بازو تا سحر باندھا کیے

اشک اُدھر پانی میں کچھ کھولا کیے اس دم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں لخت جگر باندھا کیے

(۴۱۰)

دل زلف میں رکھتے ہو تو اُکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہے ابھی گھبرانے نہ پاوے

کہتا ہے کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لاوے تو کچھ کہیو پہ سے جانے نہ پاوے

کاکل ہے کھلی اس لیے تا پاؤں نگہ کا — اس میں ہی بندھے چہرے تلک آنے نہ پاوے
تیوری جو چڑھی رہتی ہے اس کا ہے سبب یہ — جو شکوہ زباں پہ کوئی کچھ لانے نہ پاوے
مشکل ہو کہ جو چاہے تو پھر آوے نہ در تک — اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے
چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز — بولے تو زباں گونگی ہو تتلانے نہ پاوے

ہر ایک نظر دیکھ نظیرؔ اس کو جو بھاگے
بولا کہ اسے پیچھواں جانے نہ پاوے

(۴۱۱)

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہے — تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہے
ابھی کیا عمر ہے، کیا عقل ہے، کیا فہم ہے، لیکن — ابھی سے دلفریبی کا لہر اک نقشہ نرالا ہے
تبسم قہر، ہنس دینا قیامت، دیکھنا آفت — پلک دیکھو تو نشتر ہے نگہ دیکھو تو بھالا ہے
ابھی نوکِ نگہ میں اس قدر تیزی نہیں ہے پر — کئی زخمی کیے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہے
اکڑ نا، تن کے چلنا، دھج بنانا، وضع دکھلانا — کبھی نیمہ کبھی چیکن کبھی خالی دوشالا ہے
کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر — کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہے

نظیرؔ ایسا ہی دلبر شہرۂ آفاق ہوتا ہے
ابھی سے دیکھیے فتنے نے کیسا ڈھب نکالا ہے

(۴۱۲)

ہم کل ایک ایسے پری وش کے نظر بند ہوئے — جس کا منہ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے
ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات — ایک دن اس کی کمر سے نہ کمر بند ہوئے

تو رہو نچے نہ پری تن کی نزاکت کو نظیرؔ
ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

(۴۱۳)

کیا ادا کیا ناز ہے کیا آن ہے
یاں پری کا حسن بھی حیران ہے

حور بھی دیکھے تو ہو جاوے فدا
آج اس عالم کا وہ انسان ہے

اُن کے رنگ سبز کی ہے چین میں دھوم
کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے

جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج
لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے

دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر
جان بھی جی جان سے قربان ہے

دل کہاں پہلو میں جو ہم دیں تمھیں
یہ تو گھر اک عمر سے ویران ہے

عقل و ہوش و صبر سب جاتے رہے
ہاں مگر اک ادھ موئی سی جان ہے

وہ بھی گر لینی ہو تو لے جائیے
خیر یہ بھی آپ کا احسان ہے

آن کر مل تو نظیر اپنے سے جان
اب وہ کوئی آن کا مہمان ہے

(۴۱۴)

جب آنکھ اُس صنم سے لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ!
دل پر نے دی تب اس سے کڑی تب خبر پڑی

لائے تھے ہم تو عمر بیٹا یاں لکھا، ولے
جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی

داڑھیں لگیں اکھڑنے کو، دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل چل یہ پڑی تب خبر پڑی

بن دانت بھی ہنسنے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ!
جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

شہتیر سا وہ قد تھا، سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی

نیچا دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاب لی گلے کی نڑی تب خبر پڑی

کپڑے بدل کے عطر لگا، پہن پھول ہار
نکلی سواری، دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب آئے اُس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۴۱۵)

دیر سے آج جو نکلے بتِ ذی شان گئی
لے گئے صبر گئی، دیں گئی، ایمان گئی

اشارہ دیا ہوں کہ، اب لختِ جگر کے، یار وہ
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سرِ دامان گئی

اب تو ٹک منہ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر
نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران گئی

اُس کے دامن سے لگوں، پاؤں پڑوں، ساتھ چلوں
خاک ہوں، تو بھی مرے دل میں ہے ارمان گئی

آخر آیا ہے، تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان گئی

پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو، اے دشمنِ جاں
ابھی بھر جائیں گے خون میں لبِ دندان گئی

نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات
ٹکڑے ٹکڑے گئی، بسمل گئی، بے جان گئی

جان کر گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوتے ہیں ترے بے سر و سامان گئی

بادشا کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیرؔ
اُس شہِ حسن کے آئے مجھے فرمان گئی

(۴۱۶)

بالفرض اگر ہم ہوئے حوّا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھیے: "یہ کس کا جنا ہے"

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل "یہ بقا ہے، یہ فنا ہے"

اک اُس کی دوا سمجھی نہیں جاتی نظیرؔ، آہ!
کچھ اور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(۴۱۷)

زلف ہو بر سرِ احساں، تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو، تو بیمار کرے

تیغِ ابرو کی نوازش ہو، تو ہو زخم حصول
شورِ لب زخم کو چاہے، تو نمک زار کرے

(۴۱۸)

پکارا قاصدِ اشک آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے
ہوا تاراج پہلے شہرِ جاں، دل کا نگر پیچھے

سنو، میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی
چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے

(۴۱۹)

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پذیر ہوئے
تو اُس کے کاکُل پُر خم میں ہم اسیر ہوئے

چھوئی جو زلف ذرا اس کی ہم نے ہو گستاخ
تو غصہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوئے

نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا
ہے دل کی دُھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوئے

حقیر ہونے کی خوبی انہیں کو ہے معلوم
جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوئے

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیر سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

(۴۲۰)

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہونچے
فروغِ مسرت کے منصب کو پہونچے

جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں
پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہونچے

نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا
ق تمہارا لب اس کے نہ مشرب کو پہونچے

تمھیں اس کی دل میں تمنا عبث ہے
یہ وہ مے نہیں ہے جو ہم سب کو پہونچے

جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیر اپنے مطلب کو پہونچے

(۴۲۱)

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہے
کہیں کچھ تو جھنجھلا کے کہتا ہے کیا ہے

ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش
ولے کیونکہ ہو دل تو اس پر فدا ہے

اسے چھیڑ کر وہ جو کھاتے ہیں جھڑکی
وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہے

کسی نے کہا اس سے میکش ہے وہ تو
ق نظیر اب جو اے جاں تمھیں چاہتا ہے

کہا اس نے یہ سُن کے او میاں تمھیں کیا
کوئی رند ہے یاں کوئی پارسا ہے

(۴۲۲)

ہمیں اس نے وعدہ سے شاید پھلا ہے
کہ دن چڑھ گیا اس قدر جو ڈھلا ہے

جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا
تو اس کی زبان پر بھلا جی بھلا ہے

کڑا وہ جو نازک ہے پہونچے میں اس کے
نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہے

جتاتا ہے کچھ ناز اس گل نے جس کو
وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہے

تقدی نظیر اس کی تم بھی اٹھا لو
میاں اب اسی میں تمھارا بھلا ہے

(۴۲۳)

تن دیکھنے جس گل کا ہر برگ سمن نکلے
وہ سیمتن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے
جوں مار سیہ منھ میں پکڑے ہوے من نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن
اب بھی وہ اگر پاوے زلفوں کی رسن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
تب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(۴۲۴)

جو دیکھی بالیدگی میں ہر دم بہار حسن نگار ہم نے
تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے

ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کرنی الحقیقت اگر کسی نے
رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہے جو ان سے اتار ہم نے

پھنسا کے نخچیر دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر
کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے بھلا شکار ہم نے

قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں مگر یہ
غرض ہے گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے

کہا جو کاکل سے دل لیے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے نوسو
جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہہ دو تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے

جو زلف جھٹکے تو کھڑ اٹکے جو کھڑ اٹکے تو زلف جھٹکے
یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے

نظیرؔ چاہے جو قدر اپنی تو لے سے خجل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھ کو یار ہم نے

(۴۲۵)

کاکلِ مشکیں کا تجھ کو شوق بے تابانہ ہے
اے دلِ صد چاک سچ کہہ دل ہے تو یا شانہ ہے

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مست و خراب
ہمنشیں چشمِ بتاں کا بھی عجب میخانہ ہے

شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہے

پڑ گئی تھی ایک دن چشمِ گلابی پر نگاہ
ابلک پائیں ہمارے لغزشِ مستانہ ہے

پھر وہ چشمِ مست ادھر کو میل کرتی ہے دلا
یاد ہے اس کا نشہ کچھ، یہ وہی میخانہ ہے

حالِ دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہے یا کہن افسانہ ہے

اس پری رو سے چلا پھر دل لگانے کو نظیرؔ
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہے

(۴۲۶)

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبھو کا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے

دل کو دوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگسِ نیم خواب سے

قد ہے وہ اس کا جلوہ گر دیدۂ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہرِ چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو تم پھیر دو ہو مجھ سے دمبدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

سویا ہے وہ ابھی نسیم گیسو نہ اس کے تن سے تو

اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سے دل کے رات کو
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

(٤٢٧)

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی جبیں سے
یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے

کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو
ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے

ق

دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے
ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے

جب دیکھ کے ہم کو در منظر کو لیا بھیڑ
یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے

کیوں جی تمہیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ کہنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمہیں سے

(٤٢٨)

آدم اک دمڑی کی ٹھیا کو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا پیچوان اور گڑگڑی پہ ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(٤٢٩)

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی

ق

پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیئے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(۴۳۰)

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار سے گل دستوں سے
اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے

فندقیں بزم میں دیکھو اُس کے سر انگشتوں سے
رشتۂ ربط نے لی رہ کفِ گل دستوں سے

رو برو ہووے نہ چشمانِ بتاں سے، اے دل
ڈرتے رہنا ہی مناسب ہے سیہ مستوں سے

دستِ صیاد سے چھوٹے تو اُچھل پے ڈر لے
ورنہ کیا فائدہ، اے آہوئے دل جستوں سے

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

(۴۳۱)

آیا نہیں جو کر کے اقرار ہنستے ہنستے
جُل دے گیا ہے شاید عیار ہنستے ہنستے

اتنا نہ ہنس دل اُس سے، ایسا نہ ہو کہ چنچل
لڑنے کو تجھ سے ہووے تیار ہنستے ہنستے

لے کر صریح دل کو وہ گلعذار، یارو
ظاہر کرے ہے کیا کیا انکار ہنستے ہنستے

ہنس ہنس کے چھیڑ اس کو زنہار تو نہ اے دل
ہو گا گلے کا تیرے یہ ہار ہنستے ہنستے

ہنسنے کی آن دکھلا لیتا ہے دل کو گل رو
کرتا ہے شوخ یارو یہ کار ہنستے ہنستے

جھنجھلا کے حال دل کا کہنا نہیں روا ہے
لائق یہاں تو کرنا انکار ہنستے ہنستے

ق
دستار سرخ سج کر طرہ زری کا رکھ کر
آیا جو دل کو لینے دلدار ہنستے ہنستے

آنکھیں لڑا کے اُس نے ہنس کر نگہ کی ایسی
جو لے گیا دل آخر خونخوار ہنستے ہنستے

آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گل
دکھلا دے ٹک تو اس کو دیدار ہنستے ہنستے

(۴۳۲)

بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں، کان میں، نتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی بندوں سے مل کر کان کے نرموں میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

وہ سمرن موتیوں کی اُنگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
اِدھر لعل اور اُدھر نیلم، اِدھر مرجان اُدھر موتی

سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

جو کہتا ہوں "ارے ظالم! ٹک اپنا نام تو بتلا"
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے "وہ جادو نظر موتی"

کڑے سونے کے کیا، موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

نظیر اس ریختے کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
"اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی"

(۴۳۳)

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجے
اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجے

جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہوں
لازم نہیں پھر ان سے رُکئے حجاب کیجے

بیٹھے جو شام تک ہم۔ بولا وہ مہرباں ہو
جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجے

ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں
ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجے

موقعہ کی اب تو یہ ہے جو وقت شب ہے اے جاں
ہم بیٹھے پاؤں دابیں اور آپ خواب کیجے

(۴۳۴)

گئے ہم جو الفت کی واں راہ کرنے
ق
ارادے سے چاہت کے آگاہ کرنے

کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے
کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے

بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے
لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے

جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر
کہا یوں نظیرؔ اور لگا واہ کرنے
میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منھ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

(۴۳۵)

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے
تو ہم سے دل یہ لے کر کاہے کو عار کرتے
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا
واں دام زلف ہر دم ہیں آشکار کرتے
جو آگیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ
اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے
پھنسنے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا
غافل تجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے
ق
جب دل نظیرؔ بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھ کو ہو شرمسار کرتے

(۴۳۶)

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے
جو ہم کو دیکھا کیا تبسم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منھ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کیے نظر سے
ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے
کہا تمھارا ہے کیا ارادہ۔ کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہے
اگر گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخاں کرشمہ گر سے
یہ سن کے اس نے نظیرؔ ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنس کر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ پھر نہ سرکے ہم اس کے در سے

(۴۳۷)

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے	ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے
چاہت ہماری اے جاں تم ظاہری نہ سمجھو	ہم چاہتے ہیں تم کو اے رشک ماہ دل سے
جب دیکھتے ہیں اس کی طرز خرام یارو	ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے
بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری	گھیرے ہیں گاہ جی کو لپٹے ہیں گاہ دل سے

باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں نظیر اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(۴۳۸)

ہے زلف خوش جو ایسی اور ہے وہ بند دل کی	کیا کہیے بے وقوفی اس خود پسند دل کی
ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو	جز وصل پھر دوا کیا اس دردمند دل کی
دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر	اب گر گیا ہے یارو نظروں سے قند دل کی
جتنا چھوڑایا اس سے اتنا ہی جا کے لپٹا	کرتی ہے کچھ یہ صورت چاہت میں بند دل کی

نکلی نظیر ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پرخم کاکل کمند دل کی

(۴۳۹)

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اُٹھیے	پر ہم سے دل ہے کہتا مت خوف جاں سے اُٹھیے
کہنے سے غیر کے تو ہم کب اُٹھیں کے یارو	جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے اُٹھیے
بیٹھے اس کے پاس ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو	ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اُٹھیے
رہ دیر میں تو اے دل مت یاد خانقہ کر	واں بیٹھیے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اُٹھیے

دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیر اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اُٹھیے

(۴۴۰)

لیجے یہ دل نہایت اچھا ہے
اور کو کیا خبر یہی جانے
اُلفت غیر ہم پہ ٹھہرا کر
ایک دل تھا سو دے چکے تم کو

کیا بیاں کیجے اس میں کیا کیا ہے
ہم نے جس ڈھب سے اُسکو دیکھا ہے
ق رات دن اب اُسی کا چرچا ہے
ہم پہ یہ اتہام بے جا ہے

منہ دکھاتے نظیر رکتے ہیں
یہ بھی کچھ اور ہی تماشا ہے

(۴۴۱)

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے
جلتی نہ ہو کے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی
ہم مستقل تھے دل میں مس کی طرح نہایت
دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پر ہم

اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے
دشمن ہوئے یہ تیرے اے شمع تن کے تاگے
چکّر دیا یہ تو نے اسے جاہ کے سہاگے
نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے

تم تو نظیر مکرے اور ہم نے کل ہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

(۴۴۲)

کب آہ وہ کریں گے ہیں دل کی طپشوں سے
کر چرب زباں سے نہ پریزادوں کی تسخیر
ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن

صحبت ہے جنھیں حسن کے نازک منشوں سے
یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے
کل سر کو پٹکتا ہے چمن کی روشوں سے
چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن روشوں سے

مدت ہیں نظیر اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

(۴۴۳)

ہے کام جس کے دل کو اس زلفِ عنبریں سے — کب ہو وہ چیں بابرو اک آن اس کی چیں سے
چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی — مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے
تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا — ق — تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے
سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہے جو تمہارا — دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے

باتیں نظیر جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس کے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے

(۴۴۴)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے — دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے
وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار — جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے
تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں — میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے
ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بیقرار — سن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے
میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اسکا نظیر — اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے
تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں — اور سوا اس کے مرا ڈرتا ہے جی غماز سے

سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بلی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

(۴۴۵)

ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہے — ہم نے کہا کہ حضرت اس نے کہا کہ گُن ہے
اب نہ دل دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو — ہر آن اب اسی کی جی میں اُدھیڑ بُن ہے
کاکل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل — رخ روکش چمن ہے قد رشک سرو بُن ہے
اب تک نظیر کیا کیا بھرتا ہے چاہ کے دم — ہر چند مدتوں سے قد خم ہے اور کہن ہے

ملتا ہے جو پری رو دیکھے ہے دو بدو ہو
گو پیر ہے پر اب بھی دل میں یہ اُس کے جھن ہے

(۴۴۶)

پھڑکتی چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے
خوشی ہے جاں بھی، اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے

نگہ بھی لحظہ لحظہ سوئے در آتی ہے گھبرا کر
خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے کے جاتا ہے

نجومی خود بخود آ کہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی
ادھر کچھ زاغ بھی پیہم صدا اپنی سناتا ہے

شگوں جتنے جہاں میں ہیں معین شاد ہونے کے
ہر اک ان سے بھی ہر ساعت بروئے کار آتا ہے

نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گلرو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

(۴۴۷)

رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی
ہمیں تو چاہیئے اے جاں تمھارے دل کی خوشی

ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے
لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی

یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو
نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی

نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز
اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی

گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیر اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

(۴۴۸)

کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

پنجۂ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک
پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے

زخم کھایا ہم نے منہ پر جب تو قاتل نے کہا
اپنے چہرے پر ہوا یہ صاد تیرے ہاتھ سے

کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فصاد جاں
یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے

صید کیا تو نے تو مارا دل یہ صیادوں کے ہاتھ ۔۔۔ ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گلچیں تو نے کیوں توڑے یہ گل ۔۔۔ حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے

تو نے چنگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیرؔ
ہم ہوئے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

(۴۴۹)

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے ۔۔۔ کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہمدم ۔۔۔ لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منہ پہ اپنے لاتا نہیں ولیکن ۔۔۔ تہ تہ میں بیکلی ہے غنچے کو اس دہن سے
کل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا ۔۔۔ نزدیک ہو کے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے

پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیرؔ بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

(۴۵۰)

دل لینے کے اوروں کو ہنر کیا نہیں آتے ۔۔۔ یہ جو تمھیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے
بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن ۔۔۔ محبوب کبھی بہر تماشا نہیں آتے
ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا پہ کہیں کیا ۔۔۔ جب وہ ادھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے
وعدہ تو کیا ہے کہ ہم آئیں گے پر ان کو ۔۔۔ حیلے جو ہیں جل دینے کے کیا کیا نہیں آتے

جب ہم نے نظیرؔ اس سے کہا آئیے ٹک یاں
سن کر عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

(۴۵۱)

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے ۔۔۔ گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سچ دہج کی ہم سے اس کی تعریف کس طرح ہو ۔۔۔ حیرت میں ہے پری کا جس کے بدن بدن سے

دیکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا
تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے
چلنوں سے چلنیاں بھی ہم یک جا شکن شکن سے
ہم پہ تمہارے لے جال سیکھے چلن چلن سے

یہ حسن ہے نظیر اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ میں اس کے آکر چمن چمن سے

(۴۵۲)

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے
مناسب نہ ہوگا جو منھ دیکھنا واں
نظیر ایک دن بازیگرین کے ہم نے
تو بولا ہمیں یاد ہیں وہ تماشے
تو دھن ہے کہ ہرگز نہ افشا کریں گے
تو پھر ڈھب سے کچھ اور نقشا کریں گے
ق کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے
کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان سب کو ہنس ہنس کے دیکھا کریں گے

(۴۵۳)

سہی گو کہ جھڑکی نرالی نکالی
ڈرا دل نہ گوری جبیں کی جو چیں سے
جو سہہ لی وہ جھڑکی تو گالی نکالی
تو خونخوار کاکل نے کالی نکالی

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

(۴۵۴)

جو میخانے میں جا کر ایک جام مے پیا ہم نے
اٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں
بنا کر چاہ میں چہرے کی رنگت کو بہ رنگ زر
کبھی زلف پری زادوں کے دامن سے لگے جا کر
تو جس جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھ دیا ہم نے
مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے
بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے
کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے

سلہ بازی گر۔ بھانمتی۔ تماشا دکھانے والا۔ شعبدہ باز ۱۲
سلہ مراد کالی ناگنی ۱۲ آسی

ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیرؔ اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

(۴۵۵)

یہ مے کشی ہو بھلا کس نمط[1] زمیں کے تلے
کب اس شراب کی ملتی ہے بط[1] زمیں کے تلے

رقم ہیں اور تو یکسر عیاں مگر ہیں گے
زر دفینہ کے حرف و نقط زمیں کے تلے

یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے
وگرنہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے

نہ نکلے رہ کے کوئی جس جگہ سے حشر تلک
سو وہ مکاں تو ہے یار و فقط زمیں کے تلے

نہاتے دھوتے جواب ہیں سو بعد مرگ کہاں
اگرچہ کتنے ہی جاری ہیں شط[2] زمیں کے تلے

محرف اور برابر تو ہیں یہیں یا رو
قلم کو کون لگاتا ہے قط زمیں کے تلے

یہ دھو میں چھلیں جو زیر فلک عیاں ہیں نظیرؔ
جو چاہو پھر یہ ملیں سب غلط زمیں کے تلے

(۴۵۶)

مستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے
وہ گھر اور وہ وہاں، کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے اسبابی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہے

(۴۵۷)

تن دیکھنے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اُس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یہ نقش ہیں یہ چیچک کے منھ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

(۴۵۸)

بقا ہماری جو پوچھو، تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم، رہے رہے نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو، کہ ہم بنوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم، رہے رہے نہ رہے

---

[1] نمط۔ طور۔ طرح۔ بط شراب ایک ظرف جس میں شراب بھرتے ہیں ایک قسم کی صراحی ۱۲
[2] شط۔ دریا ۱۲ عبدالباری آسی

کھجوری[1] چوٹی ادا میں موتی جفا میں لپٹی فنا میں گچھی وہ نیچی کافر سیاہ پٹی[2]، نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی		ہو اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک نگاہ میں لٹک رہا ہے پڑھی ہے جس نے کہ اسکی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

متفرقات ردیف (ی)

مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ	۴۹	پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی
منہ زرد، و آہ سرد، و لب خشک، و چشم تر	۵۰	سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے
بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر	۵۱	کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھیے
چمک[3] ہے، درد ہے، کوندن پڑی ہے، ہوک اٹھتی ہے	۵۲	مرے پہلو میں کیوں یارو، یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے
ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی ہیں اچھی کہا نظیر	۵۳	آپ نے جد گھالی تھی نہیں بن ٹھن آ ہو کا بن چھپے
اگئی گزری اپنی وہ بیکلی، لگی جب سے آگ فراق کی	۵۴	یہ جلے ہے دل ہو کیا ہے، یہ سرشک چشم شراب ہے
مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت	۵۵	کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی
عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے	۵۶	دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
ہیں دست و گریباں ہول دم بازپسیں سے	۵۷	ہمدم، اُسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے
کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بے داد تیرے ہاتھ سے	۵۸	اے مرے بے داد گر، فریاد تیرے ہاتھ سے
باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں، نظیر، اُس نے	۵۹	ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے
تہ جھکے ہیں جھمک قس پہ غضب بالا ہے	۶۰	اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے
وہ نیاز عشق تھا اس کی نگہ سے آشکار	۶۱	جس طرح سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے
جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا	۶۲	مستی و رندی ہوس بازی و بے اندیشگی
قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرے پہ چھری رنگ زرد	۶۳	سر سے پا تک تخت ناخوش منظری بد ہیئتی

تمام شد غزلیات

[1] کھجوری چوٹی وہ گندھی ہوئی چوٹی جس کی گندھاوٹ کھجور کی سی ہو۔ [2] سیاہ پٹی۔ وہ چیٹ جو گوندنے کے بعد آخر حصہ میں چوٹی میں ڈالی جاتی ہے۔ پٹی پڑھنا کسی کے سکھائے پڑھائے میں آنا۔ تیسری پٹی کے معنی پتنگ کی پٹی ہے۔ [3] چمک۔ درد کی ایک قسم کی ٹیس۔ کوندن دمبدم درد کی جھلک ہونا۔ ہوک آسی

مخمسات عاشقانہ نظیر

خمسہ بر غزل مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۰)

نمی دانم کہ ایں مردم کیا شد
کہ یاراں رفتہ و خویش بگذرانند
دلا پیش آں کہ ایں عالم برانند
بفگن خیمہ تا محمل برانند
کہ ہمراہان آں عالم روانند

میاں اس جا بجز ذاتِ خداوند
نہ بھائی ہے کوئی اپنا نہ فرزند
نہ ہو دنیا کے رشتوں میں تو پابند
زن و فرزند یار و خویش و پیوند
برادر خواندگان کاروانند

جہاں تک یہ تماشے ہیں مقابل
ارے ناداں یہ سب ہیں نقشِ باطل
اگر دانا ہے تو اے مرد عاقل
نباید بستن اندر صحبتے دل

کہ بے ایشاں بمانی تا نمانند

تکبر میں نہ کر عمر اپنی برباد
تجھے کیا، آہ! یہ نکتہ نہیں یاد
مجامت اپنے ہاتھوں داد بیداد
نہ اول خاک بود ست آدمی زاد

بہ آخر چوں بیندیشی ہمانند

تونگر کیا غنی، کیا شاہ درویش
سبھوں کو ایک دن چلنا ہے درپیش
امیر وقت کیا محتاج دل ریش
پس آں بہتر کہ اول آخر خویش

بیندیشند و قدر خود بدانند

سراسر کام دنیا کے ہیں گندے
ذرا تو دیکھ اے خالق کے بندے
غرور و کبر میں مت اپنا تن دے
زمیں چندے بخورد از خلق چندے

ہنوز از کبر سر بر آسمانند

گیا اک دن میں گورستاں میں دل سرد
جو دیکھا ہے تو با چشم و رخ زرد
پڑی اڑتی تھی واں ہر قبے پر گرد
یکے بر تربتے فریاد می کرد

کہ اینہا پادشاہان جہانند

یہ وہ ہیں جن کے تن تھے گورے گورے
بڑے تھے سلطنت کے ان کے توڑے[لے]
مرصع جام و زریں آب خورے
بگفتم تختہ بر کن ز گورے

بہ بیں تا پادشہ یا پاسبانند

کہاں ہے ان کی وہ شان و جلالت
یہ سن کر مجھ سے وہ صاحب کرامت
کہاں وہ تاج و تخت و ملک و دولت
بگفتہ تختہ برکندن چہ حاجت

کہ می دانم کہ مشت استخوانند"

گھڑی کی عمر ہو یا لاکھ کا سن
جو ہوں بیدار ظاہر یا کہ باطن
نظیر اس بزم سے چلنا ہے اک دن
نصیحت دار و سے تلخ است ولیکن

لے تورہ مخلف طعام کے لذیذ کھانے جو خوانوں میں لگا کر بڑے تکلف کے ساتھ امیروں کے وہاں تقریبات میں تقسیم ہوتے ہیں ایک معنی اس کے ناز و غرور بھی ہیں ۱۲ شہباز

زوار و خانۂ سعدی ستانند

ایضاً

(۴۶۱)

سراپا

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے
اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا تجھے اے یار یگانے
بر بود دلم در چمنے سرو روانے
زریں کمرے، سیمبرے، موئے میانے

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے
وہ حسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اسکی میں خوبی کے قرینے
خورشید رخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

گلفام، گل اندام، دلارام، نکوئے
دلدار، دل آزار، جفاکار، دو روئے
آہو صفتے، کبک تگے، عنبریں موئے
بیداد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکر شکنے، تیر قدے، سخت کمانے

ابرو خم طاق حرم و زلف کنشتے
قد رشک دل طوبیٰ و رخ رشک بہشتے
تل نقش سویدائے دل و خط لب کشتے
جادو نظرے، عشوہ گرے، حسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفت جانے

وہ رخ کہ ہر اک شوخ پہ پیادا کو شہ دے
وہ زلف کہ سنبل جسے بیتاب ہو کہہ دے
گر حور بھی دیکھے تو اسے جان میں رہ دے
عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسف عہدے
جم مرتبۂ، تاجورے، شاہ جہانے

سلہ شہ بشطرنج بازوں کی اصطلاح میں، بادشاہ کو کسی مہرے کی زد سے بچانے کے لیے تنبیہ کی آواز۔ جسے کشت بھی کہتے ہیں۔ رُخ کی رعایت سے یہاں شہ لایا گیا ہے کہ اس کا رخ ایسا ہے جو معشوق کو ہٹنے اور بچنے کی صلاح دیتا ہے ۱۲ آسی

شمشیر نگہ، تیر مژہ، قاتل خلقے
مشہورِ جہاں، فتنۂ جاں، مقبل خلقے
غارت گر و برباد دہِ حاصل خلقے
تنگ شکرے، چوں شکرے در دل خلقے
شوخے، نمکینے، چو نمک شورِ جہانے

کیا اُس کی میں تعریف کہوں حسن و ادا کی
پھر مثل نظیر اُس بتِ رعنا سے لگا جی
ہے ختم دو عالم کی اُسی شوخ پہ خوبی
جب زلف و رخ و لعلِ لب او شدہ سعدی
آبے، و بخارے، و غبارے، و دخانے

خمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو

(۴۶۲)

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری
قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبکِ دری
اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری

ہے شہرہ تیرے حسن کا لیکر زمیں سے چرخ تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں کہتا یہی ہے یک بیک
دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
"تا نقش می بندد فلک کس را نہ بود است ایں نمک
حوری ندانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری"

تیرا رخِ رعنا صنم بھر کر نظر دیکھے ہے جو
دیوانے تیرے عشق میں دل سے نہیں کچھ پاک دو
کھو دین و ایماں کے تئیں باندھے ہیں وہ زنار کو
عالم ہمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو
ایں نرگسِ شہلائے تو آورد رسمِ کافری

ہے خلق و خوبی میں بھرا اس طور سے وہ نازنیں
گر اس بیاں کے راست کا آتا نہیں تجھ کو یقیں
بہزاد و مانی دیکھتے تو ہوتے وہ حیرت قریں
صورتگر نقاش چیں یک صورت یارم بہ بیں
یا صورتے کش ہمچنیں، یا ترک کن صورتگری

سلہ ے یا تنگ
ذکر ناصح ناداں
مجھے اتنا ﷺ
یا لا کے دکھا دے
دہن ایسا کمر ایسی
آسی

ہیں خلق میں ہر سو عیاں رنگیں ادا، زیبا صنم
کی غور تو سچ ہے یہی مجھ کو محبت کی قسم
گلگوں قبا نازک بدن سوز یب و زینت سے بہم
آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے تجھ سا شکر لب مہ لقا
اپنے وطن کو چھوڑ کر مثلِ نظیرؔ مبتلا
ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن اور عشوہ زا
خسرو غریب است و گدا، افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا، سوئے غریباں بنگری

خمسہ بر غزل حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۳)

کیست تا آں ساقیِ گلفام را
تشنہ لب مگذار ایں ناکام را
از من بیدل دہ پیغام را
ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

گو کرے پینے میں ہیں بدنامیاں
ہم تو سمجھے ہیں یہ لا ساقی میاں
عزت و حرمت کا جاتا ہے نشاں
گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ کر نالے ہمارے شعلہ زن
کیوں نہ اب جل جل کے ہوں دشمن کے تن
عابد و زاہد کے بھولے مکر و فن
دود آہِ سینۂ سوزانِ من
سوخت ایں افسردگانِ خام را

یہ جو میں پہنا ہے جبہ سر بسر
دستِ خدا کے واسطے اے مغ پسر
ہے بھرا اس میں سراپا مکر و شر
ساغرِ مے بر کفم نہ تا ز سر
برکشم ایں دلقِ ازرق فام را

سله اس میں اشارہ ہے دہلی چھوڑنے کی طرف جو نظیر کا وطن اصلی تھا، شہباز

تنگ است دارم منزل ومادائے خود
کردہ ام کوئے مغاں راجائے خود
عاشقم بر طرز بے پروائے خود
محرم رازِ دل شیدائے خود
کس نہ می بینم ز خاص و عام را

یہ جو یاں خوباں رکھیں ہیں بند و بست
دل کو لیتے ہیں بصد افسون و دست
ان کا میں عاشق نہیں اے خود پرست
با دل آرامے مرا خاطر خوش است
کز دلم یک بارہ بُرد آرام را

عشق میں آرامِ دل ہوتا ہے کب
یاں تو ہر دم غم ہے اور رنج و تعب
کوئی دن مثلِ نظیر اس غم میں اب
صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

نلہ رست
بمعنی دستاں ۱۲

ایضاً

(۳۶۴)

آمد نگار دلبر شیریں کلامِ ما
رشکِ ارم ز نزہت او شد مشامِ ما
زور روزگار سکۂ دولت بنامِ ما
ساقی بہ نور بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

زاہد تو کم خوری سے کریں تن کو اپنے کاست
ہم رند پی شراب کریں عیشِ دل کے راست
جس دم کہ آکے ہوئے گا دیوانِ حشر راست
ترسم کہ صرفہ نبرد روزِ باز خواست
نانِ حلال شیخ ز آبِ حرامِ ما

جامے ز دست ساقیِ رنگیں کشیدہ ایم
غم را بہ پشت بادہ عشرت خریدہ ایم
زاہد خبر ندارد از آں گل کہ چیدہ ایم
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما

برج و فلک جہاں میں خرامندہ شد بعشق
قائم وہی رہیگا جو پایندہ شد بعشق
شمس و قمر بھی نور میں تابندہ شد بعشق
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا سیم تن یہاں
دیکھا جو خوب سب ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں
آوے ابھی وہ شوخ تو ہو جاویں سب نہاں
چنداں بود کرشمۂ و ناز سہی قداں
کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

زاہد ہیں خدا نے کیا ہے جو مے پرست
دیکھے تو کس طرح کر تری ہے نگاہ پست
مست الست ہم ہیں نہیں آج کل کے مست
مستی بچشم شاہد دلبند ما خوش است
زاں رو سپردہ اند بہ مستی قیام ما

جب سے جدا ہوا فلک حسن کا وہ چاند
مثل نظیر ہجر کی سختی سے ہو کے ماند
روتے ہی روتے ہم کو یہ گزرا تمام چاند
حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمی فشاند
باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

چاند اول - مجاز از معشوق - چاند دوم - مہینہ آسی

دیگر

(۴۶۵)

تا کے بدلق و سبحہ کنی تنکر دام را
بگذار یک نفس تو چنیں مکر خام را
آری بحلقہ در کف خود خلق عام را
صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را
تا بنگری صفائے مے لعل فام را

یہ صید گاہ عشق ہے دیر و حرم نہیں
باز آ تو اس خیال سے سنتا ہے ہمنشیں
یاں لاکھوں جال اڑ گئے اور سیکڑوں کمیں
عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

کیفیت شراب ز ہر مے پرست پرس
سیر جہاں نہ از دل و از عقل پست پرس
یا زانکہ در ازل شدہ جامے بدست پرس
راز درون پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

گر زیر آسماں تجھے فرصت ہے ایک جو
گرچہ شراب ناب کی اس جا لگی ہے پَو[1]
گر اپنے دل کے عیش تو ایک ایک دم میں سو
در بزم دورِ یک دو قدح درکش و برو
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

کھو کر جوانی تو جو ہوا یار اب فریش[2]
آتا ہے تجھ کو دیکھ مرے جی میں اب تو طیش
پیری کا اب تو آن پڑا تیرے سر پہ جیش
اے دل شباب رفت، نچیدی گلے ز عیش
پیرانہ سر مکن ہوس ننگ و نام را

پیرِ مغاں نے جیب سے دیئے جام نو بنو
شلِ نظیر اب تو لگی دل کو مے کی لو
جب سے کلاہ و دلق و مصلا ہوا گرو
حافظ مرید جامِ مے است اے صبا برو
و ز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دیگر

(۴۶۶)

کہاں وہ کیقبادی کارخانہ؟
کہوں کیا تجھ سے اے یارِ یگانہ
کہاں وہ مے، وہ جامِ خسروانہ؟
سحر گاہانہ مخمورِ شبانہ
گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

پڑا جب گوش میں وہ نالۂ نے
ہوئی مستی و مدہوشی جو در پے
تو سوجھی اور ہی عالم کی اک شے
نہادم عقل را رہ توشہ از مے
بملکِ عاقبت کردم روانہ

نہ عافیت

سلہ پود وہ جگہ جہاں
پانی کی سبیل رکھی
جاتی ہے۔ اِسی کو
پنسال، پنسالا
اور پنسالا بھی کہتے
ہیں ۱۲ سلہ
ذی فراش۔ وہ
شخص جو کمزوری
کے سبب اپنے
بچھونے پر پڑا
رہے۔ تاوقتیکہ
صیغۂ تصغیر کا
خیال نہ کیا جائے
قافیہ صحیح نہیں ہوتا
غالباً تلفظ عوام
کی رعایت کی ہوگی
شہباز

کیا پہلے ہی ساغر نے یہ دل شاد
تو مجھ کو کر کے اور اک جام امداد
کہ سر اپنا رہا مجھ کو نہ یاد
نگارے مے فروشم عشوہ داد

کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

ہوا جب میں نہایت شاد و خرم
کہا میں نے اُسے اے ساقیٔ جم
تو رکھ کر سر قدم پر اُس کے ہر دم
بدہ کشتی مے تا خوش سرآیم

نذیرالم

دریں دریائے ناپیدا کرانہ

کیا ہے گر مجھے منزل سے محرم
کہا جب میں نے یہ نکتہ تو اُس دم
تو رستے میں نہ چھوڑے اے خضر عالم
ز ساقی کمان ابرو شنیدم

کہ اے تیر ملامت را نشانہ

یہ رہ باریک ہے اور تو ہے فربہ
گمان و وہم کی جاگہ نہیں یہ
کمان اس عزم کی ہرگز نہ کر زہ
بر و ایں دام بر مرغ دگر نہ

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اگر ہے تجھ کو اس رہ سے سروکار
نہ رکھیو بوئے خودی کی کچھ خبردار
تو ہو سب ماسوا سے تارک ای یار
نہ بندی زاں میاں طوق کمر دار

اگر خود را نہ بینی در میانہ

وہی عاشق او ہی معشوق دلجوست
وہی حامی، وہی دشمن وہی دوست
وہی بو، اور وہی مغز اور وہی پوست
شراب و شاہد و ساقی ہمہ اوست

خیال آب و گل در رہ بہانہ

نظیرا ے جو تو شیدائیست حافظ
نہ در یاد نہ صحر الست حافظ
تن خاکی عجب جائیست حافظ
وجود ما معمائیست حافظ

کہ تحقیقش فسون است و فسانہ

دیگر

(۴۶۷)

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ
اہل تقویٰ کا سمجھ دانہ و آب آلودہ
طاعت کر سے رہتا تھا حجاب آلودہ
دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش
دیکھ کر مجھ کو، پڑا خواب میں غفلت کے خموش
جاتے ہی در پہ گرا پیر مغاں کے مدہوش
آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش
گفت "بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ"

جب میں جاگا تو کہا اس سے بہ شیریں سخنی
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی جنی
یعنے ہے جان تری عشق مجازی کی بھنی[1]
در ہوائے لب شیریں دہناں چند کنی
جوہر روح بیاقوتِ مذاب آلودہ

اے ہوسناک یہ ہے میکدۂ قدس مقام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام
پیچھے مستانِ ازل کرتے ہیں یاں شربِ مدام
شست شوئے کن و آنگہ بخرابات خرام
تا نہ گردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشق حقیقی سے ہے کچھ بھی توفیق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہلِ طریقت کا طریق
آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بآب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آ کے شنا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا
یہ تو ہے معدنِ انوار و یقین صدق و صفا
پاک صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آ
کہ صفائی ندہد آبِ تراب آلودہ

[1] عشق مجازی کا بالکل آگ سے استعارہ کیا ہے اور جان کا کباب ہے ۱۲ شیاز

ہم تو پھرتے ہیں نظیرؔ عشق میں اب خانہ بدوش — کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گوہر گوش
کچھ جو حافظؔ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش — گفت حافظ بہ وایں نکتہ بیاران مفروش

آہ! ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ

خمسہ بر غزل سراؔج

(۴۶۸)

کھلی جبکہ چشمِ دلِ حزیں تو وہ نم رہا نہ تری رہی — ہوئی حسرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوشِ جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی — خبرِ تحیرِ عشقِ سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی

نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

ہوئیں کیا ہی دلکو فراغتیں گئی جب سے قیدِ لباس کی — نہ ہوئے اطلس و گلبدن، نہ تلاش بادلۂ و زری
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب غرض اسکو جانے بلا مری — شہِ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی

نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت مکتبِ عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا — کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جبکہ مدرسِ عشق میں تو اب آگے یارو کہوں میں کیا — وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا

کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہیں دھری رہی

ترے منہ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جاکے عیاں ہوا — اگر آفتاب جمال تھا تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
کوئی آگے تیرے نہ آسکا وہ قمر کہ مہر نشاں ہوا — ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا

کہ نہ آئینے میں جلا رہی، نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتفاق ہے خود بخود مرے دل سے عشق نکل گیا — پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگِ شمع پگھل گیا
اُدھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا — چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا

مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ جہاں میں کہ بھول سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو | نہ کسی کے ڈر سے چھپے کہیں نہ کسی کے خوف سے ڈوبے رو
اُسے کچھ کسی کی خبر نہیں ہوا اب تو مثلِ نظیر وہ | ترے دردِ عشق میں اے میاں دلِ مبتلائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزل قدرت

(۲۶۹)

آہ کس شعلہ رو سے طبع اب مانوس ہے | جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
اور تپِ غم کی تپش چہرے[1] اوپر محسوس ہے | کس کی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جس دم بہ چشمِ تر گئے | مر گئے پھر جی اُٹھے، تڑپا کیے، دُکھ بھر گئے
دیکھ تیرے عشق میں کیا کیا ہوا اے گھر[2] گئے | صبر اور تسکیں یاں سے کوچ[3] کب کے کر گئے
اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے | آدمیت سے گئے، سودا ہوا، رسوا ہوئے
خود بخود بیخود یہ دل میں اب خیال اُٹھنے لگے | کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم ہے اور سر زمینِ روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجے زندگی | مثلِ گل کے نزہت و فرحت سے کیجے زندگی
سب طرح سے خرمی حشمت سے کیجے زندگی | گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ دہل اُدھر صدائے کوس ہے

یہ خیالِ خام اپنے دل میں باندھتے تھے پڑے | کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر دیے
جب زبان دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے | سنتے ہی عبرت پکاری "اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے"

[1] چہرے اوپر - بجائے چہرے کے اوپر - اب متروک ہے ۱۲ آسی -
[2] گھر گئے - گھر برباد ہوا - یعنی اے خانہ برباد ۱۲
[3] کوچ - بضم اول و واو صحیح ہے - کوچ بہ سکون [illegible] بمعنی [illegible] سے یہاں مراد دروازے ۱۲ آسی

میں نے جانا کہ لے چلے گی یہ گلستاں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی نہ باغ و بستاں کی طرف
یا کنارِ آب یا خرّم بیاباں کی طرف
لے گئی یک بار گی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح کا یاس ہے

میں جو واں آیا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے
اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے
کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پر کیا کرے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج
یہ وہ ہے جس کا فرشتہ سے نہ ملتا تھا مزاج
یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے آتا تھا باج
پوچھ تو اُن سے کہ مال و حشمت و دولت و تاج
کچھ بھی اُن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کر دیا ہے عشق کے غم نے تو بے طاقت تجھے
بس یہ کہتا ہے نظیرؔ اب نکتہ حکمت تجھے
اس مرض کی بے طرح لپٹی ہے اب آفت تجھے
گر نہ بخشے شافعِ محشر تری قوت تجھے
اس کی قدرت دیکھ کر حیران جالینوس ہے

خمسہ بہ غزل فغاںؔ

(۴۷۰)

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زدِ عام نہ ہووے
اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

گر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل
گر یوں ہی ارادہ ہے تو مت چھوڑیو بسمل
بہتر ہے میں حاضر ہوں دے کچھ نہیں حاصل
شمشیر کوئی تیز سی لانا مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

سلہ خرم سے مراد سرسبز ۱۲ اسی سے کیکر یا کیکرا محاورہ عوام ہے ببول کے درخت کو کہتے ہیں۔ ببول کو دار میں نے کیکر لکھا ہے مگر منشی سید احمد کیکر لکھتے ہیں غالباً کیکر ہی صحیح ہے کیکر اس کی تعظیم ہے شہباز کیکر معنی ببول درست ہے۔ ... آسی

بھر عمر پھرا اُس کے غم و درد سے نالاں
کیا ضد ہے موئے پر بھی اُسے دیکھیں یاراں
آخر ہوا میں ہاتھ سے اُس شوخ کے بےجاں
آساں ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
یعنی اسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

پردہ میں ترے غم کا اگر دل سے اُٹھاؤں
نالہ جو کروں کوہ کو جاگہ سے ہلاؤں
اک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں
اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو نظیرؔ ایک سگھڑ تھا پہ پرو
لو اُس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بیک سو
پائی تھی صبا نے بھی نہ اُس گل کی کبھی بو
جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

اصغر کی عارفانہ غزل کی تضمین

(۴۷۱)

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا
یاقوت میں، الماس میں، مرجان میں آیا
نیلم میں کہیں گوہر غلطاں میں آیا
جب حسن ازل پردۂ امکاں میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتّی میں بسا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے
موتی میں ہوا آب، ستاروں میں ضیا ہے
نزدیک ہے وہ سب کے جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں
کیا باغ و چمن تختہ کا، کیا زیر خیاباں
گل بھی وہی سنبل وہی، نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستاں میں آیا

کیا ارض و سما، حور و ملک، دیو پری جن
کیا وحشی و طائر، نہیں اک دم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات، یہی ذکر ہے ہر چِھن[۱]
اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیت قرآن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پُتلا وہ ہوا ہے
یا روح بن اُس خاک کے پُتلے میں گھُسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے
حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا

گر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ
اور حال کہیں کرتا ہے لا منھ کے اُپر جھاگ
جو اُس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ
مُطرب وہی، آواز وہی، ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر
کیا سوسنی، کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
بے مثل نظیر اس چمن دہر کے اندر
بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ سے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ بر غزل خود

(۴۷۲)

مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا
نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
خوشی ہو منھ سے منھ اور لب سے لب لگو[۲]تا تھا
لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں
کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
مزے کی چٹکیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں
تمام رات تھی اور کہنیاں دو لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

۱؎ چھن - لحظہ
۲؎ نعت - پل
۳؎ لگانا کے بجائے لگونا عوام کی بول چال میں ہے خواص اس کو جائز نہیں سمجھتے
اسی

کچھ آگے چاہ نے کے بھی آہ کیا دن تھے
خوشی سے پیارے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے
کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اٹھتے
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کینے کو
گلے لپٹتے تو کیا کیا رگڑتے سینے کو
نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

جو لگتی شوخ کے تلووں میں گدگدی کم کم
مچل کے ہنس کے بھڑاتا قدم کو ہر اک دم
تو چین مروڑ چڑھا ناک اور بھوئیں کر خم
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں دھوں دھپ دھم
کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
اٹھا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا

نہ ہووے کیونکہ مرا دامن و گریباں تر
تو گرم و سرد کی تکرار ناز سے کر کر
کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

پڑے نہ کیونکہ مجھے کام اشک گلگوں سے
کبھی گلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے
کہ جا کے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اسے ڈبوتا تھا

اٹھے نہ کیونکہ مرے دل سے آہ کا شعلا
کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا
کہ اس طرح کا ہزاروں میں یار سے ملنا
ہوا نہ تجھ کو خمار آخر ان شرابوں کا
نظیرؔ آہ اسی روز کو میں روتا تھا

مخمس جوشِ جنوں

(۴۷۳)

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا
مرا جی نقدِ دل جس دن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا
سحر آیا جو ہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا

کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف اے شعلۂ آتش
دیا آیا تری گرمی میں حرف اے شعلۂ آتش
نہیں نالا تو ہے دریائے ژرف اے شعلۂ آتش
پڑا ہے کیا فسردہ مثلِ برف اے شعلۂ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا

یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آ کر
لیا ایک ایسا چکر جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر
اُڑا کر گرد مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہو کر کے نعرہ آہ کا مارا

چناں اکنوں ز خود رفتم، نمی دانم کجا ہستم
برنگِ جاں ز راہِ او گذشتم از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں، ایں زماں شورِ جنوں دستم
ہجوم محشرم، ہنگامہ ام، دیوانہ ام مستم
نہ از پا می شناسم سر، نمی دانم ز سر پا را

یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جنوں کی اور رسائی
عجب دیوانہ پن کی آ کے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریائے دل نے آ کے پھر چلنے کی ٹھہرائی
قضا نے لا و ہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

خدا جانے اُڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ
زمیں سے نکلی کافر یا کہ اُتری آسماں سے وہ
نرالی تھی غرض اے یار و، زندانِ جہاں سے وہ
گھسٹتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ
مگر گرجا زمیں پے رعد کی نوبت کا نقارا

گریباں چاک سرعریاں پریشاں مو برہنہ پا،
لگا پھرنے جو ہیں شعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا
جگر میں شورِ محشر، اور زباں او پر ا با ہا ہا
محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو، جنوں مارا

مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الاماں جب تو ال
تو پھر اس حال سے آخر نکلکر واں سے سرگرداں
کوئی بھاگا کہیں جاکر، ہوا کوئی کہیں پنہاں
گیا اک دیر میں اور واں جو بت گر کے تھے ناں کی ں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ کر لپٹا را

عجب عالم ہوا اس دم کہیں ہو حق کہیں ہو ہا
موذن بھاگے اور عابد چھپے حجروں میں اپنے جا
اسی انبوہ سے جاکر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
مصلا پھاڑ، منبر توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

جنوں نے پھر کڑک اور تھر تھرا کر وہاں سے مارے پر
مغان و مغبچہ بھاگے شرابی کانپ اٹھے تھر تھر
تو آ پہونچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
خم و قرابۂ مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کر دی خون کا گارا

چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش[ف] زدی بلبل جو چہکاری
کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختہ و کیاری
تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

فضا دیکھی جو صحرا کی تو زنجیریں تڑا ڈالیں
ہجومِ جوش سے ہر کوہ کی کمریں ہلا ڈالیں
بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اڑا ڈالیں
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

چلا ایسا ہوا کا آسماں سے آگے اک جھوکا
چڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آکر اشک کا دریا
کہ اس شورِ جنوں کا آہ سب عالم گیا گذرا
کہ لڑیاں جن کے کافر ہر سرِ مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزار اساون اور بھادوں کا فوارا

ف آتش زدی کی بجائے آتش زدہ تصحیح ہے نظیر کے زمانے میں اس کو صحیح مانا جاسکتا ہے مگر اس زمانے کے فصحا اس قسم کی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یکباری بجائے یکبارگی تصحیح نہیں ۱۲ [illegible]

گھٹا اٹھی جنوں کی اور دھوائی ہوں کا آگمڈا
تماشا دیکھنے کو اُس گھڑی اک عالم آ اُمڈا
کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
لگا یوں منھ پہ سنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

بڑھا پھر تو جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں
پڑے تھے اشک کی فوجوں سے نالوں کے نشاں برپا
جبھی سے کھل گئی شور قیامت کی بھی اگرواں
نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جاناتک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

زمیں سے آسماں تک بند ہو گیا ایسا سماں آ کر
وحوش و طیر نکلے کانپ اُٹھے دیوار و در پتھر
ہجوم خلق سے چلیں بھی تھیں ہر کوٹھے کوٹھے پر
ہوا سنّاٹے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھتیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

عجب سودائی نے پھر تو کیں گھڑی ملاقاتیں
اُٹھا اوپر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں
کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں دو زہی گھاتیں
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا گیا سنگ کیا خارا

میاں پھر تو جنوں کے بند ہو گئیں اس قدر چھائیں
جو اس میں کوچہ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں
کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بند ہو گئیں راہیں
تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برج حسن کا تارا

کیا آکر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا
نہ وہ انبہ رہا نے وہ مزا نے دھوم نے چرچا
کہ جن کر آگ اور خس بس جلایا گھر رقیبوں کا
نظر آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا
کہ آخر ہر کمالے را زوالے می شود یارا

خمسہ

(۴۶۴)

ہے دل میں عزم جس کی چاہت کی چاکری کا
پایا ہے ناز اس نے شوخی میں برتری کا

آگمڈا - یعنی آکر پھیل گیا - اب نہیں بولا جاتا - ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں اُمڈنا کا مترادف گمڈنا بھی ہو - اُمڈنا بھی قریب قریب ایسے ہی معنوں میں بولتے ہیں - ایسے ہی اس بند میں بوچھار کی بجائے بوچھارا لایا گیا ہے - جو حضرت نظیر کی جدت طبع اور قافیہ کی ضرورت کے لحاظ سے لایا گیا ہے ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

کیا کیا بیاں ہو اس کی سج دھج ادا بھری کا
اک پینچے پہ جو اس نے طرّہ رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہے جو اس پر کب ہو بہت چگل میں
کاکل میں طرفہ خم ہے اچھا نمک ہے تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں
جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جس کے ہر آن رخ کو خوش ہو
چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے بچ سب کھو
آئینہ دیکھو اس کو حسرت زدہ ہے یارو
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آدے یہ دانہ میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو
آنکھوں سے اس کے ہو وے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو
آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گل رو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کے پہلے
پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے
زلفیں بھی کھولیں منہ پر کچھ چلبلی ادا سے
کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

لے طرہ یہاں کوٹ کے معنی میں آیا ہے ۱۲ سے چگل ایک شہر کا نام ۱۲ سے بالا دینا۔ دھوکا دینے کے معنی میں ہے۔ شاید یہاں بالا کرنا اسی معنی میں لایا گیا ہے ۱۲ آسی

مخمس

(۴۷۵)

جب اس نے دکھایا مجھے کھڑے کا اُجالا
اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا
دل چاہ زنخدان میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اُچھالا

جھڑکا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام
اور یوں کہا تجھے کا نہیں چاہ میں کچھ کام

کوچے سے نکالا ہمیں ٹھہرائے یہ الزام — مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع تھے کرتے — کہنا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہیے
اک روز غرض ہو کے نڈر خوف خطر سے — دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے — جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے
تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ سبھی نے — زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار اُدھر کو گیا یاں سے — چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھہرے
اک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے — اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اسکے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اس کو اٹھا لا

خمسۂ دیگر

(۷۷۴)

نگہ کے جام کا کر عزم کچھ ادھر سے لا — خوشی سے بیٹھ بہم نا خوشی کی مت ٹے لا[1]
خفا ہوں جس میں ہم ایسی نہ ہر گھڑی تھے لا — ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا
یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہے صحن گلستاں کو پھر کے سرسبزی — چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی
صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہچہے بھی — بہار گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی
گلابی مے کی دکھا ساغر یا پیے لا

نثار کاکل مشکیں پہ جس کے ہے سنبل — ادا میں سحر بھرا ہے نگہ میں نشہ مل

[1] رے بیٹ رٹ۔ ضد۔ اشرف علی لکھنوی

عجب وہ نگار سرکش ٹک آگیا مقابل
نوک مژہ نے اسکی لب جیب سے ہو کے شامل
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا
کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا
جب حال دل کا اس نے پل میں بنایا ایسا
پوچھا نظیر بھید اکیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اُس نے ادھر کو دیکھا

دیگر

(۴۷۸)

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہے
مت بھول سرو تیرا دال احترام کیا ہے
زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہے
چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہے
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہے

ناز و ادا میں اس کے ہے دلبری فراہم
اس رخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم
بھولے ہے گھر پہونچنا جس کے نشے سے پیہم
اس چشم کی نگہ کے کیفی کے آگے ہمدم
افیون بھی کیا بلا ہے مے کا بھی جام کیا ہے

سرخی سے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر
دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پر خم نوک مژہ ہے نشتر
زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ و خم سے
پھرتی ہے ناز و شوخی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے
لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے
کیوں جی بھلا تمھارا کہیے تو نام کیا ہے

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم
جانا کہ ہوش ایسے کچھ ہیں یوں ہی سے باہم

اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں مکر اور رم | تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیرؔ یوں ہم
اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہے

خمسہ دیگر

(۴۷۹)

توسن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہوگا
ہر ناز دل پہ اس کا چوں تازیانہ ہوگا
ہے مجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہوگا
مستی بل پری رخوں سے لے دل دوانہ ہوگا
تیر نگہ جھکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

سج دھج تو اس صنم کی ہوتی ہے دل میں ساکن
پڑتا ہے چین ہم کو کب اس کے دیکھے بن
رکھتا ہے راہ چلتے کیا کیا قدم وہ گن گن
ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہے دور ہٹتا
جب دیکھتے ہیں جا کر تو منھ کو ہے چھپاتا
ہاتھوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگین فسانہ ہوگا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی
دل نے سرور پایا جی کو ہوئی تسلی
دیکھ اس کی زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی
بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی
اک پیچ پڑ سکے اس میں جس وقت شانہ ہوگا

چیٹک[۱] تو دے گیا ہے جا کر ادھر سے ظالم
دل کر گیا ہے کیفی اپنی نظر سے ظالم
آیا نہ کر کے وعدہ اب جو سحر سے ظالم
جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیرؔ اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

[۱] چیٹک۔ دھن، لَو۔ معشوق ۱۲ محمد اشرف علی

خمسۂ دیگر

(۴۸۰)

یار فقط نہ آئینہ دیکھ کے تجھ کو ہے خجل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل
نکلے اگر تو صبح دم مہر بھی ہووے منفعل
تیرے بھی منھ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری رخاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں
اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

چاک ہے گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی سب جلے
پرزے کتاں کے اڑ گئے ماہ کے دل میں داغ تے
جلتے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک غم سے غم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں زور ہی نام کر گیا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہے وفا
مرنے کی جس کے تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اڑا
جب سے موا ہے کوہکن کہتے ہیں اسکا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے
کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں روح سے روح دل سے دل

خمسۂ دیگر

(۴۸۱)

دیتا ہے وہ انداز ترے کان کا بالا
ہر دلبر گلرو سے ترا ناز ہے بالا
دیکھے تو وہیں ہو مہِ نو آن کے بالا
مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشکِ گلِ لالا
پھولے ہے پڑا دل میں تیرا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچہ، بدن سیم، جبیں ماہ
قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ
یاد آتی ہے دیکھے سے ترے قدرتِ اللہ
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

ہے آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل
نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل
انساں تو کیا حور و ملک میں ہے بڑا غل
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

چہرے سے جو لے جان تو پردے کو اٹھائے
ہر جبیں ترے دیکھنے کی تاب نہ لائے
خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آوے
مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپاوے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا

تو حُسن کے عالم میں وہ ہے اے شہِ خوباں
آئینہ تجھے دیکھ کے رہ جاتا ہے حیراں
محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا
اک شمہ یہ اس ناز و ادا کا ہے اہا ہا
میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا
دل طورِ تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرزِ تبسم نے سنبھالا

وہ دل کہ بہت طالع ہیں یاں جس کے مددگار ہوتا ہے وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہے یار
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

خمسہ دیگر

(۴۸۲)

دل کے دینے پہ یہ کینے ہو دیں ہم مغرور کیا اور وفا اپنی دکھا کر ہو دیں ہم مسرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہو سکیں مذکور کیا لا دے خاطر میں ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

چاہ تو کی بہت تمہاری ہم نے دیکر دل کو یاں پر نہیں طرزوں سے واقف اسکی ابتک اے میاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جو نو وارداں دل دیا ہم نے لگا ہے بتا دو مہرباں
اس کی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

ہے یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں
کچھ فریب دفن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، افسوں کیا، زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہے سرکش تند خو کھینچے ہے ابرو کی تیغ اس پر اسے دیکھے ہے جو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہے سو ہو یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو
بولا منہ کیا، دسترس کیا، تاب کیا، مقدور کیا

دل ہوا جس دن سے اس گل کے سنبل میں اسیر الفت و مہر اس کی ہے اس کے نہایت دلپذیر
کیا ہوا اگر وہ ہمیں رکھتا ہے نظروں میں حقیر ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پر پروے نظیر
روبرو کیا، در قفا کیا، متصل کیا، دور کیا

خمسہ دیگر

(۴۸۳)

یہاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خوں میں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی
کٹی، ہلکی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی، مہندی
جب اتنے دکھ سہے جب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنا کی پتلیاں اس کے کف رنگیں میں جو دیکھیں
نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں
کہوں کیا کیا میں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب زیبیں
شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتھیلی چاندنی سی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں
وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقرئی ہیروں کے چھلوں کے کرارے ہوں
جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہے جی مہندی

وہ پہنچے جن میں پہنچی سو نیاز و عجز سے پہنچی
اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہے شان چھلوں کی
عجب تم جھلکتی ہو اور عبث پھرتے ہو بستی
کف نازک پر اس کے تو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری دال یاں گلتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا ہل جانا
انگوٹھی بانک[1] چھلے آرسی کا پھر نظر آنا
مراد دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا
بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھرمی
ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اسکو کر کے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اسکی اب نزاکت واہ اور نرمی
ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اسکے دیر تک سلگی گئی مہندی

[1] بانک — ایک قسم کے چھلے کا نام ہے ۱۲ اشرف علی

کہاں تک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہے
یہ سرخی لعل نے نے پنجۂ مرجاں نے پائی ہے
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہے
نظیرؔ اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

خمسہ دیگر

۴۸۴

جہاں میں ہم سے جو پُرغم رہے رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

نہ زیب کعبہ نہ دیر و مغاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

کسی کی سُن کے زبانی مرا یہ حال تباہ
ہزار درد سے بھاری ہے اب یہ غم واللہ
چلا ہے گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ
مجھے ہے نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار
کہ عمر اپنی تو ٹھہری ہے آگے مثل شرار
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہے بر سر راہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
یہ آرزو ہے تمہیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھو لیجئے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہے اب سو کھو لیجے
ادا و ناز پہ ان کے نثار ہو لیجے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل تک دیدہ پر نم رہے رہے نہ رہے

جفا نہ جو میاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
ہزار بات کی اک بات ہے یہ سن لو جی
یقیں ہے خیر کہ ہم نے وہ سب خوشی سے سہی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دست چکے میاں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
ہم اپنے کام میں اے یار، یار شاطر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں
یہی سمجھو تو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجے
بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجے
نظیر آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

دیگر

(۴۸۵)

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
ہر کہیں زور دکھاتا ہے اجالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا بالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
پھر گئیں اس کے میں عشق دل کی کہوں اب کیا کیا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا
نوک مژگاں کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سے وہ ناز بھری
ہر قدم پہ مرے سینے میں ہے ٹھوکر لگتی
مستیاں واہ میں کیا کیا کہوں اس جوبن کی
جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشۂ حسن کو کرتا ہے دو بالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہے مرے دل میں نوک
اے دل اس شوخ کے تو بالے سے جوبن کو نہ ٹوک
آہ سینے میں کر دل اپنے میں کس کس کی روک
ایک تو قہر ہے کانوں میں کرن پھول کی جھوک[1]
تس[2] پہ کافر ہے جگر چھیدنے والا بالا

بالے جھٹکا وے کے انداز غضب کرے کیا کیا
جز خجل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
یہ جو ہر جھوک میں ہے اپنی جھلک دکھلاتا
اے دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو تیلاوے گا بالی یہ یہ بالا بالا

جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان
اس کی ہر آن پہ ہوتی ہے فدا میری جان
طرز چتون کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان
وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہے کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے وہ شالا بالا

ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر
کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
یاں تک اس بالے نے کی ہے مرے جی میں تاثیر
اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہے نظیر
اک نظر چل کے تجھے اس کا دکھا لا بالا

خمسۂ دیگر

(۲۸۶)

پھر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا
خوش معاشی کے لیے مشتاق بیتابانہ تھا
شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا
یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا

[1] جھوک: جنبش۔ لچک۔ دھکا۔ ہچکولا ۔۔ [2] تس۔ اب متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں
اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیا بیاں
کچھ وفا اور بیوفائی کا نہ رکھتا تھا گماں
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں
اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

ہے طلسم پر عجائب عالم ظاہر سمات
راستی پوچھو تو سب سو بات کی یہ ایک بات
جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اسکی مات
نے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات
غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہونچے بہم یاں درہم و دینار و دام
یہ نہیں وہ مے جو ٹھہرے ایک ساغر میں مدام
یا سرور روز و شب یا انتعاش[1] صبح و شام
کیا غم اس اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام
چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں
فکر سے دیکھا تو کیا تنبیہ ہے اے دوستاں
یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہونچی جا کے واں
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں
قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار
یہ مکاں اس کا مرصّع اور مطلّا[3] استوار
منظر[2] اپنی تھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
پرصفا و پرضیا و پرنگار و پربہار
زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود
بج رہے تھے جا بجا قانون[4] و بین و چنگ و عود
گرم تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود
گریۂ مینا و بکسر خندۂ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں یاد
سیر کرنے کو بہ ہنگام مسا یا بامداد
تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
مالک اس کا جب و دہشت بام پر پھرتا تھا شاد

[1] انتعاش کے معنے بلند ہونے اور اٹھنے کے ہیں مگر اہل فارس عیش و نشاط کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۱۲
[2] منظر - ابھی ذکر بولتے ہیں ۱۲
[3] طلا لفظ فارسی ہے مطلا بقاعدہ [illegible] فارسی دانوں کا تراشا ہوا لفظ ہے جیسے [illegible] ۱۲
[4] قانون ایک باجے کا نام ہے ۱۲
محمد اشرف علی

کیا کہوں کیا کیا اے ناز سرافرازانہ تھا

عشر میں کرتا تھا واں ہر دم وہ کس کس طور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے
یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
ایک ذرہ برہم دوں میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش میں
سردی آجاوے نہ کیونکر پیر ہوس کے جوش میں
اس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
واں طنین یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں
جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا

کیوں نہ ہو عقل و خرد کی عالم حیرت میں راہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آجاویں نگاہ
خاطفہ برق ان کو گئے پاشرر اب کہیے آہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ
جس جگہ لعل و گہر سے یہ جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
پھر دل آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
بے بقائی اس کی جو جو کہیے وہ سب ہے بجا
خوب جو دیکھا نظیر ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

سلہ ضیس یعنی کی دبدبہ حشمت کی آن ۱۲
اشرف علی
سلہ خاطفہ بجلی کی چمک ۔ بجلی کا گرنا ۱۲ اشرف علی

(۲۸۷)

خمسۂ دیگر

کیا تو نے حال اس سے مرے درد کا کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
رنج فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا
حرف عتاب یا سخن دل کشا کہا

آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو

جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو
تجھ کو قسم ہے کچھ نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے تجھے برملا کہا

میں تو کماں ہجر میں ہوں اُس کے بیقرار
دن رات اُس کے آنے کا تکتا ہوں انتظار
جلدی سُنا مجھے جو ہوا تجھ پہ آشکار
قاصد نے جب تو سُن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

تھا ہوا مرا عرق شرم سے بیچ نم
سنتا رہا میں اُس نے کہا جو جو بیش و کم
غصے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اور یہ کہا کہ جا یہی خط کا تھا جواب
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا

میرے جو ہوش سنتے ہی اس بات سے اُڑے
گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اُس نے تجھے یا بجا کہا

تجھ پہ تو اُس نگار کی خو بو تھی سب عیاں
کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اسکو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

(۴۸۸)

دیگر

خدا جہاں کا گر اُس صنم کو کبھی مدار المہام کرتا
تو اک نظارے میں وہ ستمگار کام سب کا تمام کرتا

نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا
بتوں کی مجلس میں شب کو ہر وجو اور شک بھی قیام کرتا
کنشت ویران صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجکو تجکو کیا نرالا
نہ مجھ سا عاشق نہ تجھ سا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا
غریب حیران اسیر گریاں نہ جی میں طاقت نہ دل میں نالا
خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل خوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

جہاں کی وسعت میں صور پھنکتا اندھیرا ہوتا تمام دوراں
درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتی زمین فرشتے ترساں
زمین اٹھتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یکساں
گرہ ذروں دل جو سمٹے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

یکایک آکر بہ اضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر
کہا کہ خوب ہی لگا ہے جھگڑا کہا رقیبوں سے میں نے جا کر
ہوا اب وہ دشمن ہوں اُن کا خونی کہا میں نے کہ لے ستمگر
ذرا تنے قصے نہ جنگ ہوتے پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

ذرا بھوؤں کی اشارتوں سے اگل جو چڑھتے مژہ کے خنجر
تڑپتے لاکھوں بہ رنگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر
نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا بجز سرِ دم آکر
وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر
تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو
حواس و ہوش و قرار اپنے تو وہیں اٹھ گئے ہوا پہ ہر سو
رہا تھا جی باقی ایک نالاں سو وہ بھی اٹکا تھا آکے جوں مو
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے لے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

کیا ہی کاکل کی فوج نے تمہارے دل پر ادھر کو شبخوں
ادھر سے چہرے کی ہی چڑھائی عجب میں مشکل میں نہار میں ہوں
غلط نہ جانو اب اسکو یارو قسم ہو تم سے میں راست کہہ دوں
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بناتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

عجب مزہ تھا جو میکدے میں ہم تھے بادہ پرست بیخود
رفیقوں اوپر نشے سے بزم صنم کے چلتے تھے دست بیخود

ہر اک پڑا تھا سر جانے خم کے کرے تھا ہر اک حیرت بیخود
وہ بزم اپنی تھی بیخودی کی فرشتے ہو جائے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو صد میں آپ کو سلام کرتا

ہمارے حق میں جو تیرے آگے ہر ایک جنتے سے جن رہا ہے
ترا سبب جو ہے سو ہے اگرچہ جن کرکے سن رہا ہے
سنے ہے جیسے فلک بھی ظالم سر اپنا حسرت سے دھن رہا ہے
نظر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو مجھ سے آکر کلام کرتا

([illegible])

خمسہ

قمر خجل ہوا خون کی جھلک نہ دیکھ سکا
گہر بھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
سنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

ترے الم میں نہ ہو دخل سو کدورت کو
ملاپ تجھ سے کہاں آب و گل کی مورت کو
نہ ہمسری ہو کبھی صاف سے کدورت کو
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

غم فراق میں جینے سے ہم جو اکتائے
تو واں بھی ذرے ہمارے ہوا نے اڑائے
نہ دان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رو رو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی اٹھا بھی پلک نہ دیکھ سکا

پڑا ہے آہ مجھے تب سے شوخ سے پالا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
نہ جی کو چین ہوا اور نہ دل نے سکھ پایا
گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

ابھی تو آہ خموں میں شراب ہے باقی
ہماری بار کو ظالم بعین مشتاقی
سبھوں کے عیش کی باں ہو رہی ہے بیباقی
لگا گھٹا سے جواب ہے کو دم بدم ساقی
ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

کبھی اُدھر کو جو قاصد ترا گذر ہووے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اُس پری رو سے
دیا کہ راہ میں جاتے کہیں وہ مجھ سے لے
نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی خدا پیارے
پہ کیا کرے کہ وہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۴۹۰)

خمسہ دیگر

تنہا نہ منہ کو دیکھ جگر گل کا پھٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کو سٹ گیا
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اُس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحت مزاج
یارو کہیں کبھی عشق کی دارو کا ہے رواج
میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا

اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
مت پوچھ حال دل کا مرے آگے اے طبیب
قسمت میں عاشقوں کی سدا دکھ ہوا نصیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب

لفظ سٹ گیا شاید بٹک گیا کی جگہ استعمال کیا ہے ۱۲ اشرف علی

لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

مجھ کو تو یار وہ حسن پرستی کا ہے مزا
میں تو اُسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا
خوباں کا دیکھنا ہی مرے دل کی ہے دوا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی اُدھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

اُس شوخ کی نگہ میں دغا، آن میں فسوں
قزاقی اُس کے حسن کی کیا کیا بیاں کروں
کب تک میں اُس کے ہاتھ سے بچتا بھلا [illegible]
چھینا تھا دل کو چشم نے پلکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اُس صفِ مژگاں میں بٹ گیا

وہ شوخ جو کرے ہے دغا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہے کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہے دل نگہ سے چرا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

انگیا کے حسن کی جو نظر آ گئی بھڑک
سورج کی اب چمک کہوں بجلی کی یا چمک
اک آگ دل کے بیچ لگی اُس گھڑی بھڑک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اُس پری کے جو پردہ اُلٹ گیا

اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
پر کیا ہوا ہے مجھ سے جو تو بولتی نہیں
کی عرض اُس سے میں نے کہ اے میری دلنشیں
سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا

مجھ کو تو اُس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
یہ بات سن میں رہ گیا حسرت سے نیم جان
جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسا تو اب غضب نہ کرو یار دلربا
میں جانتا نہیں ہوں تمہیں مجھ کو دو بتا
کس بات سے ہوا ہے مزاج آپ کا خفا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا

جس سے یہ دل اُداس ہوا جی اُچٹ گیا

میں تو تمھارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں — دیکھے سے تم کو جان میں آتی ہے میرے جاں
اُس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں — آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جاں
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں — تم آبِ زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
ہر دم تمھاری جاہ کا دل سے غلام ہوں — عشاقِ جاں نثار دلوں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں تو اُس کے گلے سے لپٹ گیا

یہ جو جھمیلا اُس سے ہوا آ کے یک بیک — بالا سا وہ جگر میں اُس کا گیا دھڑک
جوں جوں میں لپٹا اُس سے وہ بولا کہ چل سرک — کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی کھینچ باندھ کے ایسا چمٹ گیا

کشتی سی پھر تو ہونے لگی آ کے یک دگر — بازو چھڑائے اُس نے تو جا پکڑی میں کمر
وہ کھینچے مجھ کو میں اُسے کھینچوں تھا سر بسر — یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اُس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

اُس نے بھی میری ضد سے گریباں لیا تھا چیر — میں نے بھی اُس کی کرتی کی پھاڑی کئی دھجیر[1]
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر — آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۲۹۱)

خمسہ دیگر

تھا وصل کا جس طرح نشہ دل میں دوبالا — ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا

[1] دھجیر یعنی دھجی عام طور سے یہ لفظ مستعمل نہیں۔ حضرت نظیر کی ایجاد و اختراع ہے ۱۲ اشرف علی لکھنوی

کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا

اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

قصے کو مرے سامنے ہرگز نہ بکھانو
اثبات جو کرتا ہے تو اس بات کو چھانو
یہ جھوٹ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو
شیریں کے در اوپر یہ جو ہے شیر نہ جانو

فرہاد کے لوہو کا جھلکتا ہے یہ نالا

پھر عمر کبھی ہم سے ہوا اکٹھا نہ جہ ادو
کل اس کے تئیں لے گیا اک شوخ جفا جو
جیتا ہے خدا جانے او یا مر گیا ردرو
کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو

دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالےٰ

ہے گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور
پردم میں کسی کے نہیں آتا ہے یہ مقدور
کیا کیا میں کروں اس کی اب عیاری کا مذکور
بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور

اوروں کو کہا سے تو وہیں ہنس کے کہا : لا

دل سب سے اُٹھا، جان تجھے میں نے جو چاہا
جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اُٹھایا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے اہا ہا
رگ رگ میں ہیں تیرے ہجر میں اے رشک مسیحا

مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا لا

اُس شوخ کو یارو، یہ کوئی جا کے سُناؤ
یعنی مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
کچھ باقی نہیں مجھ سے تم اب ہاتھ اُٹھاؤ
مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ

کافی ہے مری قید کو اک مکڑی کا جالا

کل ہو جو گیا اُس صف مژگاں کے مقابل
بسمل سا تڑپتا تھا سر شام سے گھائل
چپ ہونے سے اب مجھ کو یقیں ہو گیا حاصل
شاید کہ سوا رات کو جینے میں مرا دل

نہ آہ، نہ زاری، نہ دم سرد، نہ نالا

نہ زور ہے مرے پاس جا اس شوخ کو دیکھوں
نہ زور کہ دھمکا کے اسے پاس بلالوں

کچھ بن نہیں آتا ہے، کسے جا کے سناؤں
اگر بس ہو امرا تو میں کسی چور سے کہہ دوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سوتے کا اُٹھا لا

دنیا میں جو کرتا ہے کسی کی کوئی اب چاہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ
سب ناز اُٹھاتا ہے وہ اُس شوخ کے دلخواہ
وہ آپ سے روٹھا نہیں سننے کا نظیر آہ
کیا دیکھے ہے چل پاؤں پڑ اور اُس کو منا لا

(۴۹۲)

دیگر

تھا ہجر میں جیسا دل ویران تہ و بالا
ہر چاہ کا تیسرہ نہ بھلا کیونکر دو بالا
ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اُجالا
پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالیٰ

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا
بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
گر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالیٰ

اس عالم لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ
اس حال کو پہونچا ہوں غم و درد سے واللہ
تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور شکل پر کاہ
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی، واہ
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو
اٹکا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو
دنیا سے گذرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
مر مر مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں، یارو،
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے
زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
بن تختۂ گل آخرش اس خاک چمن سے
نکلا ہے سرِ قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن
دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن
کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصل بہار آئی ہر اک سو ہے زمن میں
اور غل میں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں
فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ، چمن میں
نہ یار نہ ساقی نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا
اور آتے ہی قسمت نے مری اُسکو اُٹھایا
جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے پڑا کوچہ و در سے
دل دھڑکے ہے، دیکھا نہیں جاتا ہے نظر سے
یارو یہ تجلی تو نہ ہو شمس و قمر سے
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

اُس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو از بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں
دریا کی طرح رات و دن[۱] بہتی ہیں آنکھیں
لے لے کے بلائیں مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے پھر ایک نظر اُس کو دکھا لا

ہے اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ جھمکتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا
پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
دل جانے ہے اُس رنگ کو جو رنگ ہے اُس کا
یوں کچھ ہی کہو، وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

[۱] رات دن کی جگہ رات و دن - قدما لکھتے تھے، اب فصحا خلاف فصاحت سمجھتے ہیں ۱۲ محمود اشرف علی مہتمم دار الارقم

چکر نے مرے ہوش کو افلاک سے کے کھویا | قطروں کے تئیں خار بیاباں نے پرویا
نہ ابر نہ شبنم نے ٹک آنکھوں کو بھگویا | صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا

گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام | اور پی کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام
اس ضد کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام | اوروں کو تو ٹھوکر نے بھی نہ پائے جو لیا تھام

ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ایسا کیا نہ ستم تو نے مجھے عشق میں جاں کاہ | آنکھوں میں دم آیا تراتن غم سے ہوا کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ | ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ

کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۲۹۳)

خمسہ ہفت زبان

ہمیشہ چاہت کی دھن ہے جس کو دل اُس کا ہے مہر خوں کا ہالا
لگائے رکھتا ہے اُس کی جھیک جو حسن اُس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اسی کو ہنس کر جہاں پہ پیرو نے یوں کہا، لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا
ہوا نہایت ہی جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھکو
صفت کی اُس کے جمال کی واں کھڑے کھڑے میں تے دل ہی خوش ہو
جو دیکھی میں نے وہ اُس کی خوبی امر تھی نہ بان سے بیاں وہ کب ہو

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو، یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے اگن نہ پہونچے کالا
بہار دیکھی جو اُس صنم کی تو وصف اُس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو وہ حسن و خوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت، وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
عجب روش کا وہ شوخ گل رو، کہوں میں کیا کیا کچھ اُس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اُس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر، کہوں کہاں تک صفت میں اُس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبّت کا اُس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دوبالا
وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اُس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ، اُسی کی چاہت میں ہوش کھووے
نگاوٹیں ہیں کئی طرح کی، فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا ہے
وہ طرفہ دلبر، وہ مہر منظر، وہ نسترن بر جو میں نے دیکھا
بجز اہا ہا کچھ اور ہرگز نہ حرف میری زباں سے نکلا
ہوا میں صورت کو دیکھتے ہی غلام اُس کی ہر اک ادا کا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی وہ قد زیبا

کہ دیکھ جس پہ فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
خوش اپنے دل میں ہوا بہت ہی میں اُس پری رو کے دیکھنے سے
نثار اُس پر ہوا میں کیا کیا جب اُس کے انداز و ناز دیکھے
جو شوخیاں میں نے اُس میں پائیں کہاں تک اُن کا بیاں ہو مجھ سے
نگہ لڑاتے ہی اُس نے جس دم جھپک لیا جھپ، تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا، پلک پلک نے ادھر اُچھالا
جب اُس پری رو کے ہاتھوں، آکر یہ شکل واں میرے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اُس وقت جی پہ گذری
ہوئی اذیت جو مجھ پہ اُس دم وہ میں ہی جانوں، خبر کسے جی
جو لے لیا جی کو میرے، یارو، تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
جب اُس صنم کی اداؤں نے اُس جا دکھایا اپنا وہ سحر جادو
پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو
ہوا میں بے کل بہ رنگ بسمل، جو ہوش تھا سب ہوا وہ یک سو
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُس کا وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے پیہم
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدۂ نم
پری رخ من، شکر لب من، دمے تو باز آ بہ پیش چشمم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منہ دکھا کر نہیں پڑا چین مجکو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھلک دکھا جا ٹک اپنے رخ کی کسی طرح سے تو پھر یکایک
فدا ہو جھک عشق شرفا دموع نہرا من فراتک
کثیر حزنا مع الہموم ثقیل ہجرا و کا ئبا لا
ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل اے پری رو تجہی صنم پہ فدا ہوا ہے
کسی طرح سے تو جلد آ جا نکلتی منہ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے نوں دل سے بیکل ایہی دو گلاں نت اکھدا ہے
سدا اسے ئیوں نہ سے اپنے گھر وچ نہیں تو اجے اسا نئیں آل آ
تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دن میں نہ نیند رتیاں
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جپیں ہیں ہرن کو جیسے جھپیاں
کہیں سے آ مل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو ٹک آوے چینیاں
تہاری آسا لگی ہے نسدن تہارے درشن کو ترسیں نینا ں
دلاری سندر رانوکھے ابرن ہٹیلے موہن انوکھے لالا
تری جدائی میں اے ستمگر یہ سختی مجھ پر ہے اب گذرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرف کو یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری؟
ابا نے من کو جو چھینوں تھیں سی ابار کائیں لگائی اتنی
پھر ائیں آ کر گھبر یو نہاں کی بلاک کنارا جو نہاں نے کھالا
وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم انکھیں رہے ہیں حیراں

جو کا کل آتی ہے یاد تیری تو دل ہے ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے ارے چھبیلے ارے دھبیلے کبھی تو آ یاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تورے اپن جھوانواں
تورے جو بنواں سے موہا ہنکو نہ چینوں تنکو بھوا دکھالا

گیا ہے جب سے تو دل کو لے کر نہیں ہے مجکو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر ادھر اُدھر ہوں میں جاتا آتا
ہوا ہے میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں، اے دل آرا
جگت مینجھا امت برہ کھہ اٹک کھسوا امن کرن کھا
دوا سے کینی تمن مہر یجن نہ سدھ کی گرڈ بڑھ نہ بدھ کی جھالا

جو دل پہ گزرے ہے میرے تجھ بن، بیاں نہیں ہے کچھ اُسکا آساں
یہی تمنا ہے جی میں رہتی کہ تو پھر آوے کوئی گھڑی یاں
جو تجھ کو دیکھے تو ہو تسلی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش ہاں
کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک، اے جاں
بنا کے سج دھج بکھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر ہلا کے بالا

(۴۹۴)

خمسہ

چہرہ ہے ترا نور کی تنویر کا نقشا
اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
یاں تک ہے ترے حسن جہانگیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

ترچھی ہے تیر نظر نگہ نوک سناں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
اُس ابروِ خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دم شمشیر کا نقشا

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہے سیانو
اُس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو
میں محرم اسرار ہوں کہنا مرا مانو
نہ زلفِ سیہ عارض قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

اُس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہرگز ہوا واللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز
اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز
کیا گردش ایام ہے اے آہ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ
بس اتنی ہی تقصیر یہ کہتا ہے وہ خونخواہ
اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں اے واہ
یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

کھیتی ہے محبت کی سو بووے ہے ہمیشہ
کھاوے وہیں بووے وہیں سووے ہے ہمیشہ
اور اشک کے قطروں سے پردوے ہے ہمیشہ
دن رات ترے کوچے میں رووے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن — مر کر بھی مرے دل سے نہ جا دے گا ترا دھیان
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں ارے نادان — میں تو صف محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

کیا قول کیا پورا کہ اُس کوہ پہ جا کر — دن رات تراشا کیا دلبر کی رضا پر
ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر — فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوے شیر کا نقشا

لیلیٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار — بھر عمر رہا پھر اُسی پھندے میں گرفتار
کیا جادو کا اُس کی میں کروں آہ اب اظہار — پر تربیت مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلیٰ کی یہ ہے زلف گرہ گیر کا نقشا

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ — اب جی مرا کس طور بچے لے مرے اللہ
کیا فکر کروں کس سے کہوں یہ غم جاں کاہ — تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۲۹۵)

خمسہ بر غزل خود

خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر — بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھ دل میں دھیان کوٹھے پر — کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

ادا کی تیغ بھووں کی کمان کوٹھے پر — مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
بنا کے ناز و کرشمے کی شان کوٹھے پر — کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر

کرو گے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمھاری یاد میں لگ کر لیا جگر میں سے نے — تمھارے ہجر میں چھانا ہے دربدری نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے — تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے

تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت سا جی — جھڑک جھڑک کے اٹھاتے ہو اور دیتے گالی
تمھاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی — یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی

تو آرہے گی تمھارے ہی جان کوٹھے پر

تمھیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے — گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
یہ وقت شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے — مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے

پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

ادھر سے زلف بھی آکر ہوا سے لہرا دے — ادھر سے بان نے کسی کی جو رنگ دکھلاوے
اُدھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکا دے — بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے

تمھارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جہاں دلوں کی محبت کا کارخانہ ہے — وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دکھانا ہے
یہ بار بار کے آنے سے ہم نے جانا ہے — جھلک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے

جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

یہاں یہ ہے سر بازار کچھ تو خوف کرو — گلابی پیتے ہو ہے گی تو ٹک کنارے ہو
نشے میں پیارے ہنس ہنس کے مجھ سے مت الجھو — تمھیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو

کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

پڑی ہیں اس پہ جو چھینٹیں کئی جو شنگرفی — نہیں تمھارے سر بام رنگ کی سرخی
ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے منڈیریں چونے کی — کہ چونے کاری میں ہوتی ہے سرخی کب ایسی

کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

تمھارے ہجر نے اے جاں ہمیں کیا ہے گرد — حواس باختہ غمناک چشم اور منھ زرد
بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد — یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد

کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ہوئے ہیں ہم تو تمھاری محبتوں میں تباہ — وہ لے تمھاری وہی ہے دغا و مکر کی راہ
سنو جی خوب سمجھتے ہیں ہم تمھاری چاہ — لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!

کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر

یہ دم کی بات جو کہتا ہو اب تو اُس سے کہو — نہ جانتا ہو تمھاری جو کوئی باتوں کو یہ
ہمیں تو دُھرے[۱] سے ہے معلوم آپ کی خو بو — خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو

کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

یہ سن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہر منیر — لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہے شریر
پھر اپنے ناز و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر — کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیر

چڑھا لیا مجھے اپنے ندان[۲] کو کوٹھے پر

(۴۹۶)

خمسہ

چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہے جو لہرا کر — کس پیچ سے آئی ہے رخسار پہ بل کھا کر
جس کاکل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آ کر — اُس زلف کے پھندوں نے رکھا مجھے اُلجھا کر

دل بند ہوا یارو! دیکھو تو کہاں جا کر

جس دن سے ہوا آ کر اُس زلف کا زندانی — لیک ہو گئی یہ میری خاطر کی پریشانی

[۱] دُھرے سے یعنی شروع سے ۱۲
[۲] ندان — آخر کار ۱۲ — اشرف علی لکھنوی

بھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی
افسوس کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری
کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
یہ قید مرے اوپر ایسی ہی پڑی بھاری
رونا مجھے آتا ہے اس بات پہ ہر باری
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اُس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا
اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
کچھ بن نہیں آتا ہے طاقت ہے نہ کچھ یارا
اب کاہے کو ہوتا ہے اس قید سے چھٹکارا
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اُس زلف تلک مجھ کو کاہے کو رسائی تھی
قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اُسے لائی تھی
شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

گر چاہِ زنخداں میں یہ ڈوب کے دُکھ پاتا
یوسف کی طرح اک دن آخر میں نکل آتا
اس زلف کے زنداں سے کچھ پیش نہیں جاتا
آخر یہی کہہ کہہ کر پھرتا ہوں میں گھبراتا
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اُس کو تو مرے دل کے ڈسنے کی شتابی ہے
اور جس کی وہ ناگن ہے وہ مست شرابی ہے
اس غم سے لہو رو کر پُر چشم گلابی ہے
کیا طرفہ مصیبت ہے کیا سخت خرابی ہے
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

ہر بند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہے
سر پاؤں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے
جی سینے میں تڑپے ہے اشک آنکھ سے ڈھلتا ہے
ہر وقت یہی مصرع اب منہ سے نکلتا ہے
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس قید کی سختی میں سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا
اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا

اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
آخر کو یہی کہہ کہہ اک روز میں جی دوں گا
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

یہ قید فرنگ ایسی دنیا میں بُری شے ہے
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رسے ہے
اب چشم کا ساغر ہے اور خونِ جگر مے ہے
کچھ بن نہیں آتا ہے کیا فکر کروں اب ہے
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

کہنے کو مرے یارو مت دل سے بھلا دیجو
زنجیر کوئی لا کر پاؤں میں پنھا دیجو
مرجاؤں تو پھر میرا آثار[1] بنا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس زلف کے پھندے میں یوں کون اٹکتا ہے
جوں چور کسی جاگہ رستے میں لٹکتا ہے
کانٹے کی طرح دل میں غم آ کے کھٹکتا ہے
یہ کہہ کے نظیر اپنا سر غم سے پٹکتا ہے
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

(۴۹۷)

مخمسہ

ہووے جو کوئی اس بت خود کام سے واقف
پھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف
دل اپنا تو ہے چشمِ کل اندام سے واقف
ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف
ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

نت گشت رہے میکدۂ عشق میں رہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
مستی کے سوا دور میں اس چشم سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف

[1] آثار - مراد قبر نشان قبر ۱۲ ہے رستے میں چور کا لٹکنا - چور کے کنـ ال کر کسی اونچے اونچے مقام پر پڑھنے سے مراد ہے ۱۲ اسلام نہت میشہ ۱۲ اشرف علی

اُس شوخ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
دکھ بھرتے ہی بھرتے غرض آخر ہوئے ناگاہ
جا ملکِ عدم میں بھی تڑپتے رہے واللہ
مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

پہلے تو پھنسایا ہمیں اُس نورِ نظر نے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم وہ کرنے
اب، آہ، اسیری کے پڑے دکھ ہمیں بھرنے
صیّاد کی الفت سے پھنسے آن کے ورنے[1]
بھتے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

منّت سے بھلا کب وہ بُلاتا ہے کسی کو
جھوٹا ہے، دغا باز ہے عیّار ہے، بدخو
ہم نے تو بہت اُس کی سمجھ رکھی ہے خو بو
ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیزو
جو اُس سے کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

چاہو کہ پھر اب پیچ میں لو تم ہمیں اُس آں
سو آہ یہ ہونا نہیں اے خسروِ خوباں
ناحق دلِ صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

اوّل تو نہ کیجے کبھی خوباں کی میاں چاہ
اور کیجے تو ہو لیجے سب چیز سے آگاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے، واللہ
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے، نظیرؔ آہ!
دل اُس کو دیا، جس کے نہیں نام سے واقف

(۴۹۸)

خمسہ

کھول ٹک چشم تماشا یار باشے[2] پھر کہاں
یہ شکار و صید، یہ شکرے و باشے[3] پھر کہاں
مال و دولت سونا[4] رُوپا تولا ماشے پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں

[1] ورنہ۔ اور ورنے ایک ہی معنی میں آیا ہے ۱۲ [2] یار باشی کی بجائے یار باشے کہا گیا ہے ۱۲ — [3] باشہ ایک شکاری پرندہ کا نام ۱۲ [4] چاندی سونا روپیہ اشرفی ۱۲ بھر اشرفی علی لکھنو

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا اُلفت میں اور کر لے پری زادوں کی چاہ
چاند سے مکھڑوں سے مل سورج و شوخوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ
کھا لے پی لے ہنس کھیل لے اور دے لے دلائے واہ واہ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

حسن والوں کے بھی کیا کیا حسن کے عالم ہیں یاں
سانولے گورے سنہری سرخ باندھے پگڑیاں
کیا سجیلے کیا کیا دھجیں کیا ناز کیا چھب[1] تختیاں
بھولی بھولی صورتیں اور پیاری پیاری انکھڑیاں

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

صبح ہو تو سیر کر باغوں کی جا کر با فراغ
بلبلیں چہکیں ہیں، اور گل کھل رہے ہیں مثل باغ
شام ہو تو روشنی کو دیکھ، پی مے کے ایاغ[2]
جل رہے ہیں جھاڑ و مشعل، شمع قندیل و چراغ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے
کتنے مجلس کر کے سنتے ہیں دف و مردنگ و نے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غل پے بہ پے
ہر طرف دھومیں مچیں ہیں، دید ہے اور سیر ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

کتنے دل ہیں متفق کتنے دلوں میں پھوٹ ہے
دوستی ہے دشمنی ہے قصد ہے، مارا کوٹ ہے
پیار ہے، ہنس بیٹھنا ہے، اور جگت اور جھوٹ ہے
عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

واہ وا! کیا کیا نظیرؔ اس خلق کے اطوار ہیں
خوار ہیں سردار ہیں زردار ہیں، لاچار ہیں
گذریاں[3] ہیں چوک ہیں، بستے کئی بازار ہیں
دشت ہیں، صحرا ہیں اور دریا ہیں اور کہسار ہیں

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

---

[1] چھب تختی۔ جیسے اور جسم وغیرہ کی موزونی اور خوبصورتی ۱۲
[2] ایاغ۔ پیالہ ۱۲
[3] گزری وہ بازار جہاں پرانا سامان فروخت ہوتا ہے ۱۲
اشرف علی

(۴۹۹)

خمسہ دیگر

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پر اُچھلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے اُنھوں کے ملتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نور تجلّی کے انتخاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ تاب کو دیکھ
اور اپنے پھیکے سے چہرے کی آب تاب کو دیکھ
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

جہاں تلک ہیں یہ بیدرد خوبرو، دلبر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں ہم اکثر
سب اپنے چاہنے والوں کا کاٹتے ہیں سر
فدا جو دل سے ہیں ان شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافر اُن کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی میں، آہ، کس طرح جاؤں
نہ تن میں خون ہے باقی، نہ اب رگوں میں خوں
نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم کو رکھوں
ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ حضرتِ مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں

ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن
اُٹھائے تم نے بھی غم روز عشق کے گن گن
کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے، لیکن
میاں نظیرؔ، ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

(۵۰۰)

دلبری

ہے دام بچھا اُس کی زلفوں کے ہر اک بل میں
جادو ہے نگاہوں میں اور سحر ہے کاجل میں
سر پاؤں سے شوخی ہے اُس چلبلی چنچل میں
چتون کی لگاوٹ نے اک آن کی چھل بل میں
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھین لیا اک پل میں

کرنے سے خبرداری ہرگز نہ ہوا لاہا[1]
اور اک کے سینے کو عیّاری نے لے راہا
اُس شوخ ستمگر نے غمزے سے جو نہیں چاہا
کی، یارو، یہ کچھ پھرتی، کیا کہیئے، اہا ہا!
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھین لیا اک پل میں

کیا بیٹھیں چلے اُس سے یوں ناز بھرا جو ہو
کس طور سرک جاتے ہونا ہے جو کچھ سو ہو
یہ گھات، یہ چنچل پن کب یاد پری کو ہو
اس ڈھب کے تئیں، یارو، دیکھو تو اُہو ہو ہو!
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھین لیا اک پل میں

ہنس ہنس کے لگا جس دم وہ ناز و ادا کرنے
جی اُس کی لگاوٹ سے ہر لحظہ لگا ڈرنے
ہر آن لگی اُس کے سو مکر سے دم بھرنے
کیا کام کیا، یارو، اُس شوخ ستم گرنے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھین لیا اک پل میں

ڈرتے تھے بہت ہم تو اُس شوخ لڑا کے سے
اور خوف میں تھے اُس کے ڈھب آن و ادا[2] کے سے
آیا جو اُدھر پھرتا عیّار لیا کے سے
نظروں کے ملاتے ہی چنچل نے چھپا کے سے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھین لیا اک پل میں

رکھتے تھے بہت ہم تو ہر آن کی ہشیاری
خوباں سے نہ ملتے تھے، تو ہو نہ گرفتاری
آج اُس بت پرفن نے آکر بطرح داری
جُل دے کے ہمیں لب جھپ کی کچھ یہ فسوں کاری

[1] لاہا۔ فائدہ ۱۷۵
[2] ادا کا بجائے ادا سند لیا گیا ہے جلدی سے ۲ اشتعال

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

سمجھے تھے اُسے ہم تو محبوب یہ بھولا ہے
جو مکر ہے اور فن ہے ہرگز نہیں آیا ہے
یہ بات نہ سمجھے تھے جو سحر کا نقشا ہے
کیا کہیئے نظیر آگے یہ زور تماشا ہے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

(۵۰۱)

خمسہ دیگر

کہتا ہے تجھے کون کہ عاشق کو ستا سو
اور شمع نمط اس کے کلیجہ کو جلا سو
مدت سے رہا ہے تو مجھے غم سے رلا سو
جاتی ہے بہار عمر کی آنسوں ہی میں آسو
آسوارے آسوارے آسوارے آسو

گر ذبح مرے دل کو جو تو نے کہیں پھینکا
وہ خستہ جگر لوٹتا پھرتا ہے اہا ہا
کیا تجھ سے کہوں پیارے میں احوال اب اُسکا
بسمل سا تڑپتا ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا
شاید کہ گئی میرے نصیبوں سے قضا سو

مجھ کو تو نہیں چین ذرا یار و اب اُس بن
کاٹوں ہوں سدا رات بھی گھڑیوں کو میں گن گن
عیار کی گھاتوں سے کبھی رات کبھی دن
یوں چوری سے اُس پاس میں سوتا ہوں ولیکن
کافر نے کبھی آپ سے ہرگز نہ کہا سو

ہے اب تو ترے حسن کی آنکھوں میں لگی چاہ
اور آن پڑا در پہ ترے عشق کے ہمراہ
اے درد تو کاہے کو ہمیں پوچھے گا واللہ
یارو وینگے یا سووینگے یا جاگیں گے کر آہ
کیا تجھ کو پڑی ہے تو مری جان پڑا سو

غیروں کا اُسے خوف تھا اور کچھ اُسے وسواس
تو بھی وہ صنم میرے لیے جاگا کیا پاس

اب یار و بھلا آہ مری ٹوٹے نہ کیوں آس | میں چھپ کے رقیبوں سے گیا جس گھڑی اُس پاس

یہ دیکھیے قسمت کہ اُسی وقت گیا سو

گلشن میں کھلے پھول سحر ہونے کو آئی | تارے بھی چھپے چاند نے صورت بھی چھپائی

خورشید کی کرنیں بھی لگیں دینے دکھائی | ابتک بھی مرے پاس وہ بو اُسکی نہ لائی

شاید کہ کہیں آج گئی بادِ صبا سو

وعدہ تو سرِ شام سے آنے کا کیا تھا | اور رات ڈھلی آدھی تو اب بھی نہیں آیا

شاید کسی دشمن نے دیا کچھ اُسے بہکا | دشمن کی بھی تقصیر نہیں سچ ہوں میں کہتا

یارو مری تقدیر و نصیبا ہی گیا سو

اک عمر میں نکلا ہے مرے دل کا یہ ارماں | جو آج ہوا ہے تو مرا آن کے مہماں

باتوں ہی میں مت رات گذارے تو مری جاں | ٹک پیار سے سینہ سے لپٹ کر مری اس آں

اک پہر نہ سووے تو گھڑی بھر تو بھلا سو

جس تس سے وہ اقرار یونہیں کرتا ہے دلخواہ | اور رہتا نہیں پاس کسی ایک کے گمراہ

اس جھوٹے دغاباز کی کیا دیکھیے اب راہ | زنہار وہ عیار نہ آوے گا نظیر آہ

اب اس کے تو غم میں تو پڑا جاگیو یا سو

(۵۰۲)

دیگر

لگایا تھا دل ہم نے تم سے جو آہ | یہ جانا تھا تم کچھ کروگے نباہ

سو تم نے نہ دیکھا کبھی بھر نگاہ | زمانے میں کیا یوں ہی ہوتی ہے چاہ

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

کہا تھا کہ ہم رات آویں گے آہ
ٹک سرکو ہم رہ گئے دیکھ راہ
رہے ساتھ غیروں کے تا صبح گاہ
بڑے تم بھی ہو جھوٹوں کے بادشاہ

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

لیا پہلے الفت میں دل کو لگا
اگر تھی تمھارے یہ دل میں دغا
بلا کر پھر آخر کو غوطہ دیا
توکیوں ہم کو ناحق میں رسوا کیا

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

مزے غیر کو آہ اور ہم یہیں
تمھیں دیکھ کر ساتھ تک تک رہیں
خوشی ہو دیں اغیار ہم غم سہیں
غرض تم سے بس اور تو کیا کہیں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

رقیبوں کو ساتھ اپنے سے آیئے
یہی جی میں آتا ہے مر جایئے
ہنسا کر انھیں ہم کو رلوایئے
تمھیں آفریں ہے یونہیں چاہیے

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

ادھر کی طرف دیکھیے میری جاں
وہ قول اور اقرار اب ہیں کہاں
خدا کو دیا کس نے تھا درمیاں
بھری ہیں غرض تم میں سب خوبیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

تمھاری دغا کی یہ ہے داستاں
لکھے تو قلم کے ہیں آنسو رواں
کہوں تو نہیں چلتی منھ میں زباں
کروں کس طرح میں نظیر اب بیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

(۵۰۳)

خمسہ

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ — بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ — ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھتے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں — آئے ہیں یہی کرکے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں — مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں
ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ سجا ہے — اور اس پہ یہ طرہ جو زری کا بھی دھرا ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر[۱] کے بھرا ہے — پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قرباں ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا پہ نمودار — سنتے ہیں کہیں راگ کہیں ہو رہے ہیں سرشار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار — پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور کہیں غل — ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل — ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا ابھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے — جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے — ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

[۱] کیسر۔ زعفران

ٹک پیار کی نظروں سے مری جاں ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر رود تماشا
ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا
محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۵۰۴)

خمسہ

یوں دل سے اپنے نکلے ہے اب بار بار آہ
کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ
کیوں ہم سے آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شادکام
دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام
آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام
خالی رہا پر ایک ہمارا کنار آہ

کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم ادھر ادھر
لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر
ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو
کیا شاد ہو ملیں گے گلے سے ز ماہرو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو
تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ

اس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی
دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی

گرچہ اب بھی اس کی جور تعدی نہیں نئی | ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے | یعنی کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے | ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر | دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر | جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیرؔ
اس کے اپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۵۰۵)

خمسہ

دشنام دے تو آ نہ پھر اگر دعار کے | کی قدر کم تو پاس نہ پھٹکا وقار کے
سو یا کیا سلایا جو بستر پہ خار کے | کس کس طرح کے ناز اٹھائے ہیں یار کے
ہے حق بجانب اس دل حکم اختیار کے

رکھتے ہیں اپنے دل میں جو ہم ترکتاز عشق | اک عمر سے اٹھاتے ہیں خوش ہو کے ناز عشق
رہتا ہے بسکہ خانۂ خاطر میں راز عشق | تھے دل سے ہم بہ نسبت سوز و گداز عشق
مشتاق ایک بلبل زار و نزار کے

کتنے دنوں سے شکل جو اس کی نہ دیکھی تھی | رہتی تھی اس سبب سے بہت دل کو بے کلی
اک روز اس کے ملنے کو گلشن کی راہ لی | پوچھی جو باغباں سے خبر اس کے حال کی
اس نے کہے یہ حادثے اس دل فگار کے

تم جس کی پوچھتے ہو خبر سو وہ عندلیب
کس منھ سے اُس کا حال بیاں کیجے حبیب
دوری سے گُل کی پہونچی ہے سو مچ بے قریب
کیا جانے گریہ ہے کہ ہوئے کب وہ بے نصیب
جب رہ گئے تھے آنے میں دو دن بہار کے

جیسے گئے تھے ملنے کو ہم اُس کے شاد ماں
جب کہہ چکا تمام وہ احوال باغباں
غمگیں زیادہ اُس سے ہوئے سُن کے یہ بیاں
ناچار سر جھکا کے ہوئے واں سے ہم رواں
ہمراہ نالہ و مژہ اشکبار کے

تیغ الم سے اُس کے ہوا تھا جو دلفگار
افسوس کرتے جاتے تھے خاطر میں بار بار
جاتا رہا تھا جی سے سب آرام اور قرار
ناگاہ اک خرابے میں اپنا ہوا گذار
دو زخمی اُس جگہ تھے کسی روزگار کے

پرہول سخت بیم فزا کہنہ و خراب
گرد اُس کے خار بن وہ کہ جس کا نہ تھا حساب
بے سایگی و شدت گرمی آفتاب
ہوش و حواس دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
یکبار اُڑ گئے دل غفلت شعار کے

(۵۰۶)

خمسہ

چمن میں آج نسیم بہار آپہونچی
صدائے قمری و صورت ہزار آپہونچی
نوید نکہت گُل بے شمار آپہونچی
جنوں کی فوج کی دل پر پکار آپہونچی
ہزار شکر کہ فصل بہار آپہونچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے باد سموم
تمام صحن چمن میں عجب مچی ہے دھوم
گھٹائیں ابر بہاری کی چل رہی ہیں جھوم
اُدھر گلوں کے اوپر بلبلیں کریں ہیں ہجوم

ادھر سے مست صفت گلعذار آپہونچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے خوشاں ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب ساساماں
نکالتے ہیں نغمے مے کے دل کا سب ارماں ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شاں

شراب و شیشہ و ساغر کی بار آپہونچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختۂ گلزار چلے ہے سرد صبا اور نسیم عنبر بار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گل سے خوار گئی مصیبت روز فراق سب یکبار

کہ اب قریب شب وصل یار آپہونچی

کوئی ہے وصف کرے گل کی تاجداری کا کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا نہیں یہ وقت مری جاں آہ و زاری کا

خوشی ہو اب کہ حد انتظار آپہونچی

(٥٠٦)

خمسہ دیگر بطرز واسوخت

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

تو نے کیا کیا نہ کیا ظلم سے میرا حال تباہ دل لیا ہوش لیا صبر لیا سب اے واہ
لے ایکا دل تو نہ کی میری طرف تو نے نگاہ اب یہ رکھو یاد شگر کبھی تجھ سے واللہ

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

کون سنتا ہے تری بات تو کہتا ہی کسے اب جو تو چاہے مرے دل کے تئیں پیچ میں

اب تری شکل سے یاں تک میاں نفرت ہے مجھے
غیر کے پاؤں پڑوں جا کے ولیکن تجھ سے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تری ضد سے میاں دل کسی بدشکل کو دوں
اس کی کفشوں کے تئیں جھاڑ کے آنکھوں پہ رکھوں
وہ جو جھلاوے تو بیٹھوں اور اٹھاوے تو اٹھوں
تو جو منت سے بلاوے تو یہی تجھ سے کہوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور ہر یار کہ جس بزم میں پاؤں تجھ کو
اس نئے شوخ کو دکھلا کے جلاؤں تجھ کو
شمع کی طرح سے محفل میں جلاؤں تجھ کو
دیکھ کر اس کے تئیں اور سناؤں تجھ کو
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور تو جس طرف کو جا بیٹھے وہیں آ بیٹھوں
تو سہی رشک سے دل کو ترے پامال کروں
تجھ سے منھ پھیر لوں اور اس سے ہنسوں بولوں
جب اٹھوں واں سے تو ظالم یہی کہتا میں اٹھوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

میری نظروں سے تو اے یار یہاں تک ہے گرا
خواب میں تو جو مرے پاس کبھی ہے آتا
کہ تجھے دیکھتے ہی دل ہے مرا رک جاتا
تو مری روح وہاں تجھ کو یہی دے ہے سنا
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

مجھ کو باور نہیں گر لاکھ تو قسمیں کھاوے
اور جو لوگوں کے تئیں میرے لیے بھجواوے
اور خفا ہو کے بگڑنے کا تو خط دکھلاوے
حد تو یاں تک ہے اگر آپ تو لینے آوے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تجھے یار کبھی منھ نہ دکھاوے گا نظیرؔ
کوئی دن تیرے تئیں خوب جلاوے گا نظیرؔ
ہر جگہ ہر کہیں ہر طور ستاوے گا نظیرؔ
جو ملے گا تو یہی بات سناوے گا نظیرؔ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

(۵۰۸)

خمسہ دیگر

یوں تو اکثر ادھر آجاتے ہیں انسان کئی
چاک ہو جاتے ہیں ان سے گریبان کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حسن کے سامان کئی
دیر سے آج جو نکلے بت ذیشان کئی
لے گئے صبر کئی دل کئی ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو
میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اس حد کو
ایک شمہ تو یہ رونے کا مرے ہی سن لو
اتنا رویا ہوں کہ اب لخت جگر کے یارو
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سر دامان کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرت دیدار میں مر
سب تڑپتے تھے و دبیتاب زمیں کے اندر
آخرش ہو کے پریشاں ہمہ تن چشم و نظر
اب تو ٹک منھ کو دکھا یار کہ نرگس بنکر
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی

آوے گر باد صبا اُس کی گلی سے تو ملوں
سو تمنا ہے میں نقش قدم آغوش میں لوں
چشم حیرت زدہ لے کفش کے نعلوں سے ملوں
اُس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

مان کہنا مرا اے شوخ ہٹیلے چنچل
گو کہ اب ٹری و بلبل میں پڑی ہے ہلچل
منھ دکھانے میں غریبوں کے لیں اتنا نہ مچل
آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان
اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
دیکھ کہتا ہوں ستمگر مری اس عرض کو مان
پان کھا کھا کے نہ ہنس اسقدر اے دشمن جان

ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

جب سے اُس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات
بگنا ہوں گے سر اُدیر ہے نہایت آفات
نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات

ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کئی بیجان کئی

یہ وہ جاگہ ہے کہ اس جا ہیں تو بن کفن کے نہ آ
آہ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے برپا
اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آن کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا

ابھی سوئے ہیں ترے بے سر و سامان کئی

جب سے اُس خسرو خوباں نے کیا مجھ کو اسیر
کیونکر اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر
آج بھی ہے شاد مرا دل کہ ہے سو عیش پذیر
بادشاہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر

اُس شہ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

(۵۰۹)

موتی

رہیں ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
اِدھر جگنو اُدھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
جبیں پر موتی اور بیسر میں موتی مانگ پر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یار و سر بسر موتی

گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی اُس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
لپٹ کر دھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی بُندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ٹلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے میں کوئی بالی میں ہلتا ہے

یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے

لہ بیسر چھوٹی نتھنی جو بعض عورتیں بلاق کی جگہ پہنتی ہیں ۱۲ اشرف علی

ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے ۔ وہ کمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُس کے ہوتے ہیں پٹے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لبِ رنگیں کو برگِ گل سے کیا نسبت ۔ کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُدا ہٹ کچھ مسی کی، اور کچھ اُسیر پان کی نکہت ۔ وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
اُدھر لعل اور اُدھر نیلم، اِدھر مرجاں اُدھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے ۔ نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی، سرتا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے ۔ سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں ۔ چمن کے گل سب اُسکے وصف میں کیا کیا پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں ۔ فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ، اور کچھ تن وہ موتی سا ۔ پھر اُس پر موتیا کے ہار، بازو بند، اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا ۔ جو کہتا ہوں اجی ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی[لہ]

کڑے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں ۔ تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں ۔ کڑے سونے کے کیا موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ ۔ تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو، دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو ۔ وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے ۔ دیا ابر گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے

لہ موتی کسکی نام
کسی وقت خاص
کی طرف اشارہ
ہے بعض لوگوں
کا خیال ہے کہ
موتی نظیر کی
معشوقہ تھی ١٢
اشرف علی

بیاں ہو کس طرح سے آہ اُس عالم کو کیا کہیے ۔۔۔ تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہیں کیونکر پر پڑا دوں سے بوسوں کے نہ ہوں لینے ۔۔۔ جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وارئیے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہو اُلفت لگی رہنے ۔۔۔ نظیر اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۵۱۰)

پری کا سراپا

لہ ڈشٹ - ظالم - بد - بُرا
اشرف علی

خونریز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتال نگہ اور ڈشٹ[لہ] غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ[ن] ویسی ہی

ن گھلاوٹ

عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

بیدرد، ستمگر، بے پروا، بے کل، چنچل، چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی کچھ کالی سی کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

تھی خوب دوپٹہ کی سر پر سجاوٹ تمامی کی اُلٹی
بلدار لٹیں، تصویر جبیں، جکڑی مینڈھی، سجی کنگھی
دل لوٹ نہ جاوے اب کیونکر، اور دیکھ نہ نکلے کیونکر جی
وہ رات اندھیری بالوں سے، وہ مانگ چمکتی بجلی سی
زلفوں کی کھلت، پٹی کی جمت چھدٹیگی گندھاوٹ ویسی ہی

اُس کافر بینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھرے
اور گہرے چاہ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے
وہ ترے صاف ستارا سے اور موتی سے دامان بھرے
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں، بالے جان بھرے
بندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بالے کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرے پر حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے
ہنسنے کی ادا میں پھول جھڑے، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے
پاؤں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں[1] کی جماوٹ ویسی ہی

اُس سینے کا وہ چاک ستم اُس کرتی کا تزئیب[2] غضب
اُس قد کی زینت قہر بلا اُس کافر ہبے کا زیب غضب
اُن ڈبیوں کا آزار بُرا، اُن گیند دل کا آسیب غضب
وہ چھوٹی چھوٹی سخت کچیں، وہ کچے کچے سیب غضب
انگیا کی بھڑک، گوٹوں کی جھمک، بندوں کی کساوٹ ویسی ہی

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی لہ

[1] دھڑی مسی کی تہہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲
[2] تزئیب نی زمانہ ناز کرتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھلکے جوڑی باہوں کی

یہ دیکھ کے عالم عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگلیاں، پوریں وہ نازک نازک سی

مہندی کی رنگت، فندق کی نبت چھلّوں کی چھلاوٹ ویسی ہی

تقریر بیاں سے باہر ہے، وہ کافر حُسن اہا ہا ہا
کچھ آب نئی، کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی اٹھنے کا

نکیں جھبکیں ان باہوں کی یار دمیں آہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش رُبا، عاشق سے کھیلے بانک پٹا

پہونچی کی پہنچ پہونچے پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دیکھ جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑے[1] پایل، گھنگرو، کڑیاں چھڑیاں گجرے توڑے

ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے نیچے

کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل جی کی دشمن

مذکور کروں کیا اب یارو اُس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں کچھ پاؤں ہلیں پھڑکے بازو تھر کے سب تن

گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے

[1] کڑے پایل کڑیاں وغیرہ سب پاؤں کے زیوروں کے نام ہیں ۱۲ ... ادا کے ساتھ جسم میں جنبش ہونا۔ اشرف علی

یہ شوخی پھرتی بیتابی ایک آن کبھی بخلی نہ رہے
چنچل اچپل مٹکے چٹکے سرکھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے

قہقہہ کی ہنساوٹ اور غضب ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

کنی مارے چٹکی لے کے چھیڑے جھڑکے دیوے گالی ہو
ہر آن چہ خوش، ہر دم اچھا، ہر بات خوشی کی چہل بہری

نظروں میں صاف اُڑا لے دل، اس ڈھب کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوش پرے گر بات کہوں کچھ مطلب کی

رمزوں کے ضلعے غمزوں کی جگت ٹھٹھوں کی اُڑاوٹ ویسی ہی | دز قطع

قاتل ہر آن نئے عالم کا فسر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں

دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبن، ہر آن سجن، دم دم میں بدلے لاکھ سجیں

باہوں کی جھپک گھونگٹ کی ادا جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہی

جو اُس پر حسن کا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منھ سے دور کرے، خورشید کو چکر آ جاوے

جب ایسا حُسن بھبھوکا ہو دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو، دیکھ پری کو غش آوے

گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تصویر کا عالم نکھ سکھ[لہ] سے چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں پر اینٹھ رہی اور ہونٹھوں میں کچھ گالی سی

بیدردی سختی بہتیری اور مہر و محبت تھوڑی سی

لہ نک سک و نکھ سکھ۔ ناک نقشہ بقول مؤلف نور اللغات دہلی میں بجبر اول وضم ثالث اور لکھنؤ میں بجبر اول و سوم بولا جاتا ہو ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی بھالی بکی جیسی
باتوں کی رگاوٹ قہر ستم، نظروں کی ملاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا کچھ مغروری، کچھ شرم و حیا کچھ بانک پنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی کچھ کافر حسن رہا گدرا رہا
کچھ شور جوانی اٹھنی کا چڑھتا ہے امنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ ابھرا جوش بھرا، وہ عالم حسن کا جھوم رہا
شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ، سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہی

یہ کافر گتہ یکا عالم، گھبرائے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے
دل لوٹے تڑپے ہاتھ ملے اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حسن بھری، کٹ جائے صراحی دیکھ جسے
دائیں کی طرت، بائیں کی بھرت مونڈھوں کی کھچاوٹ ویسی ہی

جب ایسے حسن کا دریا ہو، کس طور نہ لہر دل میں بہیے
گر مہر و محبت ہو بہتر، اور جور و جفا ہو تو سہیے
دل لوٹ گیا ہے غش کھا کر، بس اور تو آگے کیا کہیے
مل جائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے
بوسوں کی جھپک بغلوں کی لپک سینوں کی ملاوٹ ویسی ہی

---

(۵۱۱)

خواب کا طلسم

یارو، ذرا اُسنو یہ عجب سیر ہے بڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم گھڑی گھڑی
صحن چمن میں ابر کی آکر لگی جھڑی
کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا
جب اُس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا
دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا
دیکھوں تو اُس کا ہے درِ دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اُس چمن زرفشاں میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائباں میں
چھجے مکاں جو اُس کے مرے آن آن میں
کیا دیکھتا ہوں جاکے میں ہر اک مکاں میں
سونے کی کھان ہے کہ یہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
طاق و رواق اُس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سپاہ

مہندی سے انگلیوں نے کیے خون بے گناہ   آنکھوں میں کھپ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشکناب سی، چہرہ وہ چاند سا   جگنوں رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا   جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھے تھی اُس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں   شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے دانت ہیں   دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں عشق میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا   تصویر بن رہی تھی لگا سر سے تا بپا
اُس دم بندھی تھی اُس کے غضب آن کر ہوا   اکڑ کر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ، اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو وہ ال پری میں نے طلسمات کی ہوا   عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اُس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں میں کیا   چمکا جو وہ مکان مری آنکھوں میں نور سا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکان تو میں نے نہ دیکھا تھا نہ سُنا   دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اُٹھا   اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اُٹھ گیا
بجلی سے کچھ چمک گئی آنکھوں میں اُس گھڑی

آ کر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ   لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ   کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اتنے میں پھرتی اُس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اُس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں   بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں

لے ہربڑی۔ بلبل ۱۲ اشرف علی

میری طرف کو دوڑ کے آئی تھی، ناگہاں
میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

مارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب
اُلفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشکِ ماہتاب
اک بار کھلکھلا کے ہنسی اور از شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آ کر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے
دے خواب کو دُعا کہ نہ پاتا تو دن مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں ہی مجھے
ہنس کر لپٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اُس گلبدن سے جب کہ ملی آ کے مجھ کو داد
مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد
میری تو اُس پری سے یہی عین تھی مُراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک پھلجھڑی
(نہ گل جھڑی)

پالا پڑا جو مجھ کو اُس آبِ حیات سے
جان آ گئی بدن میں مرے اُس کی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے
دو چار جام مجھ کو پلا اپنے ہات سے
سو ناز سے پلنگ پہ مرے پاس آ پڑی

آنے سے اُس کے دل کا مرے کھل گیا چمن
عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی بھرن[۱]
نازک کمر وہ صاف شکم، اور وہ نرم تن
لگ مل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میرے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اُس کو لگایا جو ہیں گلے
سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے درے[۲]
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے
سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
اُٹھنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی
(از لطف)

ادھر تو جوشِ عشق، اُدھر حسن اور جنوں
ناز و ادا کی آ کے لگی ہونے ڈھپ[۳] دھوں

۱؎ بھرن۔ موسلا دھار بارش
۲؎ درے۔ دروازے ۱۲
۳؎ دھپ دھوں۔ لپاڈگی ماربیٹ ۱۲
اشرف علی لکھنوی

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں — چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بیک — آنکھوں سے میرے اس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک — جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کالی گھڑی گھڑی

---

(۵۱۲)

دیگر

چلا جب گھر سے اک دلبر دلوں کو حسن سے چھلنے — عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے
لکھے تصویر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے — لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

وہ گھڑے کی چھب اک آئینہ جس کو دیکھ ہو حیراں — وہ کاکل کی کھلت جس پر فدا ہو سنبل و ریحاں
مسی اور پان سے بھی منفعل ہوں لالۂ نافرماں[له] — مرا دل دیکھتے ہی اُس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دمبدم سو عیش و عشرت سے لگیں ملنے

کئی بار اُس کی جانب میں نے جب بھر کر نظر دیکھا — وہ عالم حسن کا اُس کے بہت مجھ کو پسند آیا
وہ پیاری پیاری آنکھیں اور وہ بھولا بھولا رُخ اُسکا — کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی، کبھی بولا ا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اُس وقت نظارے کی اٹکل نے

ہوئی دل کو مرے اُس آن حاصل کیا ہی خوش وقتی — اُسے بھولا سمجھ کر میں نے دیکھی ہر ادا اُس کی

له لالۂ نافرمان ایک قسم کا لالہ یا صرف نافرمان بھی کہتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کبھی رُخ پر کبھی زلفوں کی جانب ٹکٹکی باندھی
نہ بولا منھ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری
مگر کچھ کچھ تبسم کے شکر لب سے لگا ملنے

وہ جس دم مسکرایا پھر تو میں خوش ہو کے کھل کھیلا
ہوا دل کو یقیں میرے کہ یہ محبوب ہے بھولا
نہ یاں کچھ خوف تیوری کا نہ یاں خطرہ ہے جھڑکی کا
مجھے کر چل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشا
کیا اک بار منھ غصے سے سرخ عیار اچپل نے

مرے ہوش اُڑ گئے یارو جب اُسکی شکل یہ دیکھی
وہیں گھبرا گیا اور سٹ پٹایا عقل سب بھولی
کہا دل میں کروں اب کیا سمجھ تو ہو گئی اُلٹی
اب اُس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اُٹھا کر جھپ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنا

جب اُس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا
کہا ہنس کر ارے پُرفن کہاں تو جانے پاوے گا
یہ سُن کر اور بھی گھبرا گیا میں خوف سے اُس جا
چلا ڈرتا جو آگے کو، تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اُڑا کر مفت نظارے بچا تم اب لگے ٹلنے

کہا جب اُس نے یہ پھر تو حواس اپنے مجھے بھولے
ٹھٹھک کر رہ گیا اُس جا نہ ہرگز چل سکا آگے
دکھائی عاجزی منت بھی کی اور ہاتھ بھی جوڑے
ادب سے یوں کہا، اب تو ہوئی تقصیر مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے

نہ آیا رحم کچھ اُس کو بہت میں نے سماجت کی
نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی
کمندِ زلفِ پُرخم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
اُدھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا اینٹھی، کرشموں نے اُدھر گھیرا
اُدھر پلکوں کی نوکوں نے چبھویا دل میں نشتر سا
ادھر انداز نے دھج کی کیا ہوا نہ وشیدا
اُدھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

کرے کیا واں کوئی جس جا یہ صورت آن کر ٹھہرے
بچا وے دل کو پھر کیونکر کرے کیا، اور کیسے رو کے

۱؎ کھل کھیلنا جو جی میں آئے کہہ گزرنا یا کر گزرنا
۲؎ اچپل - چلبلا - شوخ - اشرف علی

کہوں کیا اُس گھڑی کچھ بن نہ آیا دوستو مجھ سے ۔ دکھا کر مجھ کو اپنے واں ربروتی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اُس شوخ چنچل نے

(۵۱۳)

خواب عشرت

کل دیکھا خواب عجب ہم نے اک چنچل شوخ پری جھٹ سے
اک بار گلے سے آلپٹی اور لیٹ پلنگ پر جھٹ پٹ سے
سینے سے سینہ لگتے ہی دل جوش میں آیا جھٹ پٹ سے
کچھ اور ارادہ تھا دل میں، کمبخت کسی کی آہٹ سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

تھا اور مکاں اک خلوت کا، اور عیش کی چیزیں تھیں دو سے
ہو مست نشوں میں آلپٹی دل کھول خوشی سے پی کر مے
ہمت پھیری ہوئی جب مستی میں ایستادہ ہوئی جب وہ بھی تے
کیا عیش ملا تھا قسمت سے لک بار وہیں اس میں اسے ہے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس شوخ پری کے جوبن کا اک باغ کھلا تھا، کیا کہیے
اور سُرخ بدن میں جوڑا تھا اور عطر لگا تھا، کیا کہیے
دیکھ اُس کا سینہ حسن بھرا کیا جوش اُٹھا تھا کیا کہیے

سب دل کی دل کے بیچ رہی، کیا عیش مزا تھا کیا کہیے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اک سرخ پلنگ تھا نازک سا، اور اس پر سوتی پیاری
جب نیچے اوپر ہو لیٹے، کیا عیش ہوئے بھاری بھاری
جس وقت وہ نوبت آ پہونچی چھٹ جائے...... کی پچکاری
اتنے میں چھٹتے چھٹتے ہی یہ آن پڑی سر پر خواری
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جو عیش مزے کی خواہش تھی موجود ہوئی تھی آکر سب
باہوں سے باہیں، منھ سے منھ چھاتی سے چھاتی لب سے لب
جس بات کی ساری لذت ہے، اُس بات کی آکر ٹھہری جب
اور عیش طرب کے ہوتے ہی کیا قہر ہوا یہ، ہائے غضب
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جس وقت پلنگ پر پہلو میں وہ چنچل اچپل جان پڑی
اُس جان صنم کے آتے ہی اس سست بدن میں جان پڑی
گھٹنوں سے گھٹنے جا لپٹے، اور ران کے اوپر ران پڑی
. . . بھی ہونے نہیں پایا، جو ہائے یہ آفت آن پڑی
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

یہ تار بندھا تھا عشرت کا، جو عیش پڑا لہراتا ہے
اور وقت . . . کے چھٹنے کا آیا تو نہیں، پر آتا ہے
اتنے میں مری پشتیبان نرسنگا آن بجاتا ہے
کیا قہر ہوا ہے کیا کہیے، اس بات پہ رونا آتا ہے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا عیش و طرب کی ٹھہری ہے، اور نیچے اوپر آتے ہے
سب چودہ اُچکے سے بچ کر جا ہونچا مال ٹھکانے سے
جی ڈوب رہا تھا لذت میں اس عشرت عیش اُڑانے سے
اک بلّی اس میں چیخ پڑی، اُس خندی کے چلّانے سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس وقت نشے کی لذت میں آ لپٹ ہوئی تھی اس گوں سے
کچھ تیز رنگ کے چلتے تھے کچھ تیغ اُگلتی تھی بھوں سے
لگتے تھے ڈنکے عشرت کے، اور عیش کے بجتے تھے دھونسے
اک کُتا اس میں بھونک اُٹھا، اس وقت اُسی کی بھوں بھوں سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا دھوم مچی تھی عشرت کی، اور عیش اُبلتے تھے بہ بہ
وہ ہم سے دوڑ لپٹتی تھی، ہم اُس سے لپٹتے تھے رہ رہ
کیا سخت مصیبت آن پڑی، اس عیش کے عالم میں وہ وہ
کمبخت گدھا اک رینک اُٹھا یکبارگی ڈھیچو ڈھیچو، کہہ
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جب ہوگی صبح تو، اے یارو، میں کیا کیا ہاتھ اُتاروں گا
اس کُتے بلی کے پتھر، اور لٹھ گدھے کے ماروں گا
نرسنگے والے کو بھی اب خوب سا میں للکاروں گا
یہ بات نظیر، اس عشرت کی میں کیونکر ہائے بساردوں گا[1]
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

[1] بساردوں گا: بیان کروں گا — اشرف علی

۵۱۴

دیگر

ہے دید فقط منظور جنھیں، وہ ہو کر جب بیکل نکلے — آ پہونچے اُسکے کوچے میں جو لیکر دل چنچل نکلے
کیا کام انھیں جو منہس بوسے لے یا شوخی میں چہل نکلے — ہے مقصد جنکے دیکھنے سے وہ گھر سے جب اک پل نکلے

ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ پوچھا اُن سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی — نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہرا یوں ہی سہی،
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی — جب شکوہ ہو گئے چنچل سے سب چھوڑ ہوس یہ بات رہی

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بیچین ہوا دل سینے میں گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی — گھبرا کے نکلے بے بس ہو، اور شوق کی گھیرا گھیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیرا پھیر ہوئی — تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی جس جا گہ رہ مٹ بھیڑ ہوئی[1]

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی، نہ منت زلف کھلانے کی — نہ غرض کسی کے ملنے کی، نہ محبت پان چبانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جو شمع سے ہو پروانے کی — جس جاگہ رہ مٹ بھیڑ ہوئی ہے طرز یہی مل جانے کی

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہیں کل پڑتی ہے ہر آن کی جھپک لانے میں — نہ دخل جھڑکی کھانے میں، نہ قائل ناز اُٹھانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی کچھ دل کا حال جتانے میں — بس ایک غرض ہم رکھتے ہیں، یہ اس ٹک آ جانے میں

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اسکا نا نکھرا، اور آن ادا ابھی باقی ہے — سر پاؤں سے لے اُس چنچل پر، سو زینت اور زیبائی ہے

[1] لہ مٹھ بھیڑ۔ مٹھ بھیڑ۔ مڈ بھیڑ۔ منڈ بھیڑ۔ سب کے آخر میں (ڑ) ثقیلہ ہے۔ مگر یہاں چونکہ یہ قافیہ واقع ہوا ہے لہذا (ر) ہی سے پڑھنا پڑے گا ۱۲۔ اشرف علی

جب گھر سے وہ دلبر نکلے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے
ہم کو تو نظیر اس اُلفت میں اب طرز یہی بن آئی ہے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

۵١۵

دیگر

دکھلا کے جھمک جس کو ٹک چاہ لگا دیجے
پھر اُس کو بہت اے جان بالا نہ بتا دیجے
سو ناز اگر کیجے اُلفت بھی جتا دیجے
منظر کے ذرا در کو آگے سے ہٹا دیجے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دیکھی ہے تمہارے جو چہرے کی جھمک اے جاں
دل سینے میں تڑپے ہے جو دیکھے پھر اک آن
ہے ہم کو بہت مشکل، اور تم کو بہت آساں
ہے عرض یہی اب تو اے بادشہ خوباں
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپتے ہو عیاں ہو کر ہو تم اگر اس ڈھب کے
عاشق بھی تو شیدا ہیں چاہت ہی کے مطلب کے
دیدار کی خواہش میں ہم یاں ہیں کھڑے کب کے
جس ڈھب سے دکھایا تھا ویسی ہی طرح اب کے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آنکھیں بھی ترستی ہیں اور دل بھی بہت حیراں
کل پڑتی نہیں اک دم بن دیکھے ہوئے اے جاں
گر حسن دکھا ہم کو بے تاب کیا ہے یاں
تو پھر سے ٹک ہنس کر اے رشک مہ تاباں
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آئی ہے نظر ہم کو جب سے وہ طرحداری
ٹھہری ہے اُسی دن سے خاطر میں طلبگاری
ٹک لیتے تمہیں ہم تو جو ہوتی نہ ناچاری
گر ہم کو جلانا ہے تو کر کے مزہ داری

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپنے کی اگر تم نے یاں آن سنواری ہے ۔۔۔ تو بس نہیں کچھ اپنا مرضی یہ تمھاری ہے
بن دیکھے ہوئے ہم کو ہر سانس کٹاری ہے ۔۔۔ کچھ اور نہیں خواہش یہ عرض ہماری ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دل ہجر محبت میں ہر آن جو بہتا ہے ۔۔۔ اک آن تمھیں دیکھیں ارمان یہ رہتا ہے
جی ہو کے بہت بے بس دکھ دوری کے سہتا ہے ۔۔۔ بیکل ہے نظیر اب تو اے جان یہی کہتا ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

(۵۱۶)

دیگر

جس دن سے ادا اچھی کو اس بت کی لگی پیاری ۔۔۔ اور کھب گئی آنکھوں میں چنچل کی طرح داری
دل پھنس گیا زلفوں میں اس شوخ کی اک باری ۔۔۔ دیوانگی آپہنچی، جاتی رہی ہشیاری
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

ملتا ہوں جو ٹک جا کر تو مجھ سے وہ لڑتا ہے ۔۔۔ کچھ بات جو کہتا ہوں جھنجھلا کے جھگڑتا ہے
گردن کو پکڑ میری سر کو بھی رگڑتا ہے ۔۔۔ جو جو وہ دکھاتا ہے سب دیکھنا پڑتا ہے
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

اک چاہ کے دریا میں دن رات میں بہتا ہوں ۔۔۔ غوطہ بھی جو کھاتا ہوں تو کچھ نہیں کہتا ہوں
ہر دم کے ستم اس کے میں کھینچتا رہتا ہوں ۔۔۔ جو ظلم وہ کرتا ہے، ناچار میں سہتا ہوں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

صورت جو کبھی اُس کی ٹک دیکھنے جاتا ہوں
تیوری وہ چڑھاتا ہے، میں خوف میں آتا ہوں
جھڑکے ہے خفا ہو کر جب چال دکھاتا ہوں
وہ گالیاں دیتا ہے، میں سر کو جھکاتا ہوں
کیا کیجے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

دل دے کے مجھے یار و دکھ درد ہوا لاہا
پلکوں نے ستمگر کی اب دل کو مرے راہا
روتا ہوں تو کہتا ہے، کیوں تو نے مجھے چاہا
جتنا وہ ستاتا ہے، کہتا ہوں اہا ہا ہا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

کہتا ہے تجھے میں تو ہر آن کڑھاؤں گا
کچلوں گا ترے دل کو، اور جی کو جلاؤں گا
کوچے سے نکالوں گا، ہر وقت ستاؤں گا
میں اُس سے یہ کہتا ہوں، جی سب یہ اُٹھاؤں گا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تقصیر نہ ہووے گی کچھ خدمت سامی میں
ہو گا وہی آوے گا جو رائے گرامی میں
آنے کی نہیں خاطر ہرگز مری خامی میں
حاضر ہے نظیر اے جان اس وقت غلامی میں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

❊❊❊

تمام شد مخمّسات

مسدّسات عاشقانہ نظیر

(۵۱۷)

جدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جُدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا
دلے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اُٹھے ہے دل سے آہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ
جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہمراہ
یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

مجھے نہ کیونکہ مرے دل میں داد اور بیداد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہی شاد
کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہو گئے برباد
بھلا میں کس سے اب اس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں
گلی میں اُس کی کبھی جا کے سر ٹپکتا ہوں
نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ تن سے جان نکلتی ہے اب جو صبر آوے
نہ موت آوے، نہ یار آ کے منہ کو دکھلاوے
نہ دل میں زور ہے جو تاب صبر کی لاوے
یہ حال ہو تو کوئی، آہ پھر کدھر جاوے

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غمناک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک
جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
پہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہے، قہر ہے، یار د، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھکو دیکھ رہتے ہیں
تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں

غضب ہے، قہر ہے، یار د، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گزار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر ہر اک میخوار
تو دیکھ مجھ کو پریشاں، خراب و خستہ و خوار
جگر سے کھینچے ہے آہ! اور یہی کہے ہے پکار

غضب ہے، قہر ہے، یار د، ستم جدائی کا

خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا — تو واں بھی، ہائے، ذرا دل نہیں ہے ٹھہراتا
جدھر کو جاؤں اُدھر غم جگر کو ہے کھاتا — عجب خرابی ہے، کچھ ہائے بن نہیں آتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشقِ محروم — میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہے مغموم
مچی جو مجھ پہ بھی آ کر فراق کی یہ دھوم — وہ اُس کا درد سمجھے، ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دکھ پڑا ایسا؟ — کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اسقدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سُنا — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند منہ دکھاتی ہے — جو دن پیے ہے لہو، رات مجھکو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے — کلیجا ٹوٹے ہے، اور چھاتی اُمڈی جاتی ہے

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ سُدھ وہ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر — نہ یاد باغ کی ہے، اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر — نہ ہوش دل کا ہے، نہ مجھکو تن بدن کی خبر

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ، مت پوچھو
ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ! مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلادے غم جدائی کا

جدائی ہائے محبت کی کیا بُری ہے شے
نظیرِ ہجر کے اب غم کو رو دیئے تا کے
کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مَے
بہت بُرا ہے یہ عاشق کے حق میں دکھ ہے ہے!

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلادے غم جدائی کا

۵۱۸

مجبوری محبت

اس شوخ کے ستم کا گلہ، آہ، کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحرگاہ، کیا کروں؟
تن سوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ، کیا کروں؟
ملتا نہیں ہے تو بھی وہ گمراہ، کیا کروں؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

جس دل سے اس سے آن کے پھوٹا مرا نصیب[1]
ہوں جاں کنی میں، تو بھی نہیں جاگتا نصیب
دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں، یا نصیب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

[1] اس سے نصیب پھوٹا یعنی اس سے پالا پڑا ۱۲

ایدھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام
اُودھر کو آ رہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اب یار کو مناؤں، کہ رکھوں اجل کو تھام
اس کشمکش میں اب کہو کیا کروں میں کام؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں؟

گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا
اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ بُرا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ لگا
اس دو گھڑی میں آہ میں کیا کیا کروں بھلا؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب
پل مارنے کی دیر ہے، پانی کا جوں حباب
کیونکر بہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب
اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا
تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا
ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ، اب میں کیا

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر
یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر
اس بیکسی میں آہ کہاں ٹیکوں اپنا سر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

نہ آہ کا مکاں ہے نہ رونے کی اب ہے جائے
نہ دل کو میرے صبر، نہ دلدار منھ لگائے

گر ایک غم پڑے تو مرا جی اُسے اُٹھائے   اس آسماں پھٹے کو کہوں کس سے اب میں ہائے

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر یار کی گلی میں رہوں جا کے بے قرار   تو سختیوں سے مجھ کو اُٹھاتا ہے بار بار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار   اس دردِ غم کو آہ میں کس سے کہوں پُکار

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

روؤں تو مجھ کو اور رُلاتا ہے وہ حبیب   بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال جیب
گر غم دیکھتا ہوں تو آ پہونچی عنقریب   اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں، یا نصیب!

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر   تو دور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
نہ مجھ کو قتل کرتا ہے ظالم، نہ دستگیر   کیا بیطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

(٥١٩)

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک ظالم کہیں   جی ترستا ہے کہیں، اور چشم ہے پُرنم کہیں
ہم پہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پر کم کہیں   نہ تسلّی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نذیر

تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب
نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہی خواب
کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دلِ بیمار سے
رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمھاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ
دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
کیا غضب ہے، کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و اُلفت، نہ کسی سے پیار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے، جی ادھر بیمار ہے
نہ کوئی اپنا رفیق، اور نہ کوئی غمخوار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹّی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں ؎

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحرا میں، نہ بن میں دل لگے
نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اُڑ کر تمھارے پاس جو آجایئے
چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلایئے
جی ہی جی میں کب تک خون جگر کو کھایئے
دل سمجھتا ہی نہیں کیونکر اسے سمجھایئے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

دم بدم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بیدل کی طرح
سر ٹپکنا اور تڑپنا رات دن دل کی طرح
نالہ و فریاد ہے ہر آن گھائل کی طرح
خاک خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ
ہے جو ظلم و ستم ہم پر کہیں کیا تم سے، آہ!
ہر گھڑی مثل نظیرؔ اس غم سے ہے حالت تباہ
بن موئے اب تو نظر آتا نہیں ہرگز نباہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۵۲۰)

التماس اخلاص

اپنے غمخواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے
کچھ کہاں ہے دلبری یہ آن ہنس لے بول لے
دردمندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
دم غنیمت ہے ارے نادان ہنس لے بول لے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار — چاہنے والے سے کرے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت گن اعتبار — کاٹھ کی ہانڈی[1] نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو سنجو گل ہے پیارے پھر جو عنفوان آکھ[2] ہے — آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا سا آکھ[3] ہے
جو اٹھا شعلہ بھبھوکا آخرش کو راکھ ہے — چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ[4] ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جان اپنے جوبن پر گماں — یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس ہاں
جب گریں دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھریاں — پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اٹھکیلیاں[5] کہاں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آہ تو ہم کو بتا — جس کی خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے یاد رکھ اے دلربا — ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جوبن جب گیا

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حال دل خوبی تجھے کہتی نہیں — یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
آہ کھیتی حسن کافر کی ہری رہتی نہیں — ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوبرویاں ہو گئے ہیں میری جان — اپنے غمخواروں سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں

[1] کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی ضرب المثل ہے ۱۲
[2] آکھ ... مدار کے درخت کا نام ہے
[3] سوکھا سا آکھ یعنی خشک ۱۲
[4] یعنی جوانی ... چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ۱۲
[5] اٹھکیلیاں یعنی شوخیاں ۱۲ اثر دہ علی حقی عنہ

توجو روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نامہرباں
دیکھ پچھتا دے گا غافل حُسن پر مت کر گماں

ماں سے کہنا مرا اے جانِ ہنس بے بول سے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس بے بول سے

حسن کا عالم مگر ہر گھڑی ملتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب جھیلتا نہیں
گل بھی کھل کر ایک باری جان پھر کھلتا نہیں
دودھ اور روں جب پھٹا پیارے، پھیر ملتا نہیں

ماں سے کہنا مرا اے جانِ ہنس بے بول سے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس بے بول سے

آج تو عاشق کا سر ہے جان تیرا پاؤں ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے ناؤں[2] ہے
منتیں ہوتی ہیں اور تیری نہیں کچھ بھاؤں ہے
بھول مت اس پر میاں، یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے[1]

ماں سے کہنا مرا اے جانِ ہنس بے بول سے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس بے بول سے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب گھبرائینگے
بات کو ہنس کے کوئی دے دے جھڑکیاں ترسائینگے
لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائینگے
پانڈے جی پچھتائینگے، نہ ہی چنے کی کھائینگے

ماں سے کہنا مرا اے جانِ ہنس بے بول سے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس بے بول سے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پہ یہ دن رہے
نہ کسی کا حسن رہے، اور نہ سدا جوبن رہے
چاند سے مکھڑے رہے اور گل سے انگے تن رہے
نہ سدا پھوٹے ترئی، اور نہ سدا ساون رہے[3]

ماں سے کہنا مرا اے جانِ ہنس بے بول سے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس بے بول سے

اب تو پھر سے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک
لیک جب جاتی رہے گی یہ جھمک اور یہ چمک
خواہ تو ہنس بول ہم سے خواہ غصہ ہو جھڑک
پھر جو بولے گا تو ہر ایک یوں کہے گا چل نہ بک

---

[1] یعنی تیرے جادو یہ نہیں ۱۲
[2] متقدمین نام کے بجائے ناؤں بھی لکھتے تھے ۱۲
[3] یعنی ہمیشہ ایک سے دن نہیں رہتے ۱۲ اشرف علی لکھنوی

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس کے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس کے بول لے

اب نظیر آگے ترے رہتا ہے حاضر صبح و شام
پھر کہاں یہ دلبری، یہ عیش کی باتیں، کلام
پیارے ہنس بول پیارے پی لے الفت کا جام
کچھ نہ رہوے گا، رہے گا آخر اللہ کا نام

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس کے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس کے بول لے

(۵۸۱)

اشتیاق دیدار

کیا تاب ہے جو گل رخ نظریں چھپائے ہم سے
ہم وہ میاں ہیں، اللہ پالا نہ ڈالے ہم سے
کچھ ہو، یہ دو نگاہیں ہنس کر ملائے ہم سے
رہتے ہیں ہاتھ باندھے اب حسن والے ہم سے

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اس حسن کا پڑا ہے کانوں میں جب سے جھٹکا
دیدار کی طلب کو پیالا بنا نین کا
ہو کر فقیر ہم نے جامہ رنگا ہے تن کا
سیلی پہن کے تاگا، منکا پھرا کے من کا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اپنی تو عشق ہی میں گزری جوانی پیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری
یا کاکلوں کے پھندے، یا زلف کی اسیری
تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپائے ہم سے

سن جو جھٹکا [illegible] شاید
ہمنے جھٹکا [illegible] گیا
ہے ۱۱ [illegible] تین
آنکھیں ۱۲ —
اشرف علی لکھنوی

ٹک ہنس کے اوپری رد آنکھیں لڑالے ہم سے

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل بھی سنواری
زنار باندھی، قشقہ کھینچا ہے ہو بجاری
آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپری رد آنکھیں لڑالے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا
بانک و بنّوٹ، بلّم، گدکا و لٹھ پھرایا
شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
جھمگا تمھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرد، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچا بٹے کا پالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا، اٹکا رو الا
اس حال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرد، آنکھیں لڑالے ہم سے

شطرنج میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا
تصویر میں بچپنا بھی کتنے دنوں بچایا رہا
کتنے پری رخوں کو جا پیرتے ہیں مارا
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرد، آنکھیں لڑالے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا
سو گل بدن کے تن کو من مانتا مروڑا
اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آ گئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرد، آنکھیں لڑالے ہم سے

لہ مندیل پٹکا زری عمامہ ۱۲
تک بچا رہا یہاں اختیار کیے کے معنی میں ہے نہ دوسرے مصرع میں پایا ہیں الف زائد ہے جو نئی زبان اردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲ اشرف علی

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اُڑائے — کنکوے[1]، چنگ، گڈی، تکلیں، پتنگ بنائے

گھٹ والے بن ہزاروں چھاپے تاک لگائے — ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے ادھر دیکھ، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے، اور گنڈ میں بھی پالیں — جنگل میں گل لگائی، اور پدڑیاں سنبھالیں

ڈبیوں میں ڈال مکھی بل کریاں بنالیں — کیا کیا نہ ہم نے پیارے پھر پھد[2] کیاں نچالیں

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے ادھر دیکھ، آنکھیں لڑالے ہم سے

اس شہر میں ہزاروں گو خوبرو بتاں ہیں — لیکن بتاؤ کس کی یہ پیاری انکھڑیاں ہیں

کس میں یہ اچپلاہٹ، کس میں یہ شوخیاں ہیں — انداز کرے دل میں تجھ میں جو خوبیاں ہیں

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، ادھر دیکھ، آنکھیں لڑالے ہم سے

خیر آدی ہو کے ہم نے لٹو چکئی[3] بنائے — اُس میں بھی کتنے لڑکے خرادیر چڑھائے

پھر ہو کے سرمہ والے، سرمہ بہت لگائے — ریچھوں تلک لڑائے، بندر تلک نچائے

اک دم کو آ گئے ہیں منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے ادھر دیکھ، آنکھیں لڑالے ہم سے

اب تو نظیر تیرا ہے مہمان، پیارے — آ کر گلے لپٹ جا، اے مہربان پیارے

بوسے کئی دلادے ہونٹوں سے جان، پیارے — تیرے ہی دیکھنے کا رکھ دل میں دھیان پیارے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، ادھر دیکھ آنکھیں لڑالے ہم سے

---

[1] یہ سب کنکوے کی قسموں کے نام ہیں ١٢
[2] پھد کی ایک چھوٹے پرند کا نام ١٢
[3] چکئی ایک گول تراشی ہوئی لکڑی جو بیچ سے خالی ہوتی ہے اور جس میں تاگا باندھ کر بچے دور پھینکتے ہیں اور ہاتھ کے اشارہ سے وہ پھر تاگے کو درمیان میں لپیٹتی چلی آتی ہے ١٢ اشرف علی لکھنوی

وصل و فراق

گاہے بخندہ لب شکر آمیز می کنی
ہر ناز دل فریب و دل آویز می کنی

گاہے بہ عشوہ غمزۂ خونریز می کنی
القصہ ہر ادا ستم انگیز می کنی

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز می کنی

پہلے لگائی دل کو مرے تو نے اپنی چاہ
سمجھے ترا فریب ہم، اے شوخ کج کلاہ

جب لگ چلے ہم "آہ" تو لی تو نے اپنی راہ
اچھی یہ رسم تو نے نکالی ہے، واہ واہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اوّل دکھا کے دور سے وہ حسن مہر سوز
ہم دیکھتے ہی رہ گئے آشفتہ تیرہ روز

پھر چھپ گیا تو دل میں لگا تیر سینہ دوز
سوچا جو ہم نے خوب تو اے شمع دل فروز

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

روویں نہ تیرے ہاتھ سے ہم کیونکہ زار زار
اب ہم تو بے قرار ہیں اور تو خوشی ہزار

دلدار بن کے تو نے کیا ہم کو دل فگار
کیونکر نہ ہو خوشی کہ ترا ہے یہی شعار

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا
اپنا بڑھا یا حسن، کیا ہم کو مبتلا

جب ہم نے کی نگہ، تو لیا پردے میں چھپا
صد آفریں ہے، اے مرے عیارہ لقا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب
جب پھنس گئے ہم، آہ، تو جھٹکا دیا شتاب
اب فطرتوں کا تیری، غرض، ہے یہی جواب

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

مکر و فریب تو جو کرے ہے نیا نیا
وہ سب نظیر جانے ہے اے شوخ دلربا
تیری جو شوخیوں سے وہ آگاہ بیک تھا
سعدی بھی یہ بیت گلستاں میں لکھ گیا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

(۵۲۳)

رضا جوئی

گر تجھ میں، اے پری، وفا یا مہر یا جفا ہے
یا راستی کا ملنا یا سر بسر دغا ہے
کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے
ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد کیا ہے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے، تو دل کی آبادیاں بھی کر لے
جور و ستم کی اپنے اُستادیاں بھی کر لے
بیداد ہے تو، ظالم بیدادیاں[لہ] بھی کر لے
جلّاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

لہ بیداد کی بجائے بیدادی گو شروع دور میں اردو میں صحیح ہو۔ مگر متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اُٹھا دے
ہم سب طرح سے خوش ہیں، رکھ یا ہوا بتا دے
عاشق ہیں ہم زقلندر[1]، چاہے جہاں بٹھا دے
یا عرش پر چڑھا دے، یا خاک میں ملا دے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

گر ٹھہرے بلا دے، تو خوب جانتے ہیں
اور جو رسے ڈبا دے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور اُس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑاکے
یاں مطلبوں کے ہم پر، اور غیر پر کڑاکے
اب غیر پر کرم ہے، اور ہم پہ ہیں جھڑاکے
ہم سب طرح خوشی ہیں سُنتا ہے اور لڑاکے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیارے
یا تیغ کھینچ ظالم، ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے
اب تو نظیرؔ عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

(۵۲۴)

دید بازی

پھبتا ہے اُس کو یارو، دم عاشقی کا بھرنا
ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا[2]
جس گھاٹ حسن اُترے اُس گھاٹ ہی اُترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اُس ڈھب ہی کر گزرنا

[1] زقلندر - بڑے قلندر ۱۲
[2] گل کترنا، عجیب کام کرنا۔ اب یہی محاورہ ہے لیکن ممکن ہے کہ زمانہ قدیم میں گل پھول کترنا محاورہ ہو ۱۲ شرف بھی

سو کر دفن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن بھاری شہ زور یا جبّاڑا[۱] — تو پہلوان بن کر کھودا وہیں اکھاڑا
ڈنڈ پیل، بھان مگدر، لیزم سے خم کو جھاڑا — اس پیچ سے ہی گل رو میٹھے کو دھر پچھاڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مثل کتّا — تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری کبھی گتکا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتّا — راوت ہی بن کے مارا اُس پر بھی اپنا ہتّا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے، خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن بانکا، تو بن کے ٹیڑھے بانکے — تیغ و سپر، تمنچے باندھے ہیں سب جہاں کے
کرخانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے — ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب پھانکے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی — تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی
گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی — اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لقّے[۲] کی طرح دل کو جب حسن نے مروڑا — تو پال کر کبوتر اُس سے ہی دل کو جوڑا
دکھلا کھی کا بیٹھا، یا شستر و کا جوڑا — کیسا ہی یہ گھڑا[۳] تھا پر موٹھ سے نچھوڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

---

۱ جباڑا۔ شاید جبر کرنے والے کے معنے میں لیا ہے جبار سے بگڑا ہوا
۲ لقا۔ کھی وغیرہ کبوتر دل کی قسموں کے نام ہیں ۱۲ - اشرف علی
۳ گھڑا ۔ دو ڈھائی برس کے کبوتر کو کہتے ہیں۔ یہ بھی لڑا ہوا ہوتا ہے مگر صرف دو ایک لڑائی کا تجربہ

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن، یارو، جوں لعل یا انگارا
کل یا کہ جال روکا اور لعل کو اُتارا
تو لعل چٹّی کا ہی پھر پالنا بچارا
اُس لعل کے ہی ڈھب میں اس پر بھی جال مارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

بازاری حُسن دیکھا تو کر کے دل فگاری
ڈالے ہنڈولے اس میں نگینی زرنگاری
پنجرے بنا لے خاصے، رنگیں، ہلکے، بھاری
اُن پنجروں میں کرنی اپنی دُکانداری
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

اچھا لگا جو دل کو سیمیں بدن پیارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا
تو کیمیا گری کا پھر ٹھٹھ کا سنوارا
پارا ابھی تھا تو اُس کو اس ڈھب میں لا اُتارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حسن کے تناپے
چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے
تو بن کے باہمن اُس جا چھاپے تلک بھی چھاپے
اُس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے
پڑھ کھوپڑی کے کاجل چانول سندور مونے
پیروں کے تئیں جگا کے بیٹھایا کونے کونے
جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے
سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے
کچھ مکریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
سکھیوں کی بجت ڈالی اور کھنڈ بھی جمائے
جب بھولنے نہ پائے پھر تو مزے اڑائے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا
اور بن کے ریچھ والے سو ٹھاٹ کر اچھالا
کشتی سے کھڑ کھڑایا اور آپ کو اچھالا
اس ریچھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لکڑی کا حسن دیکھا تو پھر بجا کے بندر
بکرا بھی لا اٹھایا اس کام کا سمندر
جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر
لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ بھریے
چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھریے
بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے
تو اس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا
تو بن گئے سپیرے اور سانپ کو چلایا
تومبی بجا کے ہر دم سانپوں کا بین ہلایا
اس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی من منایا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے
ڈھونی فلیتے لکھے اور بھوت جن اتارے

---

۱ مکری ۔ ایک قسم کی پہیلی ۔ ۲ کبت ۔ ایک قسم کی ہندی کی نظم ۔ ۳ سکھی سکھیاں ایک قسم کی پہیلی ۔ ۴ کھنڈ ۔ ایک قسم کی گنوار نظم ۔ ۵ رنگ بھریا ۔ رانگے کے کھلونے اور زیور بنانے والا ۔ اشرف علی

پھونکی چڑیل خنڈی،[1] دبو دں یہ ہاتھ مارے | اک چھوئے منترا میں کیسے کیے نظارے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں | ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
کچھ چینٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں | ان تیلیوں کی خاطر کیا پتلیاں لڑائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہر اک پلنگ اُتارا تیشے میں جڑ کے ماشا | انگڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا | دیکھا ہر اک بہانے اُس حسن کا تماشا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے | سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
گھاٹوں میں جا چبینے نقد و اُدھار بیچے | چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

گر آپڑی کسی دن کچھ سیتلا بڑائی | تو بیچ کر بجایا کی دل کی سربرائی
پھر بن گئے بچاری گر حسن کی اُگائی | اس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہولی کی پھر بہاریں ہو تخیچ دائیں بائیں | تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
آزاد بیٹوا ہو پھر کیں ندا سدائیں | اُس حال قال ہی سے دیں حسن کو دعائیں

[1] خنڈی: ایک قسم کی گالی۔ ٹھول باز عورت۔ اشرف علی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

خوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
کی بات وہ ہی جو کچھ اُس کے پسند ٹھہری
پالے بٹیر طوطے بگلے بئے گلہری
اُس لہر کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سیانا تو بن گئے دوانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غل مچانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ پن جتانے
دیکھے ہزار جھگڑے آخر اسی بہانے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اس حسن کی کلائی
بیچے بہت کھلونے اور جو جوبن پہ آئی
منہیار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اُس کو، یارو، عاشق وہی کہاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو بڑھاوے
آگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۵۲۵)

رہ نوردیٔ فراق

جب ہم نے دل سے، اے زیبِ محفل
باندھا سفر کے ناقے پہ محمل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل
غربت کے ہمراہ، حسرت کے شامل

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ اُترے تو اشک ریزاں
صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
جوں صید زخمی ہر سو گریزاں
القصہ آخر اُفتاں و خیزاں

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

نکلے جو واں سے ہم پا پیادہ
صد بار ہجراں بر جاں نہادہ
صد جا شکستہ، صد جا فتادہ
تجھ سے کہیں کیا، اے گُل، زیادہ

رفتیم و بردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

منزل بھی طے کی، اور صد بیاباں
طعنے بھی کھینچے مثلِ عتاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں
فی الجملہ ناچار، اے ماہِ تاباں

رفتیم و بردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی
قالب تو یاں تھا اور روح واں تھی
نے دم میں دم تھا، نے جاں میں جاں تھی
لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

منزل پہ روئے ہم آ کے ہر شب
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب
اور دن کو بوئے صحرا میں جب تک
آگئے نظر اب کیا بوسے مطلب

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

(۵۲۶)

راز داری محبوب

سن رے اے شوخ گلبدن، نادان
اس طرح بھر کے منھ، چبا کر پان
تجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیران
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن

اس میں ہوگا ہمارے جی کا زیان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

گل بدن تالیاں بجا دیں گے
کتنے آنکھوں میں مسکرا دیں گے
غنچہ لب منھ بنا چڑا دیں گے
کتنے آئینہ لا دکھا دیں گے

کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
بات سب مفت اپنی کھووے گا
اپنی سب دلبری ڈبووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا

کچھ نہ پھر بن سکے گا، اے نادان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ٹل تو واں ایک گورا سا لڑکا
ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا
اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا
یا خدا جانے، تھا وہی سچا

تو تو اس طور کا نہیں انسان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا؟
میں کہا ہاتھ سینے پر پھیرا؟
وہ تو کچھ اور اور ہی چُر گا
اُس نے سودا ہی پار لا ڈالا

جانے اب اُس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے اُس سے کہا تو جھوٹا ہے
بولا صاحب، تمھیں تو سودا ہے
کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے؟
واں تو جھگڑا ہی سارا پرچھا[1] ہے

کیا تمھارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی
بولا وہ تم تو سنتے ہو کم جی
کیا کسی نے لگالیا چھاتی؟
اجی ترکی ہی واں تمام ہوئی

جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے
کئی سن سُن کے ہوش کھوتے تھے
کتنے موتی کھڑے پروتے تھے
ہم اسی دن کو یار و روتے تھے

آخر اُٹھے یہ توڑ طیے،[2] طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کہہ بھلا وہ جو کچھ سنے تھا جب
کچھ بھی سچ، یا کہ جھوٹ ہے یہ سب

---

[1] جھگڑا رپھا ہونا یعنی کسی جھگڑے کا فیصلہ ہونا — پرچھا ہونا صرف پھیر کھینچنا ۱۲
[2] توڑ طیا اٹھانا، طوفان بہتان — اشرف علی

آہ، اب ہم کو اس سے کیا مطلب
سچ بھی ہو گا، تو تو کہے گا کب

شرم کا ہے کو کھلنے دے گی زبان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو جو راتوں کو اُن میں جاتا ہے
قہقہے مار، کہیں کھلاتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہول آتا ہے

کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں بہتان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا
آفت اس حسن پر تو مت لانا
دیکھیو، اُن کے ساتھ مت جانا
اُن کے زنہار دم میں مت آنا

اُن سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پردیا جب نشہ دغا سے پلا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا

رحم کر اپنے حال پر، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
بات کچھ اور رہی اور ٹھہری تھی
جب نشے میں تجھے خبر نہ رہی
وہیں ہم آ گئے جو خیر ہوئی

ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

گر اُنھوں میں تو ہو گیا بدنام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام

پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

خوب رو بھی پھر آ کے چھیڑیں گے
سب یہ باتیں گڑی اُکھیڑیں گے

کاغذوں کی طرح چھنیڑیں گے
خوب سا شہد جیسا لتھیڑیں گے

دم میں کر دیں گے کرکری سب شان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

بکھ پہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے
دال نری ہو چکے ہیں شرمندے

اے ستم گر! بڑے ہیں وہ خندے
دیکھ اُلفت ہیں ان کی مست تن دے

بن گے انسان، پھر نہ ہو حیوان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو تھوڑا سا گل یہ پھولا ہے
اب تو جس کے بھروسے بھولا ہے

کل کو پھر باؤ اور نہ بہولا ہے
وہ ترے عیب سب نبولا ہے

لوگ باندھیں گے تو پہ طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا

اس کا دال ہے کچھ اور رہی رُتبا
پھر وہیں سونگ سانگ پھینک دیا

اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج یہ گال ہیں جو گل سے لال
آوا نکلیں گے ان پہ جب دم بال

لوگ کرتے ہیں بلبلوں کی مثال
پھر نہ یہ دھوم، اور نہ یہ دھمال

ان کے ملنے پہ بھول مت، اے جان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو رکھتے ہیں بو الہوس کھٹکا — کوئی چھیر ارنگا، کوئی چُپکا
لیک جب حُسن کھا گیا چھٹکا — آٹا بنڑ آدبوچا پھر سٹکا[1]
ہیں یہ دو دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آگے وہ بات یاد ہے، پیارے — گرچہ سچ کچھ نہ تھی، خدا نہ کرے
پر وہ طوفان توڑے اُن کے — ہم تو اب تک ہیں اُن سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟ — اُس نے جو کچھ کہی سو تو نے سُنی
نوبت اب یاں تلک تو آ پہنچی — اب نقارے ہی بجنے ہیں باقی
دیکھ، عاشق نظیر کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ختم شد مسدسات

[1] آٹا بنڑ آدبوچا سٹکا کہاوت ہے۔ یعنی مطلب نکلا اور مطلبی لوگ غائب ہوئے ۱۲ اشرف علی

ترکیب بند و ترجیع بند وغیرہ

(۵۲۸)

ترکیب بند

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اُسے جو مدِّ نظر ہے ذرّہ پروری منظور
تو پھر ادھر کو جھکتا وہ شہسوار آیا
مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہے ہم دم
تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو
تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گُل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر
بھلا ہوا کہ تمھارا ابھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی تمھارے میں گردِ خاطر ہوں
ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے
ہوا ملاپ چھٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے
سرورِ دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری
کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوشوقتی
نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے

سما تے پھولے نہیں پیرہن میں اب ہر گز ۔۔۔ ہم ایسے شاد ہیں اُس گلبدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقات یار کہتے ہیں
عجب بہار ہے اس کو بہار کہتے ہیں

ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی ۔۔۔ تو اُس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رُخ و زلف کا سحر تا شام ۔۔۔ کبھی تصور مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت ۔۔۔ نہ جاں کو جُز الم ہجر غمگساری تھی
پر اضطراب تھا ہر دم یہ اپنی بیتابی ۔۔۔ ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے ۔۔۔ وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمیدواری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر گلعذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت

عیاں جو سامنے آ کر وہ گلعذار ہوا ۔۔۔ تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا
نگہ کو حُسن نے اُس گل کے تازگی بخشی ۔۔۔ خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا
جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا ۔۔۔ ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا
تسلّی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے ۔۔۔ رخ اُس کا دیکھتے ہی رفع اضطرار ہوا
طلب تھی دل کے تئیں جسکی ایک مدت سے ۔۔۔ ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہمقرینی ہے
نیاز ناز ہے اور لطف ہمنشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا ۔۔۔ کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا
کبھی ہیں دیکھتے رخسار یار کو ہنس ہنس ۔۔۔ کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُسکی زلف دوتا
کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے ۔۔۔ خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغر صہبا
کبھی ہیں اُس کے تکلّم سے دل کو خوش کرتے ۔۔۔ کبھی ہیں اُس کے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا

جو دیکھتا ہے ہمیں اس طرح کی عشرت میں
تو یہ سخن وہ رہِ منصفی سے ہے کہتا:

"نظیرؔ تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بُستانِ زندگانی کی"

(٥٢٩)

ترجیع بند

اے گل اندام دل آرام پریزاد صنم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
تو تو معشوق ہے البتہ نہیں تجھ کو غم
کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت رنج و الم

چاہے شمشیر لگا لے تو برابر نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہیے خوش کرداری
غمزدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری
یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطرداری
مہر محبوبوں سے لگتی ہے نہایت پیاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری

چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پر تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہے ہر دم منہ موڑ
بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ
عرض کرتے ہیں ترے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ
ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تیری خاطر کی مروڑ
تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ
روٹھنا خوب نہیں ہے اسے اے جان تو چھوڑ

ہو کے محبوب دل آرام دل آزار نہ ہو
گل کیا ہے تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو اے جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار
تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں ایک آن قرار
چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار
تا بمقدور نہ کیجے دل عاشق بیزار
گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار
لیکن اس باغ کی ہے چاہنے والوں سے بہار

گل کی رونق جو ہے بلبل ہی کے منڈلانے سے
شمع کی گرمی بازار ہے پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہے ہمیں دیکھ میاں
اور عیاں کرتا ہے چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں
دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں
بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں
منھ بنا بیٹھنا ہر چند کہ ہے حسن کی شاں
پر وہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہے اے جاں

بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجے
چشمۂ صاف محبت کو نہ گدلا کیجے

اے مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
بدر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہے ہلال
ہم سے وہ کون سی تقصیر ہوئی ہے فی الحال
جس کے باعث ترا اب آیا ہے خفگی پہ خیال
روٹھنے سے ترے ہے ہم کو بہت رنج و ملال
ہم ترے ذرۂ بیقدر ہیں۔ اے مہر مثال

ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں اے ماہ منیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
ہے یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہے نظیر

دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ترجیع بند

(۵۳)

ہم پر اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ
لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ

ہم نے کیا کیا دے کے دل تیرے رکھا ہے دل کو شاد
منہ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ

جیسے دل دے کر گیا ہم نے کھلے بندوں تجھے
تو بھی قید غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ

قصر دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں
گر بھلا چاہے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ

راستی پیشوں سے کرنی کجروی بہتر نہیں
اور جو کرتا ہے تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ

بے دماغی سے نہ چمکے گی طرح داری تیری
سرد مہری سے نہ ہوگی گرم بازاری تیری

اے گل خنداں لگا مت تو ہمارے دل میں خار
صاف دل میں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار

ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے
ہم فقط ہیں اک نگاہ مہر کے امیدوار

جس سبب سے تلخ ہے تو ہم سے اے شیریں سخن
منت پنہاں، کہ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار

جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اسکا جواب
اور جو سچ ہوگا تو ہم آپی سے ہوں گے شرمسار

ہے تو بجز حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں
موج بے تابی سے کرنا ہم کو ہر دم ہر کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہے
اُس سخن چیں کی خطا ہے یاں تو سینہ صاف ہے

یاد ہے آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا
جب تجسس غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا

ہیں سخن کہنے میں گو اہل ہوس سیماب طبع
لیکن ان کی بات کا ہے سوچنا بھی کیمیا

جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے میں مے
اس پپیہے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا

لاکھ صورت سے لگا دے کوئی بے معنی سخن
ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں ہرگز ترے کوچے کا جال | جب تلک پھرتی ہے سر پر آسماں کی آسیا

وہ تو از روئے گماں غماز کا بہتان ہے
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہے

قامت موزوں ہے تیرے باغ خوبی کا نہال | کیا قیامت ہے کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال
کبک ہوتی ہے تری رفتار کے آگے خجل | ہم سے تو پھر جھمیوں کی کس لیے چلتا ہے چال
کیوں نکالے ہے ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو | کون سا گل باغ سے دیتا ہے بلبل کو نکال
ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی | تو ہمیں کس واسطے کرتا ہے غم سے پائمال
نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں اے تند خو | جس کے باعث سے تری ہم پہ یہ خفگی ہے کمال

ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ واجی واہ واہ

تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہے ہم سے پیچ و تاب | سوزن غم دل میں لگتی ہے ہمارے بے حساب
ہم کو چشم لطف ہے تجھ سے سو تو اس کی عوض | بے مروت اے گنہ، بے جرم کرتا ہے عتاب
ذرہ گو نا چیز ہے پر مہر اپنے مہر سے | دیکھ کتنی دور سے کرتا ہے اس کو نور یاب
بس اسی صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں | ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہے ہمارا آفتاب
لشکر آزردگی سے تیرے اے سرکش صنم | کشور خاطر ہمارا مدتوں سے ہے خراب

چیں بہ ابرو تیرا ہونا حق میں اپنے سیف ہے
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہے

کیوں بدلتا ہے ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ | ہم ہیں تجھ سے صلح میں تو کس لیے کرتا ہے جنگ
دلکشائی حسن کی کیجے مہر سے پھر جور سے | غنچہ ساں اے گل نہ کیجے اسکی پھر خاطر کو تنگ
حسن کو مت دیر پا اپنے سمجھ غافل نہ ہو | یہ وہ طائر ہے جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ
اب جو کرنا ہے وہ کر لے دور خوبی میں میاں | پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشۂ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا
توڑ مت اے بے وفا سنگیں دلی کا لے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
زرم وضعوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہے مہر میں نامہربانی میں نہیں
لطف سے خوبی دو بالا ہوتی ہے اے نازنیں

ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو
دور کر غصے کو اور ہو مہربانی کے قریں

ہے یقیں تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں
ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں ہیں سہیں

حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہے کب
گرچہ دولت ہے بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں

یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر دردمند
سب یہ الفت کا سبب ہے ٹھیک جان اسکے تئیں

تیری خفگی سے نظیر اب شاکی ہے دن رات کا
آملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

(۱۳۱ھ)

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام
ہے تحیرت لعل حسرت انجام

گلبرگ ہے غرق شبنم رشک
دیکھے سے ترا یہ لطف اندام

عارض سے خجل ہے عارض صبح
کاکل سے خجل ہے کاکل شام

یہ حسن یہ کام دل تو پاکر
رکھتا ہے عبث ہمیں تو ناکام

خوبی نے کیا ہے تجھ کو زیبا
زیبندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام

اتنی بھی نہ کیجیے جفائیں
جو خوبی میں آوے جس سے الزام

دکھ پا کے تری تعدیوں سے
ہم سخت بجاں ہیں اے دل آرام

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو

دے طول نہ رشتۂ جفا کو

رہتے ہیں تری جفا سے گرو — آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو
کاہے کو یہ شکل ہو ہماری — گر لطف کی اک نگہ کرے تو
غم دیدہ ہے سو ہو ہمارا — فرق اس میں نہ جان اک سر مو
دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے — کچھ تو نے کیا ہے ایسا جادو
گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو — سب رنج و الم ابھی ہوں یکسو
ہم چاہتے ہیں اشارہ لطف — تو کھینچے ہے ہم پہ تیغ ابرو
تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت — اے برق نگاہ آتشیں خو

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی عادت — نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت
کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے — کم ہو گئی تیرے دل کی الفت
باندھی ہے کمر ستم پہ تو نے — سب چھوڑ کے مہر اور محبت
رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی — ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت
دل ہم سے لیا تھا منتوں سے — اب جاتی رہی کہاں وہ منت
آرام و قرار و طاقت و صبر — سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت
ہر آن کی رنجشوں سے تیری — پہونچی ہے ہمیں بہت اذیت

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

سمجھے تھے تجھے ہم اپنا دلدار — سو تو نے کیا ہمیں دل افگار
خیر اس کا گلہ تو ہے بہت سا — اب کیجیے کہاں تک اس کو اظہار

جیسا کہ تو ہے جفا سے مجبور — ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑا لیں ہم تو — پر اہل وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے — پھر اس سے کبھی نہ کیجیے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا — اتنا ہی ہوا ہے اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز — اے دلبر و دل شکن۔ دل آزار

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے — ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تری گلی میں بیباک — ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں ترے لگا کے دل کو — فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تری، ہیں کسی کے — مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے اے پری رو — کیا کام ہے دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کے مبتلا ہیں — کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پر — گزرا ہے الم زیادہ حد سے

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

ہے حسن میں تجھ کو تاجداری — اور کشور دل میں حکم جاری
ہوتا ہے برنگ بلبل زار — اگل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ۔ جفا سے تیری بے مہر — کیا شکل ہوئی ہے اب ہماری
دل تڑپے ہے مثل مرغ بسمل — اور چشم کرے ہے اشکباری
تھا جرم وہ کون سا کہ ہم کو — دی جس کے عوض یہ دل فگاری

گر ہووے گناہ ہم پہ ثابت — تو ہم سے تو لے گناہ گاری
کچھ ہم میں نہیں ہے تاب طاقت — اتنی بھی نہ کر ستم شعاری

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

وہ گل ہے تو آج حسن ایجاد — ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی — کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوادار — تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے — تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں — ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر — اتنی نہیں کرتے اس پہ بیداد
تیرا ہے نظیرؔ جان و دل سے — سن عرض یہ اس کی اے پریزاد

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

(۵۳۲)

بہار

گرہ بند

شب کو چمن میں، واہ وا، کیا ہی بہار تھی مچی! — پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچہ کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی — بادِ صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر ہلور لیتی تھی — شوخ بغل میں غنچہ لب ساغرِ کے نشے کی تازگی

عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی
اس میں کہیں سے، ہے غضب نکلی جو کرچاندنی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آ کے انجمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرّے، نسترن
یار بغل میں گلبدن، سُرخ گلے میں پیرہن
اس میں رقیبِ دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن

تارے کھلے تھے مو برتن، پھول کھلے چمن چمن
کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
سینہ بسینہ، تن بہ تن، عیش و طرب کے سب برن
ٹھالی کہیں سے لاشتاب، سب نے بجا ٹھنن ٹھنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی مزوں کے گھونٹ تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اُس کے بدن بھی زور تھے
پا و بہار اچاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کپڑے بھی شور بور تھے

طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
توڑے کڑے و بٹور تھے، چھلے بھی پور پور تھے
دونوں چکئی و ڈور تھے، دونوں پتنگ و ڈور تھے
بولا رقیب دن دیے، دوڑیو یارو، چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یار دمِ تم سے کیا کہوں
شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں
یار کے ناز اور فسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں
اس میں رقیب بدشگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں

صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
مے کے بھی تھے آ کے خون، جیسے نشوں میں لالہ گوں
جام پکارے منہ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں
پچھلے پہر سے بن کے مرغ بولا ہے آ کے کاڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

لہ گھیر - فراوانی افراط ۱۲ سعد پور ے چاندی یا سونے کے پھول - ایک قسم کا زیور - پاؤں کے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو ۱۲ شہباز

لوٹے ہیں کیا ہی ہم نے واہ رات مزے بہار کے
کاکل مشکبار کے، طرۂ تابدار کے
باہیں گلے میں یار کے، بوس و کنار پیار کے
بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے
انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے
مے کے نشوں کے تار کے، پھولوں کے شاخسار کے
ہاتھوں میں گجرے تار کے، نیچے گلوں میں ہار کے
کچھ نہ بنا تو دی اذاں کوٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوئے بھلے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا
شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا
جامہ بدن میں چس چسا، پھول ہوا تھا بس بسا
اس میں رقیب کرگسا[۱] کرکے سحر کا وسوسا
پیتے تھے مے لبا لبا، پھولوں میں ہم بسا بسا
زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آنچ اداؤں جی بسا
نیندوں میں یار رسمسائے تھا جمائی کسمسا
لا کے نقارہ یا دہل دھوں دھوں بجایا کس کسا

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی، نظیر، رات کو عیش کے تھے مقابلے!
جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے فاصلے
ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غلغلے
اس میں رقیب غم نہ سے بولا ہی گر کے اشغلے[۲]
مے کے نشے ابل چلے، دل کے فراخ حوصلے
شوخ کے ناز چلبلے، بوسوں کے تھے معاملے
یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
"باندھو کمر مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے"

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

[۱] کرگسا = زبان درازی و سخت کلام، بعض نسخوں میں کرگس سا بھی ہے ۱۲ شہباز
[۲] اشغلے کرنے = مکر کرنے۔ فریب کرنے ۱۲ شہباز

(۵۳۳)

چاندنی

گرہ بند

صحن چمن میں، واہ واہ، زور بچھی تھی چاندنی!
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلۂ زری
بوس و کنار، و جام و مے، عیش و طرب، ہنسی خوشی
چاند لوٹیں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
چھلکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
آگے چنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں
چھوٹ میں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک!
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سولپک جھپک
ایسے مزے میں، عیش میں آہ! کہیں سے یک نہ دیک

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشکِ مہ میری بغل میں تھا پڑا

لہ لوٹیں لینا۔ موجیں مارنا ۱۲
۲ہ گلابیاں ہے شراب کی پیالیاں
۳ہ یک بیک : دفعتاً بے شان وگمان
شہباز

دونوں دلوں میں لذتیں، دونوں جیوں میں عیش تھا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
اتنے میں آہ! ایک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گیا

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ! ہوئی تھیں رات کیا چاندنی کی اُجالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ! ابر سے تھی نور کی جھڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
چشم سے چشم لب سے لب چھاتی سے چھاتی جب لڑی
تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آ بلا پڑی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم
یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
عین مزا تھا وصل تھا اس میں نظیرؔ ہے ستم!

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

شب عیش

گرہ بند

رات لگی تھی واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی
مینھ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی
موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
اس میں کہیں سے بے تم! ایسی اک آ پون چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں، اہا ہا! ندو رمزوں کی مستیاں
سبزدلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں
دھوم جھوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں اُکستیاں
بجلی کی شکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں[1]
دونوں پہ عیش مستیاں، دونوں میں می پرستیاں
اس میں فلک نے یک بیک، لوٹیں دلوں کی بستیاں

ابر کھلا ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم، رات گھٹا اُمڈ کالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منھ پہ نشوں کی لالیاں
کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
عیش کی جھبیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھا لیاں[2]

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے، واہ واہ! شب کو عجب ہی زور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، مینھ کے جھڑا کے زور تھے

---

[1] برستیاں — سستیاں، کسلیاں وغیرہ نظیر کے زمانے میں شاید بولا جاتا ہو لیکن زمانہ غیر فصیح بولتو ہے ۱۲

[2] کھا لینا — برداشت کرنا ۱۲ انتخاب

غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
بادہ کشی کے دور تھے، عیش و طرب کے جھور تھے
آ پڑے اس میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

چار طرف سے ابر کی، واہ! اُٹھی تھی کیا گھٹا!
برسے تھا مینہ بھی جھوم جھوم چھاجوں، امنڈ امنڈ پڑا
ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا
بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
جھونکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
دیکھ ہمیں اس عیش میں سینۂ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینہ جھمک جھمک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چہک، لوٹتے تھے بہک بہک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے چھپک چھپک
یار بغل میں با ٹھمک، عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش تھا! اتنے میں آہ! یک بیک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر، ہوا کا، یار و گل!
عیش و نشاط برمحل، بارہ دری کا تھا محل
پیتے تھے مے محل محل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل
برسے تھا مینہ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
اس میں نظیرؔ یک بیک آ کے یہ مچ گئے خلل

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۵۳۵)

سوز فراق

تضمین[1] مُعشّر

مجھے اے دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے	کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے
یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے	نہ دل لگتا ہے گھر میں، اور نہ صحرا مجکو بھاتا ہے
اگر کچھ منھ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہے	وگر چپکا ہوں رہتا تو کلیجہ منھ کو آتا ہے
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد	وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سنیہ[2] کا کس بدھ کروں اُپاؤ[3]

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے	جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے	تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپھی کو دُکھ پانا بھی ہوتا ہے	کفِ افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روزِ ازل داغِ جدائی را	نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی پریت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی! پریت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے	لگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے	جسے دل چاہتا ہے اُس کو کچھ پروا نہیں بارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہے تو چپ بیٹھے ہیں بیچارے	مگر اُس کے تصور میں یہی کہتے ہیں ذرا اے پیارے
ز حالِ من کہ چونم بے رخت، داری خبر یا نہ؟	دلِ من سوخت آیا در دلت باشد اثر یا نہ؟

[1] کوئی اس نظم کو دہوخت کہتا ہے کوئی ترکیب بند مجھے دونوں میں عذر ہے چونکہ یہ فراق نظم گائی بھی جاتی ہے اور بہ نسبت گہرا اثر سوز و گداز کا رکھتی ہے لہٰذا اس کو سوز فراق سے ملقب کیا گیا

[2] سینہ۔ دوستی محبت۔ عشق ۱۲

[3] اُپاؤ دوا علاج۔ تدبیر۔ اُپائے ایک نسبت اُپاؤ بھی ہے ۱۲ اخبار

آہ دیئی کیسی بھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مرے پتنگ

کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں
زتابِ آتشِ دوری کہ میسوزد دل و جاں را

کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
دھواں اُٹھتا ہے آہوں کا، برنگِ مدم گلتا ہوں
بھبھوکے تن سے اُٹھتے ہیں ستی کی طرح جلتا ہوں
نمودہ نبض من پُر آبلہ دستِ طبیباں را

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوات بید کے پڑے بھبھولے بات

لئہ بھبھولا

غضب ہے ایک تو سمجھے نہ دل و رجی بھی گھبراوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے اور نہ جاں کس طور اُکتاوے؟
لگے جو آگ دل میں پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟
چو در دل آتشِ دوری فتد اورا کہ بنشاند

تس اوپر ہر گھڑی اُس دلربا کی شکل یاد آوے
در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
مگر جس نے لگائی ہو وہی آکر بجھا جاوے
مگر آنکس کہ آتش زدہ ہوں آب برافشاند

ہردے اندر دَوْن لگی، دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جا تن لاگے سو لکھے، یا جن لائی ہوئے

کہاں تک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جا واں سے سرکایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
مکان یار دور از من، نہ پر دارم نہ پا اے دل

دلِ بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں بھاگ بھی جایا نہیں جاتا
عجب در مشکل افتادم، چساں طے سازم ایں منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، میں انپکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ "تو چل یار کے ڈیرے"
ادھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دکھ دے رے"

لہ ہردا دل دَوْن آگ۔ پرگھٹ ظاہر۔ نکھنا۔ دریافت کرنا۔ ۲ شہبانہ

۲؎ جاتن لاگی [illegible] دوسرا تن لاگے سو

جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو وہ رہتا ہے گھر میرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد
وگر تن کی سنوں تو اور دُکھ پڑتے ہیں بہتیرے
کروں کیا میں نظیرؔ ایسی جو مشکل آن کر گھیرے؟
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت می کاید

نہ رہتا ہے وہ

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دُبدا میں دُو ہو گئے نہ مایا ملی نہ رام

(۵۳۶)

طلسم وصال
تضمین معشّر

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
ادا بھی چلبلی اور اُن میں بھی کچھ عجب چھلبل
کبھی نظریں لڑا دے اور کبھی پکڑے ہے آنچل
نگارے، گلعذارے، نوبہارے، نازنیں اٹے
کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بے کل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل
پڑا دُر کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
دلآرامے، پری شکلے، بتے، شوخے، دل آرامے

دیہ سمن تیں اُو جڑی، مکھ میں چند لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا
گرا میں ہو کے بیخود یوں، پری کا جیسے ہو سایا
بہت سا اس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا
کشیدم نالہ از شوق، پیراہن قبا کردم
دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا
پھر اُس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
نہ مانا دل نے ہرگز، ڈھونڈھنا ہی اس کا ٹھہرایا
برائے جستن او صبر و تسکیں را رہا کردم

بھینٹ کبھی جائیں کہی نینن انسواں لائے

ہے کوئی ایسا مہنت جو پیتم مندر بتائے

کہوں کیا اُس گھڑی یارو عجب احوال تھا میرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا
ازو می گفتم "احوالم بپرس اے یار غم خوارم

ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا
ادھر آہوں کی سوزش اور اُدھر اشکوں نے آ گھیرا
جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا؟"
خرابم دلفگارم بے قرارم، نو گرفتارم

الگن[۱] پھندے اُر پری اور من پنچھیں دیو روئے
درگن[۲] جادو ڈار کے سُدھ بُدھ دینی کھوئے"

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ
پلایا اُس کی آنکھوں نے مجھے اُس مے کا پیمانہ
ملوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اُس کو افسانہ
اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را

مرا دل ہو گیا اُس شمع رو کو دیکھ پروانہ
نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ
مکاں اُس کا تجھے معلوم ہے اے یار، کچھ پا نہ
نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نینہ گرے کا ہار ہے، ہوں تورے بلہار
مارے ہے موہے برہ دُکھ سے چل وا کے دُوار

یہ سن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اُس کا پتا دیتا
ابھی لے جا کے تجھکو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا
ادب سے جا کے اُس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا
ولیکن آں بت سرکش نو عاشق عار میدارد

نہیں میں ساتھ جا کر تجکو اُس کا گھر بتا دیتا
جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا
نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد"

پلک کٹاری مار کے، ہردے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت[۳] جو وا کے دوارے جائے"

یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا
مگر مجھ کو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا

جو اُلفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھ کو بتلاتا
کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا

[۱] الگن زلف گیسو ۱۲ [۲] درگ آنکھ نگاہ ۱۲ [۳] سامرت یا سامرتھ قابلیت طاقت ۱۲

کبھی دیوانہ بن کر سوے صحرا اٹھا نکل جاتا
بہ بینم آخرش او راز من تا کے نہاں باشد

دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا
اسیرانِ محبت را کجا پروائے جاں باشد

نیہ نگر کی ریت ہے تن من دیہو کھوے
پیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہو سو ہوے

وہ تھا نہ بات سنتا جب مرا منہ دیکھ رہتا تھا
مرا دل آتشِ فرقت میں اس دلبر کی دہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا
گشتم آہ و فغانم گریۂ دشام و سحر گردم

جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
نہ تھا کچھ بن جو آتا اس سے درد و رنج سہتا تھا
وہ کہتا تھا "ارے پھر جا" تو میں یوں اس سے کہتا تھا
نہ بینم تا رخش، از جستجو ہرگز نہ برگردم

بیتم نے من موہ کے کینوں مان گمان
بن دیکھے وا روپ کے میری کڑہٹ پران"

چلا داں سے میں اس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آپہونچا وہیں دل بر
مرا مجروح کردی در نگہ ہم رخ بپوشیدی

یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلائے اس کا گھر
بتایا جب مکاں اس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
اٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اسکے قدموں پر
چہ تقصیرم کہ دل بردی و حالِ من نہ پرسیدی

من مور انیس کریو، کاہے کینی اوٹ
ایسی موتیں من ہرن، کہا بن آئی کھوٹ"

کہی یہ بات جب اس شوخ سے میں نے بہ چشمِ نم
لگا مجھ کو جھڑکنے اس گھڑی تیوری چڑھا باہم
تجھے زخمی جو کر آئے تھے اب تیغ نگہ سے ہم
نظیر ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دلستانِ من

تو پہلے ناز میں وہ ناز میں مجھ سے ہوا برہم
پھر اس میں رحم جو آیا تو ہنس کر یوں کہا اس دم
لگا دیں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
غم از دل رفت و آمد شادمانیہا بجانِ من

سن
من میرو یا بات رس پنٹ بھیو پرسند

نکسو دُکھ، من بیچ تے آن بھری آنند

(١٣٤٧ھ)

بحرِ طویل

پہلا مصرع

ایک دن باغ میں جاکر، چشمِ حیرت زدہ وا کر، جامۂ صبر قبا کر، طائرِ ہوش اُڑا کر،
شوق کو راہ نما کر، مرغِ نظارہ اُڑا کر، دیکھی نکہت جو چمن کی، خوبی نسرین و سمن کی،
شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالہ کے تن کی، تازگی گُل کے بدن کی، کشت سبزے کی
ہری تھی، نہر بھی لہر بھری تھی، ہر خیاباں میں تری تھی، ڈالی ہر گُل کی ہری تھی، خوش نسیم ہری
سحری تھی، سرو و شمشاد و صنوبر، سنبل و سوسن و عرعر، نخل میوے سے رہے بھر، نقش جا د
معنبر، در و دیوار معطر، کہیں قمری تھی مطوق، کہیں انگور معلق، نالے بلبل کے دقِق،
کہیں غوغائی کی بق بق، اس قدر شاد ہوا دل، مثلِ غنچے کے گیا کھل، غم ہوا کشتۂ بسمل،
شادی خاطر سے گئی مل، خرمی ہو گئی حاصل، روح بالیدہ ہوائی، شانِ قدرت نے دکھائی،
جان سی جان میں آئی، باغ گیا تھا گو یا اللہ نے اُس باغ میں جنت کو اُتارا،

دوسرا مصرع

ناگہاں صحنِ چمن میں، مجمع سرو و سمن میں، جیسے ہو روح بدن میں، جیسے ہو شمع لگن میں،
جیسے خورشید کرن میں، ماہ پردیں ویرن میں، دیکھا اک دل بر رعنا، و طرح دار جفا کار، دل آزار
نمودار، نگہ ہمسرِ شمشیر، مژہ ترکش پہ تیر، سرِ زلف گرہ گیر، دلِ خلق کی زنجیر، جبیں نور کی
تصویر، وہ رخ شمس کی تنویر، زباں شہد بیاں شیر، نظر روح کی اکسیر، دہن غنچۂ خاموش،

سمن برگ بردوش، سخن بحرِ گہر جوش، بدن سروِ قبا پوش، پھبڑی گُل کی ہم آغوش، دفا رحم فراموش، ہر اک آن ستم کوش، عجب حسن دل آرا، نہ کبھی مہر نے دیکھا، نہ کبھی ماہ نے دیکھا، نہ کسی فہم میں آیا، نہ تصور میں سمایا، وہ نظر مجھ کو جو آیا، مجھے حسن اپنا دکھایا، دل نے اک جوش اٹھایا، جی نے سب ہوش اڑایا، سر کو پاؤں پہ جھکایا، اشک آنکھوں سے بہایا، اُس نے جب یوں مجھے پایا، یہ سخن ہنس کے سنایا، کہ "تو ہے عاشق شیدا، لیکن عاشق نہیں پیدا، ہوش تجھ پر یہ ہویدا، کہ اگر ہم کو تو چاہے یا محبت کو نباہے، نہ کبھی غم سے کراہے، نہ کسی غیر کو چاہے، نہ کبھی گُل کی طرف دیکھ، نہ سنبل کی طرف دیکھ، نہ بلبل کی طرف دیکھ، نہ بستاں پہ نظر کر، نہ گلستاں میں گزر کر، چھوڑ دے سب کی مودّت، ہم سے رکھ دل کی محبت، اس میں ہم بھی تجھے چاہیں، تجھ سے الفت کو نباہیں، ہیں یہی چاہ کی راہیں، گر یہ مقدور تجھے ہو، اور یہ منظور تجھے ہو، تو نظیرؔ آج سے تو چاہنے والا ہے ہمارا"

(۵۳۸)

پہلا مصرع

راحت افزائے محباں، مصدر لطفِ نمایاں، مظہر خوبیٔ شایاں، مجمع مہر نمایاں، رونق محفلِ الفت، زینت بزم مودّت، باعثِ راحت و بہجت، سبب فرحت و عشرت، شاد باشی و سلامت، شوقِ دیدار نہ چنداں کہ بہ کلک آید بیاں، لاجرم بہتر و انسب، کہ بہ پرورہ مطلب، نامۂ عیش فزایت، بہ تفقد و عنایت، لطف اصدار نمودہ، فرحت تازہ فزودہ، حُسن الفاظ نگارد کہ مضامین و معانی، بعبارت نظر آرد کہ باندازِ عیانی ایں تلطف کہ نمودی، باایں ہمہ زودی، ہفتے بر دلم آمد، خامہ گر تیز خرامد نتواند کہ نگارد، وصف آں مہر لقا را۔

دوسرا مصرع

آں کہ از فرطِ عطوفت، بقصد ازدیادِ شفقت، طلب پے رو الفت شدہ باکثرتِ سرعت
از پے فرخندہ بشارت، نجے زیبندہ، بشارت طرب و فرحت آں را، کہ بدل ساختہ ارا،
اگر اظہار نماید، بزبان عجز فزاید، و گر از خامہ نگارد، نبوشتن نگراید، عزم ایں مخلص بے ریا ہے،
لے دل بے رنگیں، کہ بتاخیر نسازد، و توقف نظر ازد، پے تحصیل تمنا، برسد زود در آنجا،
از عنایات الٰہی ہست امید کہ جلدی، بنہ از فرحت و خوبی، رخ خورشید ضیا را +

(۵۴۹)

پہلا مصرع

صبح دم با دلِ خرم، توسن عزم جہاندم، سر کوے پرساندم، دیدم القصہ ہماں دم دلبرے
طرفہ ترے، حسن ورے، فتنہ گرے، لب شکرے، پرفن عیار، دل آرام دل آزار، جفا
کیش طرحدار، پری شکل فسوں کار، بہ تن جامہ زرافشاں، ہمچو خورشید درخشاں، تازہ تر چوں
گل خنداں، سرمہ در چشم نمایاں، زینت لب مسی و پاں، بہ تبسم شکر افشاں، بنگہ سحر دل و جاں
ہمہ مکر و ہمہ دستاں، زلف بر چہرہ کشادہ، بہر جاں دام نہادہ، مثل صیاد ستادہ، بربودہ دل بان
نداده، بنمائش ہمہ سادہ، ولے پرکار زیادہ، صنمے، بہر وشے، غنچہ لبے، گل بدنے، سرو قدے،
ناز کنے، عشوہ دہے، شوخ دل آرا +

دوسرا مصرع

دلم از عقل برآمد، حیرتے در نظر آمد، عشق خود جلوہ گر آمد، آمد و خوب برآمد، شدہ حالے عجبے،
گہ طربے، گہ تپشے، گہ قلقے، گہ نظرے، گہ خطرے، ہیچ نہ در یاد، بدل شوق در ازاد بجاں

شورش بیداد، چه گویم که چه افتاد، شدم محو تماشا و دیدم چون آن بت زیبا که شد این واله و شیدا، زود آور دلبها، خنده کنان و نمک زا، کرد صد ناز هویدا، گفت "ای هوش نه بر جا، تو چرا آمدی این جا، سر خود گیر بزودی، باش آن طور که بودی" گفتمش "دل تو ربودی، عاشق خویش نمودی، بر من شیفتهٔ واله دیوانه، دل داده، دل بسته، افتاده، خود لطف ضرور است نگارا، +



قصائد، قطعات و رباعیات نظیر

قطعات

(۵۴۰)

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
ذرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ
جونہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم
گلوں کے حسن کو اور زاغ اور دماغ کو دیکھ
کہ اس میں آیا نظر مجھ کو اک گل لالہ ہو
میں شاد اس سے کہ ہوا عیش با فراغ کو دیکھ
یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پر
نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ
نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیر
ہے دردمند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

(۵۴۱)

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے
تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے
میں کہا، بازار دنیا میں ہے سب کچھ دیکھ لے
جو تجھے درکار ہے اس کی تو کر ایما مجھے
گر یہ دولت چاہیے تجھ کو تو ہے یہ بے وفا
بے وفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے
وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا
ایک نکتہ اس گھڑی ہے خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستاں میں اے دل اک مزار کہنہ تھی — واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں دکھلایا مجھے
مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص — مسند زریں پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے
ناگہاں باصد تاسف ہائے دنیا کہہ اُٹھا — اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے
میں کہاں ان خوبیوں میں چاہیے افسوس کیا — سن کے بولا اس کا اب افسوس ہے آتا مجھے
میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز — لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ کچھ بخشا مجھے
اور جو میں پھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر — کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیرؔ
سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

(۵۴۲)

ایک دن دل خود بخود اک بار قہ قہ کر ہنسا — میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما
یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی — یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا
یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہونچی نوید — یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا
تو ہے غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل — چاہیے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا
ایک دن تیری طرح سے میں بھی با عیش و نشاط — مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا
دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں — اس قدر اس باغ میں ہنسنا نہیں تجھ کو روا
میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں — تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کھلکھلا
سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے — کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ سے کہا
میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف — تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پر اپنی ہنسا
کل جو تھے یاں گل کھلے آج ان کی ایک اک پنکھڑی — سامنے میرے اُڑا کر لے گئی باد صبا

اب کوئی دم میں یہی ہو گی مری صورت نظیرؔ
پس ترا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

(۵۴۳)

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط و کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے
یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے
حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے
پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے
نظیر اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

(۵۴۴)

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب
جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب
بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئینہ تاب
جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب
ادھر سرود دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب
برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ باندھ جوش سحاب
سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب
یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب
کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہے ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب
ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب
انھوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب
صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پر آب
تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب

تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس
تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش برآب

تو آب جس کو سمجھتا ہے عطش غفلت سے
وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب

نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

وہ مے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شر و رد
سوائے آب سراصلا نہ کہیئے اس کو شراب

تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس
مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب

اگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں
فریب دیوے ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب

تجھے تو نفس کے برعکس چاہیئے کرنا
کہ جس میں زور نہ پاوے یہ مفتری کذاب

ضیاء نور عبادت سے اپنا خانۂ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب

فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شب کور ہو تجلی یاب

بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں
جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت را دریاب

نظیرؔ کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل
کہ یہ جہاں تو ہے دریا و اس میں تو ہے حباب

رباعیات نظیر

(۵۴۵)

مکھڑے کو جو اُس کے ہم نے جا کر دیکھا
نکھو تو نہیں یہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

(۵۴۶)

دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملا
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

(۵۴۷)

دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

(۵۴۸)

دیگر

دل دیکھ اسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہِ ذقن سے مثلِ گرداب ہوا
کی عرض کہ بے قرار دل ہے، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

(۵۴۹)

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمھیں
تم پاس بٹھاؤ تو ذرا بیٹھیں ہم پہ کہ
بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمھیں
مشکل ہے نہیں تو اور ہے آسان تمھیں

(۵۵۰)

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا
آنکھوں نے نگہ نے اور مژہ نے کیا کیا
ابرو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

(۵۵۱)

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہے زیبا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر
جو رنگ پہ جس کے سرخی لعل فدا
گلدستۂ باغ حسن کہیے تو بجا

(۵۵۲)

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہیے
مشکل ہے کہ ہونٹوں میں نہ جاوے جو کہا
منظور نہیں یہ بھی کہ بے جا کہیے
پھر لیجے جو ایک دم تو کیا کیا کہیے

(۵۵۳)

دیگر

پس اس کے گئے سحر جو ہم گرسینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمھیں
دل گرنے کو اس کی جاد کا گنجینہ
سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

(۵۵۴)

دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے نے اتار لیا — اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا یہی عاشق ہے میاں — یہ سنتے ہی آئینے سے منھ پھیر لیا

(۵۵۵)

دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمھاری دل میں — آرام کی ہے امیدواری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دو گے جب تک — البتہ رہے گی بے قراری دل میں

(۵۵۶)

دیگر

رکھتی ہے جو خوش چاہ تمھاری ہم کو — اور کرتی ہے شاد باری باری ہمکو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت — اب تک ہے اسی کی شرمساری ہم کو

(۵۵۷)

دیگر

کوچے میں تمھارے ہم جو ٹک آتے ہیں — اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں
ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمھیں — اک دم رخ آرام کو تک جاتے ہیں

(۵۵۹)

دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں — خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں
دیوؤں نے تمھارے جب ادا کے ٹھہرے — پھر حسن پری سے ہیں کیا کام میاں

(۵۵۹)
دیگر

یاد آتی ہیں جب سہیں وہ پہیلی چاہیں
تھے شور جو قہ قہ کے سو ان کے بدلے

افسوس کرے ہے دل ہیں کیا کیا راہیں
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

(۵۶۰)
دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
دل اپنے کو سینے سے لپٹ کر کیا کیا

ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

(۵۶۱)
دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
دل ہاتھ سے جاتا ہے بغیر اس سے ملے

رک بیٹھے تو ہیں دے کریں کیا تقریر
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

(۵۶۲)
دیگر

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے

پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

(۵۶۳)
دیگر

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی

اور پل میں لڑا کے پھر جھکائی اس نے
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

(۵۶۴)

دیگر

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں
کیا کیا کہیے جو ہے نہیتا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ
آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

(۵۶۵)

دیگر

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں
اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں
دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری
جو کچھ ہو سو ہو بس کی تو کچھ بات نہیں

(۵۶۶)

دیگر

ناصح نہ سنا سخن مجھے جس کس کے
جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
کیونکر نہ ملوں بھلا جی میں اس سے آہ
دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

قصائدِ نظیر

(۵۶۷)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے باآب وتاب
اہلِ صورت کا ہے دریا، اہلِ معنی کا سراب

وہ مطلّا قصرِ رنگیں وہ منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ وتاب

وہ عظیم الشان مکاں، دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاقِ آسماں کو طاق پر سے جواب

صحن میں بستاں سرا ایسی پُر از غلمان و حور
جن کی انہاروں میں جاری آبِ گل خالص گلاب

اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب

مہروش بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب

وہ تجمل، وہ تموّل، وہ تفوّق، وہ غرور
وہ تحشّم، وہ تنعم، وہ تعیش، وہ شباب

ہر طرف فوجِ بتاں ہر سو ہجومِ گل رخاں
جن کے عارض رشکِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب

چشمک واں و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک اور شام سے تا بہ صبح
متصل رقص و سرود و پے بہ پے جام و شراب

ساقی و مطرب، ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا گل و عطر و مے و نقل و کباب

کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوش مے
از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب

وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سرور
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حد و حساب

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا، یا دفعتاً
کر دیا ایسا پھر اس دورِ فلک نے انقلاب

وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویران و خراب

تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا؟
نقش ستم گو یا کسنہ کوئی پڑھ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم، تو لبِ افسوس ہیں / اور جو کوئی طاق ہے، تو صورت چشمِ پُر آب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیرؔ اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں، واللہ اعلم بالصواب

(۵۶۸)

کیا کاسۂ سر کیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں / دورِ فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروزہ گوں، ہے شیشہ بازِ پر فنوں / جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیرِ نگیں
بوالعجب اس کا کیسے ہے شیشہ بازی یاد اسے / رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پُر اندوہ گیں
کل دامنِ صحرا میں ہم گزرے جو وقتِ صبح دم / اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں / تھے ہم بھی سر بر آسماں، گو اب تو ہیں زیرِ زمیں
گل برگ سے نازک بدن، سر پاؤں سے رشکِ چمن / زرّیں و رنگیں پیرہن، دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں، مہ طلعتوں سے صحبتیں / عیش و نشاط و عشرتیں، ساقی قِراں، مطرب قریں
باغ و چمن پیشِ نظر، بزمِ طرب شام و سحر / ہر سو بکثرت جلوۂ حسنِ بتانِ نازنیں
اک آسماں کے دور سے، اک گردشِ فی الفور سے / اب سوچیے گا غور سے، در لحظہ آں، در لمحہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا، رخسار پہ اشک آ گیا / دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس سہمگیں

اٹھا ہی سر اپنا ناگہاں، ہر مو ہوا مثلِ زباں
بولا "نظیرؔ آگہ ہو ہاں، من نیز روزے ہمچنیں"

(۵۶۹)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے / خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
گر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر / چھن گئی جس وقت تب سمجھے کہ ہم نادان تھے
غیر کی چیزیں چرا لی ہم بڑی سمجھے تھے عقل / غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
ناگہاں اک استخواں پہ جا پڑا اپنا قدم / کیا کہیں غفلت میں اُس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی مرے اُس استخواں نے آہ کی
دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
ساعد و بینی جبیں نقش و نگار و خط و خال
رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
الگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
الگ یا تھا دل کہیں چنچل پری زادوں کیساتھ
الگبدن اور گل عذاروں کے کنار و بوس سے
ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر

اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے
ساغر و ساقی صراحی عطر پھول اور پان تھے
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے
نے تو وہ ہم ہی بنے نے عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ختم شد دیوان نظیر

مثنویات نظیر

(۱)
مثنوی سیر دریا

تمہید

یک زماں از بحر عشرت زائے دہر — آگئی دریائے خاطر میں یہ لہر
یعنی ٹک دریا کی جانب جائیے — وہ گھڑی واں دل کو خوش کر آئیے
آپڑا جب یہ ارادہ دھیان میں — جا پڑا دل شوق کے عمان میں
جی طلب کا سر بسر گھر ہوگیا — لُجّۂ خواہش سمندر ہوگیا
ہر طرف سے دل کے ہو کر دو بدو — جوش میں آیا محیط آرزو
آگئی کثرت میں فوج اشتیاق — سر سے گزری دل کے موجِ اشتیاق
کھینچ کر لنگر ہوش نے ناگہاں — زورقِ خاطر نے باندھا بادباں
تند تر ہو کر تمنا کی ہوا — لے چلی کشتی طبیعت کی بہا

صفت کشتی

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو — شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو

کیوں نہ وہ کشتی تپش لیتی چلے | جس کو خواہش اور طلب کھیتی چلے
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثلِ باد | جس کی ہووے آرزو بادِ مراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق | جس کے چپو ہوں پرستِ اشتیاق
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیر ساں | جس کے کھینے میں ہوس کی ہو کماں
کیوں نہ وہ کشتی ہو پراں آب پر | دے تمنا جس کو ہر دم بال و پر
الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ | سیل کے مانند لی دریا کی راہ

صفتِ دریا

جب نظر آیا کنارا بحر کا | اُس کے پہلو سے لگا اک دشت تھا
جی نے یہ چاہا کہ پہلے یک قلم | وصف اُس صحرا کا کریے رقم
پر جو اوّل بحر کا تھا ماجرا | پہلے اُس میں ہی سخن تیرا مرا
بھا گئیں اُس کی جو طرحیں خاصیاں | گئیں اُسی کے آب میں غوّاصیاں
کیا کہوں، دریا تھا وہ یا عینِ نور | جس کی اک اک موج تھی بحرِ سرور
یوں وہ آبِ صاف سے پُر نور تھا | جس سے گدلا چشمۂ کافور تھا
تھا وہ کچھ حسنِ صفا پایا ہوا | جیسے آئینہ جلا پایا ہوا
تابشِ الماس کو آتے تھے بیم | قطرہ قطرہ اُس کا تھا دُرِّ یتیم
دن میں کرتا تھا وہ آبِ سیم مات | رات میں تھا چشمۂ آبِ حیات
تھی وہ کچھ تہ کی تجلّی گستری | جیسے آئینے میں ہو عکسِ پری

صفتِ شیرینیِ آب

تھی عذوبت اُس کی یہ شکر فشاں | شہد جس کے وصف میں عذب البیاں

قند ہی چکھا نہ تھا کچھ ہو کے مات — منھ سے مصری کے بھی نکلے تھی نبات
شربت اُس پانی سے آگے رو دیتا تھا — دودھ بھی پانی سے پتلا ہوتا تھا
اُس کی شیرینی کی گر سنتی صفیر — بھولتی شیریں کو اپنی جوئے شیر

صفت خنکی و شیرینی آب

سردی اور شیرینی اُس میں یوں تھی — جیسے ہو وہ برفِ شیریں کی ڈلی
اولے اُس کو دیکھ کر غش کھاتے تھے — ہونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے تھے

صفت موج

موج رکھتی ہے نزاکت سے وہ نہر — جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر
دیکھ کر اُس کی وہ چینِ دل نشیں — چپ ہی رہ جاتی وہاں چینِ جبیں
حد تو یہ اُس موج چین آباد سے — بھولی تھی جعدِ مسلسل یاد سے
نیمۂ شبنم کی چن کر آستیں — گر کوئی اُس موج کے لاتا قریں
تاب کیا جو پاس آنا جانتی — دور ہی سے دیکھ کر چیں مانتی
جب نسیم صبح واں آجاتی تھی — دل میں کیا کیا اپنے لہریں کھاتی تھی
کیا کروں اُس کے تواتر کا بیاں — اس طرح ہوتی تھی پے در پے عیاں
جیسے طبعِ عاشقِ زار سے زود زود — کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود

صفت حباب

ہر حباب اُس کا نزاکت جوش تھا — موج کی جھالی کا وہ سرپوش تھا
پاکر تھی دریا نے پہنی، کرکے چاہ — سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ

یا ہوا سے قصد کر کے خواب کا
درجِ سیمیں ہوش اُس پہ کھوتا تھا
کس نے دیکھا اُس سوا بہتا ہوا
کس نے غیر از اُس کے دیکھیں بھالیاں
تھی ہوا اُس میں وہ کچھ خوبی بھری
تھا تنک اتنا کہ وار اور پار سے
کیا کہوں اُس کی صفائی اور چمک
موتیوں پر غم کے اوسے پڑتے تھے
اب کہوں خوبی میں اُس کی تا کجا

تھا وہ بے چوبہ بنا یا آب کا
گنبدِ گردوں تصدق ہوتا تھا
آب پر اُلٹا کٹورا سیم کا
آب پر چینی کی اُلٹی پیالیاں
جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
خوف رکھتا تھا نگہ کے بار سے
کاسۂ بلور جاتا تھا دمک
دل میں شیشے کے پھپھولے پڑتے تھے
بندھ رہی تھی وہ زمیں، اُس کی ہوا

صفت گرداب

گردشِ گرداب تھی اس طور کی
سر کو فکرت کے وہیں دورہ آگیا
دیکھتا گر اُس کی گردش کا کمال
کف پڑا پھرتا تھا وہ ایسا شگرف
چرخ جب کہتا کہ اُس پر ہوں نثار
اُس کی گردش میں وہ چکر خاص تھا
بحر دیکھ اُس کی پھرت کی پھیریاں
جب نظر جاتی تھی اُس میں گھرتی تھی
اب پڑوں کب تک میں اُس کے آب میں
اور نہیں مضموں کوئی لاتا میں گھیر

میں نے جب خوبی پہ اُس کی غور کی
ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا
چاک ہوتا سینۂ چرخِ کلال
چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہے ظرف
تھی زبانِ موج کہتی "دور یار"
جس سے حیراں دامنِ رقاص تھا
ناچتا تھا لے کے چکر پھیریاں
کیا کہوں، پانی میں پھر کی پھرتی تھی
کشتیِ دل جا پڑی گرداب میں
گر نہ آجاتی طبیعت کو گھیر

	خوبیوں کو اُن کی تکتا تھا مہر		شب کو عکسِ ماہ، دن کو عکسِ مہر	

صفتِ ماہی

ماہی ایک ایک	ماہیاں تھیں اُس میں وہ ندرت بھری	[illegible]	جن کے اک اک پر کو تکتی تھی پری	
	تھیں وہ اُن سے حسن کی مہر ماہیاں		شست میں جن کی حنا کی ماہیاں	
	آوے کب لطف اُن کا آگاہی تلک		جن کا غل تھا ماہ سے ماہی تلک	شور جن کا
[illegible]	یوں دل دریا سے ہوتی تھیں عیاں		جیسے نقطہ نون کے ہو درمیان	
	ماہی چرخ اُن کو پاکر اچھال	ہے	دور سے لیتی تھی اُن کی مچھیاں	
ہے	تھا تڑپنے کی کجی میں وہ جمال		دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال	
	ایسی کچھ اُن کی وہ کجیاں تھیں نفیس	ہیں	دیکھتا تھا جن کو نونِ خوشنویس	ہے
	اُن کی کجیوں پر نظر جب لاتی تھی		برق کیا کیا دہری ہو ہو جاتی تھی	
	آپ بھی اُن کی کجی کے روبرو		دل بروں کے ابروؤں کی آب رو	
ہے	وہ کجی جب سر سے پا تک آتی تھی		نون کی گردن کی سے بن جاتی تھی	ہے
	دیدۂ شوق اُن کو بھی یوں تک رہے		جیسے ماہی کی دو بہ چشمی ہو وے ہے	

صفتِ صدف و ریگ

ہے	ہر صدف نور سے شفاف تھی		ریگ بھی آبِ گہر سے صاف تھی	ہے

صفتِ ساحل

تھا	ساحل اُس کے وہ صفا سے ہم کنار		جس کی خوبی کا نہ تھا کچھ وار پار	نہیں

صفتِ ذرۂ ریگ

ریگ کے	ریت کے ذرّے جو واں ہموار تھے	ہیں	وہ بھی یکسر گوہرِ شہوار تھے	ہیں

کیا کہوں ذروں کی اس کے آب و تاب	تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قاز و بگلوں کے پرے	ایک طرف سارس کلنگ اور قرقرے

خاتمہ

اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں	دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت پناہی آگئی	غم کی کشتی پہ تباہی آگئی
یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ	ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیٔ خاطر چمن سے ملتا ہے	غنچۂ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے
گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہے	باغ اس صحرا کا اک گلدستہ ہے
گل سے ہر گل اب رگڑتا دوش ہے	بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہے
اس طرح کی جا بجا ہے سبزہ گاہ	جس سے ہوتی ہے ہری کشت نگاہ
ہے نزاکت اس کی سبزی میں یہ واں	اطلس سبز اس قدر نازک کہاں
مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہے	پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہے
لہلہاہٹ اس کی ہے یہ خوشنما	جس طرح چلتا ہے پانی لہر کھا
برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں	قطرۂ شبنم بھی جوں در ثمیں
موج مے ہے اس کی ہر موج ہوا	اک نشہ سا دل کو آتا ہے چڑھا
خواب مغز سر میں ڈالے ہے کمند	خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند
اونگھ پہ اونگھ اس مزے کی آتی ہے	آنکھ گہہ کھلتی ہے گہ مند جاتی ہے
نکہت جیب ہوا ہے یاں تلک	ہے معطر جسم جس سے جاں تلک
ہر شجر اس کا دم طاؤس ہے	بوٹا بوٹا طبع کا مانوس ہے

دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی
تازگی دیکھو اس نضارت بار کی
دل نے یوں چاہا کہ اب رہیے یہیں
اب جو یہ صحرا طلب بے تلاش
چھوڑیے دانش کی خوش اسلوبیاں
بے محابا شادمانی کیجیے
دیکھیے وارستگی کی شادیاں

اُٹھ گئی دل سے محبت شہر کی
اُٹھ گئی اُلفت در و دیوار کی
خلق میں کہلائیے صحرا نشیں
کیجیے یاں مثل مجنوں بود و باش
دیکھیے دیوانہ پن کی خوبیاں
بے تکلف زندگانی کیجیے
کیجیے دل کھول کر آزادیاں

عمر بھر اُٹھیے نہ یاں سے اے نظیر
دیکھیے ہر دم یہ دشت دل پذیر

مثنوی دوم

عجب دلکشا عالم حسن ہے
عجب جانفزا عالم حسن ہے

صفت حسن کی کس زباں سے کہوں
کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں

دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار
فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار

زباں میں اگر حسن گفتار ہو
تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو

ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی
کہ جس پہ فدا ہے دل اور جان بھی

تبسم تکلم، خوش اشارات ہے
تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہے

سراپا عیاں زینت افزائیاں
حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں

جہاں صاحب حسن تشریف لائیں
تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں

اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں
خوشامد کریں دل سے خدمت کریں

جدھر یہ دکھا دیں جفا کاریاں
ادھر سب کریں ناز برداریاں

جنھیں نازنیں ہنس کے دشنام دیں
وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں

جو ایک ان کی جھڑکی سے ممتاز ہوں
تو کیا کیا وہ دل میں سرافراز ہوں

یہ ہو کر خفا جن سے لڑنے لگیں
وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں

یہ کوچے سے اپنے اٹھا دیں جنھیں
وہ قسمیں دلا کر بٹھا دیں انھیں

یہ تیوری کو جن پہ چڑھائے رہیں
وہ چاہیں انھیں اور جفائیں سہیں

سہی قد سمن بر گل اندام ہیں
صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں

عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ
غنیمت ہے الفت جو ہو ان کے ساتھ

کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال
پری شکل اور صاحب ملک و مال

وہ رنگیں ادا نو گل باغ حسن
کہ جس پہ فدا سو گل باغ حسن

کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو
پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو

عجب اس کی سج دھج عجب آن بان
عجب اس کی شوکت عجب اس کی شان

رہی سر پہ رفعت کی زہ سج کلاہ
کہ جس کو تکیں چاہ سے کج کلاہ

قبا تن میں حشمت کی وہ دل فریب
کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب

چمک حسن پر مہر اور ماہ کی
ترقی بہت دولت و جاہ کی

جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار
ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار

نگہ کی کوئی پی کے مے جھومتا
کوئی اسپ کے نقش پا چومتا

کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر
کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر

اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار
کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار

غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں
شہ دلبراں خسرو دلبراں

مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے
بلند اور وسیع اور جھلکتے ہوئے

کئی زر فشاں اور کئی سنگ کے
بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے

جو خورشید کی پڑتی اُن پہ جھلک
تو جاتی جھلک اُن کی کوسوں تلک

خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا
بہت خوبرو اور بہت خوش ادا

وہ ناز اُن کنیزوں کے کرتے تھے کام
کہ سن کر کئی دل تھے اُن کے غلام

لباسوں میں سب سیم تن سی بھریں
جواہر کے گہنے پہ منت دھریں

بنے ٹھنے، چوچلے، ناز، اٹھکیلیاں
انوکھی اداؤں میں البیلیاں

وہ باغ اس کے سب سرو و سنبل بھرے
گل و بلبل ان میں تھے اٹکل بھرے

جو کچھ وصف کی باغبانی کرے
تو نوک قلم گلفشانی کرے

لکھے وصف گر اک خیاباں کا
تو کاغذ ہو تختہ گلستاں کا

محل اس سے ہوتا شبستان حسن
چمن اس سے ہوتا گلستان حسن

ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے
جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے

گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار
عجب واں تماشا ہوا آشکار

پہونچے جو نخچیر گہ میں شتاب
سب اسباب ہر صید کا بے حساب

نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز
نہ جرے نہ شکرے سوے کبک تاز

یکایک نئی اک شمیم آ گئی
برنگ نسیم آ کے لہرا گئی

وہ نکہت کی جب واں ہوئی واردات
تو اس میں ہوئی یہ تعجب کی بات

کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو
مگر ان کو اور ان کے رہوار کو

جونہی مغز میں ان کے وہ بو گئی
تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی

نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ
نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ

وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہو گیا
چلا بو کی جانب برنگ ہوا

نہ ہانکا انھوں نے نہ مہمیز کی
ولے اس نے رفتار واں تیز کی

انھوں نے تو اس کی نہ دی باگ اٹھا
وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اٹھا

لگا تازیانہ جو تقدیر کا
تو دیکھ اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا

سواروں نے گھوڑے اٹھائے بہت
کڑے تازیانے لگائے بہت

گیا برق ساں سرخ و زرد کو
پر اس کی نہ پہونچا کوئی گرد کو

وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں
وہ انجام میں اور یہ آغاز میں

انھیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی
اسے اور ہی ایڑ کی چھیڑ تھی

گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوئی
جو نزدیک پہونچی تو پیچاں ہوئی

سمیت اسپ اس کو اُڑا لے گئی
یہ دیکھو ہوا کو ہوا نے گئی

جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال
تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال

پھر آئے سوئے شہر آنسو بہا
یہ احوال اس کے پدر سے کہا

پدر یہ خبر سن کے غمگیں ہوا
دل اس کا بہت حیرت آگیں ہوا

فلک بازی اس ڈھب کی جس جا کرے
تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے

یہ حال اس کا جس نے سُنا رو دیا
تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا

جو ہوتا تھا واں درد و غم سو ہوا
اب آگے سنو ماجرا جو ہوا

گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی
تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی

پھر آخر اسے لاکے ایک آن میں
اتارا عجب اک بیابان میں

ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی
ہوئی دل کی اور ہوش کی تازگی

یہ اُترے جو اس دشت میں آن کر
تو دیکھا ادھر اور اُدھر دھیان کر

بڑا دشت آیا نظر ایک ہرا
بہت فرحت افزا بہت دل کشا

جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں
تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں

ہوا نرم نرم ایسی تفریح بار
چمن میں چلے جوں نسیم بہار

کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم
لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم

اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو
تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو

کرے جس طبیعت سے ہمراہیاں
تو کیا کیا جتاوے ہوا خواہیاں

خوش آئی وہاں کی انھیں جو ہوا
ہوئی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان برکنار چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شادماں
تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں

بہت خوشنما ایک تالاب ہے / صفا پرور اس کا بہت آب ہے

تموج ہے کیا کیا ادا کر رہا / کناروں تلک آب ہے بھر رہا

بنا ہے بہت طرفہ معمول میں / بڑے عرض میں اور بہت طول میں

جو فکر اس کے بحر صنعت میں ترے / تو جوں موج مضمون بہتا پھرے

قلم بھی لکھے کچھ جو آ لہر میں / تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں

رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب / پھریں دوڑتے حرف مثل حباب

یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں / کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں

شنا ماہیوں کا اس آداب میں / کہ جوں عکس مہ کا پھرے آب میں

اُگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد / کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد

طیور اُن کی ہر شاخ پر ناز میں / بھریں خوبیاں ان کی آواز میں

کناروں پہ سردوں کی پر آبیاں / پھریں بیچ میں ترتی مرغابیاں

بڑے قاز سرخاب بگلے بہت / وے یاں کے بگلوں سے اگلے بہت

کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف / بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف

کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال / پییں ڈال کر منھ وہ آب زلال

اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوئے / پیا پانی اور شادماں تر ہوئے

سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا / ولیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب در آں بیابان

جو دیکھا وہ صحرا نیا یک بیک / تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک

تماشا کبھی اس فضا کا کیا / کبھی وصف آب د ہوا کا کیا

ہوئے دشت میں واں کے مشغول یہ / چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ

دل ان کا جو تھا عشق میں گم رہا
تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا

یہ سوچے کہ یاں سے اٹھا چاہیے
کہیں شب کو چل کر رہا چاہیے

کچھ اک میوے اس جا کیے توش جاں
ہوئے پانی پی کر وہاں سے رواں

ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے
تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے

چڑھے کوہ پر واں جو یہ پشت کوہ
تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ

نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا
نہایت مصفا بہت دل کشا

انھوں نے نظر کر سب آرام پر
رکھا پاؤں اپنا سر بام پر

چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند
تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند

ہوا اپنی راحت جتانے لگی
بلندی بہاریں دکھانے لگی

چھپا سورج اور وقت دونوں ملے
جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے

بسیرے کے طائر لگے بولنے
ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے

جو آواز اُن کی بہت واں ہوئی
تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی

وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام
ہوئے مل کے ایسے وہ حسن انتظام

کہ جوں سانولا دلبر با شنگ ہو
چھٹی منھ پہ زلف اسکے شب رنگ ہو

ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں
کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں

جو دونوں میں واں آشنائی ہوئی
تو پھر زور میں مشک سائی ہوئی

لگیں لپٹیں آنے ادھر اور اُدھر
مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر

معنبر وہ صحرا وہ بن ہو گیا
غرض رشک دشت ختن ہو گیا

معطر ہوا جب اُنھوں کا مشام
تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام

یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں
پھرے جوں فلک پر مہ آسماں

کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب
نمایاں افق سے ہوا آفتاب

وہ تھا کو وہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے

ضیائیں ادھر چاندنی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں

وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں

چمکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا

وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھمکنے لگا ہر طرف نور سے

غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی

سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا

صباحت وہ اس کی ہوئی سو بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو

چلی اس قدر راحت افزا نسیم
کہ دل سے ہوئے دور سب خوف و بیم

سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے

کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے

چلے واں سے آگے بمقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک

اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں

کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے

یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے

دکھاتے تھے جلوے نگہ کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور

کئی دن میں چل کر یہ پہنچے کہاں
بنا باغ تھا ایک پری کا جہاں

جو آئے یہ اس باغ میں پُر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور

گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں

زمین چمن سے وہ سبزہ اُگا
کہ سلک زمرد ہو جس پہ فدا

اکڑ سرو و شمشاد کی دل پسند　　صدا قمریوں کی بھی کیا کیا بلند
رہیں بلبلیں ہر طرف چہچہا　　رواں نہر اور جوش فوارہ ہا
ہنسیں کبکیں اور زیب لائی پھریں　　تدرویں بھی چالیں دکھاتی پھریں
گل و لالہ و سوسن و ارغواں　　رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں
ادھر کو رخ نار دن لعل گوں　　ادھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں
ادھر عبہر اپنی سے کیے کج کلاہ　　ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ
ادھر حوض نادر اُدھر آبشار　　جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار
جو دیکھا انھوں نے وہ باغ ایک بار　　طبیعت ہوئی اُن کی باغ و بہار
مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں　　بہت زرنگار اور جواہر فشاں
مقطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں　　عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں
جگہ ٹھہرنے کی اسے ٹھان کر　　گئے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر
کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ　　کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ
بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار　　یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں　　ہوئی وارد اپنے گلستان میں
عجب چہرہ عجب خوش لباس　　خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس
نگہ اس کی جادو ادا فتنہ زا　　جو چاہے تو لے دل پری سے اڑا
جب اُس نے یہ دیکھا نیا گلبدن　　تو ہو مثل بلبل وہ گل پیرہن
لگی کہنے دل میں تعجب میں آ　　کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا
یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہے جو　　کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کو بو
عجب ہی یہ گل گلشن ناز ہے　　عجب دلربا شوخ طناز ہے

ذرا اس سے چل کر ملا چاہیے — کچھ احوال اس کا سنا چاہیے
یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں — یہاں تھے یہ بیٹھے چلی آئی واں
ہوئی ان کے آگے وہ یوں عنقریب — کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب
منگا جلد دو کرسیاں زر نگار — بٹھایا انھیں اور وہ بیٹھی نگار
بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا — نہایت کرم تم نے ہم پر کیا
لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر — انھوں نے نہ دیکھا اُٹھا کر نظر
جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی — وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہے بڑی
غرور اس کو ہے اور ہی شان کا — یہ انسان ہے اور ہی آن کا
مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ یاں — اسی میں کھلی جاتی ہے میری جاں
بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی — دلے کچھ انھوں نے نہ اپنی کہی
بہت پوچھنا حال کا جب کیا — یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا
ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال — پری ہو گئی بس اسی میں نہال
ضیافت بڑے لطف سے اُس نے کی — ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی
کھلایا نہایت خوشی سے انھیں — کیا شاد ربط دلی سے انھیں
جو پھر رسم ہے عطر اور پان کی — وہ لائی بجا اپنے مہماں کی
ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا — مزے پر مزا ان کے دل کو ملا
جو واں ناچ اور راگ دیکھا سنا — نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سُنا
وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس — کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس
بہت نیند جب ان کو آنے لگی — پلک پر پلک کو جھکانے لگی
پری نے مکاں ان کو بتلا دیا — بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا
انھوں نے کیا جا کے آرام واں — نگہباں رہیں کتنی آرام جاں

پری باغ سے اپنے گھر کو گئی / وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی

ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری / لگی کرنے دلداری و دلبری
جو کل ان سے تھا لطف و احساں کیا / تو آج اس کی نسبت دو چنداں کیا
کوئی دو مہینے تلک روز و شب / رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب
پری تھی دل وجاں سے اُن پر نثار / لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار
اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا / شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا
کہا اس نے بہتر ہے اے مہرباں / کرو تم شکار افگنی جا کے واں
شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا / بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا
کہا پھر بہت دور مت جائیو / اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو
پھرو گے اُدھر تم تو کرتے شکار / رہوں گی ادھر میں بہت بیقرار
نہ آؤ گے پھر جب تلک تم ادھر / رہے گا لگا دھیان میرا اُدھر
بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ / پہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ
وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی / انھیں اس سے نفرت تھی اور عار تھی
اُنھیں حسن پر تھا جو اپنے غرور / اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور
ہوئے جب یہ اس بادپا پر سوار / چلے شاد ہوتے سوئے کوہسار
جو کیں واں انھوں نے عناں تازیاں / تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں
ابھی تھا زمیں پر ابھی کوہ پر / ابھی پل میں آیا اُدھر سے ادھر
ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی / اُچک کر اڑا جس گھڑی چھیڑ کی
جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا / تو ان کا دیا ہاتھ ان سے ملا
جو چاہیں ہرن پکڑیں جیتا ہوا / تو ان کا وہیں واں بھی جیتا ہوا

ملا صید جو جو بیابان میں
کیا قید اس نے وہ ایک آن میں

طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی
وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی

تو پھر جس گھڑی دن بہت چڑھا
درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا

یہ سایہ میں بیٹھے تھے جاکر جو ہیں
تو دیکھا کہ اس جا پہ ایک نازنیں

سوار ایک اشہب پہ آتا ہے وہ
بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہے وہ

عیاں حشمتوں کا کچھ آثار ہے
نورا حسن میں بھی طرح دار ہے

انھیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے واں
اتر اپنے توسن سے وہ نوجواں

سلام ان کو کر کے گلے سے ملا
بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا

وہ دیکھ اُن کو جب مثل گل کھل گیا
تو اُن کا بھی واں اس سے دل مل گیا

ہوئی اس کو ان سے محبت بہت
انھیں بھی ہوئی اس سے الفت بہت

کہا گھر میں رکھیے ہمارے قدم
ہماری تو آنکھیں تمھارے قدم

انھیں واں سے وہ دلبر لے گیا
غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا

وہ توسن پہ آئے تھے جس پر سوار
دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار

پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی
بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی

یہ آئے جو گھر میں پری زاد کے
تو دیکھے مکاں طرفہ بنیاد کے

چمن گلفشاں دل کشا خوب تر
ہر ایک چیز نادر خوش اسلوب تر

جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں
بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں

سوا اُس کے واں اور ہم سن وسال
انھیں بھی ہوئی اُن سے الفت کمال

لگے رہنے ان ہمنشینوں میں شاد
پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد

یہ دلخواہ صحبت جو اُن کو ملی
تو کیا کیا ہوئی ان کو واں خوشدلی

سحر سے لگا شام تک فرحتیں
لگا شام سے صبح تک عشرتیں

رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ
پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ

کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں
تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں

کہا اُس نے یاں اک مکاں ہے بنا
برابر نہیں اُس کے یاں دوسرا

تمھیں کل ہم اس جا میں لے جائیں گے
بہت خوبیوں سے دکھا لائیں گے

سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب
ہوا وہ پری زاد بھی ہمرکاب

وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم
انھوں نے رکھا دم میں اس کا قدم

گئے واں یہ جس دم نزاکت نشاں
تو دیکھا عجب اک بلوریں مکاں

ہر اگرد صحرا تھا کوسوں تلک
بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک

بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا
کہ الماس لے جوں زمرد میں جا

بلند اس قدر وہ بنیاد دستگاہ
کہ بھولوں کو اکثر بتا تا وہ راہ

جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر
کہ آئینہ شرمندہ ہو دیکھ کر

وہ صحرا جو پہلے انھیں تھا ملا
یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھہرا بڑا

مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں
وہ بھولے اُنھیں جب یہ دیکھا مکاں

یہ مائل جو اُس دلنشیں کے ہوئے
تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے

کہا اس پریزاد سے ہنس کے واں
کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں

اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں
کہ جس کی یہ جا ہے ٹک اس سے ملیں

سنا جب یہ اس نے تو اُن سے کہا
اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا

یہ جس کا مکاں خوب پر نور ہے
بہت حسن پر اپنے مغرور ہے

نگہ برق زلف سیہ جال ہے
ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے

گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی دھج پر ہے اس کو بہت

بڑے حسن میں یاں جو ہیں خوب رو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو

یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرحدار اور خوب ہے

یہ سن کر انھوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ

اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں

پری زاد یار، ان کو لایا اُدھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر

ہوئے واں جو یہ اس پری سے دوچار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار

وہ محبوب بھی دیکھ اُنھیں غش ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی

کہا آئیے یاں کرم کیجیے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجیے

یہ بولے کہ ہم پر جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے

وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم میں یارا کہاں

اُدھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے انھوں نے کیا انکسار

دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی

پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے

ہوئے دونوں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا

وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے

نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں

دکھایا انھیں ناچ پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر

پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری

چمن بھی پھر اپنے دکھائے انھیں
تر و تازہ میوے کھلائے انھیں

بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا

پری کی جو مادر تھی والاصفات ‌ ‌ تو واں اُس نے کی تھی مقرر یہ بات
کہ جب تک رہے دن یہ اس جا رہے ‌ ‌ جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے
پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا ‌ ‌ دیا اس نے معمول اپنا جتا
گئے تھے جو دونوں دل آپس میں مل ‌ ‌ تو ہوتا نہ تھا واں سے اُٹھنے کو دل
یہی تھی تمنا یہی تھی طلب ‌ ‌ کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب
پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب ‌ ‌ یہ بے بس چلی واں سے اُٹھ کر شتاب
پھر آئے تو گھر تھا پہ بڑا دکھ ‌ ‌ و لیکن دل ان کا اسی جا رہا
رہی جی میں اس کی ملاقات بھر ‌ ‌ نہ آئی انھیں نیند واں رات بھر
ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات ‌ ‌ یہی حالت اس کی رہی ساری رات
سحر پھر چلے اس کا لیتے یہ ناؤں ‌ ‌ وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں
ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی ‌ ‌ عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی
بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل ‌ ‌ گئی رات کی غنچگی دل سے کھل
خوشی کے لگے ہونے باہم سخن ‌ ‌ طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن
لگی ہونے پھر دو دنا آشکار ‌ ‌ یہ اس پہ فدا اور وہ ان پر نثار
بہت شام تک خوش طبیعت رہی ‌ ‌ ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی
اسی طور مدت تلک دم بدم ‌ ‌ رہے شاد و مسرور دونوں بہم

یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر ‌ ‌ تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر
کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آ گئی ‌ ‌ پری دیکھ کر اس کو گھبرا گئی
نہایت وہ غصہ ہوئی اور خفا ‌ ‌ انھیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا
طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار ‌ ‌ اسے لے گئی واں سے ناچار وار

جو اس کے طمانچہ وہ آ کر لگا
تو واں منھ پہ اور ان کے دل پر لگا

وہ مہوش جو مکھڑا ہوا لال کچھ
تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ

وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا
تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا

قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا
جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رو دیا

پھر آ کر یہ گھر میں پری زاد کے
ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے

ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش
کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش

نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں
دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں

یہ بیکل اُدھر وہ پری بیقرار
یہ آہیں کریں وہ اُدھر اشکبار

رہا ایک مدت اسی طور حال
انھیں درد و غم اس کو رنج و ملال

پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں
پڑا سخت تشویش کے جال میں

کوئی سوچ کر بات دل میں وہیں
گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں

حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا
جھکا سر کو اور پاؤں پر گر پڑا

کہا وہ جو گھر میرے انسان ہے
کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہے

جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر
تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر

اگر پر لگاتا وہ اسباب میں
تو ہرگز یہ بچتا نہ یاں خواب میں

وہ انسان ہے اور پریشان ہے
وہ اس جا مسافر ہے مہمان ہے

بہت شرمگیں اور ہے صاحب حیا
نہیں اس نے کی یک سر مو خطا

میں لایا اسے جب یہ الفت ہوئی
یہ میرے سبب سے محبت ہوئی

نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے
اُسے آج تک الفت پاک ہے

اب اس کا پریشاں بہت حال ہے
اِدھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے

رہے یوں ہی دونوں جو اندوہ گیں
تو کچھ شکل جینے کی ان کے نہیں

مناسب تو اب عقل کے ہے یہی
کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی

مجھے عرض کرنا سزاوار ہے
مزاج آپ کا آگے مختار ہے

نہایت وہ صاحب خرد تھی پری
اسی بات میں دیکھ کر بہتری

کہا خیر بہتر ہے اب جائیے
برات اُس کی جا کر بنا لائیے

یہ فرماں ہوا جب پریزاد کو
چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال
بہت خوش ہو کھولا در گنج و مال

وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں
کہ جس کی ہوئیں واں نمودار یاں

کیے طرفہ عشرت کے سامان سب
نمایاں ہوئے دور عیش و طرب

ہزاروں پریزاد رنگیں قبائے
ہوئے بزم شادی میں رونق فزا

کئی دن تلک ناچ اور راگ کا
ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا

بہت خوان واں نعمتوں کے دھرے
کھلائے ہر اک کو دہرے اور پرے

گل اور پان بھی طرفہ آداب سے
بھرے ظرف شربت سے اور آب سے

وہ سلک زمرد در بے بہا
وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا

وہ سہرا جواہر نگار
وہ جوڑا شہانا وہ گوہر کے ہار

بخوبی یہ سب کچھ پنھایا اُنھیں
بہت خوب دولھا بنایا اُنھیں

بنا زیب و زینت سے اک راہوار
کیا ان کو اس پہ بہ زینت سوار

ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی
برات اُن کی بن ٹھن کے یاں سے چلی

گئے اس کے در پہ تو کر کر نگاہ
لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ

غرض جا کے اتری جب ان کی برات
رہیں چہلیں اور عشر میں ساری رات

جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
سبھی باتیں ہو خوش دلی سے ہوئیں

پری سے ہوا بیاہ ان کا جو واں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں

پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
پری کو پر لائے پرستان سے

ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
انھیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں

جو دیکھا عجب عظمت حسن ہے
جہاں میں بڑی دولت حسن ہے

جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہے
وہ خوش بے نظیر اس کی کیا بات ہے

مثنوی سوم

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے
عجب عشق کی رسم اور راہ ہے

عجب عشق کی شوکت و شان ہے
عجب عشق کا طور و عنوان ہے

عجب عشق کا رمز اور راز ہے
عجب عشق کا سوز اور ساز ہے

مجھے بھی جو ہے کچھ مزا عشق کا
سخن دل میں رکھتا ہے جا عشق کا

سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا
تو لکھتا ہوں یاں سے میں اب بنا

کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ
کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ

بہت حسن و خوبی میں آراستہ
بہت زیب و زینت میں پیراستہ

بہت اس کی نفیس وضع میں خوبیاں
طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں

یہ تھا خلق اور جسم میں نرم تن
کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن

نہایت مزاج الفت انگیز تھا
تکلم بہت شکر آمیز تھا

سخن میں طبیعت تھی مشکل پسند
مضامین رنگیں بہت دل پسند

محبت بہت ہر گل اندام سے
دل آرام رکھتا دل آرام سے

سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا
ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا

محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما
کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا

عجب رونق ان میں نمودار تھی
پری اس جگہ نقش دیوار تھی

مہیا سب اسباب ندرت کے ساتھ
ہر اک چیز تھی سو نزاکت کے ساتھ

کئی یوں تو اس کے گلستان تھے
بہاروں کے ان سب میں سامان تھے

دلے ایک باغ اس کے منظور تھا
دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا

گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے
دو رستہ کھڑے سرو باندھے پرے

طرب عندلیبوں کی آواز میں
نسیم عیش میں اور صبا ناز میں

ادھر نسترن کے رہے بھر چمن
ادھر یاسمین کے چمن در چمن

ادھر سرو کے سنبل آغوش میں
اُدھر ڈالیوں کے گل آغوش میں

ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی
ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی

ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہی ہیں
ادھر قمریاں شور و غل کر رہی ہیں

ادھر شان شمشاد زینت فزا
ادھر آب انہار موج انتما

وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے
وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے

رہی زور سبزوں میں بھر تازگی
ادھر کو تری اور ادھر تازگی

وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ
بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ

ہوئی ایک دن واں عجب واردات
کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات

ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں
نشاط و طرب کی نمو داریاں

مے و ساقی و مطرب خوش نوا
سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا

صراحی گلابی چھلکنے لگی
مے ناب ہر دم چھلکنے لگی

وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی
ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی

لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوئے
وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوئے

وہ سب ناچنے اور گانے لگیں
مزے زندگی کے دکھانے لگیں

گئی رات آدھی جو اس میں گزر
ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر

جو غالب وہ خواب آن کر ہو گیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سو گیا

وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں

دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی

دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی

دکھا حسن اس نے ادھر راہ لی
ادھر اس نے کی آہ اور چاہ لی

دکھا آن وہ تو نہاں ہو گئی
اسے زندگی بار جاں ہو گئی

دکھا زلف وہ تو گئی حال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آن وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں

دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں

کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے

اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا فدا اس پہ ہوتا رہا

اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
ولے اس کے دل کا وہی طور تھا

اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے

اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا اگر اس صنم کو ذرا

خلل آ گیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں

کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی

کبھی یاد اس مہ سے رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی

کبھی یاد اس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اس زلف کج باز کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی

تپش و سپندم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی

نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بے قراری وہی بے کلی

تحیر میں آکر پڑا ایک بار   نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار
رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے   عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
یہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا   کہ غافل سے دم میں دوانا ہوا
دیا جھپ کچھ ایسا جھکڑا دکھا   کہ دیا خوشی سے اٹھا غم بھرا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر   تو خادم وہ جب وقت پہچان کر
لے آیا کوئی گڑگڑی کو بنا   کوئی آفتابے کو لایا اٹھا
نظر آیا مسند پہ لیٹے ہوئے   دوپٹے سے منہ کو لپیٹے ہوئے
کہا شب جو گذری ہے وجام میں   ہیں اس واسطے اب تک آرام میں
بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے   جنھوں نے سنا وہ پریشاں ہوئے
جو تھے اقربا آگئے آن میں   کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں
اگرچہ کٹی جاگتے رات ہے   پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے
نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا   کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا
کئی طور سے سب نے تدبیر کی   ولیکن کسی نے نہ تاثیر کی
مہینوں تک اس کا یہی حال تھا   پریشاں دل و خستہ احوال تھا
کسی سے نہ کہتا وہ کچھ بات تھا   اسی کے تصور میں دن رات تھا
مصاحب جو اس کے تھے اور ہمنشیں   پراگندہ خاطر دل اندوہگیں
ہر اک نے اس احوال پر کر نظر   کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر
بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح   نبھے گی بھلا بات یہ کس طرح
نہ سنتے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے   نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے
کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو   تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک   کریں جستجو اس کی ہم دور تک

یہ سن کر کہا ان سے احوالِ دل / کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حالِ دل
رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدت تلک / نہ دیکھی رخِ مدعا کی جھلک
کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو / کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو
جو اس میں بر آوے تمھاری مراد / یہی خاص اب ہے ہماری مراد
تمھارا جو اس طور کا حال ہے / کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے
تمھارا جو نقشہ ہے اس طور کا / کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا
کہا جب انھوں نے یہ ہو دردمند / اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند
جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا + / زباں پر وہ احوال لانے لگا
بہت داستاں اور کہانی ہوئی / مہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا گوئی وارد جو ایک رات واں / تو اس نے کہی جلد یہ بات واں
کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے / کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے
گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو / ہوا اوس سے پھرنا میرا شام کو
مجھے شام کا وقت جس جا ہوا / تو اس دشت میں یہ تماشا ہوا
کئی خوشنما واں پرند آ گئے / وہ آئے پھر ان سے دوچند آ گئے
بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے / پروبال اُن کے کئی رنگ کے
بہت دلربا نازک اندام تھے / نگہ کے لیے اُن کے پر دام تھے
ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ / بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ
عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال / بہت خوبرو اور بہت خوش جمال
جو پریوں کی تصویر میں ہے سند / وہی ان کی صورت وہی ان کے قد
بہت خوش لباس ان کے پر دوش پر / کچھ ایسے کہ لے دیکھ انھیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
جھمک وہ کہ ہوتا تھا جس پر فدا

کسی نے بہت حسن ترکیب سے
رکھے مسند اور تکیے ترتیب سے

کسی نے مے اور جام لاکر رکھے
طرب کے سرانجام لاکر رکھے

ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
عجب ڈھب کی شمعیں عجب مشعلیں

وہ سب کر چکے۔ تھا جو کچھ عزم میں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں

پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے

جواں تھا جوان میں بہت نازنیں
ہوا زیبِ مسند وہ مسند نشیں

جو آئے تھے بیٹھے وہ ۔گرد آن کر
ادب سے مقام اپنے پہچان کر

یہ تھا ہمنشینوں میں حسن اس کا واہ
نمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ

ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نشے خوش دلی کے اچھلنے لگے

نوا زنگ کی اور صدا تال کی
خوشی دل کی اور تازگی حال کی

ادا جادو اور سحر انداز سے تھے
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے

وہ چمکے تھے حسن اور لباس اس گھڑی
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی

یہ عالم جو واں رخ دکھانے لگا
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا

یہ دیکھا تماشا جو اُس رات تھا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا

سوا اس کے اور ایک سنیے بیاں
کہ اُن میں جو مسند نشیں تھا جواں

یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
پر اس کو نہ ہرگز اُدھر دھیان تھا

ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
دل آزردہ ۔چپ سر جھکائے ہوئے

کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا

خفا تھا نہایت ہی اُس کا مزاج
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج

رہی دو گھڑی رات جب وقت واں
تو ایک پیک محفل میں آیا وہاں

پھر اگرد مسند نشیں کے وہ آ
جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا

کہ احوال واں کا بدستور ہے
ابھی راہِ مطلب بہت دور ہے

یہ سن کر جواں آہ کر کر اُٹھا
دمِ سرد محفل سے بھر کر اُٹھا

گیا واں سے اپنے اکی دھیان میں
گئے سب وہ ساتھ اسکے اک آن میں

گئے وہ۔ میں سے کر ہوش رہ گیا
تعجب تحیّر میں بس رہ گیا

وہ جھکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں
وہ شکلیں تصور میں پھرتی رہیں

نہ امیری ان پر طبیعت رہی
کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی

گیا میں کئی باریوں تو اُدھر
دلے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اس کی خدمت میں وہ کہہ چکا
تو ساتھ اُس کے یہ بھی اُدھر کو گیا

امید اپنے دل کو یہ دینے لگا
خبر دشت میں اُن کی لینے لگا

کہ شاید پھر آدیں تو ان سے ملوں
یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں

کیا ایک مدت تلک انتظار
ہوا بارے ان کا پھر اس جا گذار

وہی آکے نقشہ نمایاں ہوا
یہ دیکھ اُن کا عالم کو حیراں ہوا

بچھا فرش اور زیب اس جا ہوئے
سب اسباب عشرت مہیا ہوئے

جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے
وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے

وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا
سنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا

یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر وہیں
گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں

جو حاضر ہوا بزم میں آن کر
تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر

پکڑ آستیں پاس لایا اسے
بغلگیر ہو کر بٹھایا اُسے

بہت خوبی و لطف و اکرام سے
ہوا واقف اس کے وہیں نام سے

کہا تم نے کی مہربانی بہت
دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد
کہا یاں پہ آنا سبب کا ہے کچھ
سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی
کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں
یہ سن کر کہا کچھ تو کہیے بھلا
کہ میں باغ میں اپنے ایک شب رہا
کوئی دلربا آن کر خواب میں
مجھے بے کل اور مبتلا کر گئی
دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب
دکھایا مجھے حسن اس آن سے
دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان
جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری
کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں
تلاش اُس کی میں نے بمقدور کی
محبت میں اس کی گرفتار ہوں
ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا
یہ احوال جب گوش ان سے کیا
کہا تم جو بے کل ہو اور زرد ہو
تمھارے جو کچھ دل کا احوال ہے
پری ایک ہے دلربا نازنیں

کہیں اب ہوئی شادمانی بہت
پہ اس کے ہوا دل لگانے سے شاد
فقط لطف ہے یا تمنا ہے کچھ
تو بھر اشک آنکھوں میں ایک آہ کی
عجب طور کے رنج اور غم میں تھی
جب ان سے یہ احوال اپنا کہا
بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا
خلل کر گئی طاقت و تاب میں
کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی
تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب
کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے
کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان
کہوں کیا مگر حور تھی یا پری
میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں
جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی
جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں
تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا
تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا
ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو
ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے
بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں

بہت پر غرور اور بہت ہٹ بھری
کوئی اس کے ہمسر نہیں یاں پری

عجب حسن ہیں اس کے عنوان ہیں
جو پریاں ہیں وہ اس پہ قرباں ہیں

لگا دل کو اس کی ہر ایک آن سے
ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے

یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ
کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ

وسلے ہم کو وہ منھ دکھاتی نہیں
نہیں کوئی عشرت خوش آتی نہیں

نہیں دل جو لگتا تو پھر ہار ر ہم
ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم

کئی قاصد اپنے اُدھر جاتے ہیں
خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں

اسے جب گھڑی ہم پہ مہر آوے گی
تو ہم پاس وہ رشکِ مہر آوے گی

رہو تم ہمارے کنے مہرباں
جو کچھ ہم سے ہوگا وہ ہوگا عیاں

جب اس کے تئیں ان نے یوں کہہ دیا
وہیں آ کے قاصد نے مجرا کیا

کہا واں نہیں بات کچھ اور ہے
وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے

تو پہر دو گھڑی رات جب دم رہی
گئے وہ۔ اسے بھی ملی ہمرہی

یہ ہمرہ کے ساتھ ایک آن میں
ہوا جلد وارد پرستان میں

دکھائے انھیں واں کے بنگلے مکاں
مرصع طلائی جواہر فشاں

دکھائے انھیں واں کے باغ و چمن
گل و بلبل و نرگس و نسترن

بہاریں عجب اور فضائیں عجب
صدائیں عجب اور ہوائیں عجب

انھیں دیکھنے وہ کب آئے تھے
محبت نے ان کو وہ دکھلائے تھے

کہاں یہ کہاں حد پرستان کی
بلندی یہ ہے عشق کی شان کی

مہینے تک ان کی ضیافت رہی
پھرے وے ادھر سے ادھر تک یہی

شب و روز فرحت فزا انجمن
طرب۔ رقص، گلگشت باغ و چمن

وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے ادھر
پھر آتے تھے ہر دم اُدھر سے ادھر

کسی نے پھر ایک دن بصد خوشدلی
تو یہ آن کر اُس کے ملنے کی دی

کہا واں سے دور اعتراضی ہوئی
وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی

خوشی یہ جو زیب زبانی ہوئی
نہایت اسے شادمانی ہوئی

وہ جب خوش ہوا واں تو اس نے بلا
کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا

یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجیے
جو کچھ یہ کہیں اُس کو سن لیجیے

کہا اس نے کیجیے انھوں نے کہا
کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا

یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے
یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے

کہا اس نے سن کر کہ یاں ایک پری
اسی حسن اور ناز میں ہے بھری

کئی دن میں جا اس کو راضی کیا
مئے جام عشرت انھیں بھر دیا

بڑی دھوم سے شادی اُنکی ہوئی
بڑے غم سے آزادی اُن کی ہوئی

پھر پریزاد نے ہو کے واں شاد جب
بنا طرفہ شادی کے اسباب سب

کر آراستہ خوب ایک انجمن
تکے جس کو ہر لحظہ باغ و چمن

بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا
بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا

دل اپنا جب اُس نے پر عشرت کیا
تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا

پری کو یہ ساتھ اپنے لائے ادھر
خوشی خرمی سے رہے عمر بھر

کروں کیا نظیر اب میں تقریر عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیر عشق

نظمیات نظیرؔ

(۱)

نظیرؔ محراب عبادت میں

الٰہی تو فیاض ہے اور کریم
مقدس، معلّے منزہ[۱] عظیم
الٰہی تو غفار ہے اور رحیم
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم
تری ذات والا ہے یکتا قدیم

ترے حسن قدرت نے یا کردگار
بہونچتی نہیں عقل اُنہیں ذرہ وار
کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
تحیّر میں ہیں دیکھ کر بار بار
ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

زمیں پر سمٰوات گرداں کیے
نباتات بے حد نمایاں کیے
نجوم اُن میں کیا کیا درخشاں کیے
عیاں بحر سے دُر[۲] و مرجاں کیے
حجر سے جواہر بھی اور زر و سیم

[۱] منزہ - پاک۔ عظیم عظمت والا۔ بڑا ۱۲ ۱۲ ے
[۲] دُر - موتی مرجان مونگا ۱۲ آستی

شگفتہ کیے گل، بہ فصلِ بہار
بہ و برگ و نخل و شجر، شاخسار

عنادل بھی اور قمری و کبک و سار
طراوت سے خوشبو سے ہنگام کار

رواں کی صبا ہر طرف، اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا
خصوصاً بنی آدمِ خوش لقا

جو کچھ حشر ہووے تو جا دے کہا
شرف اُن سبھوں میں انھیں کو دیا

بہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم

عطا کی انھیں دولتِ معرفت
حیا، حُسن، اُلفت، ادب، مصلحت

عبادت، اطاعت، نکو منزلت
تمیز سخن، خلق خوش، مکرمت

فراواں دیے اور ناز و نعیم

ترا شکر احسان ہو کس سے ادا
کیے اور الطاف بے انتہا

ہمیں مہر سے تو نے پیدا کیا
نظیر ان سوا کیا کہے سر جھکا

یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

(۲)

اے برتر از خیال و قیاس و گماں ما

یا رب ہے تیری ذات کو، دونوں جہاں میں برتری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا، حفظ آوری

ہے یاد تیرے فضل کو رسم خلائق پروری
کیا انس و جاں، کیا طائراں، کیا وحش، کیا جن و پری

پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالقِ ارض و سما، تو حاکمِ قدرت نما
برتر، مقدس، ذوالعلا، بندے ترے شاہ و گدا

ہے حکم تیرا جا بجا، ازعرش تا تحت الثریٰ
دنیا و دیں کی یا خدا، برحق تجھی کو ہے روا

فرمانروائی، حاکمی، شاہی، خدائی، سروری

سلہ سار رنیا، رنگ کا ایک خوشنما آواز پرندہ
سلہ انتہا
سلہ مراد انسان
آدمی

قدرت نے تیری ہر زماں لیکر زمیں تا آسماں — کیا کیا بہاریں کیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں محبوب حسن آرائیاں — حقا تری صنعت پہ ہاں ختم لاریب و گماں
رنگینی، و طراحی، و نقاشی، و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک پیدا کیے حور و ملک — انساں صبیح و پر نمک حیواں عجائب یک بیک
ہر جا تجلی اور جھلک بے انتہا نور اور چمک — کہتی ہے دانش انکو تک ہے یہ بھی قدرت کی جھلک
چمکے ہیں جس سے اسقدر خورشید و ماہ و مشتری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلّا شان ہے — خالق ہے اور رحمان ہے رزّاق اور منّان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے احسان بے پایان ہے — ہم کو یہی شایان ہے جب تک بدن میں جان ہے
ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں انکا کریں — آتی نہیں کچھ فہم میں حیرت زدہ اُن کو تک رہیں
کیا کیا بنائیں نعمتیں کیا کیا بنائیں رحمتیں — کب شکر ان کا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں
یارب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں اور تو ہی خیر الراحمیں — یکتائی ہے تیرے تئیں ہمسر ترا کوئی نہیں
لے آسماں سے تا زمیں ہیں سب عباد و تابعیں — ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے با صدق و یقیں
ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری

(٣)

ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا کھچم کھچا ہے — یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیواں پکھیرو نر ناری کیا بوڑھا بالک بچا ہے — کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا نادان کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

۱؎ طراح نقاش
۲؎ صبیح - خوبصورت سفید رنگ ۱۲
۳؎ منّان بہت احسان کرنے والا بہت نعمتیں دینے والا - خدائے تعالیٰ کا ایک نام ۱۲
۴؎ کھچم کھچا پری بھر جانے کی شان - رچنا بنانا - ست کرنا ہستی میں لانا - پیدا کرنا - مخلوق کرنا - منقش کرنا - منقوش کرنا - مرتسم کرنا - ٹھاٹھ بندھنا -
۵؎ پکھیرو - پرندہ اڑنے والے جانور - نر ناری مرد عورت ۱۲ دستخط علی

۱؎ منگری ترکی میں خدا کو کہتے ہیں ۱۲ ۲؎ الکھ جو دیکھنے میں نہ آئے۔ نرنکار۔ پوشیدہ۔ الوپ۔ غائب ۱۲ ۳؎ نرنجن بری از ہوائے نفسانی و شہوت ۱۲ نردھاری جن کا روپ دھارن کرنے والا جس کا کوئی روپ نہ ہو ۱۲ ۴؎ ڈبرا یا ڈابر جھیل۔ جوہڑ۔ نشیب جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے جیسے چھوٹا تالاب۔ غدیر ۱۲ ۵؎ جوہڑ۔ بارانی تالاب جیسے جھیل۔ ڈابر۔ تال۔ غدیر ۱۲

کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اللہ منگری
کوئی رام رام کہکر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری
کوئی الکھ روپ کرتار کہے نرکال نرنجن نردھاری
کوئی داتا دینت دیوتا کوئی جاپے دیوت جن پری

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

دریا و سمندر جھیل نہر ندی نالے ڈبرے جوہڑ
جو نکیں پھینیں گوہیں جھینگے مرغابی بطخ بیل اجر
سیپی گھونگے کوڑی موتی گھڑیال اودبلاؤ سوس مگر
کیا لاجی پدی اور ہنور کیا کچھو مچھلی کیا جی جنتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

پھلواری باڑی باغ چمن ہے سب کو یاد تری ہی بھلی
کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہر سب کے دل میں یاد دھلی
تو مالی والی رکھوالی کیا برچھ پھلی کیا پیڑ بلی
کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل کیا ٹہنی پتا کلی کلی

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا مست سٹرا عیار نظر ناقص کامل
رمال نجومی گھڑیالی ملا بھگت پنڈت عاقل
سردار غریب ادنی اعلی زیرک سیانا نادانی غافل
کیا بید ہندسی ابجد داں کیا عالم فاضل کیا جاہل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سیارہ ثوابت لوح و قلم جنات عدن فردوس فلک
آثار طبائع قوس و جدی میزان اسد سرطان ہر یک
خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب سے لے خورشید تلک
کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش پری کیا حور ملک

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل
بیلہ و پاکھر نرماسنبھل کچنار سنبھالو بڑ پیپل
ویرانہ پربت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی بیڑ در جبل
کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل ودھل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

راے بیل کنیر اور مولسری مالت بیلا اور سمن
جائی جوہی شبو نرگس سنگار جنبیلی سیم بدن
دوپہری گیندا گل لالہ نافرماں کرنا بان مدن
کیا پھول گلابی گل طرہ کیا ڈیلا بانسہ سکھ درشن

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

مسواکیں بناتے ہیں ۱۲ ۶؎ پاکھر ایک بڑے سایہ دار درخت کا نام ہے جس کے پھل کا اچار رطوبتوں کے واسطے بہت مفید ہے ۱۲ ۷؎ دھلاد ... پہاڑی درخت کا نام ...

[illegible]

انگور، سنگترہ، نارنگی، بر بیہ[1]، سدا پھل[2]، سیتا پھل[3]
آنب املی جامن ککری بادام چھہارے اور چاجل
نارنج، جھنبیلی اور کوے کھٹے میٹھے کمرکھ، گلگل[4]
کیا گولر کھٹے مولسری کیا شفتالو کیا کٹھل بڑھل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گرھ ینکھ کلنگ اور بارکوئی سارس بگلا کویل تیتر
بھری گھگھٹ طوطا مینا ہدہد شکرے باشے، تیتر
سرخاب ترمتی زاغ و زغن سیمرغ اور سارس مو سیقر
کیا بلبل قمری لعل بیا کیا کمھی بھنگا اور چھچھر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑ
گج کوہی پاڑا اگر گچھ گرگٹ چلپاسہ مینڈک
سیہی نیولا سانڈا جھونٹی چیتل جسی، اژدر
کیا جل مانس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال قطب اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے سب کا لگا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا
کیا گیانی دھیانی نارد مُن کیا جوگی جنگم گرو چیلا
کیا شاہ و نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

(۴)

تو کار جہاں را نکو ساختی

خدا کی ذات ہے وہ ذوالجلال والاکرام،
اُسی نے ارض و سمٰوات کو دیا ہے نظام
کہ جس سے ہوتے ہیں پرورش سبھی خاص و عوام
اُسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام

قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام

فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصّع کاری کی
ضیاء و نور کی کیا کیا تجلّی باری کی
پھر اُن میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی
بروج بارہ میں لاکر رکھی نہ وہ بار کی

کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

---

[1] بر بیر کا مخفف ہے اور یہ عوام کی بول چال میں ہے۔ [2] گو اصل کتاب میں سدا پھل لکھا ہے گر میرے خیال میں سری پھل کا نسخہ بہتر ہے۔ سدا پھل وہ درخت جو ہمیشہ پھلوں سے لدا رہتا ہے ہمیشہ پھل لانے والا درخت۔ ہر سال پھلنے والا درخت سری پھل۔ نارئیل۔ نارجیل صحرائی بعض جگہ سری پھل بیل کو بھی کہتے ہیں ۱۲ [3] سیتا پھل شریفہ شہباز [4] گلگل ایک قسم کا بڑا درخت ۱۲ اشرف علی

بنائی کرسی و عرش اور لامکاں و رآں
ظہور و حور و قصور و ملائک و رضواں
پھر اور سدرہ و رفرف سے درج نار و جناں
ادھر فرشتہ کرّوبی اور اُدھر غلماں

قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام

ثوابت اُس نے بنائے ہیں اس قدر بسیار
کہ روز حشر تلک ہو سکے نہ جن کا شمار
مگر یہ نام ہیں اُن کے جو سات ہیں سیّار
یہ دو ہیں شمس و قمر اور ساتھ اُن کے یار

عطارد و زحل و زہرہ، مشتری، بہرام

ہوا ہے حکم ازل سے جو اُن کو پھرنے کا
کریں گے دَور یہ ہمراہ آسماں کے سدا
تو کسی کا کہاں حکم ہو سکے ایسا
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا

پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

جو کچھ ہے اُس نے بنایا یہ کل نہان و عیاں
اُسی کی صنعت و قدرت کے ہیں یہ سب نشانیاں
ہیں ایسے ایسے مکاں اور اُسکے بے پایاں
بشر جو چاہے سو سمجھے انھیں ہے کیا امکاں

تھے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

زمیں کو دیکھو تو کل آب پر دیا ہے قرار
پھر اُس میں اور بنائے ہیں کوہ و دریا و بجار
کیا ہے اور نباتات کے تئیں اظہار
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ گل اور بار

سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام انعام

اُسی کے حکم سے ہم اس جہاں میں آتے ہیں
زبان و عقل و خرد، چشم و گوش پاتے ہیں
اُسی کے لطف سے پھولے نہیں سماتے ہیں
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں

چھوہارے، کشمش و انجیر و پستہ و بادام

ہے وہ ہی خالق و رازق وہی رؤف و غفور
اُسی کے مہر سے پلتے ہیں انس و وحش و طیور
اُسی کے حکم سے خلقت کا یاں ہوا ہے ظہور
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور

بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

اسی نے حکم کیا ہے ہمیں عبادت کا
جو غور کی تو ہمیں راکھی ہے اسی میں بھلا
اُسی نے طاعت و تقویٰ کا حکم ہم کو دیا
کہ اُس کا شکر کریں شب سے تا بروز زاد
اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

جو اس میں لطف و عنایت ہے کب کسی میں ہو
عبادت اُس کی ہے جو ہووے دل کی خو
ہر اک طرف ہے اُسی کے گُلِ کرم کی بو
نظیرؔ نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق سو
اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۵)

چڑیوں کی تسبیح

(وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا یفقہون تسبیحھم)

وقت سحر کی رو چلیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں، کر کر ذکر کن اور فیکون کرتی ہیں

مرغے بولے گگڑوں گگڑوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اُس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

بنکھ[1] رُجھا گردھ بنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اُسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں

سارس گدھ حواصل بزّے بگلے بنکھ کلپتے ہیں
بنکھ بکھیر و جتنے ہیں سب نام اُسی کا جپتے ہیں

[1] بنکھ رُجھا، گردھ بنکھ پرندوں کے نام ۱۲ ٹ حواصل ایک سفید آبی پرند کا نام جس کا پوٹا بڑا اور آگے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ بحری ایک دریائی پرندہ ۱۲ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کلنگ ٹیٹری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ

دادر[1]، مور، پپیہے، کوئل کوک رہے اللہ اللہ
فاختہ کو کو تہو دہو ہو، طوطے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

شکرا[2] چیخ اور گدھ باشے، اور رہ ترمتی، باز کوہی[3]
کونج[4]، کبوتر، بسنک، جھانبو، کلکل، سارو، مار چڑی[5]

لعل پڑھے صم بکم جب پہنے پوشاک سوئی
بدڑی، پدی، پودنے شکر خورے بولیں تو تی تو تی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

چیل کطی[6] السجل کہے ہے چلوں چلوں، مت جان میاں
کوے قاں قاں، کرتے ہیں الآن کما کان[7] میاں

مرمر بولے مرغابی کل من علیہا فان، میاں
جتنے پنکھ پکھیرو ہیں سب پڑھتے ہیں قرآن میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

ہنس ہما، سرخاب، تدرویں بولیں یا رحمان میاں

سلہ دادر ہندی میں مینڈک کو کہتے ہیں۔ گیتوں میں مور کے ساتھ اس کا ذکر اکثر آیا ہے۔ اس لیے دونوں میں ایک قسم کا تعلق اور عجیب نسبت پیدا ہو گیا ہے جس کو محض خیال شعری و صفائی زبان نہیں ۱۲ سلہ ترا ... نسخوں میں بند ۱۲ ... نہیں ہیں۔ سلہ کوہی جو لفظ عام میں کوہی بولی ہے سنے کو نجے فرہنگ آصفیہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ سارس قاز کی جنس سے ہے۔ بعض اہل دہلی سے تحقیق ہوا کہ قاز کی پیر بڑی ہوتی شکل ہے۔ سلہ مار چڑی جو فی الواقع مار ہے جس کو نار سی ... سو شکرہ خوار کہتے ہیں۔ سلہ آیۃ کا مکڑا ہے یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب کے بیان میں ۱۲ شہباز

سلہ نون کو بالاشباع پڑھنے سے وزن ٹھیک ہوتا ہے ۱۲ شہباز۔

سارو، بھرل اور لٹورے، دھیڑ یا حنان میاں

ققنس، تیتر، چکوہ، چکوی بولیں یا منان میاں
ہُدہُد بولیں احد احد کچھ تو بھی تو کر دھیان میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

بوم چغد اور سیرک ابابیل اور چکوریں شام چڑی
ممولے، جھپاں، لوے، کلنگ اور رخوغائی کی دھوم پڑی

تتلی، ٹڈی، ڈانس، بھنبھیری، کتری بھنوری اور بڑی
مکھی، مچھر، پسو، بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

تن تن، اور رم، ڈھیک، ممولا حق حق تار پروتے ہیں
الگھن، بئے، چنڈول، ابلقے یاد میں اُس کی روتے ہیں

طائر تو سب تخم محبت اُس کا دل میں بوتے ہیں
پنچھی اُس کی یاد کریں، ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے 'یا حیّ توانا'، کوئی کہے 'یا رب قدیر'

پنچھی تو سب یاد کریں، اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ! نظیر

لہ ڈانس ایک قسم کا بڑا مچھر ۲؎ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

(۶)

نظیر بارگاہ رسالت میں

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
سرگروہ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آسماں تم نے شب معراج کو روشن کیا
رنگ و بو گلشن کی جنت کے بڑھائی پر ملا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے نے نور دیا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہے تمھاری پشت پر مہر نبوت کا نشاں
معجزے جو ہیں تمھارے انکا کب ہووے بیاں
اور تمھارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں میں عیاں
کشور اعجاز جو ہے اس کے تم با عز و شاں
صاحب تاج و نگیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

تم کو ختم الانبیا حق نے بھی حبیب اپنا کہے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سے ملے
اور سدا روح الامیں آوے ادب وحی لے
ہے نبوت کا جو اقدس بحر تم اس بحر کے
گوہر یکتا تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
باعث خلق ان کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے چمن
اور اک مطلع پڑھوں میں میں سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مطلع ثانی

سورہ یٰسین ۔ قرآن پاک کی ۳۶ سورتیں ۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ۔ ۔ ۔ اسمی

تم ظہورِ اولیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ — ہم دمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
وجہِ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ — نزہتِ بستانِ دیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

احمدِ مختار ہو تم بادشہِ ہر دوسرا — ہے تمھارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا — دیر اک پل درمیاں آئے تو یہ امکان کیا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں — دیکھتا ہے اُس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
رازِ تو خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہِ دیں — اور جو جو کچھ کہ ہیں اسرارِ ربُّ العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے — اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے — کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الوریٰ — سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمھاری ذاتِ والا منبعِ لطف و عطا — کیا نظیر اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰ

(۷)

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

رکھ اپنے دل میں اے آدم کے بن کلمہ محمدؐ کا — اور اپنی انگلیوں اوپر بھی گن کلمہ محمدؐ کا
پڑھے ہیں سب پری اور دیو جن کلمہ محمدؐ کا — مسلماں ہو تو مت بھول اک چھن کلمہ محمدؐ کا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں یہ کلمہ طیب تو شفیع المذنبیں کا ہے
محمدؐ مصطفٰے یعنی کہ ختم المرسلیں کا ہے
خدا کے دوست برحق رحمۃ للعالمیں کا ہے
بھروسا آسرا انکیہ بھی یہ دنیا و دیں کا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمہ سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در
اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھلکر
یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر
یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہے برتر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کے نور سے خورشید کہلاتا ہے نورانی
اسی کلمے کے باعث دین و دنیا میں ثنا خوانی
اسی کلمے کے باعث چاند کی روشن ہے پیشانی
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں فلک زمیں اور ہوا پانی
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے ہیں اے دل زمین و آسماں روشن
اسی کلمے سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
غرض جنت تو کیا اُس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہ وہ کلمہ ہے جس کا ہے رہا ارمان نبیوں کو
اسے حور و ملک غلماں پڑھیں ہیں ہر سحر منہ دھو
اسی کلمے کے پڑھنے سے گئے ہیں لوگ عارف ہو
وہ بیشک جنتی ہیں ایک باری جو پڑھیں اسکو
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے
پڑھے گا جو اسے اُسکا دل و جاں بھی سلامت ہے
اگر یاں سے تو جاویگا تو پھر واں بھی سلامت ہے
اُسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

چلے گا جس گھڑی تو چھوڑ کر یہ عالم فانی
نکیر و منکر آکر جب کریں گے تجھ پہ طغیانی
پڑے گا قبر کے جا کر اندھیرے میں ہو زندانی
یہی کلمہ کرے گا واں تری مشکل کی آسانی
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے
اسی کلمے نے تنگی کو لحد کی کھول ڈالا ہے
پڑے گا قبر کا تجھ پہ میاں وہ دن جو کالا ہے
یہی کلمہ ترا واں بھی اندھیرے کا اُجالا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

صفِ محشر میں جب دہشت کا تجھ پر وار اُترے گا
یہی کلمہ ترا اُس جا رفیق و یار اُترے گا
گناہوں کا ترا جتنا ہے بوجھ اور بھار اُترے گا
اسی کلمے کی دولت سے میاں تو پار اُترے گا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں جب پل صراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا
تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پاؤں کھاے گا
لگے گا جب وہاں گرنے تو یہ کلمہ بچالے گا
یہی بازو پکڑ لے گا یہی تجھ کو سنبھالے گا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

سوا نیزے کے اوپر جبکہ ہوگا آفتاب آیا
ہر اک گرمی کی تابش سے پھرے گا سخت گھبرایا
پڑے گا تب ترے تن پر بھی شعلہ اُس کا گرمایا
یہی کلمہ چھپر بنکر کرے گا تجھ پہ واں سایا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

تلیں گے جب وہاں سب کے عمل میزاں کے پلّے پر
جو ہلکے ہیں پڑیں گے آفتیں گرز اُنکے کلّے پر
تجھے تولیں گے جس دم اُس ترازو کے محلّے پر
یہی کلمہ میاں واں بھی ترے ہووے گا پلّے پر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جو پورے ہیں میاں اُن کی تو ہوگی گرم بازاری
کمی ہے جنس جس کی اُسکی ہوگی واں بڑی خواری
ترازو بھی جب کرنے لگے گا واں سبک ساری
یہی کلمہ بناوے گا ترے پلّے کو واں بھاری
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

پڑے گا تشنگی کا شور اُس میداں میں جب آکر
پھریں گے پانی پانی کرتے مارے پیاس کے اکثر
تری بھی جب لگے گی سوکھنے تالو زباں یکسر
یہی کلمہ تجھے پانی پلاوے گا، میاں بھر بھر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے دیدار حق کا بھی دکھا دیگا
بہشتی کرکے عقبےٰ نور کے تجھکو بٹھاویگا
محمدؐ کی شفاعت سے بھی تجھکو بخشوائے گا
بڑی عزت بڑی حرمت سے جنت میں لیجاویگا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے واں جام کوثر کا پلائے گا
یہی کلمہ ترا منھ چاند سا روشن بناوے گا
یہی کلمہ تجھے گلزار جنت کا دکھاوے گا
یہی کلمہ ترے ہر وقت پر واں کام آوے گا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ نجات اور مغفرت کا ہے ترے چارا
اسی کلمے سے ہے ہم سب گنہگاروں کا چھٹکارا
اسی کلمے سے ہنگی روح تیری عرش کا تارا
اسی کلمے سے ہوگا دین اور دنیا کا نستارا[لہ]
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے تو حق کی خاص رحمت ہے
اسی سے یاں نظیرؔ عزت[عہ] اسی سے واں شفاعت ہے
یہ صدقے سے رسول اللہ کے ہم پر عنایت ہے
یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

(۸)

منقبت

علیؑ کی یاد میں رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں
علیؑ کی مدح کا پڑھنا کرامت اسکو کہتے ہیں
علی کا وصف کچھ کہنا سعادت اس کو کہتے ہیں
علی کے نام کا لینا حلاوت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کی حب میں مرجانا شہادت اسکو کہتے ہیں

اسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشید انور نے
اسی کو لحمک لحمی[نہ] کہا جان پیمبر نے
اسی کو لافتی[نہ] ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اسی کو دم مک دمی کہا اس شاد برتر نے
خدا و مصطفےٰ سے ہم قرابت اس کو کہتے ہیں

لہ نستارا یعنی بچھڑنے والا عقیدہ ہنود کے مطابق عذاب تناسخ سے نجات مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق محض عذاب سے نجات ۱۲
عہ سقوط میں ۲
نہ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار اشارہ ہے حدیث مشہور کی طرف ۱۲
آسی

کہا مولا سے میرے گر کسی نے اک سوال آکر | جو مانگا اک شتر اسکو دلائے سیکڑوں اُشتر
اگر کچھ زر کی خواہش کی تو بخشے اس قدر گوہر | کہ اُس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر بھر

کریم و اہل ہمت میں سخاوت اسکو کہتے ہیں

امیر المومنین گر دشت میں پڑھنے نماز آوے | رہیں قامت[1] کے کہنے کے لیے جبرئیل آجاوے
صفیں حور و ملک غلماں[2] و جن و انس کی لاوے | ہر امولا ہر اک سجدے میں وصل حق ہی دکھلاوے

نبوت کے جو مالک ہیں امامت اسکو کہتے ہیں

اُسی نے ایک حملے سے گرایا باب خیبر[3] کا | کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
چہ بیر العلم[4] میں کود کر دیوؤں کو جا مارا | ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منھ موڑا

بہادر بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

کہا اُس شاہ نے "روز قیامت میں جو آؤں گا | وہاں عرصات[5] میں اپنے محبّوں کو جو پاؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا | پلا کر جام کوثر سب کو جنت پہونچواؤں گا

علی کے دوستو سن لو شفاعت اسکو کہتے ہیں

نظیر آوے وہ دن جو شاہ کو سب دوستاں دیکھیں | تو پھر حسنین کے صدقے سے اُنکو ہم بھی واں دیکھیں
اور اب دنیا میں آنکھوں سے نجف کا آستاں دیکھیں | سروں پر اپنے وہ دامان عالی سائباں[6] دیکھیں

قسم ایمان کی ہم علیں راحت اسکو کہتے ہیں

(۹)

حضرت علیؓ کا معجزہ

سنئے ہوا ے علی کے محبان دوستدار | ایک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار | تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار

اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

[1] نماز جماعت کی اطلاع کے لیے تکبیر کہنا جسمیں قد قامت الصلوٰۃ بھی دو مرتبہ کہتے ہیں۔ قامت بھی اسی کلمہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲
[2] غلمان جنت کے امرد لڑکے ۱۲
[3] خیبر۔ ارض حجاز میں ایک قلعہ کا نام جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہکر حضرت علی نے فتح کیا ۱۲
[4] بیر العلم یا بیر الالم۔ ایک کنوئیں کا نام جسمیں ایک روایت کے موافق حضرت علی نے کفار سے جنگ کی۔ بیر العلم کی ترکیب درست نہیں ہے۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے شب لیلۃ القدر ۱۲
[5] عرصات میدان قیامت ۱۲
[6] سائبان سایہ کرنے والا مجازاً چھتر ۱۲ آسی

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی
واں ایک شیر رہتا تھا اور اُس کی شیرنی
دو بچے اُس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی
دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں
دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں
بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں
نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں
بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ
ناگاہ دونوں بچوں پر اُس کی پڑی نگاہ
رکھوا کے اُن کو اونٹ پہ جلدی سے خواہمخواہ
لی اُس شکار گاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ
محلوں میں اپنے آن کے اُس نے لیا قرار

جب آئے شیر و شیرنی با حالت تباہ
اور دونوں بچے گھر میں نہ آئے انھیں نگاہ
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ
اور شیرنی نے لی نجف اشرف کی وہیں راہ
سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب
بھوکی، پیاسی، پھیرتی ہونٹوں پہ خشک جیب
شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب
آ پہنچی یک بیک نجف اشرف کے عنقریب
پنجوں سے اپنے سر پہ اُڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں
ہر اک دکان سے واں کی اُٹھا شور اور فغاں
کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہاں ہے
ہیبت سے اُس کی چھپنے لگے پیر اور جواں
چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھورتی بتاتی تھی
نے منھ کو موڑتی تھی، نہ پنجہ اُٹھاتی تھی
آنکھوں سے اس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی
شاہ نجف کے روضے پہ فریادی جاتی تھی
لوگ اُسیر اپنے خوف سے کہتے تھے بار بار"

ا واؤ عاطفہ کا استعمال اس صورت میں کہ ایک لفظ ہندی اور ایک فارسی اب بعض فصحا جائز نہیں رکھتے۔ اور بعض جائز سمجھتے ہیں ۱۲ ۲ جیسے، زبان ۳ نجف کی نون کے نیچے اضافت توصیفی کی ضرورت ہے۔ قریب کے بجائے عنقریب کو صرف ضرورت شعری جائز کر دے تو کر دے ورنہ عنقریب اور قریب کے محل استعمال میں بڑا فرق ہے۔ نجف وہ شہر جہاں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے ۴ ہیبت، خوف ۵ شاہ نجف سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۲ اسی

جس دم وہ پہونچی حیدر صفدر کے در تلک
دربان اُس کے خوف سے کُھسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک
رونے لگی وہ سامنے سر کو ٹپک ٹپک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اُسکی آنسو کی ندی جو بہتی تھی
بچّوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی
کچھ منھ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی
گویا وہ قہر سے اپنی زبان میں یہ کہتی تھی
بچّے مرے دلائیے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا
مظلوم جیسے روتے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زبان سے اپنی سناتی تھی بغبغا[1]
نکلی تھی آغا آغا کی منھ اُسکے سے صدا
کہہ آغا آغا در وے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقیٔ کوثر کے سامنے
محتاج بن کے صاحب قنبر[2] کے سامنے
یوں دھیکتی تھی روضۂ انور کے سامنے
مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف سکا کم
سب اُس کے پاس آن کے دیکھیں تھے اُس کا غم
ہر آن اپنے سر کو ٹپک کر کے چشم نم
پنجوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگے تھی آغا سے جھوم جھوم
یعنی فلک نے مجھکو دکھایا یہ روز شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم
گرد اُس کے مرد و زن کا ہوا آن کے ہجوم
حیرت میں تھے تمام چہ ناداں، چہ ہوشیار

کوئی[3] پانی اس کے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا
لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچّوں کا داغ ہوش سب اُسکے اُڑاتا تھا
جو اُس کو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
اُسی طرح سے سر کو ٹپکتی تھی بار بار

[1] بغبغانا شور بہ مچانا اور بطخ کی طرح بلبلانا شور و فریاد کرنا۔ دل سے زبانی کرنا ۱۲
[2] قنبر۔ حضرت علیؑ کے غلام کا نام ۱۲
[3] کوئی بروزن فع اب مستعمل نہیں بلکہ خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی
ناچار اُن شریفوں نے دیکھ اُس کی بیکلی
اُس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
باسینۂ الم کش و با چشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دُہائی ہے
بچّوں نے اُس کے قید کی آفت جو پائی ہے
اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
سو اب ہمارے روضے پہ فریادی آئی ہے
کل اُس کا بھید ہوئے[1] گا تم سب پر آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب
فرمایا وہ جو شیر کے بچّے[2] ہیں دل کباب
واں جا پلنگ اُلٹ دیا اُس کا بعین خواب
بھجوا دے اُن کو شہر نجف میں تو کل شتاب
ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرمسار

ہاں اُن کی اُن کے واسطے آنسو بہائی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے
اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
غش ہو ہمارے روضے میں جی کو کھپاتی ہے
جلدی سے اُن کو بھیج دے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اُٹھا اور ہو کے عذر خواہ
بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ
جانا یہ اُس نے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ
بھجوا دوں کس طرح سے انھیں کل میں پُر گناہ
اتنا تو اس غلام میں کب ہے گا اختیار

تب حکم یہ ہوا اُسے "جس وقت ہو سحر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے اُدھر
جلدی سے دونوں بچّوں کو رکھوا کے اونٹ پر
جب پہنچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اُدھر
واں پیدا ہوگا غیب سے اک ناقہ و سوار

ہوتے ہی صبح اُس نے منگا کر وہ دو بچّے
رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے تلے
کیا دیکھیں ایک شخص کو واں آدھی رات سے
ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

[1] اب ہوئے گا کے بجائے ہوگا فصیح ہے ۱۲
[2] بچے میں جیم فارسی مشدد ہے۔ اردو میں یوں ہی بولتے ہیں۔ فارسی میں صرف بچہ جیم فارسی کے ساتھ بھی بولتے ہیں ... گئے ۔ ایک عوام کی زبان ہے۔ تحریر میں لانا خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جاتے ہی دونوں بچّے انھوں نے لے دیے — با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
وہ اُن بچّوں کو لے کے چلا اس شتاب سے — آپہونچا اُس مکان میں اک پہر دن چڑھے
یکبار اُس کا شہر نجف میں ہوا گذار

بچّوں کے آنے آنے کی جب غلؔ[1] ہوئی کرو ڑ — وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منھ کو موڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچّے دیے وہ چھوڑ — یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچّوں کو اپنے پیار

بچّے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے — یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دو دھ سے لگے — اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اُس کے منھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچّے پائے تو ہو کر وہ شادماں — بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں — پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہونچی اپنے دشت میں خوش ہو کے ایک بار

شیر خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ — خلقت تمام واں کی پکاری یہ واہ واہ!
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ — حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمھارے لطف سے جس وقت ہوویں شاد — انساں پھر مکان سے رہیں کیونکہ نامراد
جیسے تمھارے در سے ملی شیرنی کی داد — احساں ایسے ایسے بہت اے کرم نہاد
ہیں[2] گے تمھارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیرؔ[3] تمھارا غلام ہے — رکھتا سوا تمھارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پرگناہ ہے اور ناتمام ہے — دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجو میری آبرو یا شیر کردگار

---

[1] غل بمعنی شور۔ اب زیادہ فصحا کی زبان پر تذکیر ہے۔
[2] ہیں کے بجائے ہیں گے اب فصیح نہیں سمجھا جاتا۔
[3] اس قسم کی تعقید شعر کو سست کر دیتی ہے۔ آسی

(۱۰)

خیبر کی لڑائی

ہو کیوں نہ بڑا غم سے خوارج کا دہاڑا؟
گھر طیش مخالف کا رہے کیوں نہ اُجاڑا؟
جڑ پیڑ سے کفر اُن کا نہ کیوں جائے اُکھاڑا؟
لے نام علی "جب کہوں للکار جبارا"
دریائے فلک کا بھی دہل جائے کراڑا

پہلے تو پیمبر سے لڑا تھا وہ کڑک کے
چھٹ جائیں وہاں سام و نریمان کے چھکّے
رستم کے تئیں ٹوک سکے دے زال کو دھکّے
ہیں شاہ کی جرأت کے جہاں دھوم دھڑکّے
نیزوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دکھتی تھی مرے شاہ کی جب آنکھ سراسر
اس واسطے گھر چھوڑ گئے اُن کو پیمبر
پیش آیا جبھی معرکۂ قلعۂ خیبر
اور آپ نبی لے کے چلے دین کا لشکر
جھنڈوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دن رات رہی آن کے خیبر کی لڑائی
اور سر فتح کئی روز تلک ہاتھ نہ آئی
نادِ علی حق نے پیمبر کو بھجائی
جبریل نے یہ بات وہیں آن سنائی
یہ گڑھ تو کسی طرح نہ جاوے گا اُکھاڑا

اور یوں ہی بہت روز تلک تم سے لڑیگا
پامال نہ ہو، خاک میں ہرگز نہ گڑے گا
لشکر پہ لڑائی کا بڑا بوجھ پڑے گا
جب تک نہ علی آن کے اس گڑھ پہ چڑھے گا
یہ گڑھ تو اُسی شاہ سے جاوے گا اُکھاڑا"

یہ سنتے ہی حضرت نے مرے شہ کو بُلایا
آنکھوں میں لبِ پاک لگا کر یہ سنایا
آتے تو وہیں چھاتی سے بس اپنی لگایا!
"اس فتح کا ہے حکم ترے نام پہ آیا
بے شک یہ مکاں تم سے ہی جاوے گا اکھاڑا"

سلہ بُرا و ہاڑا ہونا - بڑا احوال ہونا - خوارج خارجی کی جمع ۱۲ جبھاڑا جبھو سے بنا ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو نہایت زبردست زبان رکھتا ہو فصیح گویا - بڑا بولنے والا - بڑا غل مچانے والا - غل سے معرکہ جیتنے والا - پہلے مصرع میں اجاڑا بمعنی اجاڑ ۱۲ سلہ جبارا کوئی لفظ متداول کتب لغت میں نہیں - غالباً یہ جبھاڑا کا آزادانہ تجربہ ہے

کراڑا - دریا کا بلند کنارا - دریا کا ٹیلا ۱۲ سلہ زال رستم کا باپ - سام رستم کا دادا - نریمان - سام کا باپ رستم کا پردادا - چھکے چھوٹنا - ہوش اڑنا - حواس باختہ ہونا - دھوم دھڑکا - رونق - چہل پہل - یہاں مراد ہے چرچے شہرت - ذکر اذکار ۱۲ سلہ نادِ علی - ایک دعا کا نام ۱۲ - سلہ گڑھ - قلعہ ۱۲ الٰہی سلہ چڑھے - بجزیرت ناہموار ہے چنانچہ ذوق کا مطلع ہے سے چھکے ہے تیرے اٹھتے ہی جھومر کا بڑا چاند سدگاہ ہو سر چڑھتے چاند کا دھوکا تھا بڑا چاند ہو ہر خیر شب ۱۲ - سلہ پہلے مصرع میں ترے - اور ٹیپ کے مصرع میں تم - یہ شتر گربہ ہے جو ممکن ہے کہ نظیر کے زمانے میں صحیح مان لیا جاتا ہو مگر اب جائز نہیں - عبد الباری آسی

یہ سنتے ہی حیدرؓ نے زرہ، خود پہن کر
آئے وہ وہاں پہ تھا جہاں قلعۂ خیبر
دلدل پہ چڑھے کہہ کے جو "اللہ اکبر!"
کاوے کو لگا کر دیا رہوار کو چکر
نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا

کہتے ہیں کہ خیبر ہے بڑے کوہ کے اوپر
دلدل کو پھرا شاہ نے دروازے پہ آکر
گرد اس کے دھرا ہے وہاں اک سخت سا پتھر
ہمّت کر اُٹھا ہاتھ کو مارا جو زمیں پر
پتھر میں وہیں گڑ گیا نیزہ جونہیں گاڑا

جب آگے ہوئے واں اسد اللہ نمایاں
دروازے پہ خیبر کے جو بیٹھا تھا نگہباں
تب چلنے لگے تیر و تبر، خنجر و پیکاں
حیدرؓ کے خط و خال پہ جب اُس کا گیا دھیان
منہ دیکھ کے کافر نے وہیں شاہ کو تاڑا

چلّا کے جبھی اُس نے یہ آواز سنائی
جو کچھ کہ نشانی تھی بزرگوں نے بتائی
"کیا بیٹھا ہے کم بخت بے شامت تری آئی
سب اس اسد اللہ میں دیتی ہے دکھائی
اب گڑھ ترا جاتا ہے اسی دم میں اکھاڑا

بستی ہے نجوموں کی سفیدی میں سیاہی
یہ تیر، یہ پیکاں ہیں حیدر کی گواہی
جاتے ہی مکاں لیوے گا یہ شیرِ الٰہی
آئی ہے ترے کفر کی کشتی پہ تباہی
آیا ہے وہیں شیرِ الٰہی کا نوارا"

یہ سنتے ہی مرحب کو غضب طیش چڑھ آیا
لے لشکرِ کفار کو باہر نکل آیا
آواز سے حارث کو وہیں اُس نے بلایا
حیدر سے چڑھا لڑنے کو وہ دیو کا جایا
تیار کیا لڑنے کو کشتی کا اکھاڑا

صف باندھے اُدھر لشکرِ کفار کھڑا تھا
اور دونوں طرف تیز طبل جنگ کا باجا
اور ایک طرف کو تھا علَم فوجِ علیؓ کا
آواز نقیبوں نے وہیں زور کی دی آ
اور جنگ کا میدان میں جا آکے اکھاڑا

سلہ خنے۔ بے ضرورت ہے سلہ کاوا دینا گھوڑے کو اس طرح چکر دینا کہ ایک دائرہ سا بن جائے سلہ بستی ہے یعنی دکھائی دیتی ہے نجوموں یعنی ستاروں میں سلہ نوارا کشتی سلہ جایا۔ بچہ۔ لڑکا۔ سلہ اب باجنا متروک ہے اس کی جگہ بجنا بولتے ہیں۔ نقیب وہ لوگ جو بادشاہوں یا امراء وزراء کی سواری کے آگے آگے آواز لگاتے جاتے ہیں یا کسی کی باریابی یا دربار کے موقع پر آواز بلند پکار کر بتلاتے ہیں۔ چوبدار، ہرکارہ آسی

پہلے تو ہوئی جنگ عمودوں کی نمودار
پھر برق کی صورت سے چمکنے لگی تلوار
پھر اُن کی کمندوں کا کھلا حلقۂ خونخوار
شیروں سے ہوا آن کے میدان نمودار
جوں رعد کے ہوتا ہے گرجنے میں جھنگاڑا

ہر سمت سے آتے ہی گھٹا چھا گئی گھنگھور
شمشیر کی بجلی بھی چمکنے لگی چوآور
تیروں کا برسنے لگا مینھ آن کے پُرزور
ایدھر سے ہوا لشکرِ اسلام کا غل شور
اودھر سے ہر اک کافر بدکیش دہاڑا

مرحب نے اکھاڑے میں قدم آکے دیے گاڑ
خم ٹھونک بدل تیوری کو بازو کے تئیں جھاڑ
حارث بھی اُسی آن بنا آن کے اک تاڑ
اس زور سے نعرہ کیا واں آن کے چنگھاڑ
کہ قاف کے پردے میں گویا دیو چنگھاڑا

یوں کہنے لگا لشکرِ اسلام کو للکار
تو ہاتھ مراد دیکھ لے اور زور کے آثار
آوے جو ہو کوئی تم میں پہلوان نمودار
کیا تاب ہے مجھ سے جو لڑے آن کے اکبار
میں نے تو سدا دیو کے سینے کو ہے پھاڑا"

یہ سنتے ہی حیدر نے دی رکھ ہاتھ سے صمصام
قنبر نے لیا دوڑ کے دلدل کے تئیں تھام
اور سیدھے چلے آئے اکھاڑے میں اُٹھا گام
مرحب سے لڑے لے کے جب اللہ کا وہ نام
آپس میں لگا ہونے کو زوروں کا جھڑاڑا

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں
اُس کافر بدکیش کے تب چھٹ گئے اوساں
سب پہ ہوئے مولیٰ کے مرے زور نمایاں
مولیٰ نے اُسے مار کے ٹھوکر سے اُسی آں
حارث کو کچل کوٹ کے، مرحب کو پچھاڑا

تھا اُن میں ہی اک اور پہلوان زورآور
دلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر
مرحب کو اُٹھانے لگا آکر وہ زورآور
اک لات جڑی تھر کی دانتوں سے پکڑ کر
یوں چاب لیا جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

ے چاروں طرف
ے دہاڑنا۔ شیر کا گرجنا۔ شیر کا بولنا
ڈرو کنا۔ جھگڑنا
غرانا۔ گونجنا ۱۲
شہباز سے صمصام تلوار ۱۲
ے دلدل۔ گھوڑے کا نام ۱۲، قنبر غلام

حارث کو گرا شام کو مرحب کے تئیں مار
حملہ کیا خیبر کے اُوپر آن کے اک بار
میداں میں کیے فتح کے آثار نمودار
گھوڑے کے اُوپر حیدری نعرے کے تئیں مار
پاتالؔ[۱] کی جڑ سے درِ خیبر کو اُکھاڑا

تھیں شاہ کی جرأت کی جہاں تک کہ ترنگیں
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں[۳]
سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں[۲]
اور کتنے گئے بھول وہاں آن کے جنگیں
ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا آن کے جاڑا

تب اُن پہ چلی آن کے اسلام کی تلوار
ڈھونڈھے نہ ملا پھر کسی بدکیش کا آثار
بھاگا کوئی زخمی، کوئی بسمل، کوئی خوں بار
سب دور ہوئے گلشنِ دنیا سے خس و خار
اور کفر کے جنگل پہ بجا دیں کا کلھاڑا

کی فتح غرض شاہ نے خیبر کی لڑائی
کفار میں اسلام کی نوبت کو بجائی
بدکیشوں کی پل مارتے میں کردی صفائی
خیبر میں پھری آن کے حیدر کی دُہائی
سب اُڑ گیا پھر آن کے کفار کا دھاڑا[۴]

میں مدح نظیرؔ اب جو بناتا ہوں ہمیشہ
کھاتا ہوں کھلاتا ہوں لٹاتا ہوں ہمیشہ
دولت ہی کا انعام میں پاتا ہوں ہمیشہ
خیرات اُسی در سے میں پاتا ہوں ہمیشہ
جاری ہے سدا میرے شہنشاہ کا باڑا[۵]

(۱۱)

مناقب شیر خدا

نورِ ظہور خالقِ اکبر کو کیا لکھوں
دریائے معرفت کے شناورؔ[۶] کو کیا لکھوں
روحِ روانِ جسمِ پیمبر کو کیا لکھوں
دونوں جہاں کے گوہرِ انور کو کیا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ حیدرؔ و صفدر کو کیا لکھوں؟

[۱] زمین ۱۲
[۲] باشندہ ۔ فوج ۱۲
[۳] لمبے لمبے قدم رکھنا ۱۲
[۴] بھیڑ ۔ ہجوم ۔ بڑی جماعت ۱۲ جتھا
[۵] باڑا ۔ احاطہ ۔ چاردیواری ۔ بکھیر دان ۔ خیرات وغیرہ جو شادی میں ہندو لوگ فقیروں اور کمینوں وغیرہ کو دیتے ہیں ۱۲ اشیاں
[۶] شناور ۔ تیراک ۔ تیرنے والا ۱۲ اشرف

گر نور اُس کا دیکھ کہوں شمس اور قمر
تارے تو جوں ستارے[1] ہیں اُس کفش پا[2] پر
وہ اُس کا ذرّہ نور کا وہ اُس کا فیض بر
اور قطب[3] بھی تو اُس سے ہی قائم ہے بخطر
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

گر فی المثل میں اُس کو کہوں روضۂ جناں
اور جو بھلا میں خوبی رضواں سے دوں نشاں
جھکتی ہیں بار عجز سے جنّت کی ڈالیاں
سو وہ بھی اُس کے باغ کا ادنیٰ ہے باغباں
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اور جو کہوں کہ چشمۂ آب حیات ہے
اُس کے عرق[4] سے جسم کے یہ قطرجات ہے
یا خضر ہے، تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟
اور اُس کی اُس کے فضل سے یار و نجات ہے
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اُس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا
کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
اور یہ بھی ہو نثار سدا آب میں رہا
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

شاہا تری جو مدح[5] بناتا ہے اب نظیر
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیر
تیرے سوا کسی کا کہاتا ہے کب نظیر
صلوات پڑھ کے یہ ہی سناتا ہے تب نظیر
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

(۱۲)

زور بازوئے علیؓ

ایک معجزہ کہتا ہوں میں اُس شاہ کا سن کر
اک کافر بد ذات چلا لڑنے کی دھن[6] کر
موتی سے سخن ہیں لو اسے دھاگے سے چن کر
آسامنے حیدر کے غضب آگ سا بھن کر
جوں اونٹ ذبح کرتے ہیں چلا کے دہاڑا

[1] ستارے سے مراد وہ چھوٹی چمکدار ٹکلیاں جو سلمے ستارے میں ہوتی ہیں اور جو توس پر بھی ٹانکی جاتی ہیں
[2] ...
[3] قطب ایک مشہور ٹھہرا ہوا تارا جس کے گرد وہ تارے گردش کرتے ہیں وہ انکو فرقدان یا فرقدین کہتے ہیں قطب خود گردش نہیں کرتا ۱۲
[4] عرق پسینہ ۱۲
[5] مدح بنانا کی بجائے اب مدح کہنا یا مدح لکھنا یا مدح کرنا کہنا چاہیے
[6] دھن ضد ۱۲ ... باد؟ اژدروں کی طرح شور کرتا ہے زور سے چیخنا ۱۲ اشرف علی

کہنے لگا میں تم سے علی کشتی لڑوں گا | کشتی کے جو ہیں پیچ علی تم سے کروں گا
خم ٹھونک کے میدان میں علی تم سے اڑوں گا | ہاں، یا علی میں آپ سے کچھ گر نہ پڑوں گا

ہر چند علی آپ نے دیووں کو پچھاڑا

جب شاہ اُٹھے جوش میں آتش و غضب کے | یک بار رگی تنس کا فرید ذات سے لپٹے
کر یاد خدا ہاتھ کمر بند میں اُس کے | اک ہاتھ سے پھینکا جو اُسے تین چرخ پے

یوں گر پڑا جوں گرتا ہے دریا کا کڑاڑا

چاہا جو اُٹھے خوف سے وہ کانپ دھڑک کر | اُس شاہ نے ماری وہیں اک لات کڑک کر
روح اُس کی نکلنے لگی نتھنوں سے پھڑک کر | نتھنوں سے لہو ڈال کے ماتھے پہ چھڑک کر

منکر کا اجل لے چلی دریا کو نواڑا

دانتوں سے پکڑ تنکا وہ بولا علی، آیا | تقصیر ہوئی مجھ سے میں اپنا کیا پایا
پھر اُس کو مسلماں کیا، کلمہ کو پڑھایا | کفار میں جا دین کے ڈنکے کو بجایا

دیں داری کو جاری کیا اور کفر کو گاڑا

(۱۳)

مدح پنجتن

کروں کیا وصف میں اُن کا الم ناک | کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک[۱]
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک | کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک[۲]

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمۃ للعالمیں ہے | حبیب حق شفیع المذنبیں ہے
رسول پاک ختم المرسلیں ہے | کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے

لگا تحت الثریٰ[۳] سے تا بہ افلاک

سلہ کشتی ۲۔ سلہ لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اے محمد اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا سلہ ادراک یعنی قوت مدرکہ ۲۔ سلہ تحت الثریٰ سے مراد زمین کے نیچے یا نیچے کی زمین ۲ اشرف علی

محمد اور علیؓ یا قوتِ احمر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبّر
دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر
جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک

انھیں کے واسطے خلدِ عدنؔ ہے
جنھیںؔ ان کی محبت کا چلن ہے
انھیں کے واسطے نہر لبنؔ ہے
بہشتی حُلّہ اور اُن کا بدن ہے
سدا سیرِ بہشت اور سایۂ تاک

جسے اُن کی محبت پل بہ پلؔ ہے
اُسی کو دین اور دنیا کا پھل ہے
جو کوئی ان کی اُلفت میں دغلؔ ہے
تو اُس مرتد کی یارو یہ مثل ہے
کہ جیسے لیوے طوبیٰؔ بیج کر ڈھاک

علی جو شہسوارِ لافتا ہے
فلک ہیبت سے اُس کی کانپتا ہے
امیر المومنین شیرِ خدا ہے
علی جو صفدرِ روز وغا ہے
کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک

علی ہے قاتلِ کفارِ گمراہ
نبی کا قوّتِ بازو یداللہ
علی کا حکم ہے ماہی سے تا ماہ
اُٹھا دے چرخ کی گردش تو واللہ
ابھی تھم جاوے دم میں چرخ کا چاک

علی نے مہد میں چیرا ہے اژدر
اُلٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر
علی نے کاٹ ڈالے عمر و عنتر
خواص اشیا کا پھیرے گر وہ سرور
تو ہو تریاکؔ زہر اور زہر تریاک

علی کو مصطفےٰ نے جی کہا ہے
علی کو لحمک لحمی کہا ہے
علی کو جسمک جسمی کہا ہے
علی کو روحک روحی کہا ہے
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

سلہ یعنی جنھیں ان کی محبت سے مصرع نجات ہو ... زکیا الجھا ہوا بہشتی حلہ۔ لباس بہشتی ۱۲ سلہ پل بہ پل ایک مزدوک ترکیب ہے مصرع ثانی مراد یہ کہ یہی دین و دنیا میں برخوردار ہے ۱۲ سلہ دغل ۔ فریب ۱۲ سلہ طوبیٰ جنت کا ایک درخت جس کی ایک شاخ جنت کے ہر گھر میں پہونچی ہوئی ہوگی اور اس طرح جنت کے میوے اہل جنت کو حاصل ہوں گے سلہ تریاک یعنی زہر کو دور کرنے والی دوا ۱۲ آسی۔

علی کو خاص نسبت ہے نبی سے | نبی کو راہ دل میں ہے علی سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی ہے | کسی کو تاب کیا غیر از علی سے
جو پہنے مصطفےٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے | برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے | وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی گر تاک

علی کی دوستی میں جو مرے گا ؎ | اُسی کو باغ جنت کا ملے گا ؎
علی کے بغض میں جو جان دے گا | وہ ملعون دوزخ اندر یوں جلے گا
کہ جیسے آگ پر جلتا ہے خاشاک

جسے وصف علی کچھ سالتا[1] ہے | اُسی کو دوزخ آخر ڈھالتا[2] ہے
جو اُن کا بغض دل میں پالتا ہے | گویا بھر بھر کے ڈلیاں[3] ڈالتا ہے
وہ اپنے دین اور ایمان میں خاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو | وہ بیشک ہے سیہ دل اور سیہ رو
جو لے بکی سے نام مرتضیٰ کو | نہ جاوے اُس شقی کے منھ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبیٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علیؑ کا | پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جاوے ہر اک ناصبی کا | دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جائے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت | مروں تو کچھ نہ ہو مجکو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت | نظیر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بحق پنجتن پاک

[1] سالنا۔ سوراخ کرنا۔ چھیدنا۔ تکلیف دینا۔ آزار پہنچانا۔
[2] اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے یعنے پہلے آگ میں گلاتا ہے پھر مصیبت کے نئے نئے قالب میں ڈھالتا ہے۔
[3] ڈلیا وری مٹی پھینکنے کی۔ پروفیسر شہباز

(۱۴)

مدح پنجتن پاک

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی
اور آرزو ہے ساقیِ کوثر کے جام کی
تسبیح ہزار دانہ ہے اور ان کے نام کی
سمرن[1] مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اول تو دل ہو صاف، دوم جسم تابناک
چوتھے عدو کا غیب سے ہو جاوے سینہ چاک
سویم کہاؤں دونوں جہاں میں گنہ سے پاک
اور پانچویں میں ڈالوں مخالف کے سر پہ خاک
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

تن ہے سو پاک صاف معطر ہو مثل پھول
دونوں جہاں میں خوش رہوں از خدمت رسول
ہو روح شاد، دل نہ ہو میرا کبھو ملول
روزہ، نماز، ورد، وظائف ہوں سب قبول
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

بھاگے چڑیل، کانپ اُٹھے بھوت اور پلید
جن و پری ہوں دل سے مرے آن کر مرید
ٹل جاویں دیو، چھپنے لگیں منکر شدید
جیتا رہوں تو شاد، جو مر جاؤں تو شہید
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

نعرہ کروں جو حیدری، ہل جاویں سب پہاڑ
گر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل تاڑ
تھرّاویں چشمہ سار، ہیں ڈر سے بوٹے جھاڑ
پگڑی کو اُس کی پھینک کے داڑھی کو لوں اُکھاڑ
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اے دوستو عجب ہے بنا پنجتن کا نام
جو ہیں سو ہیں یہی ختم الخیر و السلام
جس کے طفیل اتنے بر آتے ہیں سب کے کام
اور میں جو ہوں نظیر تو کہتا ہوں صبح و شام
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

[1] سمرن تسبیح پنجتن جیسے کہ اس مصرع میں آیا ہی اس کو فصحائے اہل قابل اعتبار نہیں سمجھتے یعنی بوزن فاعلن تسبیح اور بروزن فعلن غیر فصیح ۱۲ آسی

(۱۵)

ثمرۂ عقیدت

جو محب ہیں خاندانِ مصطفےٰ کے دوستدار
اور علی مرتضیٰ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار
ہیں جو عباس علی کرار، غازی، نامدار
اُن کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں باعزّ و وقار

آڑکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا
جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اُس کے جابجا انبار تھا
اُس کے اک بیٹا سعادتمند، برخوردار تھا
گل بدن، گل پیرہن، گلرنگ، گل رو نامدار

دوسرا اُس کے کوئی بیٹی نہ بیٹا تھا مگر
ایک بیٹا تھا وہی سرو رواں رشکِ قمر
تھا پنھاتا اُس کو پوشاک اور جواہر سربسر
بسکہ اکلوتا جو تھا، اس واسطے اُس کے اُپر
باپ بھی جی سے فدا اور ماں بھی دل سے تھی نثار

اُن دنوں میں تھا برس تیرہ کا اُسکا سن و سال
جب نظر آتا اُسے ماہ محرم کا ہلال
تعزیہ خانوں میں جاتا چھپ کے وہ رعنا غزال
مرثیوں میں سن کے شاہِ کربلا کے غم کا حال
پیٹتا سینے کو اور ماتم سے روتا زار زار

تعزیے کے سامنے ہو کے مودب سر جھکا
مورچھل رورو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اُٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
یاحسین ابن علی کہکر علم لیتا اُٹھا
لوگ دیکھ اُس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دمبدم
قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دمبدم
عود سوزوں میں اگر لاکر گراتا دمبدم
اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دمبدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا تھا واں کا کاروبار

لیکن اس کے باپ کو ہرگز خبر اب تک نہ تھی
جب سنا اُس نے تو بیٹے پر بہت تاکید کی
بھڑکا اور مارے طمانچے، خوب سی تنبیہ کی
اور کہا "اے بے حیا، بدبخت، موذی، بدعی
ذات سے کیا تو نکالے گا مجھے اے نابکار؟"

اُس کے دل میں تو شہید کربلا کا جوش تھا
تعزیہ پر دھیان تھا، اور مرثیے پر گوش تھا
باپ تو کرتا نصیحت، اور وہ خاموش تھا
نے طمانچوں کا اُسے نے جھڑکیوں کا ہوش تھا
اٹھ گیا تھا اُس کے دل سے صاف سب کا ننگ عار

باپ نے تو دن میں اُس پر کیا رنج و عتاب
رات کو پھر تعزیہ خانوں میں جا پہونچا شتاب
پھر پکڑ لایا اُسے جا کر بصد حال خراب
الغرض سو سو طرح اُس پر کیے رنج و عذاب
اُس نے پر جانا نہ چھوڑا اُس مکاں کا زینہار

اپنا بیگانہ اُسے جا کر بہت سمجھاتا تھا
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اُس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا
تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

جب تو سب نے تنگ ہو کر مصلحت ٹھانی بہم
جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اٹھاتا ہے علم
کیوں نہ اب اس دم وہی ہاتھ اُس کا کر ڈالو قلم؟
کہہ کے یہ آخر کو سب نے کی قیامت اک ستم!
کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض کر ہاتھ اُس مظلوم کا تن سے جدا
کوٹھری میں کر کے بند اور قفل اوپر جڑ دیا[1]
نے اُسے کھانا کھلایا نے اُسے پانی دیا
شام تک بھوکا پیاسا کوٹھری میں تھا پڑا
دیکھ اپنے ہاتھ کو روتا تھا ڈاڑھیں مار مار

وہ اندھیری کوٹھری وہ بھوک وہ پانی کی پیاس
ہاتھ سے لوہو کی بوندیں ٹپکتیں آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گلبدن زرّیں لباس
ہاتھ زخمی، خون جاری، دل پریشاں، جی اداس
کس سے مانگے داد، اور کس کو پکارے بار بار

[1] قفل جڑ دیا یعنی تالا بند کر دیا ۱۲ آسی

وہ تو اپنی بیکسی کے درد میں روتا تھا واں
ہوگیا اک بارگی نورِ تجلی کا نشاں
اس میں کیا ہے دیکھتا اس کوٹھری کے درمیاں
اُس تجلی میں نظر آیا اُسے اک نوجواں
کاندھے کے اوپر علم پہلو میں تیغ آبدار

دستانہ[له] ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر
دائیں کو تیر و کماں بائیں کو شمشیر و تبر
تن میں اک پہیں زرہ اور خود زریں فرق پر
جس طرح ابرِ سیہ میں برق ہووے جلوہ گر
اس طرح اُس کوٹھری میں آگیا وہ شہسوار

اُس نے جب اُس نوجواں کے نور کی دیکھی جھلک
دیکھتے ہی اُس کا ہیبت سے گیا سینہ دھڑک
تھا مجسم وہ تو حق کا نور سر سے پاؤں تک
مند گئیں آنکھیں وہیں اور رکھا گئیں پلکیں جھپک
ہوگیا بے ہوش وہ مجبور زخمی دل فگار

تاب کس کی ہے جو اُس چہرے کے آگے تاب لائے
ایسے طالع ایسی قسمت، یہ نصیبا کون پائے
ماہ کیا گر شمس بھی دیکھے تو اپنا سر جھکائے
ایسا شہزادہ مقدس جس کے گھر تشریف لائے
آدمی کیا ہے فرشتوں کا نہیں عزّ و وقار

وہ تو وہ نورِ تجلی دیکھ بے خود تھا پڑا
آپ گھوڑے سے اُتر کے نورِ چشم لافتا
اس عنایت اس کرم کا کچھ بھی پار و انتہا
اُس بریدہ دست کو اُس کے دیا تن سے ملا
اور کہا اُٹھ جلد اے آلِ نبی کے دوستدار

وہ جو آنکھیں کھول کر دیکھے عجب انوار[ته] ہے
ہاتھ کو دیکھا تو خاصا ہاتھ بھی تیار ہے
روشنی ہے جس کی روشن سب در و دیوار ہے
نہ تو اُس میں درد ہے نہ خون کا آثار ہے
رہ گیا یک بارگی حیرت میں وہ مظلوم زار

پھر جو اس لڑکے کو اس میں ہوش سا کچھ آگیا
اور کہا دو دو ہرا تو ہاتھ تن سے تھا جدا
ہو تصدق اور وہیں پاؤں کے اوپر گر پڑا
یہ تمھیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے ملا
سچ بتاؤ کون ہو تم اے امیرِ نامدار؟

[له] دستانہ یعنی دستانہ سلاحِ جنگ میں سے ایک لمبے کی چیز تھی جسے لڑنے والے اس غرض سے ہاتھوں سے کہنیوں تک پہنتے تھے کہ وہ جگہ زخم سے محفوظ رہے
[ته] نور کی جگہ انوار لایا گیا ہے ۱۲ آسی

باپ نے تو میرے مجھ پر یہ ستم برپا کیا
ہاتھ کاٹا قید کی، اور سو تعدّی و جفا

مجھ بیکس پر جو تم نے کی یہ کچھ لطف و عطا
اب خدا کے واسطے جلدی سے اے بحرِ سخا

اپنا کچھ نام و نشاں مجھ سے کہو تفصیل وار"

جب کہا حضرت نے ہم بھی آدمی ہیں اے عزیز
بندۂ درگاہِ ربّ العالمیں ہیں، اے عزیز

خاکسار و عاجز و اندوہگیں ہیں اے عزیز
جن کا تو کرتا ہے ماتم وہ ہمیں ہیں، اے عزیز

آفریں صد آفریں اے پاک مومن دیندار

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباس علی

کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اُسے چاہے ہے جی

جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اُس کے غمگسار"

سنتے ہی اس بات کے اکبار وہ لڑکا غریب
ہو گیا شاد اور وہیں سر رکھ کے قدموں کے قریب

یوں لگا کہنے بڑی قسمت بڑے میرے نصیب
میں کہاں عاجز کہاں اللہ کے خاصے حبیب!

میں تصدق ہوں تمہارا یا شہِ والاتبار

یہ کرم یہ لطف یہ بندہ نوازی کس سے ہو؟
مجھ سے نالائق کی ایسی سرفرازی کس سے ہو؟

تم نے جو کچھ مجھ سے کی یہ چارہ سازی کس سے ہو
یہ حمایت یہ مدد یا شاہ غازی کس سے ہو؟

اس عنایت اس کرم کا ہے تمہیں پہ کاروبار

میں جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا ماتم بر ملا
اور اُٹھاتا تھا علم کو میں تمہارے جابجا

حق اگر پوچھو تو کس کا ہاتھ ہے کٹ کر ملا؟
یہ تمہیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے لگا

ورنہ کس میں تھی بھلا یہ قدرت و یہ اقتدار

وہ ابھی راغب تھا اپنے درد کے اظہار کا
ایک پل میں پھر نہ دیکھا نقش اس اسوار کا

کیا دیا تن سے ملا ہاتھ اپنے ماتم دار کا
معجزہ دیکھو یہ ابنِ حیدرِ کرار کا

کس میں یہ قدرت ہے جز فرزندِ شیرِ کردگار

اب جو اس کے ہاتھ پر کٹنے کی آئی تھی گرہ — کچھ حکیموں سے نہ ہوتا گر وہ پھر تا دہ بدہ
اب انھوں نے کردیا اک آن میں آتے ہی یہ — یہ نہیں دست اور کا دست یداللہ ہی ہے یہ
جز یداللہ ہو بھلا کس دست سے یہ دستکار؟[۱]

کیا حسین ابن علی نے حشر لیا میدان میں! — اور ہیں عباس علی کی بخششیں ہر آن میں
جن کے بیٹوں کے رہیں دل خلق کے احسان میں — کیوں نہ پھر خالق کہے اُن کے پدر کی شان میں
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار[۳]

صبح کو اُس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا — باپ ماں دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ہے ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اُس نے سب کہا — سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اُتار ہے

پھر ہوئی اس معجزے کی شہر کی خلقت میں دھوم — ہو گیا اس طفل پر سب شہر کا آکر ہجوم ہے
دیکھتا تھا جو کوئی لیتا تھا اُس کے ہاتھ چوم — اور لگا آنکھوں سے یوں کہتا تھا ہر دم جھوم جھوم
یہ انھیں کی دوستی کے گل نے دکھلائی بہار"

الغرض ماں باپ اُس پر جان و دل سے ہو فدا — لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اسکی زیارت جا بجا — جب وہ منزل پہ اُترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دمبدم کرتے تھے اپنا سیم و زر اس پر نثار

کو بکو شہر نجف میں بھی یہ شور و غل پڑے — اک محبّ پاک دل آیا ہے ہندستان سے
واں کے بھی لوگ آئے سب اسکی زیارت کے لیے — اور لاکھوں شخص آئے دور او نزدیک کے
اس قدر یہ معجزہ سب میں ہوا واں آشکار[۲]

کربلا کے پاس پہونچا جس گھڑی وہ ماہتاب — اُن شریفوں کو ہوا حکم شہ عالی جناب
اک ہمارا دوست آتا ہے چلا چوں موج آب — کرکے استقبال تم جا کر اُسے لاؤ شتاب
اُس کی لازم ہے تمھیں دلداری کرنی بیشمار"

۱؎ دستکار یعنی دستکاری ۲؎ ملکہ جس شہرت۔ نیک نامی تعریف ۳؎ کوئی جوان نہیں مگر علی۔ کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار
آسی

کربلا کے لوگ نکلے اُس کے استقبال کو
کر زیارت چوم اُس کے دست خوش افعال کو
لے گئے اسپ و شتر آرایش و اجلال کو
سو تجمل سے غرض اُس صاحب اقبال کو
شہر میں لائے بصد اکرام و عزّ و افتخار

کام کیا کیا کچھ ہوئے اُس سے خدا کی راہ کے
اُس نے کٹوایا تو ہاتھ اب اُن کے ماتم کے لیے
پھر خدا نے بھی اُنھیں یہ دست قدرت کے دیے
کیوں نہ پھر تن سے ملاتے وہ تو منصف ہیں بڑے
سیکھ جاوے اُن سے نصفت[1] آ کے ہر نصفت شعار

جب ہوئے روضے میں داخل وہ محبانِ علیؓ
کر زیارت اور تصدق ہو گئے دل سے ہر گھڑی
واں انھوں نے کچھ مکاں بنوانے کی تجویز کی
لڑکا بنواتا پھرے تھا ہاتھ میں لے کر چھڑی
کی عمارت آخرش رنگیں منقش، زرنگار

واں بھی اُس کو ملا دنیا بھی یارو، دیکھیو
اور محب پاک کہلایا ٹک اس کو دیکھیو
کیا محبت کے چمن کی ہے یہ خوشبو، دیکھیو
کیا ہی طالع کیا ہی قسمت ہے محبّو دیکھیو
اُن کی الفت کا نہال آخر یہ لایا برگ و بار

یا علی عباس غازی صاحب تاج و سریر
سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمھارے نام کا ہو کر فقیر
یہ غلام روسیہ اب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

(۱۶)

عشق اللہ

یعنی آزادوں کا سلام

پہلے اُس ختم رسالت سے کہو عشق اللہ
صاحب خلق و کرامت سے کہو عشق اللہ

[1] نصفت۔ انصاف ۱۲ اسی

گلشن دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ | نور حق شافع امت سے کہو عشق اللہ
ہر دم اُس شاہ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ ہے جس سے ہرا باغِ امامت کا چمن | سبز پوش چمن جنّت فردوس حسن
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن | یاد کر مومنو اس کا وہ ہرا پیراہن
سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گل جس سے ہے گلزار شہادت کا کھلا | لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہل جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا | لشکر شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہر دُرج شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور جس مرد کا ہے نام شہ زین عباؑ | کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا | پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا
اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقرؓ و جعفرؓ و کاظمؓ و رضاؓ شاہ شہاں | اور تقیؓ نور نبی اور وہ نقیؓ قبلۂ جاں
عسکریؓ، مہدیؓ ہادی وہ امام دوراں | ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں
سب ہر اک صاحب عزّت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں ولی پیغمبر | عارف و کامل و درویش و مشائخ رہبر
اور جنھوں نے کہ ذرا حق کے اُپر کر کے نظر | راہ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر
اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جہاں تک کہ جہاں میں جو ولی اور فقرا | ہر دم ان سب کے دلوں میں ہے بھرا عشق خدا
اور جس مرد نے خوش ہو کے براہ مولا | مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا
اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر بہ رضائے اللہ | راہِ مولا میں چلے لے کے توکل ہمراہ

جا کے جنگل میں پہاڑوں میں لگا حق پہ نگاہ
دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے
بندگی کرتے ہی کرتے وہ سبھی خاص ہوئے
خاک بھی ہوگئے پر کرتے ہیں ہر دم سجدے
کہیں ہیں بات نہ ٹوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھلے
چلتے دریا میں ہیں اور روئے ہوا پر اُڑتے
چاہیں پتھر کے تئیں لعل کریں نظرِ دل سے
چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم سے لے
اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کا گلزار کھلاتا ہے نظیرؔ
پنجتن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیرؔ
ریختہ، فرد، رباعی بھی بناتا ہے نظیرؔ
کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیرؔ
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۱۷)

نظیر روضۂ حضرت سلیم چشتی رح پر

نظیرؔ کا حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی مدح میں اس طرح سرگرم کلام ہونا کہ ایک ایک شعر ایک ایک لفظ ایک ایک حرف میں عقیدت اور ستائش و مدحت کا ایک ذخار دریا موجزن ہے نظیرؔ کی فراخ مشربی روشن دماغی کی زبردست دلیل ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ صرف مدح کرتا اور گذر جاتا ہے بلکہ وہ اُن سے اسی طرح التجا بھی کرتا ہے جیسے کسی اپنے مذہب کے پیشوا سے ؎

رکھیو نظیرؔ کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجد ہر احساں حضرت سلیم چشتی

شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہار الدین رح کے فرزند ارجمند اور حضرت فرید الدین گنج شکر کی

اولاد میں سے تھے۔ آپ ہندوستان میں شیخ الاسلام اور عرب میں شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل لدھیانے میں رہتے تھے۔ اس کے بعد دہلی تشریف لاکر محلہ سرائے علاء الدین زندہ پیر میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ کی ولادت بقول صاحب معارج الولایت ۸۸۴ھ میں اور بقول صاحب اخبار الاخیار ۸۹۷ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کسی وجہ سے دہلی چھوڑ کر فتحپور سیکری میں متوطن ہوئے تو وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اور پھر آپ اپنے بھائی موسیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی لہٰذا آپ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھا۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو عازم سفر ہوئے مگر آپ کے بھائی کو یہ مفارقت بہت شاق ہوئی اور انھوں نے عذر کیا کہ تم کو کیونکر جدا کردوں میرے اولاد اور بھائی جو کچھ ہو تمہیں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو لڑکا عنایت کرے گا چنانچہ اس کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اور آپ سرہند تشریف لے گئے جہاں شیخ مجد الدینؒ سے جو اُس وقت کے مشہور اور زبردست عالم تھے۔ آپ نے تکمیل علوم ظاہری کی ۹۳۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں متعدد حج کیے۔ روضہ نبوی کے عرصہ تک مجاور رہے۔ اس کے بعد آپ عرب و عجم کی سیاحت میں مشغول رہے اسی اثناء میں شیخ ابراہیم چشتی سے بیعت کرکے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور پھر آپ سے بہت سے لوگوں نے بیعت کرکے مراتب عالیہ حاصل کیے۔ جب اس سفر طویل کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے تو سیکری میں مقیم ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ یہیں آپ نے عقد کیا یہیں اہل و عیال کے ساتھ شاہانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور بہت سی عمارتیں باغ اور کنویں وغیرہ تعمیر کیے۔ ۹۶۲ھ میں بعض پریشانیوں کی وجہ سے آپ پھر حج کے لیے تشریف لیگئے اور جب آپ دوبارہ حرمین شریفین سے واپس ہوکر فتحپور سیکری میں مقیم ہوئے تو آپ نے اپنے عقیدتمندوں اور حاضر باشوں سے کہا کہ میں نے دو ارادے کیے ہیں ایک اُن میں سے کرنا ضرور ہے یا کہ ترک طعام کروں یا ترک کلام۔ معتقدین نے عرض کیا کہ اگر سکوت اختیار کیا تو

سب لوگ فیوض ارشادات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے ترک طعام کیا اور آخر عمر تک کبھی سات آٹھ دن اور کبھی بارہ دن کے بعد آپ بقدر سدِ رمق ایسا کھانا کھا لیا کرتے تھے کہ جس میں گوشت نہ ہوتا تھا۔ آخر ۲۹ رمضان یوم پنجشنبہ ۹۷۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس سے پہلے اپنے صاحبزادے بدر الدینؒ کو یہ کہہ کر اپنا قائم مقام اور سجادہ نشین کیا تھا کہ حضرت گنجشکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ فتحپور سیکری میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے خوارق عادات کی حکایات بہت سی ہیں جو کتب سیر و تذکرہ میں دیکھنا چاہییں۔

عبدالباری آسیؔ

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتیؒ
سردفترِ مسلماں حضرت سلیم چشتیؒ
عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتیؒ
مقبولِ خاص یزداں حضرت سلیم چشتیؒ
سردارِ ملکِ عرفاں حضرت سلیم چشتیؒ

برجِ اسد کی رونق عرشِ بریں کے تارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے
گلزارِ دین کے گلبن اللہ کے سنوارے
تم وہ ولی ہو برحق، جو فیض سے تمھارے
عالم ہے باغ و بستاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہوں کے بادشاہ ہو باتاج بالوا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا[1] ہو
اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
تم صاحبِ سخا ہو محبوبِ کبریا ہو
ہے تم سے زیبِ امکاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے
پروردہ ہیں تمھارے سب خوانِ مکرمت کے
لائق تمھیں ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
شاہا شرفِ تو بخشی خالق کی سلطنت کے
اتم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے نامِ پاک تیرا مشہور شہر و[2] بن میں
کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں

[1] مقتدا وہ جس کی پیروی کی جائے ۱۲
[2] ہندی اور فارسی الفاظ میں واؤ عاطفہ کو اب اکثر فصحا خلافِ فصاحت جانتے ہیں ۱۲ آسی

ہے خُلق کی تمھارے خوشبو گل و سمن میں ۔ خدمت میں ہیں تمھاری فردوس کے چمن میں

جنّت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتیؒ

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو ۔ کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو

اوصاف تیرے ہر دم لیتے ہیں سیم و زر کو ۔ پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو

ہو بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں ۔ چاکر ہیں تیرے در کے فغفور[1] اور خاقاں

خوان کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں ۔ ہیں حکم میں تمھارے جنّ و پری و انساں

ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتیؒ

تم سب سے ہو معظم اور سب سے ہو مکرم ۔ خلقت ہوئی تمھارے سب نور سے مجسّم

اور خوبیاں جہاں کی تم پر ہوئیں مسلّم ۔ ابر کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرّم

عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتیؒ

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے ۔ محتاج ہیں تمھاری اک لطف کی نگہ کے

منزل پہ آکے پہنچے سالک تمھاری رہ کے ۔ خاک قدم تمھاری در چشم[2] مہر و مہ کے

ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے ۔ روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان و زمیں کے

بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحب یقیں کے ۔ ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے

ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتیؒ

عالم ہے سب معطّر تیرے کرم کی بو سے ۔ حرمت ہے دوستوں کو حضرت تمھارے رو سے

یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے ۔ رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے

اے موجد ہر احساں حضرت سلیم چشتیؒ

[1] چین کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جس کو ماں باپ نے ایک بت کے اوپر چڑھایا تھا بعد کو مدت تک چین کے ہر بادشاہ کا یہی خطاب یا لقب رہا — خاقان - بڑا بادشاہ - پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہوں کا یہی خطاب ہوتا تھا ۱۲ سکو

[2] در چشم مہر و مہ کے میں "د" کے "زائد" ہے۔ اس لیے کہ در چشم مہر و مہ خود ہی معنی بتاتا ہے۔ اس قسم کی ترکیبیں شعرا کے لیے وجہ اضطراری ہیں - قدما کے یہاں اس کو ناجائز نہیں جانتے ۱۲ آسی

(۱۸)

نذر حضرت گرو گنج بخش رح

نظیر کا مذہب تو ضرور امامیہ تھا۔ اُس نے کہیں صحابۂ کرام کی مدح نہیں کی۔ اور بعض جگہ انھیں کے ساتھ حضرت علیؓ کی مدح بھی بھول گیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار دشوار اور سخت دشوار ہے کہ وسیع المشربی اور روشن خیالی کے ساتھ ہی اُس کو بزرگان دین اور اولیائے کرام کی خدمت میں ایک خاص عقیدت تھی۔ جس کے متعلق مقدمے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ حضرت سلیم چشتیؒ کی مدح تو جیسی کی ہے وہ آپ نے پڑھی اُن کے عرس کی دھوم دھام میں نظیر کے کیف روحانی کو ملاحظہ کیا۔ مگر کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نظیر وطن پرست تھا۔ اپنے وطن کا ذرہ ذرہ اُس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔ پھر اتنی بڑی ہستی کی وہ مدح کیوں نہ کرتا۔ جس کے مزار کی شمع کے چکر لگانے کے لیے دنیا پروانہ وار چلی آتی ہے۔ جن کے متبرک روضہ پر آج تک انوار کی شب و روز بارش ہو رہی ہے۔ مگر گرو گنج بخش کی مدح میں کوئی کیا کہے گا۔ اس کو دیکھ کر یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی پنجابی کی فرمائش سے یہ نظم لکھی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہے کہ ان بزرگ کا مزار لاہور میں ہے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ خصوصیت سے اس نظم میں پنجابی لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ سُرت چرن دے نال۔ اسی طرح ہندی کے بھی کئی لفظ لائے گئے ہیں جن کی بظاہر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔

یا پھر یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں اور آلام نے ان کو مجبور کر رکھا تھا اور کسی سے انھوں نے ان بزرگ کی تعریف سنی ہے۔ اور معاً عرضداشت پیش کر دی۔ مگر اس سب کے باوجود بھی انداز سودیانہ اور طرز عقیدتمندانہ نظیر کے حسن عقیدت کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس کے بعد کہنا ہی پڑے گا کہ وہ نام نہاد کوئی مذہب بھی رکھتے ہوں۔ مگر ان کا خلوص دنیا کی ہر مذہب و ملت کے بزرگوں اور واجب الاحترام ہستیوں کے لیے خوش آمدید کہنے کے واسطے تیار ہے۔ گرو گنج بخش کون تھے اسے

ذیل کی عبارت سے معلوم کیجیے۔

داتا گنج بخش

آپ کا نام شیخ علی مخدوم جلالی آپ کے باپ کا نام عثمان بن علی الجلالی تھا۔ آپ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی جنیدی کے مرید اور حنفی مذہب کے بزرگ تھے۔ علوم ظاہر و باطن پر آپ کو یکساں عبور تھا۔ زہد و تقویٰ اور خوارق عادات میں نہایت مشہور و معروف تھے آپ کا سلسلۂ فقر شیخ شبلی تک پہونچتا ہے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل ؒ کے علاوہ دوسرے بزرگان دین مثل شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری وغیرہم سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ سفینۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے مصنفوں کی تحقیق کے مطابق آپ کا اصل وطن غزنین تھا۔ ہجویر اس شہر کا ایک مشہور محلہ تھا۔ چنانچہ آپ کے والدین کا مزار غزنین ہی میں ہے۔ یوں تو آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مگر کشف المحجوب بہت مشہور ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فارسی میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو موضوع تصوف پر لکھی گئی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں، جو فوائد الفواد کے نام سے معروف ہے لکھا ہے کہ آپ کے لاہور تشریف لانے سے پہلے خواجہ حسین زنجانی لاہور کے قطب تھے اور یہ بھی شیخ کے پیر بھائی یعنی حضرت شیخ ابوالفضل کے مرید تھے جب شیخ کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جائیں اور وہیں مقیم ہوں انھیں خیال ہوا کہ وہاں خواجہ حسین موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے یہی سوچ کر یہ سوگئے مرشد نے فرمایا کہ تم وہاں جاؤ چون وچرا کی کیا ضرورت ہے اور پوچھنے کی کیا حاجت ہے چنانچہ بہ حسب ارشاد مرشد سفر کر کے لاہور پہونچے تو رات ہو چکی تھی شہر کے باہر آپ نے رات گزاری اور صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حسین زنجانی کا جنازہ آرہا ہے آپ نے جنازہ میں شرکت کی اور پھر بیرون شہر بجانب مغرب قیام فرمایا۔ اور وہیں خانقاہ و مسجد تعمیر فرمائی اور آخر عمر تک وہیں رہے چنانچہ آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔ آپ کی وفات ۴۶۵ھ ہجری میں ہوئی اور ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے ایک مقبرہ آپ کے مزار پر تعمیر کرایا۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے آپ کے مزار پر انوار

سے رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اسی روز سے آپ داتا گنج بخش مشہور ہوئے۔

آسی

ہو رہ دلا مُدام گرد گنج بخش کا
کرپا[1] میں احترام گرد گنج بخش کا

خوبی میں ہے قیام گرد گنج بخش کا
لے دل ہمیشہ نام گرد گنج بخش کا

رکھ دھیان صبح و شام گرد گنج بخش کا

ہردم انھیں کی یاد کا رکھ دل میں تو خیال[2]
لکھوتے ہیں سب کے دل کے وہی رنج اور ملال

اور رکھ سر شتہ تو اپنی انھیں کے چرن[3] نال
سیوک کو اپنے کرتے ہیں اک آن میں نہال

بخشش میں ہے یہ کام گرد گنج بخش کا

آتے ہیں وہ مدد کے تئیں جلد ہر کہیں
یہ بات ٹھیک ہے لے کرجی میں تو یقیں

اُن کا ہوا جو دل سے اُسے کچھ خطر نہیں
گرتا ہوا جو نام لے اُن کا تو اُس کے تئیں

لیتا ہے نام تھام گرد گنج بخش کا

خوبی کچھ اُن کے لطف کی جاتی نہیں کہی
کھتے ہیں دکھ میں باتھ بہت ہوتے ہیں خوشی

کرپا وہ اپنی رکھتے ہیں ہر آن ہر گھڑی
کہتے ہیں جس کو لطف کی مند ہوئی وہی

ہے دل سدا مقام گرد گنج بخش کا

رکھ اُن کی لحظہ لحظہ تو کرپا اُپر نظر
جو چاہیئے مراد، اُنھیں سے تو عرض کر

وہ اپنے گنج لطف سے دیتے ہیں سیم وزر
جو دل سے پوجتے ہیں تو اُن سب کے حال پر

الطاف ہے مدام گرد گنج بخش کا

اُن کی شرن[4] میں آیا تو پھر دکھ نہ ہو کبھو
رکھیں گے اپنی مہر سے وہ تیری آبرو

[1] کرپا، مہربانی، مرحمت ۔۔
[2] خیال دھیان ۔۔
[3] قدم کے ترجمہ پنجابی فقرے ۔۔
[4] پناہ و حمایت شہباز

رکھ اپنے جی سے اُن کی ہی کرپا کی آرزو
اردو اس کرکے سر کو جھکا اُن کے در پہ تو
لطف و کرم ہے عام گرو گنج بخش کا

کرعرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیر
اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیر
رکھ اُن کی یاد جی میں تو ہر حال اے نظیر
رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیر
ہے دل سے جو غلام گرو گنج بخش کا

(۱۹)

گرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اردااس کرو اور ہر دم بولو "واہ گرو!"

ہر آن دلوں وِچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں
اور سیوک ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین انھیں وہ کھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں سب تن کا کاج بناتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اردااس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اس خوبی کا ارشاد کیا
ہر بات وہ ہے اس خوبی کی تاثیر نے جس پر صاد کیا
یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا
ہر آن گرو نے دل اُن کا خوش وقت کیا اور شاد کیا
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اردااس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وِچ ہے یاد گرو سے کام لیا
سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا

سلہ گرو استاد و مرشد ۔ نرباہ نباہ کا ہندو استعمال ۔ سلہ سیس نوا سر جھکا کر ۱۲ سلہ اردااس سکھوں کے لہجہ میں عرض داشت ہے ۱۲ سلہ وِچ پنجابی میں بیچ کو کہتے ہیں ۱۲ سلہ سیوک ۔ خادم پرستندہ ۱۲ شہباز

دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جس وقت گرو کا نام لیا
یاں بیچ گرو نے آن انھیں خوش حال کیا اور تھام لیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو"

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت ہاتھ انھوں کے گہتے ہیں
دکھ دور انھوں کے ہوتے ہیں سو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انھوں کے بھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں سب من کی چنتا ہرتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو لطف و عنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُنکا ہو
الطاف جنھوں پر ہیں اُنکے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وہ
ہر آن نظیرؔ اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ کہو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

۱ے نت ہمیشہ برابر ۲ے گہتے ہیں مضبوطی سے پکڑتے ہیں ہاتھ گہتے ہیں دستگیری فرماتے ہیں ۳ے خوشی ۴ے دل کے ترددات کو دور کرتے ہیں ۵ے ایسا نشان یہ علامت استفہام کی ہے اور اکثر مشکوک مقامات میں لفظ یا عبارات مشکوک پر خط منحنی کھینچ کر داہنی طرف بنا دی گئی ہے اس غرض سے کہ اگر ناظرین کا رفع شک ہو جائے یا کوئی صحیح نسخہ ان کو معلوم ہو تو اس سے مطبع کو بھی مطلع فرمائیں تاکہ طبع آئندہ میں شکریہ کے ساتھ ترمیم و تصحیح نسبت کر دی جائے۔
مہتمم

تقریبات اہل اسلام

شب برات

(۲۰)

کیونکر کرے نہ اپنی نمود اری شب برات
چلپک[۱] چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات
مُردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جن کے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں
گڑ کا ہوا ہے جن کے وہ اُن سے ادھورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جن کے وہ پرکٹ لنڈورے ہیں
اوروں کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُن کی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے
قندوں کے حلوے روغنی نانیں لیے کھڑے
پہونچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی بڑے
زندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

ڈھلیا چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے
ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی[۲] کڑھی کی مثال ہے
پانی تنے ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے ایسی ڈکھیا پسنہاری شب برات

ننکے

[۱] چلپک بروزن کمرک نانے کہ خمیر آں را تنک ساختہ درمیان روغن بریاں کردہ باشند ۱۲ برہان قاطع —

[۲] لپٹی کوئی سرشیں نا سیال غذا بری قسم کا حلوا جس کا قوام گوند یا سرشیں کا سا ہیلا اور نفرت انگیز ہو ۱۲ شہبازؔ

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ
دریا پہ جاکے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ
یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مردے بھی آن کر
جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں دربدر
حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر
اور دل کے لگتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر بگھر
اُن کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

ملّا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
مفلس کوئی بلاوے تو منھ کو چھپاتے ہیں
حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں
شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوے یہ دل میں اہا ہاری شب برات

چھوڑے ہے لٹو تو نبڑی ہر دم بنا کے جو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو
حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اُس سے تلخ ہو
چھپر جلاؤگے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے[1] میں گنہگاری شب برات

پھرتے ہیں عشق باز جو لڑکے کی گھات میں
مہتابی آکے چھوڑیں ہیں لڑکے کے جو رات میں
ڈنڈا ہی لے کے دیتے ہیں لڑکے کے ہاتھ میں
کیا زرکیاں سی چھوڑتے ہیں جنس جنس کے ہات میں
کرتی ہے کام اُن کے بھی بول جاری شب برات

جو رنڈی باز ہیں وہ بہت دل میں شاد ہو
لے بی تم اپنی کلھیا ہمیں چھوڑنے کو دو
کیا کیا انار چھوڑتے ہیں پشتی ہو ہو برو
اور چاہو تم ہمارا یہ بیت پھول چھوڑ لو
ہو جائے جس کے چھٹتے ہی پھلواری شب برات

اور جو بہار حسن کے ہیں پاکباز یار
کہتے ہیں اُن کو دیکھ کے آنکھوں میں کرکے پیار
گلکاری چھوڑتے ہیں جہاں محبوب گلعذار
کیا چاہیے میاں تمھیں بہت پھول اور انار
تم پر تو آپ ہوتی ہے سب واری شب برات

[1] چبوترے سے یہاں مراد کوتوالی یا تھانہ۔ انگریزی عملداری کے شروع میں اونچے چبوترے پر تھانہ وغیرہ قائم ہوتا تھا۔
[2] اس نظم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں جو آتشبازی کے نام ہیں۔ لٹو۔ تو نبڑی۔ ڈنڈا۔ چرخیاں۔ کلھیا۔ بیت پھول۔ کٹوری۔ پھلجھڑی۔ ہوائی۔ پٹاخہ۔ نظر ڈھاہ۔ بینگن۔ گھن چکر۔ یہ آتشبازیاں عام طور سے شبرات کے روز رات کو چھوڑی جاتی تھیں۔ ۔ پشتی۔ آتشبازی۔ رنڈی باز۔ عبدالباری آسی

گھمن چکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں
ٹونٹے ہوائی سینگ کہیں قہقہاتے ہیں
زنیپٹ زبپٹ پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں
لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتی ہے پھر تو ایسی دھوا دھاری شب برات

آ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی
باؤں سے بیٹی شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں
بھائی کسی کی جل گئی باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھتے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا لگا ہے اپنا بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نمودار شب برات

(۲۱)

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید[1] کی خوشی
اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی
کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقرعید[3] کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال
خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال
دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

[1] تجرید تنہائی علیحدگی دنیا سے قطع تعلق ۱۲
[2] نہال خوش ہونا
[3] بقرعید۔ اصل میں بقرعید تھا، اردو میں بقرید تھا۔ اور اس کو مستند سمجھنا چاہیے۔ بعض بکرید بولتے ہیں وہ فصیح نہیں ۱۲ آسی

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے
شیرو شکر سوئیاں پکانے کی دھوم ہے
لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

بیٹھے ہیں پھول پھول کے میخانوں میں کلال
چھنتی ہیں بھنگیں اڑتے ہیں چرسوں کے دم نڈال
اور بھنگ خانوں میں بھی ہیں سرسبزیاں کمال
دیکھو جدھر کو سیر مزا عیش قیل و قال

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کوئی تو مست پھرتا ہے جام شراب سے
کلا کسی کا پھولا ہے لڈو کی چاپ سے
کوئی پکارتا ہے کہ چھوٹے عذاب سے
چٹکاریں جی میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دلبروں سے ہے جن کی لگی لگن
سو سو طرح کے چاہ سے مل مل کے تن سے تن
ان کے گلے سے آن لگا ہے جو گلبدن
کہتے ہیں تم کو عید مبارک ہو جان من

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے الٹ پلٹ
پھرتے ہیں دلبروں کی بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ
ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی

ہ شیر دودھ کو کہتے ہیں۔ مگر عید کے روز سوئیوں میں چاول شامل کر کے جو پکاتے ہیں اس کھانے کا نام بھی شیر ہے
ہ کلال شراب فروش کلواری ۱۲
ہ حب الملی ۱۲
ہ لڈو کی چاپ یعنی لڈو کے چبانے سے منہ میں کی زبان ہو سکتی ہے مگر اب اس طرح نہیں بولتے
چٹکار، چٹخارہ
ہ چاہ۔ خواہش۔ لاڈ۔ پیار ۱۲
ہ معانقہ گلے ملنا
ہ غنچے کے غٹ۔ گروہ کے گروہ ۱۲

ایسی

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

جھمکا ہے ہر طرف کو جو بادلہ زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری
پوشاک میں جھلکتے ہیں سب تن ذری ذری
ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ
صحن چمن ہے جنتی ہر سب صحن عید گاہ
دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ جس کا نہیں شمار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار
خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں جدھر دیکھیے ہزار
غل شور ہائے ہوئے کھلونوں کی ہے پکار

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں
کمر پہ سبھوں سے ملنے کی خاطر ہیں کسلیاں
پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اڑس لیاں
ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں
تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑ پہ مکھیاں
دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
دامن کے ٹکڑے اڑتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر
چھپتے پھریں ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر
ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر ادھر
ٹھٹھا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر
ادنے غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیر

سلہ بادلا اور زری دو کپڑوں کا نام ۱۲ سلہ صحن بالاتفاق مذکر ہے ۱۲ سلہ اڑس لیاں اب اردو میں جمع اس طرح نہیں لاتے ۱۲ سلہ یہ جمع بھی قدیم زمانے کی ہے اب یوں بولتے ہیں۔ پری رخ جو ملتے ملتے عاجز آتے ہیں ۱۲ سی

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

تقریبات اہل ہنود

(۲۴)

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے پھبنتا
اور منہہ کے کہا یار سے لے لکڑ بھبونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کا منگایا ہے گجرا
دس من کا لیا ہار گندھا لاکھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا گجرا
جا یار سے مل کر یہ کہا اے مرے رجرا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے بڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھون کی مقدار
آنکھوں میں نشے مے کے ابلتے تھے دھواں دھار
جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

۱؎ یہ نظم آزردہ کے مجموعہ میں لکھی گئی ہے۔ اسی واسطے ہر جگہ کھڑی بولی ہے۔ کھلنتا لڑنتا۔ پھبنتا بسنتا۔ راجہ کی جگہ رجرا اور لکڑ بھبونتا کے معنی کسی لغت میں نہیں ملے اور نہ مل سکتے تھے۔ یہ خاص تصرف میاں نظیر کا ہے لڑکے کو آنا وا شوخی سے لکڑ کر دیا گیا ہے اور بھونتا بھانے سے بنا لیا گیا ہے یعنی وہ لڑکا جو سب کو بھائے طفل عالم فریب ۱۲ پروفیسر شہباز

۲؎ ایک قسم کی کشتی کا نام ہے ۱۲

۳؎ یعنی رات ختم ہوئی ۱۲

۴؎ راجہ کی تصغیر ۱۲

۵؎ دھون پکے پیسے کا ایک وزن۔ اصل میں دہ من تھا کثرت استعمال سے دھون ہو گیا ۱۲ شہباز

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ … ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ایڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منھ کے تئیں بھیڑ … ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آ چھیڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا … دھونسے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا … ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ … سب کھیت اٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھنجاڑ[1]
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ[2] … ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی الجھی جھاڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج اہاہا! … دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج اہاہا!
بلبل کی نکلتی ہے صفیر[3] آج اہاہا! … کہتا یہی پھرتا ہے نظیر آج اہاہا!

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

(۲۵)

دیگر

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی … ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی
سنتے ہی اس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر … پوشاک زرفشانی اپنی وہیں رنگائی
جب رنگ کے آئی اس کی پوشاک پر نزاکت … سرسوں کی شاخ پر گل پھر جلد اک منگائی
اک پنکھڑی اٹھا کر نازک سی انگلیوں میں … رنگت پھر اس کی اپنی پوشاک سے ملائی

جس دم کیا مقابل کسوت سے اپنے اس کو … دیکھا تو اس کی رنگت اس پر ہوئی سوائی
پھر تو بصد مسرت اور سو نزاکتوں سے … نازک بدن پر اپنے پوشاک وہ کھپائی

جھوک لٹ

[1] جھجھڑی گھنی اور لمبی داڑھی کو کہتے ہیں جھجاڑ لمبی گھنی داڑھی والا داڑھی کی طرح گنجان گھنا ۱۲۔
[2] جھاڑ بھیڑ ۱۲
[3] صفیر آواز ۱۲ بہ وفیر شوبانڈ

چمپے کا عطر مل کر موتی سے پھر خوشی ہو — سیمیں کٹائیوں میں ڈالے کرتے طلائی
بن ٹھن کے اس طرح سے پھر راہ لی چمن کی — دیکھی بہار گلشن پھر طرب فزائی
جس جس روش کے اوپر جا کر ہوا نمایاں — کس کس روش سے اپنی آن ادا دکھائی
کیا کیا بیاں ہو جیسے چمکی چمن چمن میں — وہ زرد پوشی اُس کی، وہ طرز دلربائی
صد برگ نے صفت کی نرگس نے بے تامل — لکھنے کو وصف اُس کا اپنی قلم اُٹھائی
پھر صحن میں چمن کے آیا بحسن و خوبی — اور طرفہ تر بسنتی اک انجمن بنائی
اُس انجمن میں بیٹھا جب ناز و تمکنت سے — گلدستہ اُس کے آگے ہنس ہنس بسنت لائی
کی مطربوں نے خوش خوش آغاز نغمہ سازی — ساقی نے جام زریں بھر بھر کے مے پلائی

دیکھ اُس کو اور تحمل اُس کی نظیر ہر دم
کیا کیا بسنت آکر اُس وقت جگمگائی

(۲۶)

ہولی

ہوا جو آکے نشاں آشکار ہولی کا — بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا
سرود، رقص ہوا بے شمار ہولی کا — ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا

زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے — گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے
نشوں کے جوش ہوئے راگ رنگ ٹھہرائے — جھمکتے روپ کے بن بن کے سوانگ کھلائے

ہوا ہجوم عجب ہر کنار ہولی کا

گلی میں کوچے میں غل شور ہو رہے اکثر — چھڑکنے رنگ لگے یار ہر گھڑی بھر بھر
بدن میں بھیگے ہیں کپڑے گلال چہروں پر — مچی یہ دھوم تو اپنے گھروں سے خوش ہو کر

۵ بیتن تقطیع میں نہیں آتا۔ صحیح یہ ہے شعر اول کے مصرع دوم کا اور بند ہ کے شعر اول مصرع ثانی کا بیتن ۱۲ آسی

تماشا دیکھنے نکلے نگار ہولی کا

بہار چھڑکواں کپڑوں کی جب نظر آئی
نگوڑا کے پکارا یہ ایک شیدائی[۱]
ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی
میاں یہ تم نے جو پوشاک اپنی دکھلائی
خوش آیا اب ہمیں نقش و نگار ہولی کا

تمہارے دیکھ کے منہ پر گلال کی لالی
نگہ نے دی مے گلرنگ کی بھری پیالی
ہمارے دل کو ہوئی ہر طرح کی خوشحالی
جو ہنس کے دو ہمیں پیارے تم اس گھڑی گالی
تو ہم بھی جانیں کہ ایسا ہے پیار ہولی کا

جو کی ہے تم نے یہ ہولی کی طرفہ تیاری
تمہاری آن[۲] بہت ہم کو لگتی ہے پیاری
تو ہنس کے دیکھو ادھر کو بھی جان یک باری
لگا دو ہاتھ سے اپنے جو ایک پچکاری
تو ہم بھی دیکھیں بدن پر سنگار ہولی کا

تمہارے ملنے کا رکھ کر ہم اپنے دل میں دھیان
یہ خوش دلی کا جو ٹھہرائے آن کر سامان
کھڑے ہیں آس لگا کر کہ دیکھ لیں اک آن
گلے میں ڈال کے بانہیں خوشی سے تم اے جان
پنھاؤ ہم کو بھی اک دم یہ ہار ہولی کا

ادھر سے رنگ لیے آؤ تم ادھر سے ہم
خوشی سے بولیں ہنسیں ہولی کھیل کر باہم
گلال عبیر ملیں منہ پہ ہو کے خوش ہر دم
بہت دنوں سے ہمیں تو تمہارے سر کی قسم
اسی امید میں تھا انتظار ہولی کا

بتوں کی گالیاں ہنس ہنس کے کوئی سہتا ہے
لگا کے تاک کوئی منہ کو دیکھ رہتا ہے
گلال پڑتا ہے کپڑوں سے رنگ بہتا ہے
نظیر یار سے اپنے کھڑا یہ کہتا ہے
مزا دکھا ہمیں کچھ تو بھی یار ہولی کا

[۱] شیدا کی بجائے شیدائی کو بعض فصحا غیر فصیح سمجھتے ہیں کیونکہ شیدا خود ہی شیدائی کے معنی دیتا ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں فصحائے ایران نے اس طرح استعمال کیا ہے جیسے کہ حافظ کا یہ شعر ہے حافظ شب ہجراں شد صبح شب وصل آمد شادیت مبارک باد اے عاشق شیدائی یہاں صرف شیدائی ہی نہیں عاشق بھی شیدائی کے معنی میں موجود ہے۔ دوسرے مصرع میں دکھلائی ہے مگر اس کی بجائے دکھائی زیادہ فصیح جانتے ہیں ۱۲ آسی

[۲] آن ناز انداز ادا وغیرہ ۱۲ آسی

(۲۷)

ہولی

قاتل جو میرا اوڑھے اک سرخ شال آیا
گویا نکل شفق سے بدر کمال آیا
کھا کھا کے پان ظالم کر ہونٹھ لال آیا
جب منھ سے وہ پری رو مل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اُس کو ہولی کو حال آیا

عیش و طرب کا ساماں ہے آج سب گھر اُس کے
از ماہ تا بماہی بندے ہیں جی سے زر اُس کے
اب تو نہیں ہے کوئی دنیا میں ہمسر اُس کے
کل وقت شام سورج ملنے کو منھ پر اُس کے
رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا

خالص کہیں سے تازی اک زعفران منگا کر
شیشے میں بھر کے نکلا چپکے لگا چھپا کر
مشک و گلاب میں بھی مل کر اُسے بسا کر
مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چپکا کر
اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

ارباب بزم بھر تو وہ شاہ اپنے لے کر
چالاک چست کافر گمراہ اپنے لے کر
سب ہمنشین حسب دلخواہ اپنے لے کر
دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لے کر
یونہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

عشرت کا اُس گھڑی تھا اسباب سب مہیا
ہاتھوں میں دلبروں کے ساغر کسی کے شیشا
بہتا تھا حسن کا بھی اُس جا پہ ایک دریا
گھروں میں جھولیوں میں سیروں گلال باندھا
اور رنگ کی بھی بھر کر مشک و پکھال آیا

عیاری سے پہلے اپنے تئیں چھپا کر
دوڑے گئی یہ کہکر جاتا ہے دم چرا کر
چاہا کہ میں بھی نکلوں اُن میں سے جھٹ چھپا کر
اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اُس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا

یہ چہل[۱] تو کچھ اپنی قسمت سے مچ رہی تھی
کیسا سماں تھا کیسی شادی سی رچ رہی تھی
یہ آبرو کی پردہ حرمت سے بچ رہی تھی
اُس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی
اُس دھوم میں بھی مجھکو جو کچھ خیال آیا

لازم نہ تھی یہ حرکت[۲] اے خوش صفیر تجھ کو
کرتے ہیں اب ملامت خرد و کبیر تجھ کو
اظہر ہے سب کہے ہیں مل کر شریر تجھ کو
لاحول پڑھ کے شیطان بولا نظیر تجھ کو
اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا"

(۲۸)

ہولی

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ[۳] زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ کہیں رنگ زمیں پر
بجتے ہیں کہیں تال کہیں زنگ[۴] زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
طبلوں کے کھٹکے طبل پہ سازوں کے بجے تار
سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکار ہے سے مرونگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اس رت میں چمن پہ بھی عجب رنگ چڑھا ہے
ہر شوخ کے تن پہ بھی عجب رنگ چڑھا ہے
اور جنگل و بن پہ بھی عجب رنگ چڑھا ہے
عاشق کے بدن پہ بھی عجب رنگ چڑھا ہے
سب عیش کے رنگوں میں ہے ہم رنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

۱؎ ہنسی مذاق۔ دھوم دھام ۱۲
۲؎ حرکت بہ سکون را نا پسندیدہ کام کے معنی میں حسنہ سمجھنا چاہیئے ۱۲
۳؎ ارادہ ۱۲
۴؎ زنگ۔ زنگولہ گھنگرو ۱۲ آسی

مارا ہے لپٹ ہولی کے رنگوں نے عجب جوش
ہیں ناچ کہیں راگ کہیں رنگ کہیں نوش
جو رنگ میں اک خلق بنی پھرتی ہے گل پوش
پیئے ہیں نشے عیش میں سب لوٹیں ہیں مدہوش

معجون کہیں پیتے ہیں کہیں بھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

میخانے میں دیکھو تو عجب سیر ہے یارو
مستی سے سوا عیش نہیں ہوش کسی کو
واں مست پڑے لوٹے ہیں اور کرتے ہیں ہو ہو
شیشوں میں پیالوں میں صراحی میں خوشی ہو

اُچھلی ہے پڑی بادۂ گلرنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گاگا کی پکاریں کہیں رنگوں کی چھڑک ہے
طبلوں کی صدائیں کہیں تالوں کی جھنک ہے
مینا کی بھبک اور کہیں ساغر کی چھلک ہے
تالی کی بہاریں کہیں ٹھلیا کی کھڑک ہے

بجتا ہے کہیں دف کہیں مرچنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مستی میں اُٹھا آنکھ جدھر دیکھو اہا ہا
چلتے ہیں کہیں جام کہیں سوانگ کا چرچا
ناچے ہے طوائف کہیں مٹکے ہے بھویّا
اور رنگ کو گلیوں میں جو دیکھو تو ہر اک جا

بہتی ہیں امنڈ کر چمن و گنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہے خوباں سے گلی کوچہ و بازار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ دھواں دھار
اُڑتا ہے عبیر اور کہیں پچکاری کی ہے مار
پڑتی ہے جدھر دیکھو اُدھر رنگ کی بوچھار

ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک دنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بھاگے ہے کہیں رنگ کسی پر جو کوئی ڈال
وہ پوٹلی مارے ہے اُسے دوڑ کے فی الحال

سلہ ناچنے والا بھاؤ بتا بتا کر ناچنے والا ۱۲

یہ ٹانگ گھسیٹے ہے تو وہ کھینچے پکڑ بال
وہ ہاتھ مروڑے تو یہ توڑے ہی گھڑا گال

اس ڈھب کے ہر اک جا پہ مچے ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی گڑ دا
بھرتے ہیں کہیں مشک کہیں رنگ کا گڑوا
پچکاری اُٹھا کر کوئی جھمکا دے ہے گھڑوا
کیا شاد وہ ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بھڑوا

سننے میں یہاں ننگ نہیں اب ننگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی کی نظر اب جو بہاریں ہیں اہا ہا
کپڑوں پہ جمی رنگ کی دھاریں ہیں اہا ہا
محبوب رنگیلوں کی قطاریں ہیں اہا ہا
سب ہولی ہے ہولی ہی پکاریں ہیں اہا ہا

کیا عیش ہے کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

(۲۹)

ہولی

جب آئی ہولی رنگ بھری سو ناز و ادا سے مٹک مٹک
کچھ گھونگھٹ کر تا دمک دمک کچھ ابرن کرتا جھلک جھلک
اور گھونگھٹ کے پٹ کھول دیئے وہ روپ دکھایا چمک چمک
جب پاؤں رکھا خوشوقتی سے تب پائل باجی جھنک جھنک

کچھ اچھلیں سنتیں ناز بھری کچھ کودیں آ میں تھرک تھرک

یہ روپ دکھا کر ہولی کے جب نین رسیلے ٹک مٹکے
پھر سانگ بہت تیار ہوئے اور ٹھاٹھ خوشی کے جھمکے
منگوائے تھال گلالوں کے بھر ڈالے رنگوں سے مٹکے
غل شور ہوئے خوشحالی کے اور ناچنے گانے کے کھٹکے

مردنگیں باجیں تال بجے کچھ کھنک کھنک کچھ دھنک دھنگ

پوشاک چھڑکواں سے ہر جا تیاری رنگیں پوشوں کی
اور بھیگی جاگہ رنگوں سے ہر کنج گلی اور کوچوں کی

۱؎ گھڑوا ہاتھ کا ایک ہندوانہ زیور ۱۲ ۲؎ پانی رکھنے کا ایک برتن ۱۲ ۳؎ ابرن یا ابھرن زیور ۱۲ ۴؎ لگا ہیں ۱۲ ۵؎ جبیں کی بجائے باجیں۔ جگہ کی جا جاگہ یا ہر بار کی جگہ ہر باری اب فصحا کے یہاں متروک ہیں ۱۲

ہر جاگہ زر دلباسوں سے ہوئی زینت سب آغوشوں کی — سو عیش طرب کی دھومیں ہیں اور محفل میں مے نوشوں کی
مے نکلی جام گلابی سے کچھ لہک لہک کچھ چھلک چھلک

ہر چار طرف خوش وقتی سے دف باجے رنگ اڑے رنگ مٹے — کچھ دھومیں فرحت عشرت کی کچھ عیش خوشی کے رنگ مٹے
دل شاد ہوئے خوشحالی سے اور عشرت کے سو ڈھنگ ہوئے — پھر جھمکی رنگت ہولی کی جو دیکھنے والے دنگ ہوئے
محبوب پری رو بھی نکلے کچھ جھجک جھجک کچھ ٹھٹک ٹھٹک

جب خوباں آئے رنگ بھرے پھر کیا کیا ہوئی جھمک اٹھی — کچھ حسن کی جھمکیں نازبھریں کچھ شوخی نازاداؤں کی
سب چاہنے والے گرد کھڑے نظارہ کرتے ہنس خوشی — محبوب سنے کی خوبی میں پھر عاشق اور پر گھڑی گھڑی
ہیں رنگ چھڑکتے سرخی کے کچھ لپک لپک کچھ جھپک جھپک

ہے دھوم خوشی کی ہر جانب اور کثرت ہے خوش وقتی کی — ہیں چرچے ہوتے فرحت کے اور عشرت کی بھی دھوم مچی
خوباں کے رنگیں چہروں پر ہر آن نگاہیں ہیں لڑتی — محبوب بھگوئیں عاشق کو اور عاشق ہنس کر ان کو بھی
خوش ہو کر ان کو بھگو دیں ہیں کچھ اٹک اٹک کچھ ہمک ہمک

وہ شوخ رنگیلا جب آیا یاں ہولی کی کرتیاری — پوشاک سنہری زیب بدن اور ہاتھ چمکتی پچکاری
کی رنگ چھڑکنے سے کیا کیا اس شوخ نے ہر دم عیاری — ہم نے بھی نظیرؔ اس چنچل کو پھر خوب بھگو یا ہر باری
پھر کیا کیا رنگ بہے اس دم کچھ ڈھلک ڈھلک کچھ چپک چپک

(۳۰)

ہولی

میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں — کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں — ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

اب اس مہینے میں پہونچی ہے یاں تلک چال — فلک کا جامہ پہن سرخی شفق سے لال

بنا کے چاند کے سورج کے آسماں پہ تھال ۔ فرشتے کھیلیں ہیں ہولی بنا عبیر و گلال
تو آدمی کا بھلا کیا شمار ہولی میں

سنا کے ہولی جو زہرہ بجاتی ہے طنبور ۔ تو اُس کے راگ سے بارہ برج ہیں معمور
چھوؤں ستاروں کے اوپر پڑا ہے رنگ کا نور ۔ سبھوں کے سر پہ یہ ہر دم پکارتی ہے حور
اگر رنگ سے کوئی مت کچھ عار ہولی میں

جو گھر کے ابر کبھی اس مزے میں آتا ہے ۔ تو بادلوں میں وہ کیا کیا ہی رنگ لاتا ہے
خوشی سے رعد بھی ڈھولک کی گت لگاتا ہے ۔ ہوا کو ہولیاں گا گا کے کیا نچاتا ہے
تمام رنگ سے یہ ہے بہار ہولی میں

چمن میں دیکھو تو دن رات ہولی رہتی ہے ۔ شراب ناب کی گلشن میں نہر بہتی ہے
نسیم پیار سے غنچے کا ہاتھ گہتی[1] ہے ۔ تو باغباں سے بلبل کھڑی یہ کہتی ہے
نہ چھیڑ مجھ کو تو اے بد شعار ہولی میں

گلوں نے پہنے ہیں کیا کیا ہی جوڑے رنگ برنگ ۔ کہ جیسے لڑکے یہ معشوق پہنتے ہیں تنگ
ہوا سے پتوں کے بجتے ہیں تال و مردنگ[2] ۔ تمام باغ میں کھیلیں ہیں ہولی گل کے سنگ
عجب طرح کی مچی ہے بہار ہولی میں

امیر جتنے ہیں سب اپنے گھر میں ہیں خوشحال ۔ قبائیں پہنے ہوئے تنگ تنگ گل کی مثال
بنا کے گھر میں طرح حوض مل کے سب فی الحال ۔ مچاتے ہولیاں آپس میں لے عبیر و گلال
بنے ہیں رنگ سے رنگیں نگار ہولی میں

یہ سیر ہولی کی ہم نے تو برج[3] میں دیکھی ۔ کہیں نہ ہووے گی اس لطف کی میاں ہولی
کوئی تو ڈوبا ہے دامن سے لے کے تا چولی ۔ کوئی تو مرلی[4] بجاتا ہے کہہ "کنھیا جی"
ہے دھوم دھام یہ سب بے اختیار ہولی میں

گھروں سے سانوری اور گوریاں نکل چلیاں ۔ کسنبی اوڑھنی اور مست کرتی اچپلیاں[5]

[1] پکڑتی تھا میں نے
[2] مردنگ ایک قسم کی ڈھولک
[3] سنگ - ساتھ - اب خواص اس معنی میں استعمال نہیں کرتے ۱۲
[4] برج متھرا، گوکل بندرا بن وغیرہ ۱۲
[5] مرلی - بانسری ۱۲
[6] اچپلی

جدھر کو دیکھیں اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں
تمام برج کی پریوں سے بھر رہیں گلیاں
مزا ہے سیر ہے دھرکنار ہولی میں

جو کچھ کسانی ہے البلا بہت پیاری
چلی سب اپنے پیا پاس لے کے پچکاری
گلال دیکھ کے پھر چھاتی کھول دی ساری
پیا کی چھاتی سے لگ ہی وہ چاؤ کی ماری
نہ تاب دل کو رہی نے قرار ہولی میں

جو کوئی سیانی ہے اُن میں تو کوئی ہے نا کند
وہ شور بور رنگی سب رنگ سے بہشت یک چند
کوئی دلاتی ہے ساتھن کو یار کی سوگند
کہ اب تو جا مرد انگیا کے ٹوٹے ہیں سب بند
پھر آ کے کھیلیں گے ہو کر دوچار ہولی میں

نظیرؔ ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے
وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے
جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

[illegible]

(۳۱)

ہولی

سفید و زرد کی لڑائی

جدا نہ ہم سے ہوئے خوش جمال ہولی میں
کہ یار پھرتے ہیں یاروں کے نال ہولی میں
ہر ایک عیش سے ہے گا بحال ہولی میں
بہار اور ہی کچھ اب کے ہے سال ہولی میں
مزا ہے سیر ہے ہر سو کمال ہولی میں

سبھوں کے عیش کو پھاگن کا یہ مہینا ہے
سفید و زرد میں لیکن کمال کینا ہے
طلا کا زرد کئے سر بسر خزینا ہے
سفید پاس فقط سیم کا دفینا ہے

ہر ایک دل میں ہے رشکِ زوال ہولی میں

کہا سفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام
کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو ہر اِک بند و بست ہوگا تمام
تو مجھ سے آن کے مل چھوڑ اپنی ضد کا کلام

وگرنہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر بڑھاؤں گا
بنا کے آپ سا پاس اپنے بٹھاؤں گا
کہا سفید نے "میں مطلقاً نہ آؤں گا
تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا

تو اپنا دیکھیو کیا ہوگا حال ہولی میں"[1]

یہ سن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار
چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پہ یک بار
ادھر سفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار
صف مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں تیار

ہوا اگر چہ جواب و سوال ہولی میں

ملا ادھر سے سفید اور اُدھر سے زرد بہار
گھٹائیں رنگ برنگ فوجوں کی جھکیں سرشار
پکھالیں مشکیں چھٹیں رنگ کی پڑی بوچھار
اور چار طرف سے پچکاریوں کی مارا مار

اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

یہاں تو دونوں میں آپس میں ہو رہی یہ جنگ
اُدھر سے آیا جو اک شوخ بارخ گلرنگ
ہزاروں نازنیں معشوق اور اُس کے سنگ
نشے میں مست کھلی زلف جوڑے رنگ رنگ

کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ اے بادشاہِ مہر و یاں
سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں
یہ سن کے آپ وہ دونوں کے آگیا درمیاں
ادھر سے تھا منا اُسے اور اُدھر سے اسکو وہاں[2]

تم اس قدر نہ کرو اختلال ہولی میں

کہا تمہاری خصومت کا ماجرا ہے کیا؟
کہا سفید نے ناحق یہ زرد ہے لڑتا
یہ سن کے اس نے وہیں اپنا اک منگا جوڑا
پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو پھر گُندوا، رنگوا

---

[1] اب نظم میں دو" کا اظہار غیر فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
[2] اور کی "ے" تقطیع میں نہیں آتی مگر قدما اس طرح لکھ جاتے تھے ۱۲
[3] اختلال خلل پڑنا ۱۲ آسی

کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعتِ رنگیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے بھر دوں میں
سبھوں کو حکم کیا "تم بھی پہنو اب یوں ہیں"
پکاری خلق کہ انصاف چاہیئے یوں نہیں"
ہوا پھر اور ہی حسن و جمال ہولی میں

میاں میں کیا کہوں پھر اس مزے کی ٹھہری بہار
ہزاروں باغ رواں ہیں کروڑوں ہیں گلزار
جدھر کو آنکھ اُٹھا کر نظر کرو اک بار
چمن چمن پڑے پھرتے ہیں سرو گل رخسار
عجب بہار کے ہیں نونہال ہولی میں

جو نہر حسن کی ہے موج مار چلتی ہے
اگاڑی مست صفِ گلعذار چلتی ہے
علم لیئے ہوئے آگے بہار چلتی ہے
پچھاڑی عاشقوں کی سب قطار چلتی ہے
سبھوں کے دل میں خوشی کا خیال ہولی میں

گلال عبیر سے کتنے بھرے ہیں جو پائے
کوئی کہے ہے کسی سے کہ ہم بھی لو آئے"
تمام ہاتھوں میں گڑوے بھی رنگ کے لائے
تو اُس سے کہتا وہ ہنس کر کہ "آ مرے جائے"
ہنسی خوشی کا ہے قال و مقال ہولی میں

اسی بہار سے گوکل پورے میں جا پہونچے
سب عالم گنج میں شاہ گنج و تاج گنج بھرے
اور منڈی نائی کی اور سید خاں کی منڈی سے
ہیں شہر میں نہیں اور گرد شہر کے رہتے
ہوا ہجوم کا مجمع کمال ہولی میں

سبھوں کو سے کے کناری بزار میں آئے
کہ پیپل منڈی و پنّی گلی کے بھی آئے
پھر موتی کٹرے پیٹھی کے لوگ سب دھائے
جہاں تہاں سے یہ گھر گھر کے لوگ سب چھائے
کہ بنواؤں کے دیکھیں جمال ہولی میں

ہوئی جو سب میں شریف و رذیل میں ہولی
کسی کا بھر گیا جامہ کسی کی پگڑی بھری
تو پہلے رنگ کی پچکاریوں کی مار ہوئی
کسی کے منھ پہ لگائی گلال کی مٹھی

ـلہ مطابق عمل ہوا
ـلہ آنے کی جگہ
اگاڑی اور پیچھے
کی جگہ پچھاڑی
اب نہیں لکھتے
بلکہ اگاڑی پچھاڑی
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
گرد و نواح [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
عالم گنج شاہ گنج
کناری بازار
موتی کٹرہ پیلی [illegible]
[illegible] پیٹھی [illegible]
سب اکبرآباد کے
محلوں کے نام
ہیں ۱۲ آسی
ـلہ جامہ یعنی
پیرا ہن یا پیراہن
نوشاہ کا ایک
خاص لباس ۱۲
آسی

تو رفتہ رفتہ ہوئی پھر یہ چال ہولی میں

گھٹائیں مشک و گلالوں کی جھوم کر آئیں
صبا نے رنگ کی بوچھاریں آ کے برسائیں
سنہری بجلیاں پچکاریوں کی چمکائیں
ہوا نے آن کے ساون کی جھڑیاں بنوائیں
لگی برسنے کو مشک و گلال ہولی میں

ادھر گلال کا بادل بھی چھا گیا گھنگھور
یہ لڑکے نازنیں بولیں ہیں کوکلا[۱] جوں مور
صدائے رعد ہوئی ہر کسی کا غل اور شور
تمام رنگ کی بوچھار سے ہیں شرابور
عجب ہے رنگ لگی برشگال[۲] ہولی میں

لگا کے چوک سے اور چارسو تلک دیکھا
تمام بھیڑ سے ہر طرف بند ہے رستا
کہ جا کہ ایک بھی تل دھرنے کی نہیں ہے ذرا
تس اوپر رنگ کا بادل ہے اس قدر برسا
کہ ہر گلی میں بہا ڈھوبی کھال[۳] ہولی میں

نظیر ہولی تو ہے ہر نگر[۴] میں اچھی خوب
کہاں ہیں ایسے صنم اور کہاں ہیں یہ محبوب
ولیک ختم ہوا آگرے پہ یہ اسلوب
جنہوں کے دیکھے سے عاشق کا ہووے تازہ قلوب[۵]
تری نرالی ہے یاں چال ڈھال ہولی میں
نسخہ: بڑی

(۳۲)

ہولی

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھنے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جان
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جان
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جان
مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جان

[۱] کوکلا ہندی میں کوئل کو کہتے ہیں ۱۲
[۲] برشگال ۔ برسات ۱۲ آسی
[۳] ڈھوبی کھال آگرے میں غالباً جمنا کی چھوٹی سی شاخ کا نام ہے ممکن ہے کہ یہ دھوبی کھال ہو یعنی جمنا کا وہ حصہ جہاں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں ۱۲ آسی
[۴] نگر موقع ۔ جگہ ۔ گاؤں ۱۲
[۵] تازہ ہووے قلوب ۔ بجائے قلب تازہ ہو ممکن ہے کہ اُس وقت لکھا جاتا ہو ۔ مگر اب درست نہیں ۱۲ آسی

ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ جما ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر کے بھرا ہے
اور اس پہ یہ طرّہ جو زری کا بھی دھرا ہے
پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قربان ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا میں نمودار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کی کہیں شور کہیں غل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے
ٹک پیار کی نظروں سے مری جان ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا!
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر روز تماشا
ہولی کو نظیرؔ اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا!
محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۳۳)

ہولی کی بہاریں

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

له چیرا ایک قسم کی پگڑی ۔ طرہ منقش کنارہ دار لگا تھا ۔ جھنڈ دار ۔ نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ ۔ کیسر زعفران ۔ گل صد برگ ۔ ایک قسم کا گلاب کا بہت عمدہ پھول ۱۲ آسی

محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے — کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے — کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منھ چنگ[1] بھرے

کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا — وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ[2] ہو رنگ کے ڈوبوں کا — اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا

کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو — کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
منھ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو — اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو

سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو — منھ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بد مست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو — مے نوشی ہو بیہوشی ہو "بھڑوے"[3] کی منھ میں گالی ہو

بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویوں کے لڑکے — ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتا دیں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گا دیں اڑ اڑ کے — کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے

کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو دھوم عبیروں کی جس پر چھائے ہوں ابر گلالوں کے — اور بھڑوا بھڑوا کہہ کر آ گھیریں غول[4] ...... کے
کچھ ریلے رنگ چھڑکنے کے کچھ نقشے بھیگے بالوں کے — کچھ ہاتھ لگا کر کچھ ..... ل کچھ بوسے لے گالوں کے

جی جان مزے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

دیکھ اُن کی انگیا رنگ بھری اک دل میں جوش اُٹھے بارے — ہو تیر کھڑا ..... میں چھٹتے ہوں ..... کے فوارے
کوئی دیکھ پکارے پیارے کوئی دیکھ پکارے ہائے ارے — غٹ غپ غول ..... کے اُس تیر کی ہیبت کے مارے

[1] منھ چنگ ایک باجے کا نام جو منھ سے بجایا جاتا ہے ۱۲
[2] ٹھٹھ مجمع۔ بھیڑ ۱۲
[3] بھاڑ بنا کر ناچنے والے ۱۲
[4] غول۔ گروہ جہاں نقطے لگے ہیں وہاں سے غیر مہذب الفاظ نکال دیے ہیں ۱۲ آسی

دہشت سے دور بھٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

شہزور کماں ہو… کی اور تیر کھرا فولادی سر
کوئی بھاگے ہاتھ کو پیچھے رکھ کوئی بھاگے ہاتھ کو آگے دھر
ہر آن اُچھل کر لگتا ہو اُس تودے پر اُس تودے پر
غٹ چنچل شوخ نشانوں کے اُس تیر کڑے سے ڈر ڈر کر
سب آگا پیچھا ڈھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

غٹ چنچل شوخ… میں اُس تیر کی آ کر ہل چل ہو
کوئی ہاتھ رکھے ہو… پر اور پیٹ کسی کا کھل کھل ہو
کوئی انگیا ڈھانکے پھرتی ہے کوئی لیتی سمٹ آنچل ہو
سینے سے سینہ لگ لگ کر عیش مزے کی ریل پیل ہو
… کے جوش بھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس جوش اُبلتی… میں پھر آ کر دھینگا مشتی ہو
کچھ ہاتھ پکڑ کچھ… ل کچھ منھ میں مشتا مشتی ہو
وہ ریلا کر کے آن پڑے اور یاں… کی پستی ہو
بن جائے اکھاڑا عشرت کا اور عیش و طرب کی کشتی ہو
سب تن کے ہاڑ کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

کوئی نیچے دب کر کہتی ہو چلّا کر ہائے کچل ڈالا
کوئی پیٹ پکڑ کر بھاگی ہو یوں کہتی ہے بے مل ڈالا
… پر مار کے ہاتھوں کو… بھی صاف مسل ڈالا
کوئی دھوم مچا کر کہتی ہو کم بخت نے سینہ دل ڈالا
جب یہ غل شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
معجون خمرا میں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا کُکّڑ ہو
اُس کھینچا کھینچ گھسیٹی پر بھڑوے رنڈی کا پھکڑ ہو
تب بھڑوے نظیرؔ بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۳۴)

ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جو وقت بجایا ہولی نے

لہ دھینگا مشتی۔ زبردستی، جبر۔ کام
مستی ۱۲ سے اڑے
پڑیاں ۱۲ سے
ٹکیہ، سلفہ، گانجے
چرس وغیرہ کی
قسم کی چیزیں۔
ککڑ۔ ایک قسم
کا حقہ ۱۲ سے
لتھڑ پتھڑ۔ سنا ہوا
تر ہوا ۱۲ آجی

بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھڑکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھمی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لائے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکیں رنگوں کی اور ہر دم رنگ افشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاریوں کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر جا بہ طرف خوشحالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب نوک جھونکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ خوبی ہے
کچھ شور اہاہا کا کچھ دھوم اہو ہو ہو کی ہے
یہ عیش یہ خط یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے
کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں منہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش مسرت کی خوش وقتی اور خوشحالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے

---

۱ ڈھمڈھمی خنجری دفلی ۱۲
۲ خوش رنگت، قدیم ترکیب دیکھئے ہے ۱۲
۳ رخشندگی کی جگہ رخشانی۔ یا تابندگی کی جگہ تابانی جیسے ابو تابش لغت میں نہیں ملے ۱۲
سینن کی جمع۔ اشارے ۱۲ آسی

ان چہرچوں کا ان چہلوں کا یہ تار رنگا یا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا بنے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کالیتوں کی گاتے ہیں

کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ نہیں کچھ ناچتے ہیں کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

(۳۴)

ہولی کی رنگ فشانی سے ہے رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جس خوبی اور رنگینی سے گلزار کھلے ہیں عالم میں
لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
ہر محفل میں قاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
ہے روپ عبیروں کا ہوش اور رنگ گلالوں کا گلگوں
اس گلرو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی پر

جو رنگا رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا
ہر آن چھیڑ کو ان جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا
یہ ساغر پہونچے دست تلک یا ہاتھ لیک دشمن کا
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا
ہیں بھرتے جس میں رنگ نیلے رنگ عجب اس برتن کا
نا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش ہمیں کچھ دامن کا

تب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی ہنس کر ہمدم
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینہ پھاگن کا

(۳۵)

دوالی کا سامان

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا

ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا

عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار

کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

۵ کامنی دلربا حسین عورت۔ اس لفظ کا استعمال بعض نظموں میں اگن کے ساتھ بھی پایا گیا ہے۔ جیسے اٹ دھار جگ کا میاں۔ لہذا اس میں اگن کا مفہوم بھی شامل ہے یعنی حسین [illegible] یا دلربا کے حسین [illegible] گات کی تشبیہ [illegible] نون کے ساتھ ہے مگر یہاں [illegible] قافیہ نون کو ختم کر دیا ہے۔ [illegible]

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی ‌ ‌ پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برنی کسی نے تلوائی ‌ ‌ کھلونے والوں کی اُن سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

سرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار ‌ ‌ انھوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی ادھار
کہے ہیں ہنس کے قرضخواہ سے ہر اک اکبار ‌ ‌ دوالی آئی ہے سب دے دلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی ‌ ‌ جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے اُن میں تو جان سی آئی ‌ ‌ خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے یار گنڈے کی ‌ ‌ پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی ‌ ‌ تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آہ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری ‌ ‌ جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری ‌ ‌ کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لا نکی موٹھ نے مارا ‌ ‌ کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نردنے چوپڑ کے کر دیا نارا ‌ ‌ لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آکے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار اے پھڑ ٹوٹے ‌ ‌ ہوئی تو گر ہی تھی بیٹے کے ہاتھ کے کھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کے ہیں پہ گھڑ ٹوٹے ‌ ‌ نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں پھڑوے

لہ لفظ بیرت … اول و دوم … ہے۔ مگر شاید گفتگو سے عوام کو نظر کیا گیا ہے ۱۲
لہ اصل لفظ اول و سکون دوم صحیح ہے مگر شاید گفتگو سے ۔۔۔ کو چھیڑ لفظ بنا کر ۔۔۔ کر دیا ہے ۱۲
لہ گنڈا چار کوڑی کا ہوتا ہے۔ یا چار پیسے ۱۲
لہ نکی موٹھ بھی ایک قسم کا جوا ہوتا ہے۔ سوختہ سے بیت ثانی میں شاید کسی قسم کے جوے کے معنی میں لایا گیا ہے مگر اس معنی میں کسی کی نظر سے نہیں گذرا ۱۲
لہ نارا شاید مزید علیہ نار ہو ۱۲
لہ توگری ہاتھ کا ایک زیور۔ کھڑوے بھی ایک قسم کا زیور ہوتا ہے ۱۲
لہ گھڑ ٹوٹے یہ لفظ بھی نگاہ سے نہیں گزرا ۱۲ آسی

خدا نے تجھ کو تو شہدا کیا دوالی کا

وہ اُس کے جوڑنے پکڑ کر کہے ہے ہاروں گا
جو ہٹی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا
ترا جو گہنا ہے سب تار تار اُتاروں گا
یہ سب تو ہارا ہوں تُنڈی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے تجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں تُنڈی یہ لت وہ پیاری ہے
تو اُس نے جورو کی نتھ اور ازار اُتاری ہے
کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے
جو ہارے اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے
تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے اُن کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو
نصیحتیں ہیں انھیں دل میں ٹھانیو یارو
جو جواری ہو نہ بُرا اُس کا مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

(۴۷)

دیوالی

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاط و عیش ہے
اس طرح ہیں کوچہ و بازار پُر نقش و نگار
گرمجوشی اپنی با جام چراغاں لطف سے
مائل سیر چراغاں خلق ہر جا و ہر دم
عاشقاں کہتے ہیں معشوقوں سے با عجز و نیاز

سب مہیا ہے جو اس ہنگام کے شایان ہو شے
ہو عیاں حسن نگارستاں کی جن سے خوب رسے
کیا ہی روشن کر رہی ہے ہر طرف دخن کی مے
حاصل نظارہ حسن شمع رویاں پے بہ پے
ہے اگر منظور کچھ لینا تو حاضر ہیں روپے

اگر کرر عرض کرتے ہیں تو کہتے ہیں وہ شوخ
کہتے ہیں اہل قمار آپسمیں گرم اختلاط
جیت کا پڑتا ہے جس کا داؤں وہ کہتا ہے یوں
ہم سے لیتے ہو میاں تکرار و حجت تا بکے
ہم تو ڈب میں سو رچے رکھتے ہیں تم رکھتے ہو کے
سوئے دست راست ہے میرے کوئی فرخندہ پے
ہے دسہرے میں بھی یوں گو فرحت و زینت نظیرؔ
پر دیوالی بھی عجب پاکیزہ تر تیوہار ہے

(۳۸)

راکھی[۱]

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اُس دلدار کی راکھی
نہ پہونچے ایک گل کو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
تماشا ہے اہا ہا ہا! غنیمت ہے یہ عالم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
اُٹھاتا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
ہر اک گلرو پھرے ہے ہر راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
دو انی بلبلیں ہوں دیکھ گل جھڑنے لگیں تن کے
ولیکن تم سے اب جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
تمہارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اُٹھتے ہیں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ! چھلتے ہیں

[۱] وہ رنگین ڈورا جو رکھشا بندھن یا سلونوں کے دن ہندو اپنی کلائی پر باندھتے یا برہمن وغیرہ ان کی کلائی پر باندھتے ہیں ۱۲ اختی

کہاں نازک یہ پہونچے اور کہاں یہ رنگ ملے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اُپر بارے
تو اُن کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے تارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اُس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

(۳۹)

شہر اکبر آباد

شہر مکاں میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری
شرمندہ جس کو دیکھ کے مہ عارض پری
لیلیٰ کی جد کر نہ سکے جس کی ہم سری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار، عمارات پُر نگار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار
بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
گلیاں کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
ادھر کو تھکتے ہیں تو اُدھر کو پھسلے
دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزی کو جن کی دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات
دیکھے تو پھر نبات سے کچھ آوے بن نہ بات

شہد اُن پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہیں گھات
قند و شکر بھی دل سے فدا ہوں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بحر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے اک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھووے شاد بہر
اُس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم
تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہار دل سے ہو بہم
سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا
لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام
ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبوں کے ازدحام[1]
ہر طور دل رہے ہی خوش اور طبع شاد کام
میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

(۴۰)

کنھیا جی کی راس[2]

کیا آج رات فرحت و عشرت اساس ہے
ہر گلبدن کا رنگین و زریں لباس ہے
محبوب دلبروں کا ہجوم آس پاس ہے
بزم طرب ہے عیش ہے پھولوں کی باس ہے
ہر آن گوپیوں[3] کا یہی کھ بلاس[4] ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

[1] ازدحام کی جگہ اکثر لوگ اژدحام بولتے ہیں وہ صحیح نہیں ۔
[2] راس ۔ ناچ ۔ کھیل تماشا میلا ۔
[3] گوپیاں ۔ کنھیا جی کی سہیلیاں ۔ گائے چرانے والیاں ۔ دودھ بیچنے والیاں ۔
[4] بلاس ۔ خوش عیش ۔ چین ۔ اطمینان ۔ کھ بلاس ۔ کلام عشرت فرجام ۱۲

بچھرے پڑے ہیں فرش پہ منقیش اور زری
سکھیاں پھرے ہیں ایسی کہ جوں حور اور پری
بجتے ہیں تال گھنگرو و مردنگ و کھنجری
سن سن کے اس ہجوم میں موہن کی بانسری

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنہیا کی راس ہے

آئے ہیں دھوم سے جو تماشے کو گلبدن
کرتے ہیں زینت کنج بہاری بصد پرن
گویا کہ کھل رہے ہیں گلوں کے چمن چمن
اور گھنگروؤں کی سن کے صدائیں چھنن چھنن

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنہیا کی راس ہے

پہونچے ہے آسماں تئیں مردنگ کی گمک
کرتی ہے مست دل کو مکٹ کی ہر اک جھلک
آواز گھنگروؤں کی قیامت جھنک جھنک
ایسا سماں بندھا ہے کہ ہر دم فلک فلک

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنہیا کی راس ہے

حلقہ بنا کے کشن جو ناچیں ہیں ہاتھ جوڑ
اگر کسی کو پکڑے ہیں دل ہیں کسی کو چھوڑ
پھرتے ہیں اس مزے سے کہ لیتے ہیں دل مروڑ
یہ دیکھ دیکھ کسی کا آپس میں جوڑ جوڑ

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنہیا کی راس ہے

ناچیں ہیں اس بہار سے بن ٹھن کے نند لال
ہنستے ہیں چھیڑ ملتے ہیں ہر اک کو دکھا جمال
سر پر مکٹ برا جے ہے پوشاک تن میں لال
سکھیوں کے ساتھ دیکھ کے یہ کانھ جی کا حال

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنہیا کی راس ہے

ہے روپ کشن جی کا جو دیکھو عجب انوپ
اور اُن کے ساتھ چمکے ہے سب گوپیوں کا روپ

مہتابیاں چھٹیں ہیں گو یا کھل رہی ہے دھوپ
اس روشنی میں دیکھ کے وہ روپ اور سروپ

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ہنسی ہوئی جو پھرتی ہیں ساتھ اُن کے گوپیاں
ہیں اُن میں رادھا[۲] ایسی کہ تاروں میں چندرماں[۳]
کرتی ہیں کشن جی سے ہر اک آن آن باں
آپس میں اُن کے رمز و اشارات کر کے دھیان

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

اس شہر میں نظیرؔ جو بیکس غریب ہے
مہتاب ہے مست حال میں اپنے بغیر ہے
شب کو گیا تھا اس میں کچھ کر کے راہ طے
جا کر جو دیکھتا ہے تو واں سچ ہے کرشن جی

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

(۱۴)

آگرے کی تیراکی

جب پیرنے کی رُت میں دلدار پیرتے ہیں
عاشق بھی ساتھ اُن کے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے نادان ہشیار پیرتے ہیں
پیر و جوان لڑکے عیّار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

۱؎ حسن شمائل ۱۲ ۲؎ رادھا کنھیا جی کی معشوقہ جن کو رادھکا بھی کہتے ہیں ۱۲ ۳؎ چندرماں ہندوؤں کی زبان میں چاند ۱۲
۴؎ اس نظم میں اوّل دوم سوم چہارم تین تین بندوں میں ساری پچیس بند ہیں۔ دوسرے اور تیسرے بند میں تو آگرے کے محلے اور مقامات مشہورہ ہیں اور چوتھے میں دریا کی مختلف کیفیتوں اور پانی کی مختلف ہیاتوں کے نام مقامات کی تحقیق ہو سکتی ہے میری تحقیق میں وہ

مقامات یہ ہیں: چھ نا سجا یا سپا کا ۱۲ا، چھتری - برج خونی - دارا کا چوترا - مہتاب باغ - سید تلی قلعہ - روضہ - حکیم کا باغ - شیو داس کا چمن - پانی کی مختلف ہیاؤں کی تحقیق ذرا مشکل ہے۔ جن ہیاتوں کا چوتھے بند میں ذکر ہے اُن کی تحقیق بعض مستند فرہنگ نگاروں اور آگرے کے ایک کہنہ مشق نکتہ پرداز سے کی گئی مگر پھر بھی بطور کامل نہ ہو سکی - ہر چند مؤخر الذکر فاضل نے آگرے کے پرانے پرانے پیراکوں سے بھی مدد لی - پہلا ہی لفظ کھری سمجھ میں نہ آیا بعض نسخوں میں اس کو کھڑی بالرا المتقلہ لکھا ہے - میں سمجھتا ہوں یہ کھری ہے یعنی وہ ہیات پانی کی جس میں سطح آب پر چھوٹے چھوٹے لہر کے سے نشان نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اخیر کے چند لفظوں میں دقت ہے کسی پچھاڑ کو اوّل صاحب ایک لفظ قیاس کر کے کشتی پچھاڑ فرماتے ہیں - کوئی کہتے ہیں کسی الگ ہے اور پچھاڑ الگ - کرا کو بعض حضرات کرا پڑھتے ہیں - بعض کرّا - پیچ یہ ہے جن ہیاتوں کا ذکر ہے گو ان کی لفظی تحقیق ہو گئی ہے مگر معنی میں ان کے بھی اختلاف ہے - میری تحقیق ناقص کے مطابق تحقیق الفاظ یوں ہے - کھری - چادر - بند - ناند - بھگوا - ریتڑا ادیا منڈھاں - جھوڑ - اچھال - چکر - سمیٹ - مالا - فیلا - گھیر - تختہ - کسی - پچھاڑ - کرا یا کرّا، معنی کی تحقیق ناظرین خود فرمائیں - ۱۲ پروفیسر شہباز مرحوم -

بھرنے سے ہے کے یارو سجا کاتا پیالا
مہتاب باغ سید تیلی قلعہ و روضا
چھتری سے بُرج خونی دارا کا چہ نترا کیا
غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا
ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو داس کا چمن ہے
میوہ مٹھائی کھاتے اور ناچ دل لگن ہے
اُن میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
کچھ پیرنے کی دھوم کچھ عیش کا چلن ہے
ہر اک مکاں میں جا کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا
بینڈا بھنور اُچھالن چکر سمیٹ مالا
پھر جا کھڑی وچادر بند اور تاند چکرا
بینڈا اٹھمیر تختہ کشتی پچھاڑ کرا
واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہا ہا ہوتی ہیں کیا بہاریں
پیریں نہادیں اُچھلیں کو دیں لڑیں پکاریں
خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
کتے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں
کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کے پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے
منھ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے
پیراک اُسمیں پیریں جیسے کہ چاند تارے
پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیریں اپنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا

ل
سمان کا انبار

ملہ گھڑی کیا ہے ایک قسم کی پیراکی جس میں کھڑے ہو کر پیرتے ہیں۔ اگرچہ پردھنیر شہیا ذکو یہ تحقیق نہ ہو سکا مگر مجھ کو تیقن ہے اسی طرح سے اور تمام الفاظ چادر، ملبہ، نافذ، چکرا، انڈا، بھنور، اچھالن، چکر، سمیٹ، مالا، بینڈا، اٹھمیر، تختہ، کشتی پچھاڑ کر سب پیراکی کی قسمیں نہیں بلکہ پیراکی کی قسموں کے نام ہیں ۱۲ آسی

آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا ۔۔۔ سردوں کا یہ چلا ہے گویا کہ اک قرینا

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں اُن میں کتنے پانی پہ صاف سوتے ۔۔۔ کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے ۔۔۔ حقّوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے

سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے بیچ ٹھاٹے ۔۔۔ دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لبریز گگر خوں سے دونوں طرف کراڑے ۔۔۔ بجرے و ناؤ چپّو ڈونگے بنے نواڑے

ان جھگڑوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گگر و ناچوں میں چھک رہے ہیں ۔۔۔ جوڑے بدن میں رنگیں گہنے پھبک رہے ہیں
تا نیر ہوا میں اُڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں ۔۔۔ عیش و طرب کی دھوم میں پانی چھپک رہے ہیں

سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں "سید کبیر کی جے!" ۔۔۔ پھر اس کے بعد اپنے اُستاد پیر کی جے!
سو تیر و کٹ کنھیّا جمنا کے تیر کی جے! ۔۔۔ پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے!

ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیر یاں کے ہیں پیرنے کے بانی ۔۔۔ ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی ۔۔۔ سب خوش رہیں ہے جبتک جمنا کے بیچ پانی

لہ کرا اڑانا ۔ دریا کا بلند کنارا ۔ بجرا ۔ کشتی ۔ ناؤ ۔ کشتی ۔ تہ سورجیوں کا سہرا استاد تیر کنارہ ۔

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پھرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پھرتے ہیں

(۴۲)

بلدیوجی کا میلا

ترجیع بند

کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے
ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
زرا شرفی ہے پیسا دھیلا ہے
بھیڑ ہے خلقتوں کا ریلا ہے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں یار اور کہیں اغیار
کہیں بستی ہے اور کہیں گلزار
وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار
کہیں عاشق ہے اور کہیں دلدار
کہیں جنگل ہے اور کہیں بازار
اُس کی لیلا ہیں کس سے ہوں اظہار
آپ کہتا ہے یوں پکار پکار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں چھمن
کہیں بارا کہیں مدن موہن
کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن

سلہ بلدیو کرشن کے بڑے بھائی اور رام کا لقب ہے ۱۲
سلہ نویلا۔ نیا نادر، ظریف، نرالا عجوبہ ۱۲ سلہ بانک ۱۲ سلہ غلام ہوتے گاؤں کا رہنے والا۔ دہقانی ۱۲ سلہ شاہد پر مشہور گارا ۱۲ سلہ خلقت جمع خدا ۱۲ سلہ بشن کے دس اوتار ہیں اس تفصیل سے (۱) مچھ اوتار (۲) کچھ اوتار (۳) باراہ اوتار (۴) نرسنگھ اوتار (۵) بامن اوتار (۶) پرسرام اوتار (۷) رام اوتار (۸) کرشن اوتار (۹) بودھ اوتار (۱۰) کلنکی اوتار ہونے والا ہے

سب سرو یوں میں ہیں اُسی کے جتن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن ٹھن[1]

کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان
کوئی درشن[2] کوئی دعائیں مان
ہر طرف کھل رہے ہیں گل ریحان
بھیڑ انبوہ غل دکان دکان

آئے ہیں دور دور سے انسان
سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف حسن کی پکاریں ہیں
اک طرف نوبتیں جھنکاریں ہیں
کہیں عاشق نظارے ماریں ہیں
سیر ہے دید ہے بہاریں ہیں

دل ربا سو برن[3] سنواریں ہیں
جھانجھ مردنگ راس ڈھادیں[4] ہیں
سونگا ہوں کی جیت ہاریں ہیں
کر کے جے جے یہی پکاریں ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ
لے کے مندر سے دور وکیں لگا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا
بھیڑ انبوہ اور دھرم دھکا

جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
جس طرف دیکھیے اہا ہا ہا!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

[1] بن سنور کر ۱۲
[2] زیارت
[3] برن قسم طرح
[4] دھاریں ہیں یعنی دھار رہے ہیں ۱۲ آسی

زور بلدیو جی کا میلا ہے

بسکہ اُنڈے ہیں خلقتوں کے دل
چوک بازار فوج اور دنگل
کوئی انبوہ میں رہا ہے کچل
کتنے کرتے ہیں جست کود اُچھل
جا بجا بھر رہے ہیں جوں جنگل
جنگلوں میں ہیں مچ رہے منگل
کوئی دھکوں میں کر رہا مل دل
کتنے کہتے ہیں مور چھل چھل چھل

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے بٹّے[۱]
پیڑے لڈو جلیبی اور رٹّے[۲]
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹّے[۳]
پر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹّے[۴]
موتی مونگا اور آرسی ٹّے[۵]
کورے تارنگی سنگترے کھٹّے[۶]
کوئی چڑھتا ہے کھیر کے چٹّے[۷]
بوڑھے لڑکے جوان اور کٹّے[۸]

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں
آ کے عیش و طرب مناتے ہیں
اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
راس[۹] منڈل بھجن سناتے ہیں
سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے[۱۰] ہیں
نک پلک غنچہ لب سجیلے ہیں
دل کے لینے کو سب چھبیلے ہیں

سلہ جرت ۱۲ دیکھئے یہاں اس کا ترجمہ اس قبیل سے ہے جیسے گھڑ گرت لاو لشکر، فوج یا سلہ بٹ یا تیار بازار سلہ بتاؤ یو شیرا کی ڈبیا ۱۲ شلہ بتاشا ریوڑی کی قسم کی ایک مٹھائی ۱۲ شہ لیموں کی ایک قسم جو بہت ترش ہوتی ہے ۱۲ شہ پھل بٹے۔ فن فریب ۱۲ شہ چاٹ سے ماخوذ ہے، وہ غذا جو معمولی غذا کے علاوہ تبدیلِ ذائقہ کے لیے بنایا جاتا ہے مثلاً نمکین۔ شیرینی ۱۲ شہ اکثر گیتوں میں جو شعر سنا گیا ہے۔ اوپر کی منزل۔ اٹاری بھی اسی سے ... کا مضمون ... اس کا استعمال ... سہلا جیگا ۱۲

شلہ وہ بھجن جو راس میں جشن کے ساتھ گائے جاتے ہیں خوشی کے بھجن ۱۲ اللہ کٹیلا۔ چالاک۔ بانکا ۱۲ اور دفیسر شہانہ۔

خشک تر بزم سوکھے گیلے ہیں
جوڑے بھی سرخ سبز پیلے ہیں
ٹیڑھے بلدار اور نکیلے ہیں
پیار الفت بہانے حیلے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

خلق آتی ہے سب جڑی جٹری[1]
کوئی دوڑے ہے ہاتھ لے لکڑی
جیب کتری[2] کہیں گئی پکڑی
چور کی تاک سے کہیں پکڑی
چیز رکھتے ہیں باندھ کر جکڑی
دوڑیو چور لے چلا گٹھڑی
کہیں لوٹی دکان اور ہٹڑی[3]
سو تماشے ہنسی خوشی پھکڑی[4]

ف
چوروں کی رت برد

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نازنیں ہیں وہ سانوری گوری
کرکے چتون نگاہ کی ڈوری
دھوم ناز و ادا جھکا جھوری[5]
گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری
جن کی نازک ہر اک پری پوری
دل کو چھینے ہیں سب برازوری
برج میں جیسے مچ رہی ہوری
چوری کیسی کہ صاف سرزوری

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کنڈ پر ہی نہان ہوتے ہیں
پانی لے ہاتھ منہ کو دھوتے ہیں
کتنے جاکر بنوں میں سوتے ہیں
ان بہاروں میں ہوش کھوتے ہیں
جس میں گنگا برن[6] کے سوتے ہیں
کتنے کنٹھی کھڑے پروتے ہیں
بندروں میں چنوں کو بوتے ہیں
سو مزے سو تماشے ہوتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

---

[1] جڑی یا جٹری سخت۔ مضبوط۔ مستحکم۔ بندھی ہوئی جکڑی ہوئی ۱۲
[2] جیب کتری جیب کترنے کا آلہ یا عورت جیب کترنے والی ۱۲
[3] ہٹڑی ہٹ یا ہاٹ کی تصغیر ۱۲
[4] پھکڑ کی تصغیر
[5] جھک جھوری شوخی ۱۲
[6] گنگا برن گنگا کی طرح کے سوتے ۱۲ آتی

لہ حیلہ۔ فریب ۱۲ سہ غصّہ۔ خفگی۔ رنجی۔ بیزار خفگی ۱۲ تہ ساکے سے وہ داستانیں مراد ہیں جو کچھ ہندو ایک جگہ بیٹھ کر اپنے نامور بہادروں کے متعلق دل بہلانے کے لئے گا گا کر بیان کرتے ہیں مثلاً آلھا اودل کی لڑائی کو بھی کہتے ہیں ہر ساکے ہندوؤں میں شاہنامہ اور داستان عنتر اور داستان امیر حمزہ وغیرہ کے قائم مقام ہیں ۱۲ ہے اصطلاح شعر میں جس کو بند کہتے ہیں اسی کو ہندی میں گھنٹہ کہتے ہیں۔ ہر گھنٹہ کے بعد ڈہرا بطور ٹیپ کے آتا ہے ۱۲ شہ لپاکے چھپاکے۔ لپک جھپک کے تفخیمی صیغے ہیں۔ اس تفخیم میں کسی قدر ظریفانہ شوخی بھی شریک ہے تہ جھانکیاں [illegible] سو کھے ۱۲

زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی آکر بہانے اور مِس[لہ] سے
ہوتے ہیں آملاپ جس تس سے
کوئی کھویا گیا ہے مجلس سے
کہیں بازو میں لگ رہے گھسّے

مل رہا ہے ملا ہے دل جس سے
لڑ رہا ہے کوئی کہیں کس[سہ] سے
کون چِلّائے پوچھیے کس سے
اور دھکا پیل اور گھماں گھسّے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں
نقلیں قصّے کہانی ساکے[تہ] ہیں
کہیں آغوش کے لپاکے[شہ] ہیں
تھرتھری دانت پر کڑاکے ہیں

گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
گھنٹے ڈہرے[ہے] کبت کتھاکے ہیں
کہیں بوسوں کے سو جھپاکے ہیں
تس پہ جاڑے کے سو جھڑاکے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلا
ہو رہا جھانکیوں کا اُجیالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا

اُس کا گنبد ہے عالم بالا
پردے جیسے ہیں چاند پر ہالا
کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی جے جے کرے ہے دُھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

بت جو مندر میں آپ وہ لالن[شہ]
نئی پوشاک اور نئے بھوجن

ہر گھڑی ہیں بدل رہے ہیں برن
نئی جھانکی ہے اور نئے درشن

شہ معشوق حقیقی ۱۲ شہباز مرحوم

آرتی[1] کی کہیں مچی ٹھٹن ٹھٹن
ڈھال مردنگ جھانجھ کی چھن چھن
کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
خاص پرشاد[2] مصری اور ماکھن[3]

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی چنچل چلے ہے ٹھمکی چال
آنکھوں میں حسن کے نشے رنگ لال
کچھ وہ پوشاک کچھ وہ حسن و جمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال
کچھ وہ پتلی کمر وہ لنبے بال
مصری ماکھن کے ہاتھوں اوپر تھال
مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
بدھی ہو کر لیں صاف ادل کو نکال

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

بسکہ آتے ہیں راجہ اور رانی
بھیڑ انبوہ کی فراوانی
پالکی ہاتھی گھوڑے رتھ بانی
کچھ نہیں مول تول کیا مانی
اور لاکھوں ہیں رانی اور نانی
اور رپچوں کی لاکھ طغیانی
جوگی بیراگی گیانی اور دھیانی
پانی کا دودھ دودھ کا پانی

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کتنے کچے ہیں کتنے پکے ہیں
چورنٹ کھٹ ہیں اور اچکے ہیں
بھیڑ انبوہ اور بھڑکے ہیں
پالکی ہاتھی گھوڑے ڈھکے ہیں
اُن کے منہ اور اُچھال چھکے ہیں
دودھ کھویا ملائی چکھے ہیں
دھوم دھونسوں کی اور دھڑکے ہیں
سو تماشے ہیں سو چھکے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

---

[1] آرتی ایک خاص رسم ہے کہ تھال میں چوکھ رکھ کر بت کے سر کے گرد پھراتے ہیں۔ اس کے ساتھ گھنٹا بھی بجتا جاتا ہے ۱۲
[2] تبرک ۱۲
[3] ماکھن مکھن کا ہندوانہ لہجہ ۱۲
[4] اونگی ہندی میں خاموشی کو کہتے ہیں ۱۲۔
[5] ایک بڑا دُہرا ڈھول
شہباز

زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار ۔ اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار ۔ لونگ ہی بوٹھ انگوٹھی چھلے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار ۔ جس گنواری کو چلیے دھکا مار
گر کے دے گالی یوں کہے ہے پکار ۔ کیسو اٹھلا چلے ہے داڑھی جار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر ۔ کوئی لیوے ہے کوئی دیوے ہے پھیر
کوئی کمھاری کے کر رہا ہتھ پھیر ۔ کوئی کا چھٹن کے چن رہا ہے بیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منھ پھیر ۔ کوئی بنیے کو مارتا ہے سیر
گالی دے مار کوٹ سانجھ سویر ۔ لاٹھی پاٹھی ہے شور غل اندھیر

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں ۔ پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار پھلجھڑیاں ۔ کہیں کھلتی ہیں دل کی گلجھڑیاں
کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں ۔ کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش عشرت کی لٹ رہیں دھڑیاں ۔ دال موٹھیں منگوچھی اور بڑیاں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ ہو ۔ راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو
جو جہاں تھا وہیں پھنسا پھر وہ ۔ جس کو کھینچے ہیں گر پڑے ہے سو

۱؎ چوڑیاں بیچنے والا ۲؎ لاکھ یا نبٹے کی چوڑی ۳؎ عورت ۴؎ باغبان ۵؎ گڑیا ۶؎ کلھیاں

بیٹھے گیتے ہیں گھاٹ کے ڈھگّوں کو
اور گنوار دل پکار کر "ہو ہو"!
"جے مہاراج! رام رام بھیجو"
اب تو لٹھ وار دھے لگانے کو

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے!

اب مچی ہے بہار جے بلدیو!
دھوم لیل و نہار جے بلدیو!
ہر زباں پر ہزار جے بلدیو!
کہہ نظیر اب پکاریئے بلدیو!
عیش کے کار و بار جے بلدیو!
ہر کہیں آشکار جے بلدیو!
دم بدم یادگار جے بلدیو!
سب کہو ایک بار جے بلدیو!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

(۴۳)

حضرت سلیمؒ چشتی کا عُرس

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا
ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا
فخر ہے حرفِ سرنوشتی کا

رنگ ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

باغ جنّت ہے آج یہ درگاہ
دیکھو رضواں بہاریاں کی واہ!
پھول پھولے ہیں فیض کے دلخواہ
دل میں کہتا ہے دمبدم واللہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

یہ تجلی نہ یم وزر سے ہے
حور و غلماں کی روح ترسے ہے

ابر رحمت کا نور برسے ہے
اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ اور بستاں
جس میں سب پھول پھول ہو شاداں

اور دہیں نذار سب گل وریحاں
یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آن

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بسکہ خلقت بھری ہے لالوں لال
حسن راگ اور مشائخوں کے حال

گھر مکاں ہے گلوں سے مالامال
بھیڑ غل شور اور یہ قال مقال

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہے چمن جو فیض بھرا
قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا

جھرنا گویا ہے حوض کوثر کا
سب پکاریں ہیں یوں اہا یا یا!

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اٹھاتے ہیں
کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں

کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں
کتنے خوش ہو یہی سناتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

عرس درگاہ کے جو دیکھے واہ

اور یہی گل کھلے ہیں خاطر خواہ

بلبلوں کی طرح چہک کر آہ — سب یہی کہہ رہے ہیں کرکے نگاہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس ہے حضرت سلیم چشتی کا

ہے ہجوم دور دور کا عالم — سبز و سرخ و سفید و زرد و بہم
سب خوشی ہوکے جوں گل شبنم — دیکھ سیریں یہ کہتے ہیں ہردم

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی بکثیر — بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جواں غریب و فقیر — پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے واں سیم تن بھی پھرتے ہیں — غنچہ لب گلبدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گل پیرہن بھی پھرتے ہیں — دلربا دل شکن بھی پھرتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں — کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے الفت کے تخم بوتے ہیں — کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتیؒ کا

جانشیں ہیں جو صاحب مسند — عارف الحق میاں علی احمدؒ
اُن کی خوبی نظیر ہے بیحد — سب پکارے ہیں خلق بیحد و عد

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

(۴۴)

تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے
مشہور اس کا نام یہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں یہاں
پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں
ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا ذور بلندی سے بہرہ مند
گرد اس کے گمزیاں[۱] بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند
ایسا ہلال اُس میں سُنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تلک اُس میں رہیے تو ہو وے نہ جی اداس
آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اُس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں
گرد اُن کے جالی اور تحجّر[۲] ہے در فشاں
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں پر نشاں
پتّی کلی سہاگ رگ و رنگ سے ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ ہیں نازک عجب نگار
آئینے بھی لگے ہیں مجلّی ہوتا بدار

[۱] گمزی – چھوٹی برجی
[۲] تحجر – حجرہ۔ پتھر کا بنا ہوا مکان یا چار دیواری۔ آسی

دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اُسکے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار ہے

پہلو میں ایک برج بسی کہتے ہیں اُسے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہو سکے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازہ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دل کشا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
آتی ہے جس میں گلشنِ فردوس کی ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں بھی ہر گل ہے جھولتا
(بھی)
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
"کو کو" کرے ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
گلنار لالۂ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جو زیبا ہے

وہ تاج دار شاہ جہاں صاحب سریر
جو دیکھتا ہے اُس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
بنوایا ہے اُنھوں نے لگا سیم و زر کثیر
تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

(۴۵)

کنکوے اور پتنگ کی تعریف

زرچلا

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا
ہوتا ہے کثرتوں سے منگانا پتنگ کا
ٹھہرے ہے ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
کرتا ہے شاد دل کو اُڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

لہ آگرے میں پتنگ کے میلے کو زرچلا کہتے ہیں ۱۲ شہباز

اُڑنا دو باز[1] کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ	دیکھے تو باز جرّے کو ہو اسکی دل سے چاہ
تُکّرے کی باز آوے نہ اُس جا کبھی نگاہ	بجری کبھی[2] بھی دیکھ یہ کہتی ہیں "واہ واہ!"
ایسا ہے ناز و حسن دکھانا پتنگ کا	
ہر لحظہ اس بہار سے اُڑتا ہے للیرا[3]	بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اُڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا	گھائل جو عشق کے ہیں یہ کہتے ہیں برملا
ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا	
اُڑنا لنگوٹیے[4] کا ہے ایسا کچھ ارجمند	گوشے ہے جس کو دیکھنے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے[5] کی بھی چمک چاند سے دوچند	اُڑنا پہاڑیے کا بھی ہے اس قدر بلند
اُکھڑے تو پھیر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا	
بگلے[6] کے اُڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار	مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرار
پتّے[7] کے مول کا بھی دو پنّا ہے خوش نگار	دھیڑ بھی ابلقے کو چڑاتا ہے بار بار
چنچل پن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا	
اُڑنا گلہرے کا بھی میں کیا کروں بیاں	دیکھیں درخت پہ جسے چڑھ کر گلہریاں
اور ہے دو دھاریے کی بھی کچھ اور آن بان	حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری رُخاں
پھر کس طرح نہ دل ہو دِوانا پتنگ کا	
اُڑتا ہے اس طریق سے وہ ہے جو مانگ دار	ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کر نثار
خربوزیے کی کانپ کا جھکنا یہ لال دار	اور پمیندی[8] پان کی بھی کچھ اس طور کی بہار
گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا	
بتا بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول	نکلے ہیں "واہ واہ" ہر اِک کی زباں سے بول
اور ہے دو کونیے کی بھی اک اک ادا امول[9]	اُڑتا ہے کلسرے میں بھی شیرازیوں کا غول
جیدھر ہے نوک جھوک دکھانا پتنگ کا	

۱؎ دو باز۔ وہ کنکوا جس کے دونوں باز دوسرے رنگ کے خلاف لگائے گئے ہوں ۱۲ ۲؎ کبھی بھی باز بجری کی قسم کی ایک شکاری چڑیا ہے بعض جگہ اُس کو گُلّی بولتے ہیں ۱۲ ۳؎ للیرا۔ وہ پتنگ جس کے لال پر لگائے ہوں ۱۲ ۴؎ لنگوٹیا بھی ایک قسم کا پتنگ ہے ۱۲ ۵؎ چاند تارا بھی ایک پتنگ جس پر کاغذ کا چاند لگاتے ہیں پہاڑیا۔ بڑی قسم کا ایک پتنگ ۱۲ ۶؎ بگلہ سفید پتنگ ۱۲ ۷؎ پتا ہیرا۔ دو پنیا سبز رنگ کے دو باز لگا ہوا کنکوا غرض دھیڑ۔ ابلقہ۔ گلہریا۔ دو دھاریا۔ مانگدار۔ خربوزیہ۔ پنیا۔ دو کونیا۔ جب گڈّی یہ سب کنکووں کے نام ہیں ۱۲ ۸؎ پمیندی پان۔ وہ کاغذ جو کنکوے کے نیچے کی طرف لگاتے ہیں۔ اس کو بعض جگہ چیڑا اور جوتڑ بھی کہا جاتا ہے ۱۲ ۹؎ امول بے بہا۔ کلسرا ایک قسم کا کنکوا۔ جو گھڑا جیسا۔ بے بھاؤ ۱۲ ...

چپ کے بھی وصف کرنے میں چپکا رہوں میں کیا
شرمندہ ہو کہو تو چپ جس سے دائما
غائب ہے گگڑی اُڑنے پہ گگڑی کا مرتبا
چوکنی چنچلیں ہوں اُڑتے جب کہ چوگھڑا
اس زور سے ہوا یہ ہے جانا پتنگ کا

اُڑتے ہیں اس ہجوم سے کنکوے چھچکے
تُوا پکڑنے سے گویا توتے ہیں اُڑ رہے
پتھوٹی بھی تکل ایسی کہ نخ سے فقط اُڑے
جھجاؤ ہیں منڈھاؤ میں کچھ اس قدر بڑے
لازم ہے گر کہیں انھیں نانا پتنگ کا

پتلی کمر کو موڑے ہیں جس وقت کج کلاہ
باہیں دراز کرتے ہیں لب جھپ سے خواہ مخواہ
یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ!
اب اس طرف لڑے گی بھلا کاہے کو نگاہ
دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا

لاتا ہے پھیر پھار کے تکل جو اپنی وال
کہتا ہے کوئی اُن سے خبردار ہو میاں
اب پیچ پڑنے کو ہیں نہ دے اتنی ٹھکیاں
گھبرا کے گئے اُس کے نہ پھنسنے دو پیچیاں
اچھا نہیں ہے مفت کٹانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھیو
رہ رہ اسی طرح سے نہ اب دیجیے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں او میاں رکھو
پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کہتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اُسے
دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے
جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے
پھر سوچیے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر
ہوتے ہیں دیکھ شاد جسے خرد اور کبیر
کیونکر نہ دل پتنگ کی ہو دوڑ میں اسیر
خوباں کے دیکھنے کے لیے کیا میاں نظیر
ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا

لہ تکل۔ ایک خاص قسم کا کنکوا جس میں دو پٹیاں لگی ہوتی ہیں۔
نخ۔ ایک قسم کی ریشمی مضبوط ڈور۔ جھجاؤ۔ ایک بڑا کنکوا (۲)
لہ پھیر پھار کر یعنی پتنگ کے رخ کو موڑ کر۔
۳ ٹھکی دینا خاص انداز سے پتنگ کی ڈور سے جھٹکے دینا مراد ہے۔
وہ ڈور جو خاص طور سے کنکوے کے منڈھے میں باندھتے ہیں ۔ ۱ آنچ

(۴۶)

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند[1]
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال[2] کی تھیں کہیں وہ تو لگے سال
پھوس اور ٹھٹھیرے اُسکے ہیں جوں سر کے بکھرے بال
لاچار قرض و دام سے چھپر لیے ہیں ڈال
اُن بکھرے پھوس سے ہے یہ اُن چھپروں کا حال
گویا کہ اُن کے کھول گئے ہیں حمار بند[3]

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بندوبست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بندوبست
اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بندوبست
مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نااستوار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ نہ تھیلی میں زر رہا
رہنے کو جن کو اڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا
خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
کھٹکا رجاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار[4] بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ
مانگو عزیز و ایسے بڑے دقت سے پناہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج ایسے ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

---

[1] وہ بند جو دریا پر باندھتے ہیں جسے بند یا بندھا بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

[2] سال ایک لکڑی کا نام ہے جس سے چھپر بنائے ہوتے ہیں اس کو ساکو بھی کہتے ہیں ۱۲

[3] وہ بند جو چھپر وغیرہ میں پھوس کو بانس کے ساتھ باندھ یا خود بانس کا ڈھانچہ باندھے جمع کرتے ہیں ۱۲

[4] چور کے ساتھ چکار بطور تابع مہمل مستعمل ہے۔ اور یہ ہندی کا ایک لفظ ہے لہٰذا اس میں واؤ لانا صحیح نہیں۔ مصنف نے ایسی ترکیبیں اکثر کی جاتے تھے ۲ آسی

صرّاف، بنیے، جوہری اور سیٹھ، ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دُکانوں میں اپنے دُکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح — بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح — دُکھیا کو فائدہ نہ پسنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار — اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار — کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب بِک گئے — اور ریشمی قوام بھی یک سر چپک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹیے[ٹ] سرک گئے — چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال سُتلی کھینچیں جو ہو جائے تار بند

ٹ پٹلے

عه

بیٹھے بساطی[عه] راہ میں تنکے سے چنتے ہیں — جلتے ہیں نان بائی تو بھڑبھونجے کُھنتے ہیں
دھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دُھنتے ہیں — روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بُنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنیں تھے ازار بند

کاغذی

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے — مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
ردّی قلم دکان میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے — یاں تک کہ اپنی چھٹی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے اُدھار بند[عه]

بیوپاری۔ ملاح

لُوٹیں ہیں گرد پیش جو قزاق راہ مار — بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کوتوال رو دیں خاک اُڑاتے ہیں چوکیدار — ملاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب دار پار بند

ٹ بٹیا۔ کلابتوں وغیرہ بٹنے والا ۱۲ ٹ دارائی ایک ریشمی کپڑا جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ مشروع بھی ایک کپڑا ہوتا ہے کہ عورتیں اس کے پائجامے بناتی ہیں ۱۲ ٹ کوتوال میں واؤ کا ظاہر ہونا فصیح ہے بروزن ہوشیار ۱۲ عه نبد۔ یہاں بند کاغذ سے مراد ہے ۱۲ آسی عه بساطی۔ نانبائی۔ بھڑبھونجے دھنیے۔ جلاہے ازار بند بٹنے والے

ہردم کمانگروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں
مرتے ہیں مینا ساز مصوّر کباب ہیں
صحاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
نقاش اُن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہوگئے نقش و نگار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کی بدھی ہار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار
مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغدار
لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں گھر دکان کو آخر وہ ہار بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اُسکی پور پور
پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

ڈیرو بجا کے وہ جو اُتارے ہیں زہر مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا اُدھار
آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ہلا سر زمیں پہ مار
جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

بے روزگاریوں نے دیے ایسے ہوش کھو
دیکھے نہ کوئی ناچ نہ + + + کی سونگھے بو
روٹی نہ پیٹ میں ہو تو + + کہاں سے ہو
یاں تک تو مفلسی ہے کہ + + + کا رات کو
دو دو مہینوں تک نہیں کھلتا ازار بند

گر + + نوچی ہے کسبی کی رشکِ ماہ
کوئی سوار ڈولی پہ رکھے اُس کو خوامخواہ
کہتی ہے اُس کی نائکہ بھر بھر کے سرد آہ
یارب تو جلد کھول دے روزی کی اس کی راہ
مدت کام اس کا رکھو میرے پروردگار بند

وہ + + + بھی مانگے ہے دل میں یہی دعا
کچھ اچھا کھاؤں پہنوں جو ہو زیست کا مزا
یارب تو میرے موتی کو جلدی سے بِندھوا
کہکر یوں آنسو لاتی ہے آنکھوں میں ڈبڈبا
ہوں جس طرح صدف میں دُرِ آبدار بند

سه کمان گر کمان بنانے والے۔ صحاف۔ جلد کتاب بنانے والے ۲۔ سے ناخنوں کے گرد یا اوپر کے گوشت پر جو کھال ہوتی ہے اس کو گرد کہتے ہیں ۳۔ آگ سے اُمرو دیا ڈیرو، ڈگڈگی کو کہتے ہیں یعنی شیشہ ساعت کی شکل کا ایک باجا جو مداری اور سپیروں کے پاس رہتا ہے۔ اُدھار۔ ناشتے کے طور پر تھوڑا سا کھانا کھانا ۵۔ سه الفاظ جو کسی قدر اُردو تہذیب سے باہر ہیں اُن کی جگہ چین بنائے بنا دیے گئے ہیں۔ شہ حرف نہیں دیکھے گے اس لیے باعتبار خرابی بندش قابل شہرت ہیں ۔۔۔

وہ + + + کہئے کیا ہیں جو اس غم سے ہیں تباہ
ایسی ہی اب جو بند رہے گی ہماری راہ
کہتی ہیں یوں وہ کرکے فلک کی طرف نگاہ
تو گھاس پھوس بڑھ کے کوئی دن کہیچ آہ
ہوجائے گی لکیر وہ سب راخ وار بند

+ + + بھی دیکھ کمائی کی بندیاں
کہتی ہیں دے کے آہ جگر کو بلندیاں
کونے میں اپنی روزی کو روتی ہیں خندیاں
مرتی ہیں یا الٰہی تری گندی بندیاں
ہوے ہمارے + + + یار بند

+ + + جو + + + کے شب کے وقت آئے
+ + + پہ ہاتھ پھیرے نہ بوسے کو منھ جھکائے
غالب ہے یہ کہ دیکھ وہ + + + کو بھاگ جائے
دم مارنے کی بات نہیں، کیا کہوں میں ہائے
+ + + کا بھی کار ہوا نا بکار بند،،

لذّت ہے جن کو حسن کے نقش و نگار سے
آویں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے
محبوب ہیں جو غنچہ دہن گل عذار سے
کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دلوں کے ہو گئے آپس میں کار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسال دار
کپڑا نہ لتّا پال تلے پہ تھل نہ بوجھ بھار
گھوڑے کی ہے لگام نہ اونٹوں کی ہے مہار
یوں ہر مکاں میں آکے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لاکر اُتار بند

کوئی پکارتا ہے پڑا بھیج اے خدا
کوئی کہے ہے ہاتھ اُٹھا بھیج اے خدا
اب تو ہمارا کام تھکا بھیج اے خدا،،
لے جان اب ہماری تو یا بھیج اے خدا
کیوں روزی یوں ہے کی ہے پروردگار بند؟

محنت سے ہاتھ پاؤں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے
بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے؟
آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

○

لہ ٹھپو تانیہ جس میں اکثر سپاہی رہتے ہیں کہ سوار کا سامان سفر جو بیل یا ٹٹو پر پچا ہو ایسے لوٹ ٹٹو کو پرتل کا ٹٹو کہتے ہیں ۱۲ سلہ کام ٹھکا یعنی کام چلنے سے رہ گیا اب کام نہیں چلتا پروفیسر شہباز مرحوم

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ
باہمن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ
حیران ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ
جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ
واں سے صدا یہ آتی ہے پھر مانگو جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹھ اپنے وہ ہو شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آشام عنقریب
اُٹھتے ہیں سب کان سے کہہ کر کہ یا نصیب!
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض[1] لیتے جاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کواڑ کو اک آہ مار بند

دیکھے ہیں بند اپنے جو وہ کاروبار کو
سودا سا ہو گیا ہے ہر اک دل فگار کو
یاں تک تو بیچو اسی ہے ہر بیقرار کو
جو ۔۔۔ میں بھول کے دھوتی ازار کو
کھولے ہے انگرکھے کے کھڑا بار بار بند

کیونکر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ؟
محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیر زادے سپاہی ہوئے تباہ
جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی وگھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار[2] بند

ہے جن سپاہیوں کنے[3] بندوق اور سناں
کندے کا اُن کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں؟
لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسی کے اُن میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

[1] قرض بسکون رائے صحیح ہے ۱۲
[2] وہ ڈورا جو زین میں گھوڑے کی دم کے پاس شکار لٹکانے کے لیے بندھا ہوتا ہے ۱۲
[3] کنے بزدیک پاس ۱۲

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زین کو گرو رکھیں | یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
ٹپکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں | جب پیش قبض بانک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ پیچھے دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے | دکھن کے تئیں نکل گئے یا پیشتر گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر بگھر گئے | جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں دربدر گئے
پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے | روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانا ہے
تنخواہ نہ طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے | پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے؟
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات | سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات | روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں؟ | وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں | اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آگے ایسے ہوئے رہگذار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار | کانٹے کا اُن میں نام نہیں پھول درکنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختان میوہ دار | کیاری میں خاک دھول روش پر پڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا | غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا | نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

لہ سپاہ مرد سپاہی ۱۲
ٹہ دوال بند وہ سپاہی جس کی کمر پر چمڑا یا چمڑے کی پیٹی بندھی ہو
نقار بند صاحب نوبت و نقارہ ۱۲
سہ نابودگی = نایابی نہ ہونا ۔ نہ ہونا ۱۲
ھہ چادر پانی کی چوڑی دھار آبشار جھرنا ۱۲ آسی

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ
پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ[1]
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا بناہ
وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند[2]

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا؟
جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں دوانہ سا ہو رہا
سودا ہوا مزاج زمانے کو یا خدا
تو ہے حکیم کھول دے اب اس کے چار بند[3]

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر
ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاویں ہوویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر
اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایکبار تو سب کار و بار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
ملّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند[4]



[1] شہر پناہ کو [illegible] جس کو عوام [illegible] بولتے ہیں ۱۲ -
[2] خار بند - کانٹوں کی باڑھ جو کھیت یا باغ کے چار طرف حفاظت کے لیے لگا دیتے ہیں ۱۲
[3] چار بند - کنایتاً عناصر اربعہ کو کہا جاتا ہے ۱۲
[4] مراد بند اشعار ۱۲

آگرے کے کھیل تماشے

(۴۷)

کبوتر بازی

ہیں[1] عالم بازی میں جو ممتاز کبوتر
اور شوق کے طائر سے ہیں انباز[2] کبوتر
بھاتے ہیں بہت ہم کو یہ طناز کبوتر
مدت سے جو سمجھیں ہمیں ہمراز کبوتر
پھر ہم سے بھلا کیونکہ رہیں باز کبوتر؟

حیوان ہیں گرچہ عجب انداز کے پر ہیں
صورت میں پرندار، تو سیرت میں بشر ہیں
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں
پرواز میں ہمشہپر عنقاے نظر ہیں
کیا گولے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر

کیا بلبل و قمری و پھے پدڑی و پدڑے
چنڈول، اگن، لال، بئے، ابلقے، طوطے
کیا طوطی و مینا و بٹی تیتر و تنکرے
طائر ہیں غرض بازی اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب سے سرافراز کبوتر

ہیں بصرئی، اور کابلی، شیرازی، نسادر
چویا، چندن، و سبز، کھمی، شستر و اکثر
طاؤسی، و کل، پوٹے، نیلے، گلی تھتر
تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر
جو کرتے ہیں چھتری کے اوپر ناز کبوتر

[1] اس نظم میں کبوتر کے اقسام کی بڑی دقت تھی۔ اور کل اقسام کی تحقیق ہو گئی گر بند چہارم کا اکثر اور بند ششم کا کھرا۔ اور بند ہفتم کا مسترا ٹھیک نہ معلوم ہوا ناظرین تحقیق کریں اقسام تحقیق شدہ کے معنی بخوف تطویل نہیں لکھے گئے۔ فقط تصحیح لغت کر دی گئی ہے اور عام مقصد کے لیے اتنا ہی کافی ہے ۱۲ شہباز مرحوم۔

[2] انباز۔ ملا ہوا

[3] گولے۔ گرہ باز بصرئی۔ کابلی۔ شیرازی۔ نسادر چویا۔ چندن۔ سبز کھمی۔ شستر۔ اکثر طاؤسیے۔ کل پوٹیے۔ نیلے گلی۔ تھتر۔ ابلقے چپٹے۔ جوگیے۔ کھیرے۔ پٹیٹ۔ چپ۔ لقفے۔ کھرے۔ زرچے آنگل آنکھ۔ لال آنکھ اودے۔ زردے۔ کابرے۔ ببرے سی۔ توسی۔ بلکے سیاہی۔ کھاگرے تیوبلیے۔ پان لال اگرئی۔ سرمئی۔ عنبری۔ خال۔ بھورے۔ نگسی تانبڑے۔ ببرلے۔ بسترے۔ کاسنی۔ لوٹن۔ یہ سب کبوتروں کی قسمیں۔ اور رنگ کے لحاظ سے ان کے نام ہیں ۱۲ ۔ آسی

لڑتے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے
چھٹتے ہیں اُدھر ہم بری اپنی جتاتے
ہیں جوگیے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے
پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقۂ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر

گھیرے، ڈبیت، و چپ و لقے، و کھرے
زرچے، وگل آنکھ، اور لل آنکھ، اوٹے دزرتے
کچھ کابرے تیرے امسی، وتوشی و پلکے
پھرتے ہیں ٹھمک چال، سناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر

سیاہیے اور گھاگھرے تنبو لیے، پان لال
کچھ اگرئی اور سرئی اور عنبری اور رخال
بھورے ہگسی تابڑے، بہرے بھی خوش احوال
پھر مہترے، اور کاسنی لوٹن بھی سبکبال
کھولے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر

"کو!" کرکے جدھر کے تئیں چھپی کو بلا دیں
کچھ ہووے غرض پھر وہ اسی سمت کو جاویں
گٹی کو نہ بچھڑ کا دیں تو پھر تہ کو نہ آویں
بچھڑا ان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگاویں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

(۲۸)

بلبلوں کی لڑائی

ترجیع

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
اُس میں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بٹھائیں
پہ شور سُن کے خلقت دوڑی آئی دائیں بائیں
کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دونوں کٹ لڑتی تھیں کر کے گڈا
خلقت بھی آ کے ٹوٹی چھوڑ اپنا اپنا اڈا
جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تگڈا
کڑ کی کسی کی لیلی، ٹوٹا کسی کا بڈا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اس میں چھوڑا
پھر تو یہ بھبکا آ کر ان کشتیوں کا کوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فسوں کی
سن سن کے چیخیں ان کی رگنے میں غزغوں کی
کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

سن سن وہ چخچیں ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں
سارو بٹیر مینا چمگادڑیں بھی آئیں
کوے پکارے غاں غاں چیلیں بھی چلچلائیں
غرغوں نے گگڑوں کوں کی کلکلیاں پھڑپھڑائیں

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

چلائے مور سارس اور پھڑپھڑائے گھگو
کتے بھی بھونکے بھوں بھوں گیدڑ پکارے ہوہو
گدھ اور چغد دہاڑے اور پھڑپھڑائے الو
بطخ ہنس گدھے بھی ریکے کراہٹی ڈھینچو ڈھینچو

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

جب ملے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر
سب لوگ ہنس کے بولے ہم دم دعائیں دیکر

گڈا ہونا گھمسان تگڈا
تین تین کا ایک گڈا بن جاتا ہے
دہاڑنا غل شور مچانا بڑے زور سے چیخنا ۱۲
۱۳ ایک پرند
ایک پرند کا نام
گدھی کی آواز آتی

سب میں میاں نظیر اب تم ہو بڑے قلندر
کھیل آگرے میں اب ختم ہے تمھیں پر

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

(۴۹)

گلہری کا بچہ

لیے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچا گلہری کا
ولیکن ہے ہمارا اس قدر بچا گلہری کا
ہر اک اُستاد کے رہتا ہے گھر بچا گلہری کا
دکھاویں ہم کسی لڑکے کو گر بچا گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچا گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن
کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں بھر بچا گلہری کا

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو
کہا اُس نے کہ "ہاں اس ڈھب کے اُستاد کو لے آؤ
کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو وہ
سو سن کر اُس کا سب میں ڈھونڈھ کے لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اُس دم کچھ مگر بچا گلہری کا

وہ دیکھے تو بری صورت برا احوال اور پھٹے کپڑے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ اور ٹکڑے انگرکھے کے
بڑھے داڑھی کے بال اور زرد منہ آنکھوں میں آنسو سے
وہ کپڑے گو پھٹے تھے ہم پر اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے اپنے وقت پر بچا گلہری کا

جونہیں اتنے میں ہم کو اس برے احوال سے دیکھا
نظر سے اُسکی میں نے جب تو واں اس بات کو تاڑا
کہا اُس نے کہ ہنستا ہوگا ان سے کس طرح لڑکا
مگر کو دیکھ ڈھونڈی جب پگڑی کو ٹٹول اُس جا
وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈھ کر بچا گلہری کا

کہیں بیٹھا تھا واں اُس کا برس بارہ کا اک لڑکا
جو ہیں اُس نے وہ بچّا آہ یارو اک نظر دیکھا
وہ گورا گدگدا اچھّا پری سا چاند کا ٹکڑا
وہیں لٹّو ہو کر بولا "یہی لوں گا یہی لوں گا"
چھڑا دو جلد میرے ہاتھ پر بچّا گلہری کا

یہ کہہ کر بیقراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو
لگا سو منّتوں سے مانگنے وہ یہ تو ہم کو دو
وہیں گھبرا کے آ پہونچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو
وہ باپ اُس کا پکارا ہاں نکالو جلدی سے انکو
غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچّا گلہری کا

(۵۰)

ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچّا
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچّا
لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچّا
جس وقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ کا بچّا
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّا

تھا ریچھ کے بچّے پہ وہ گہنا جو سراسر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچّا

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گُل پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اُپر جھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچّا

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں
کچھ ہاتھیوں کی ٹھیل اور اونٹوں کی قطاریں
اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
غل شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے "یہ پیشہ ہے قلندر"
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر"
ہاں چھوڑ دیا بابا اُنھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا
لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں آہ
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں واہ
پھر کھردا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں لو میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچا

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا "خدا تم کو رکھے شاد"
کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
اور کوئی یہ کہتا تھا "اے واہ رے اُستاد
تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچا

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا
خم ٹھوک کے پہلواں کی طرح سامنے آیا
جو چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچا

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا
للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتھاڑا
اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچا

یہ داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر
یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گو یا بیر
سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر
جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منہ پھیر

"یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچا"

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ! اہا ہا!
اس کے تمھیں استاد ہو واللہ! اہا ہا!
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا!
کیا کہئے غرض آخرش اے واہ اہا ہا!

"ایسا تو نہ دیکھا، نہ سنا ریچھ کا بچا"

جس دن سے نظیر اپنے تو دلشاد یہی ہیں
جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد یہی ہیں
کیا دیکھتے ہو تم کھڑے اُستاد یہی ہیں

"کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچا"

(۵۱)

اژدرے کا بچا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچا
اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچا
مینا، بیا، لٹورا، اور ابلقے کا بچا
تیتر بٹیر سارس شکرے لوے کا بچا

سب بیچتے ہیں آگر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو یوا اژدرے کا بچا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا
یا روکھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا
پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا
اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہے بلیا

سب بیچتے ہیں آگر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو نوا اژدرے کا بچا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پرانا
سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہم کو کھانا

لے کھڑا یعنی اژدر کو کہتے ہیں ۱۲
۲ے بیابانی کی تصغیر ہے یعنی زور آور - قوی بازو - زبردست - بہت مال دار - توانگر - آسی

اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا
اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں آ کر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدے کا بچا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ بڑا زمانا
اب بھی بکا تو بہتر نہیں پھر پڑے گا لانا
آج اس کو سر پہ رکھ کر سب شہر ہم نے چھانا
ہے اس سے ہی ہماری نت روٹی کا ٹھکانا

سب بیچتے ہیں آ کر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدے کا بچا

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لے جاویں
کچھ بن نہیں ہے آتا یہ دکھ کسے سناویں
تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
جی چاہتا ہے اب تو یہ شہر چھوڑ جاویں

سب بیچتے ہیں آ کر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدے کا بچا

سو من گیہوں کا ہر دن کھانے کو کہاں سے آوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے
اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے

سب بیچتے ہیں آ کر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدے کا بچا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے
جب تنگ ہو وے روزی کون اژدہے کو پالے
ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ٹالے
اس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے

سب بیچتے ہیں آ کر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدے کا بچا

لو دس ہزار تک تو چھوٹے اسے نہ دیں گے
ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے
اتنے روپے لو تو اس کے اک پر کے ہم نہ لیں گے
اسی ہزار دے گا تو ہم بھی دے چکیں گے

بے کمال ہیر ہم
سے رقیبی ...
سکے جہان عطا
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ہمیں جو کوڑیوں
کے سونوں پر مال
ڈھالتے ہیں،
پروفیسر شہباز
مرحوم

سب بجتے ہیں آکر چلتے کھرے کا بجیّا
ہم بجتے ہیں یارو، لواڑدے کا بجیّا

سب اُٹھ گئے یہاں سے وہ بجے جو لوگ جبیّا
اس بات کو تو عمدہ ہے بھوک کا بلسیا
وہ رہ گئے ہیں جن کے گھر میں نہیں ہے ہنیا
جو اژدہے کو پالے ایسا ہے کون رسیا

سب بجتے ہیں آکر چلتے کھرے کا بجیّا
ہم بجتے ہیں یارو، لواڑدے کا بجیّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا
سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
سچ ہے نظیر آخر اب گر کے رام داتا"

سب بجتے ہیں آکر چلتے کھرے کا بجیّا
ہم بجتے ہیں یارو، لواڑدے کا بجیّا

(۵۲)

بیا

اب ہاتھ پر مرے جو نمودار ہے بیا
خوباں کے دیکھنے کا طلب گار ہے بیا
زردی میں اپنے رنگ کی زردار ہے بیا
عاشق دلوں کی گرمی بازار ہے بیا

جتنے بیے ہیں، سب میں یہ سردار ہے بیا

جس دن سے میرے ہاتھ یہ عیار ہے لگا
کوڑی کبھی اُٹھا، کبھی مہندی اُتار لا
کیا کیا پری رخوں کی بہاریں ہیں یہ دی دکھا
بیٹی سے اُس کی یارو یہ ڈورا نہیں بندھا

لڑکوں کی اُلفتوں میں گرفتار ہے بیا

کرنے کو دید جب سے لیا ہے یہ ہم نے مول
چھلا انگوٹھی لاتا ہے ہر دم گرہ سے کھول
پھرتے ہیں ساتھ تب سے کئی دلبروں کے غول
پانی کنوئیں سے کھینچے ہے کر پوستوں کے ڈول

سلہ جبیا جس والے خوش نصیب جاذب خیر و برکت، بھاگ جسیے شہرت و نام ۱۲ سلہ بھوگ کے معنی ہیں مزا کے اور بلسنا متمتع اٹھانا بھوگ کا بلسیا۔ حظوظ و لذائد دنیاوی سے پورا پورا متمتع اٹھانے والا ۱۲ سلہ رسیا مزوں میں دن رات پڑا رہنے والا آدمی، شوقین آدمی ۱۲ سلہ حشرات الارض کا رزّاق خدا ہے۔ یہ ایک مشہور مثل ہے ۱۲ شہباز

ایسا ہنر میں اپنے نمودار ہے بیا

گر یہ تماشے پر کبھی اپنے اُتر پڑے
لڑکے امیروں کے پھریں ادھر اُدھر چڑھے
پر مجھ کو یہ یقیں ہے اگر ٹک نظر پڑے
ہاتھی سے بادشہ کا بھی لڑکا اُتر پڑے

ایسا ہمارے پاس یہ تیار ہے بیا

آگے ہمارے پاس تھا بچہ گلہری کا
طوطا، بنیٹی، اور تھا بگلا سدھا ہوا
اُن کو تو ہائے چور کوئی لے گیا چرا!
اب اس کا ہے ہمارے تئیں، یارو آسرا

اس بے کسی میں اب تو مددگار ہے بیا

گر یہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو آمِثال
پوچھے تھا کون ہم سے غریبوں کی بات یاں
اس درد و غم میں حق کے سوا اب تو اس مکاں
اپنا نہ کوئی دوست، نہ مُشفق، نہ مہرباں

اگر ہے تو اب جہاں میں یہی یار ہے بیا

لڑکا جو کوئی شوخ ہٹیلا ہو اُچپلا
پھنستا نہ ہو کسی سے کسی جال میں جو آ
یارو یہ وہ بیا ہے، دیا جس گھڑی دکھا
بس دیکھتے ہی آن میں لڑکا ہو آ ملا

کافر یہ اس طرح کا جھمک وار ہے بیا

کرتا ہے آ کے بندی و ٹیکی پہ جب یہ چوٹ
بالوں کی لٹ دکھاؤ تو لا دے ابھی کھسوٹ
بوڑھوں کا دل تماشے میں ہوتا ہے جیسے بوٹ
لڑکا تو ایک دم میں ہو بس دیکھ لوٹ پوٹ

یہ تو کہیں کا زور طرح دار ہے بیا

جب مانگتا ہے مجھ سے بہت ہو کے بیقرار
کہتا ہوں اُس سے جب تو میں اے شوخ گل عذار
یہ کیا بیا ہے اس کو نہ لو پیارے زینہار
گر ساتھ میرے آؤ تو دکھلاؤں تم کو یار

اس سے بھی اور ایک مزے دار ہے بیا!

اس دم کے بیچ جب وہ پری زاد لگ چلا
پھر وہ نہیں کو ٹیوٹی کا دیا جھاڑ اُسے دکھا
بوسے بھی خوب لے لیے مطلب بھی کر لیا
اور یوں کہا کہ جان نہ تم ماننا بُرا

اد میاں

لڑکوں کو بیوں کا جھاڑ کسی ناگفتہ بہ شے سے کنایہ ہے ۱۲

میری خطا نہیں یہ گنہ گار ہے بیا

یہ سن کے مجھ سے کہتا ہے جب ہو کے وہ خفا — تو اب بیا تو دو مجھے، ہونا تھا سو ہوا
تب ہاتھ جوڑ اس کو یہ دیتا ہوں میں سُنا — تم کو تو ایسے لاکھ ملیں گے اے دل ربا
مجھ کو تو ملنا پھر کہیں دشوار ہے بیا

ایسے بئے تو لاکھوں کروں تم پہ میں نثار — لے جا کے اس کو تم کہیں ڈالو گے مفت مار
اور مجھ غریب کا تو اسی پر ہے روزگار — ہر دم اسی کا اس سے ہی چلتا ہے کاروبار
سچ پوچھیے تو میرا یہ بیوپار ہے بیا

ایسا بیا ہے اب تو سزاوار دل پذیر — لڑکے جہاں تلک ہیں پری زاد بے نظیر
کیا شوخ، کیا شریر، غریب اور کیا امیر — سب قسموں سے کہتے ہیں آ کر میاں نظیر
اک دو گھڑی تو ہم کو یہ درکار ہے بیا

مدارج عمر

(۵۳) طفلی !

کیا دن تھے یارو وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے
چوٹی کوئی رکھائے بدھی کوئی پنھائے
ننگے تھے دائی لیکر پھرتی کبھی ددا[1] لے
ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھالے
موٹے ہوں یا کہ دبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اُس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن کا غم نہ کرنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھگھرنا[2]
نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

[1] ددا۔ کھلائی وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو۔ دائی
[2] گھگھرنا اگر ... بضرورت ... اگر ... پڑھیں تو قافیہ ناقص رہتا ہے ممکن ہے کہ بنا کی طرح قدیم تلفظ گھونا ہو۔ گھونا بالفتح کے معنی لغت میں نفرت ملامت اور شرم کے لکھے ہیں لیکن وہ نامانوس اور غیر متعارف لفظ ہے۔ اور نصیر نے غالباً اس کا استعمال اس صاف و شفاف نظم میں نہ کیا ہوگا۔ شب ز رحرم

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوڑتے[1] ہیں
گڑ، بیر، مولی، گاجر لے منھ میں گھونٹتے[2] ہیں
بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں
گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا سو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھا لیں پھیکا ہو، یا سلونا
ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُنکو سونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیئے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے "پھرکی کوئی پھرالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشاہی کیا ہے
اب تو نظیرؔ میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس[3] و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۵۴)

ایضاً طفلی ۲

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے
ہر آن آنچلوں[4] کے معمور رہتے کٹورے
پانوؤں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
یا چاندسی ہو صورت یا سانورے و گورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ چھوٹتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ماں باپ اُن کی خدمت سر پر قبولتے تھے
ہاتھوں میں کیا کھیلتے تھے جھولوں میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

[1] ہاتھ اوڑنا ہاتھ پھیلانا ۱۲
[2] گھونٹنا سے مراد منھ میں گھسیڑے رہنا ۱۲
[3] یعنی بال بچے ۱۲
[4] آنچل پستان آسی

کے دوستی کسی سے نے دل میں ان کے کینا
نے گرمیوں سے واقف نے جانتے پسینا
جانیں نہ جے قرینا نے سمجھیں کچھ قرینا
چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش ان کو دودھ پینا

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

جو دیکھے اُن کی صورت سے پیار سے کھلاوے
چومے کبھی دہن کو چھاتی کبھی لگاوے
ہاتھوں اُپر اُچھالے اور چھیڑ کر ہنساوے
کوئی چسنی منھ میں دیوے کوئی جھنجنا بجاوے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی اُن کا کرتا نکالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پہ سنبھالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیزو اور کیا یہ وقت ہے گا
پانوؤں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
سب زندگی کا حظ ہے اُن کو نظیرؔ! آہا ہا!

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۵۵)

لطف شباب

کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی؟
ہر آن پلاتی ہے مے اور بھنگ جوانی
کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
کرتی ہے کہیں صلح، کہیں جنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا
جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا، کہیں شیدا
مرتے ہیں سسکتے ہیں، بکتے ہیں آہا ہا!

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے مے کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم ۔۔۔ نہ دل کے لگانے کا نہ گل کھانے کا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے لڑا آنے کا کچھ غم ۔۔۔ ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سینہ[لہ] ۔۔۔ چھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہے لگی نین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں نین ۔۔۔ نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ ۔۔۔ کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
ساقی ہے صراحی ہے، پریزاد ہیں ہمراہ ۔۔۔ کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں اللہ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور ۔۔۔ رہجاتی ہیں پریاں بھی غرض اُس کے تئیں گھور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور ۔۔۔ گودی میں پڑی لوٹے ہے چنچل سی کوئی حور

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں ۔۔۔ اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو ارمان
گھبرا کے اُٹھے جب تو گرے پاؤں پہ ہر آں ۔۔۔ کہتی ہے ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جاں؟

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

لہ یہ شعر جرأت کی تقلید میں ہے اس کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مقطع یہ ہے ؎
جرأت کی غزل جس نے سنی اُس نے کہا واہ +
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ
شہباز

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستے میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہیں آہیں
وہ شوخ کہ موں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
پڑتی ہیں ہر اک جائے نگاہوں پہ نگاہیں
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

تنتے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال
کھینچے ہیں کہیں بال، کہیں توڑ لیا گال
جو پاؤں کہیں راہ، کہیں سیف کہیں ڈھال
چڑھ بیٹھے کہیں ہاتھ کہیں منھ کو دیا ڈال
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتی ہے یہ چاؤ
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ
کہتی ہے کوئی "ان کے لیے پان بنا لاؤ"
ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی
مسّی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
کرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی رات مرے پاس نہ آئے
کہتی ہے کوئی کس نے تمھیں پان کھلائے
کہتی ہے کوئی ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی گھر کو جو جاتے ہیں کھائے
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لے گال توڑنا ۔ (دو شتی میں گال کاٹ لینا، اس شعر کو ڈاکٹر فیلن نے اپنی ڈکشنری میں یوں نقل کیا ہے [illegible] ۱۲ [illegible] کا نہ یہ گیت کے مضمون کا حرکات و سکنات سے نقشہ کھینچنا ۱۲ مسی

اگر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ
اور ناز میں کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
جوں باز کہ چڑیا کو کہیں داب لے ناگاہ
بچوا دے لپیٹ کر دہیں ... سے اوئی آہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا یا کوئی جھاڑ
جا شوخ سے جھٹ لپٹے یہ پنجوں کے تئیں جھاڑ
انگیا کے تئیں چیر کے کرتی کو لیا پھاڑ
اخلاص کہیں پیار کہیں مار کہیں دھاڑ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات
اس پن[1] میں گذرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات
سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۵۷)

عالم پیری[2]

گیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا
اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا
ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا!

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی بھر
چھاتی سے لپٹتے تھے، محبت کی جتا لہر
اب آ کے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ قہر[3]
اب جن کے کنے جاتے ہیں لگتے ہیں انھیں زہر

۱ے پن۔ عمر، زمانہ۔ عمر کے چار درجے ہیں:۔ لڑکپن۔ جوانی۔ اڈھیڑپن۔ بڑھاپا ان میں سے ہر ایک درجے کو پن کہتے ہیں۔ جیسے ب پہاری تو کھائی پنہاری۔ یعنی جب ارذل عمر کو پہونچی اور کسی مصرف کی نہ رہی تو ہار کر پنہاری کا پیشہ اختیار کیا اور پانی بھرنے لگی ۲ے یہ نظم نظیر کی بہت ہی ممتاز نظموں میں ہے اور اس کی شہرت یورپ تک پہونچ گئی ہے یہی نظم سراپا پیری اور بڑھاپے نامے کے ساتھ بھی ملقب ہے۔ چنانچہ اخیر نام سے موسیو دی تاسی اپنی فہرست میں اس کا ذکر کرتے ہیں ۱۲ ۳ے مطبع احمدی کے نسخے میں اس شعر کے بدلے تیسرے بند کا دوسرا شعر نقل ہو گیا تھا جس سے قافیوں میں سخت عیب پیدا ہو گیا مطبع نول کشور کے متداول نسخے میں قافیوں کی تصحیح میں تو کوشش کی گئی مگر مطلب اس میں بھی بے لگ رہا۔ اب شک تک (ذکر شدہ کڑی) کے مل جانے سے مطالب اور قوافی دونوں کا سلسلہ ٹھیک ہے ۱۲ شہباز۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

آگے تو پری زاد یہ رکھتے تھے ہمیں گھیر
سو آکے بُڑھاپے نے کیا ہائے یہ اندھیر
آتے تھے چلے آپ، جو لگتی تھی ذرا دیر
جو دوڑ کے ملتے تھے سو اب لیتے ہیں منھ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

۹ تھے جب تلک ایام جوانی کے ہرے ٹُک
بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا روکھ
محبوب وہ ملتے تھے، نہ ہو دیکھ جنھیں بھوکھ
اب کیا ہے جو بٹ جھڑ ہوا اور جڑ بھی گئی سوکھ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا!

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسفِ ثانی
مرجائیں تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی؟ ہائے جوانی!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا!

۱۰ یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام
ان سب میں جو دیکھو تو نہیں ایک کا اب نام
اور جام، دل آرام، مزے، عیش اور آرام
کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایام!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا!

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے
چہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پری رو ہیں جھمکتے
وہ عیش و طرب کرتے ہیں ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب پاؤں پڑیں اُن کے تو ہرگز نہ بلا دیں
اتنا تو کہاں اب جو کوئی جام پلا دیں!
جا بیٹھیں تو اک دم میں خفا ہو کے اُٹھا دیں
گر جان نکلتی ہو، تو پانی نہ چُوا دیں؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جب عیش کے مہماں[۲] تھے، اب غم کے ہوئے ضیف[۳]
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ، اُٹھا سیف
اب خون جگر کھاتے ہیں جب پیتے تھے سو کیف[۴]
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں، صد حیف

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا!

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پوسے
اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھوسے
وہ کون ہے گھروت تھے جو ہم نے نہیں گھوسے
پر جھڑ گئے، دم اُڑ گئی، پھرتے ہیں لنڈ ووسے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یارو اُلٹ ہائے گیا ہم سے زمانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا
جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کے نشانا
ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں جسے کہتا ہے وہ کیا پوچھے ہے بڈھے
بیٹھیں تو یہ ہو دھوم کہاں بیٹھے ہے بڈھے
آویں تو یہ غل ہو کہ کہاں آوے ہے بڈھے!
دیکھیں جسے کہتا ہے وہ کیا دیکھے ہے بڈھے؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

۱؎ بند ۹ ... متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۲؎ مہمان ۳؎ نشہ ۴؎ بند ۱۲، ۱۳ ابھی متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۔ شہباز

کیا یارو کہیں گو کہ بڑھاپا ہے ہمارا
جب بوڑھا ہمیں ہائے جہاں کہہ کے پکارا
پر بوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی
مونچھیں کہیں بتی کے لیے جاتی ہیں پکڑی
کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کہتا ہے کوئی چھین لو اُس بوڑھے کی لاٹھی
اتنی کسی کافر کو سمجھ اب نہیں آتی
کہتا ہے کوئی شوخ کہ ہاں کھینچ لو داڑھی
کیا بوڑھے جو ہوتے ہیں تو کیا اُنکے نہیں جی
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اک وقت وہ تھا ہم بھی مزے کرتے تھے گن گن
اک وقت یہ ہی ہائے جو سب کرتے ہیں گھِن
محبوب پری زاد نہ رہتے تھے ملے بن
یا ایک وہ ایام تھے یا ایک یہ ہیں دن
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل
محبوبوں میں جاویں تو وہ سب چھیڑیں ہیں مل مل
واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل
سب چیزوں کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ ہی خواری گئی ہے

سنتے ہیں کہ کھتی ہوئی پنہاری گئی ہے	لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال گلابی تو یہ آفت	کہتا ہے ہر اک دیکھ کے کیا خوب ہے ذلت
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے گر شکل پہ رحمت	لاحول ولا دیکھیے بوڑھے کی حماقت

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

[1] گر بیاہ میں جاویں تو یہ ذلت ہے اٹھانا	چھٹتے ہی بنے باپ نکاحی کا نشانا
رنڈیوں میں اگر جاویں تو مشکل ہے پھر آنا	افسوس کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہے چھانولی[2] تالی کا زنانوں میں جو چرچا	گر ان میں کبھی جاویں تو ہے یہ ستم آتا
داڑھی کی جگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا	ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے "آ آ مرے دادا"

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو	کہتا ہے ہر اک ٹھیک کے جاتے ہو کہاں کو
او ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو	کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر آج کو ہوتے وہ جوانی کے زمانے	قدرت تھی جو یوں چھیڑتے پھر دے دوڑانے
مشکل ابھی پڑ جاتی انھیں پیچھے چھڑانے	اک دم میں ابھی لگتے اوہی ہائے مچانے

[1] بند ۱۹-۲۰-۲۱ و ۲۲ بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں ۱۲
[2] چھانولی - چشم و ابرو کا اشارہ جیسے زیب - تالی دونوں ہاتھوں کی بجانا ۱۲ آسی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہے ستاتی
اوروں کی طرف جاوے تو آنکھیں ہیں لڑاتی
جو ناچے ہے کافروہ نہیں دھیان میں لاتی
پر ہم کو تو کافروہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر نائکا اُن میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی
پھیکی سی پرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی
البتہ بڑھاپے پہ ہے ٹک رحم وہ لاتی
پر قہر ہے وہ ہم کو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

چکلے کے جوانڈر کی وہ کہلاتی ہیں کسبی
منہ دیکھتے ہی کہتی ہیں سب آؤ بڑے جی
اگر اُن میں کبھی جاویں تو ہوتی ہے خرابی
کیا آئے موہیاں کرنے کو بڑی دُمڑی

[illegible]
متداول نسخوں سے غائب ہے ۱۲

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جائیں طوائف میں تو لگتی ہیں سنانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے؟
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گو جھک کے کمر پاؤں سے سر آن لگا ہے
کہتے ہیں جسے "ہم کو یہ ارمان لگا ہے
پر دل میں تو خوباں کا وہی دھیان لگا ہے
کہتا ہے وہ کیا بوڑھے کو شیطان لگا ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بنا دے
داڑھی کے کئے انگلی کو لا لا کے نچا دے
چل کر کوئی کبڑے کے طرح قد کو جھکا دے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیتے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے وہ جھمکے
ویسے ہی بُڑھاپے میں چھُٹے آن کے چھکے
اب عیش جوانوں کو ہیں اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر حرص سے داڑھی کو خضاب اپنی لگا دیں
گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھا دیں
جھرّی جو پڑی منھ پہ اُسے کیونکہ مٹا دیں
گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپا دیں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھُٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی الفت نہیں چھُٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذّت نہیں چھُٹتی
سب چھُٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھُٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

سُنتے ہو جوانو! یہ سخن کہتے ہیں تم سے
جاوے گی جوانی تو پھر افسوس کرو گے
کرنے ہوں سو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے
تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

لے بند ۳۰-۳۱-۳۲-۳۳ بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں ۱۲
سے دھوم دھڑکے کرنا = دھوم دھام کرنا
سے چھکے چھوٹنا = ہوش و حواس پراگندہ ہونا ۱۲
سے چھکے = دیدار ۱۲ کی

جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مدارات جب بوڑھے ہوئے پھر تو وہی ڈھاک؎ کے دو پات		اب جتنے ہو معشوق یہ سب یاد رکھو بات ہو محبوبو غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اللہ نہ دکھلائے کسی کو یہ ملولا؎ کیا ہم سے جوانی کا لیا آہ یہ بدلا!		اب؎ جس سے رہیں صاف تو ہوتا ہے وہ گدلا اس چرخ ستمگار نے سینے میں حسد لا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ویسے ہی بڑھاپے میں پیئے گھونٹ لہو کے اب کہیے تو بڑھیا بھی کوئی منہ پہ نہ تھوکے		تھے جیسے جوانی میں پیئے جام سبو کے جب آکے گلے لگتے تھے محبوب بھبوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے اور اب تو چڑیل آن کے اک لات نہ مارے		یہ ہونٹھ جواب پوپلے یارو ہیں ہمارے ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ویسے ہی بڑھاپے کی پڑی آن کے اب بخ حلوا ہوئے چرخا ہوئے پیسی ہوئے چرخ		تھے؎ جیسے جوانی کے چڑھے زور میں شرشخ نکلا ہوا تن سوکھ، روئی بال، رگیں شخ؎

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے		محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے

۱؎ محاورہ ہے ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیر نے یہاں بضرورت شعر تصرف کر لیا ہے اور یہ تعین معلوم ہوتا ہے ۱۲ پروفیسر شہباز ؎ بند ۵ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہے۔ ملولا۔ افسوس، رنج، پچھتاوا ۱۲ ؎ قافیے اور تین مصرعوں میں بہت چستی سے آئے ہیں۔ [illegible] چاہتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی ایسی چست ترکیب ہو [illegible] خیال میں ملولا کی جگہ بگولا ہے یعنی خدا کسی کو ایسا شہر لاکر دکھلاوے [illegible] سب [illegible] ہوں ۱۲ شہباز ؎ بند ۳ سے ۵ تک بھی متداول نسخوں میں مفقود تھے ۱۲ ؎ شخ فارسی میں ایک قسم کا [illegible] ہے۔ دوسرے زمین سخت [illegible] سر کوہ کو کہتے ہیں چنانچہ قاآنی کہتا ہے: [illegible] بعض [illegible] ہیں کہ [illegible] زنخ [illegible] سفید رخ [illegible] [illegible] فلک تا زو مہ سیر کرد کوب و شخ بر + کم آسمانے [illegible] دونوں معنی منطبق ہیں [illegible] ۱۲ پروفیسر شہباز ؎ شخ یعنی مضبوط [illegible] ۱۲ [illegible]

ہنس ہنس کے پریزادوں سے لڑنا نہیں بھولے
وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اَڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کیا دور تھا سر دُکھنے کا ہوتا تھا صدؔ افسوس
اب مر بھی اگر جاویں تو ہوتا ہے کسےؔ افسوس
ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا صدؔ افسوس
افسوس! صد افسوس!! صد افسوس!!! صد افسوس!!!!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

جب جان کے بوڑھا ہمیں چھیڑیں ہیں یہ دلخواہ
اُس وقت تو ہم یارو دم سرد سے بھر آہ
اور چھیڑ کے مجلس سے اُٹھاتے ہیں با کراہ
رو رو کے یہی کہتے ہیں "اب کیوں مرے اللہ!"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر ہوتی جوانی تو ابھی دھوم یہ مچتی
جب کرتی وہ انگیا کی اُڑاڑ اُڑاتے دھجّی
چھاتی سے لپٹ دم میں کڑا کڑ اُلٹتے پسلی
پر کیا کریں یارو کہ بُڑھاپے نے بُری کی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

وہ جوش نہیں جس کے کوئی خوف سے دہلے
جب ٹھوس ہوئے ہاتھ تھکے پاؤں بھی پہلے
وہ زعم نہیں جس سے کوئی بات کو سہلے
پھر جس کے جو کچھ شوق میں آوے سو ہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ
یہ قہر بُڑھاپے نے کیا آہ! نظیرؔ، آہ!
اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ!

؎ پہلے جب کے معنی میں بولتے تھے ۱۲ ؎ بنے ٹھنے ؎ کب کی قدیم شکل ۱۲ ؎ مطبع صفدری کے نسخے میں اس نظم کے سوا یہی بند تھے۔ چھانوی۔ تانی والا بند (بند ۲) اس میں زیادہ ہے ۱۲ شہباز

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(۵۷) بڑھاپے کی تعلّیاں

تضمین

جو نوجوان ہیں اُن کے دلمیں گمان کیا ہے؟
بوڑھا ادھیڑ، اُمکا ڈھمکا، فلان گیا ہے؟
جو ہم میں کس ہے اُن میں تاب توان کیا ہے؟
ہم سے جو ہو مقابل پٹھےؔ میں جان کیا ہے؟
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

ہر وقت دل ہمارا گمدر ہی بھانتا ہے
ہر شوق گلبدن سے گہری ہی چھانتا ہے
تیراب تلک ہمارا تودے ہی چھانتا ہے
اس بات کو ہماری اللہ ہی جانتا ہے
اب بھی ہمارے، آگے یارو جوان کیا ہے؟

چاہیں تو گھور ڈالیں سو خوبرو کو دم میں
سینہ بھبھڑک رہا ہے خوباں کے درد و غم میں
اور میلے چھان ماریں، وہ زور ہے قدم میں
پٹھوں میں وہ کہاں ہیں؟ جو گرمیاں ہیں ہم میں
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

دُبلے ہوئے ہیں ہم تو خوباں کے درد و غم سے
سونچھیں سفید کی ہیں اس ہجر کے ستم سے
اور جھرّیاں پڑی ہیں اُن کے غم و الم سے
بوڑھا ہمیں نہ جانو اللہ کے کرم سے
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

کوئی بھی بال تن پر میرے نہیں ہے کالا
اگر جوان مقابل ہووے کوئی ہمارا
خوباں کے درد و غم کا ان پر پڑا ہے پالا
خالق سے ہے یقیں یہ دکھلائے وہ بھی پچھیا
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

جب .... سروں میں تیل اور پھلیل ڈالیں
اور کنگھی چوٹی کر کر ہم سے جھمیل ڈالیں

ہم کُشتی جب اُن سے یارو! ملنے کا میل ڈالیں
دو چار کو لتاڑیں، دس پانچ کھیل ڈالیں

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

اے یارو سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر
اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں زور جا کر
رستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

ہم اور جوان مل کر گر دل کے تئیں لگادیں
اور اپنے اپنے گل سے ملنے کی دل میں ٹھادیں
جا کر اُنھوں کے گھر پر جب زور آزمادیں
وہ گر وہاں کو دیں ہم کو ٹھا پھاند جادیں

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

جاتے ہیں جب نظر جتنی خوباں کی بستیاں ہیں
ہر آن دید بازی اور بُت پرستیاں ہیں
سو سو طرح کی چُہلیں جی میں اُکستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں، کیا عیش مستیاں ہیں

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

جو ہم کو جانے بوڑھا، سو وہ ہے شیخ چلّی
ہم چھیڑ ڈالیں اب بھی خوباں کو کر کے کھلّی
ہاتھی کو زاب بیٹھیں، جیسے چوہے کو بلّی
رستم سے اک گھڑی میں مچادیں تو بہ تلّی

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

... کا خوب بھوڑیں جتنا مکان ہے اَونڈا
... تو ایسے جیسے کھاڑا اسے کوئی پونڈا
ہر ناز میں بچھے سے مہر شوخ ہے کنونڈا
نہ رہنے پاوے ... نہ رہنے پاوے ...

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

دنیا میں طاقت اپنی مشہور اس قدر ہے
کوچوں میں اور مکاں میں دیکھو جدھر اُدھر ہے
جنگل میں ہاتھی، چیتا یا کوئی شیر نر ہے
ہر اک کے دل میں اپنا ہی خوف اور خطر ہے

اب بھی ہمارے آگے یارو! جوان کیا ہے؟

کرتے ہیں ہم جو یارو! اب دھوم اور دھڑ کے
دیکھے جوان تو اُس کے چھٹ جائیں دم میں چھکّے

ملنے اُکستیاں قدما اس طرح کے جمع کے صیغے لکھتے تھے اب یہ صورت متروک الاستعمال ہے ۱۲ آسی - ۲ تو بابہ تخفیف واؤ مُوا کے وزن پر لکھنا اب فصحا جائز نہیں رکھتے۔ قدما اس طرح استعمال کرتے تھے اب بروزن ہُوَ صحیح اور فصیح مانتے ہیں ۱۲ آسی ۳ اونڈا۔ گہرا عمیق آسی

پیتے ہیں مے کے پیالے چلتے ہیں ہار و گجرے
کیا کیا نظیرؔ ہم بھی کرتے ہیں اب جھمکڑے
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے

(۵۸)

بڑھاپے کا عشق

گرہ بند

قائم ہے جسم، گو کہ نہیں کس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے، دس غنیمت است
جیتے تو ہیں اگرچہ نہیں بس غنیمت است
وقتِ خزاں جو گل نہ ہو خس غنیمت است
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
و ز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کرتے ہیں اس بڑھاپے میں خوباں کی ہم تو چاہ
اور وہ جو کچھ شعور سے رکھتے ہیں دستگاہ
احمق ہیں خورد، جو وہ ہنستے ہیں ہم پہ "آہ!"
سو وہ تو ہم کو دیکھ یہ کہتے ہیں "واہ واہ!"
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
و ز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جن دلبروں سے یارو ہم اب دل لگاتے ہیں
بوسہ بھی ہم کو دیتے ہیں، گھر بھی بلاتے ہیں
وہ سب اثر ہمارے بڑھاپے پہ کھاتے ہیں
اور راہِ منصفی سے یہ کہتے بھی جاتے ہیں
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
و ز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

نے تن میں اب ہے زور نہ چلتے ہیں دست و پا
اس وقت میں بھی عشق کو رکھتے ہیں ہم بجا
اور جھکتے جھکتے سر بہ قدم ساتھ آ لگا
کہیو یارو سچ ہی کہو یہ انصاف کی ہے جا
پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است

وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھ کر ذرا
اُس نے کہا کہ اسکا کسی سے ہو دل لگا
بُلبل سے پوچھا گُل نے کہ "بوڑھا یہ کیوں ہوا!"
جب گُل نے ہم کو دیکھ کے ہنس کر یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

طاقت بدن میں کہیئے تو اب نام کو نہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم وہیں
ہوتا ہو اب بھی سیر، تماشا اگر کہیں
جو ہم کو دیکھتا ہو وہ کہتا ہے "آفریں"!

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کل میکدے میں ہم جو گئے با قد دوتا
اُس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلا
اور پی شراب لوٹ گئے شور و غل مچا
ہنس ہنس کے جب تو پیرِ مغاں نے یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

پیارے تمھارے اور تو عاشق ہیں نوجواں
وہ تو رہیں گے ہم ہیں کئی دن کے میہماں
اک ہم ہی بوڑھے سب کے ہیں ورپیر ناتواں
بس سبکو چھوڑ ہم سے ملو کس لیے کہ جاں

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جو ہیں جواں انھوں کے تو اُلفت ہی کاروبار
ملتے ہیں دل لگاتے ہیں پھرتے ہیں خوار و زار
ہم بوڑھے ہو کے عشق کو رکھتے ہیں برقرار
جو ہم سے ہو سکے وہ غنیمت ہے میرے یار

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وزشاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

دانتوں کا گرچہ منھ میں ہمارے نہیں نشاں
ان شوخیوں کا وقت ہمارے بھلا کہاں
بوسے پہ آن اڑتے ہیں تو بھی ہر ایک آن
پر دل میں اپنے ہم بھی یہ کہتے ہیں مرحباں

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

جن کو خدانے دی ہے جوانی کی دستگاہ
اور ہم کہاں پھر آوینگے کرنے تمھاری چاہ
وہ تو ہمیشہ دل کو لگا دینگے تم سے آہ!
بس تم اب اپنے دل میں اسی پر کرو نگاہ!

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

گو تن تمام کانپے ہے اور ہیں سفید بال
پیارے ہمارے ملنے سے لاؤ نہ کچھ ملال
[illegible]
تو بھی بناتے ہیں محبت کی چال ڈھال
کس واسطے کرو تم اب اس بات پر خیال

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

ہوتے ہیں الفتوں سے جوانی میں سب اسیر
جو ہم کو دیکھتا ہے اب اس حال میں نظیر
ہم عشق سے بڑھاپے میں نکلے ہیں بن فقیر
بڑھاپے شاد ہو کے یہی بہت دلپذیر

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

(۵۹)

جوانی بڑھاپے کی لڑائی

مناظرۂ شیب و شباب

جہاں میں یارو خدائی کی کیا خدائی ہے
کہ ہر کسی کو تجربہ ہے، خود نمائی ہے

ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے | اُدھر بڑھاپے کی اُس پر ہوئی چڑھائی ہے
عجب جوانی بڑھاپے کی اب لڑائی ہے

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار | بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کے واسطے تیار | ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
بڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اٹھائی ہے

ادھر ہے تیر سا قامت اُدھر وہ پیٹھ کماں | اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں
جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سن بڑھاپے میاں | کہ تیری خیر اسی میں ہے چل اُسرک اس آں
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ رستم کو کھڑکھڑا ڈالوں | پہاڑ ہووے تو اک دم میں بل ہلا ڈالوں
درخت پیڑ سے اُکھاڑوں زمیں ہلا ڈالوں | ابھی کہے تو تری دھجیاں اُڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی قوت کی بادشاہی ہے

کہا بڑھاپے نے گر تجھ میں زور ہے بچا | تو ہاں جی دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا | سوٹوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالوں چبا
نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے ہیں بلیکن | نیا ہے تو ہی دن آخر پرانا ہے نئو دن
ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہے سن | پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مروڑے بن
کہ تو نے آ کے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال | تو میرے کان مروڑے کہاں یہ تیری مجال
نہ تیرے پاس طمنچہ نہ تیر سیف نہ ڈھال | ابھی گھڑی میں کھرتا پھرے گا ایک اک بال
یہ ڈاڑھی تو نے جو مدت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ | تو ہم بھی سر کھ کے جھڑ بیری کے ہوئے ہیں جھاڑ

ابھی کہے تو ترے کپڑے لتے ڈالیں پھاڑ — ذراسی بات ہیں اکدم کے بیچ لیویں اکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل، نہ کہہ تو بات — ابھی جو آن کے ماروں تری کمر میں لات
کہیں ہو پاؤں، کہیں سر، کہیں پڑا ہو ہات — جسے تو جینا سمجھتا ہے، اور خوشی کی بات
وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ تجیپائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹ کہا — جو پوچھے سچ تو ہمیں کو مزہ ہے جینے کا
شراب ہو جو پرانی تو اُڑ چلے ہے نشا — پرانے جب ہوئے چانول تو ہم انھیں میں مزا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ — جہاں تو ہو چکی پھر بس وہی ہے حال تباہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر نباہ — تو آ کبھی دیکھ گریباں میں ڈال کر منہ آہ
کہ اپنے کس میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سن کر — تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر
میں جب تلک ہوں، بہاریں مزے ہیں سر تا سر — جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہے خوشتر
مزے تو لوٹ لیے گو کہ پھر گدائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا وہ سلطنت ہے کیا — کہ جس کے ساتھ لگا ہو زوال کا دھڑکا
ہمیں ملی وہ بزرگی کی منزلت اس جا — کہ جب تلک ہیں رہے گی ہمارے ساتھ سدا
خدا نے ایسی ہمیں دولت اب دلائی ہے

کہا جوانی نے چل جھوٹی اب نہ کر تکرار — مرے تو واسطے عیش و طرب ہیں باغ و بہار
شراب ناچ مزے گل بدن گلے میں ہار — تری خرابی یہ دیکھی ہے ہم نے کتنی بار
کہ تو نے ہر کہیں ذلت ہی جا کے پائی ہے

مجھے خدا نے دیا ہے وہ مرتبہ اور شان — جدھر کو جاؤں ادھر عیش رنگ پھول اور پان

اُچھل ہے کود ہے لذت مزے خوشی کے دھیان ۔۔۔ گلے لپٹتے ہیں محبوب گل بدن ہر آن

گھڑی گھڑی کی نئی سیر ہی اُڑائی ہے

کہا بڑھاپے نے چل جھوٹ اتنا مت بولے ۔۔۔ غذا تو جن پہ ہے وہ میرے پاؤں ہیں پڑتے

ہمیں کہیں ہیں وہ حضرت تجھے کہیں ہیں پلے ۔۔۔ ہزاروں بار پڑے تجھ پہ لات اور گھونسے

بھلا بتا تو کہیں ہم نے مار کھائی ہے؟

تجھے پھلتے ہیں وہ خوبرو جو لاتوں میں ۔۔۔ ہم اُن کو مار اُتاریں ہیں دم کی باتوں میں

ہم عیش دن کو اُڑاتے ہیں اور تو راتوں میں ۔۔۔ کریں ہیں عشق کو ہم جس طرح کی گھاتوں میں

تجھے کہاں ابھی اس بات میں رسائی ہے

تو جن کے واسطے گلیوں میں اب پھرے ہے خوار ۔۔۔ ہم اُن کی لوٹے ہیں عیش و طرب کے بیچ بہار

تجھے تلاش و طلب میں کٹے ہے لیل و نہار ۔۔۔ ہم اپنی ٹٹی میں بیٹھے ہی کھیلتے ہیں شکار

تو کیا وہ جانے جو کچھ ہم نے گھات پائی ہے

بڑھاپے نے کہا اُس دم جوانی سے بابا ۔۔۔ مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا

بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا ۔۔۔ تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا

تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جونہیں جوانی نے خواری کا منھ سے نام لیا ۔۔۔ بڑھاپا دوڑ جوانی سے وہیں آلپٹا

مروڑیں مونچھیں ادھر اُس نے ڈاڑھی کو کھینچا ۔۔۔ لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا

کہ یارو دوڑیو، فریاد ہے! دہائی ہے!

کھڑے تھے لوگ ہزاروں یہ دونوں لڑتے تھے ۔۔۔ گھڑی پچھاڑتے تھے اور گھڑی پچھڑتے تھے

جو بازو چھوڑتے تھے تو کمر پکڑتے تھے ۔۔۔ ہر اک طرف سے نئے گھونسے لات جڑتے تھے

تو سب یہ کہتے تھے کیا ان کے جی میں آئی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا چرچا ۔۔۔ نظیر اس میں وہیں ایک ادھیڑپن آیا

۵ل دو ایک بند اوپر کے غائب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اوپر جو تقریر تھی وہ بڑھاپے ہی کی تھی بند ۲۰ میں خواری کے لفظ کا جوانی کے منھ سے نکلنا لکھا ہے حالانکہ وہ اس بند کے مطابق بڑھاپے کے منھ سے ہے پس ان دونوں بندوں میں کچھ تصرف کاتب کا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ شہباز

کچھ اس کو روکا ادھر اور کچھ اس کو سمجھایا
تم اپنے خوش رہو یہ اپنے خوش رہے ہر جا
ملاپ خوب ہے لڑنے میں کیا بھلائی ہے

(۶۰)

موازنۂ زور و کمزوری

زور جب تک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا
کھونڈے گلزار و چمن، گلشن و باغ و صحرا
پچ گئی دم میں، اگر کیسی ہی اثقل تھی دوا
دوڑے ہر سیر تماشے میں خوشی سے ہر جا
زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں کہوں میں کیا کیا

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہیے عجب زور میں ہیں
خرمی خوشدلی و عیش و طرب زور میں ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال
ہو گئے سب وہ اچھل کود کے نقشے پامال
سستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہر کمال
اب جو چاہیں کہ چلیں پھر بھی اسی طور کی چال
قصد کرتے ہیں بہت پر کہیں جاتا ہی چلا

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے
پیویں شربت تو ہوا زدگیاں وہ لاتا ہے
اور نہ دہی چکھیں تو چھینکوں کا منہ چھا جاتا ہے
اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے
پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہیے چورن کو ٹکا

راہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال
اور ٹک تند ہوا چلنے لگی تو فی الحال
ہر قدم آتے ہیں پابوس کو سو رنج و ملال
چلنی پڑتی ہے پھر اس وقت تو اس طور کی چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

اونچی نیچی جو زمیں آ گئی رستے میں کہیں ۔۔۔ اُس کی یہ شکل ہے کیا کہیئے نقاہت کے تئیں
یک بیک دونوں سے گذرے تو یہ طاقت ہی نہیں ۔۔۔ اُتریں نیچے کو تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے پہ رکھیں پاؤں دم آتا ہے چڑھا

آوے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو ۔۔۔ پہنے نو سیر روئی کی جو بنا کر دُگلا تو
تو بھی ہرگز نگی گرمی کی نہیں آتی بو ۔۔۔ ہو بدن سرد و خنک اس میں کہ ایسا جس کو
دیکھے گر برف کا ڈھیلا تو رہے سر کو جھکا

اور عیاں ہووے جو ٹک آگے ہوا گرمی کی ۔۔۔ اُس میں کچھ اور ہی ہوتی ہے نقاہت سستی
موم ہو جائے ہیں جہاں تن کو ذرا دھوپ لگی ۔۔۔ اور پسینوں میں یہ صورت ہر بدن کی ہوتی
جیسے غوّاص سمندر میں لگاوے غوطا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر ۔۔۔ جس میں نہ طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ، دل آزردہ، بدن سخت حقیر ۔۔۔ جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا تحریر کیئے نظیرؔ؟
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

(۶۱)

موت کی فلاسفی

ہندوانہ لہجہ

جو مرنا مرنا کہتے ہیں وہ مرنا کیا بتلائے کوئی ۔۔۔ واں جو ہر بانہیں کھول ملے سب اپنی اپنی چھوڑ ڈالی
سی ڈالی آنکھ دو زندگی کی جب پکڑ لی نے ماسیری ۔۔۔ نہ مردوں کا نقل شور رہا نہ عورت کی کچھ آہ اٹھی
مانی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا؟ اور کس سے کہیئے کون موئی

له دوتا۔ دوتاہ دوتاہ ایک قسم کی پوشاک۔ دوتو دوتاکا بستی لہجہ ہے اجہانہ

نقارہ دھوں دھوں بجتا تھا اور کیا کیا تھی آواز بڑی
نر مادہ دونوں ایک ہوئے جب آن بھرم کی کھال پھٹی
جب پھوٹ گیا پھر دیکھو تو آواز سب اسکی کہاں گئی
نر کا کچھ نر مشکل رہا نہ مادہ کی پہچان رہی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون موئی!

ہر چار طرف اُجیالی تھی اس تیل سکورہی پانی کی
سب گھر کے بیچ اُجالا تھا کیا نوک بندی تھی نور بھری
وہ جوت نہ تھی اس دیئے کی تھی اور کسی کی اُجیالی
جب دیا بجھ کر سرد ہوا پھر چھائے گئی کل اندھیاری

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون موئی

تھا جب تک خاصہ دودھ بنا تھی کیا کیا اُسمیں چیز دھری
جب پھٹکر ٹکڑے دودھ ہوا پھر کہاں گئی وہ چکنائی
براق ملائی ماکھن تھا اور کھویا گاڑھا اور تری
نہ دودھ رہا نہ دہی رہا نہ روغن مسکہ چھاچھ رہی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو لکڑی میں تھی آگ لگی
یاں ایک طرف کو دولھا تھا اور ایک طرف کو دولھن تھی
جب بجھ کر ٹھنڈی راکھ ہوئی پھر اسکی آنچ کہاں پہنچی
جب دونوں ملکر ایک ہوئے پھر بات ہی کیا پرنے کی

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو مٹکی ڈالی پانی میں
نہ راجہ کا سندیسہ رہا نہ بھید رہا کچھ رانی میں
اور رستے میں جب پھوٹ گئی ہاتھوں کی پنچا تانی میں
جا ٹھیکرے مل گئے گھر و نیں دریا میں مل گیا پانی میں

ماٹی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون موئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو کپڑا پانی بھیگا تھا
جب سوکھا دھوپ کے اندر تو پھر پانی اسکا کہاں گیا

سب مردہ مردہ بول اُٹھے وہ ان دکیسی نے رنگت لا — نہ بھرم رہا نر مادہ کا نہ دھوکا ہاتھی چیونٹی کا ہ

مائی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پوَن کی پوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون مُوا اور کس سے کہیئے کون موئی

یاں جن کو جینا مرنا ہے اے یار انھیں کو ڈرنا ہے — جب دونوں دکھ سکھ دور ہوئے پھر جینا ہے نہ مرنا ہے
اس بھول بھلیاں چکر میں ٹک سے سہ پیدا کرنا ہے — سب چھوڑ بھرم کی باتوں کو اس بات پہ دل دھرنا ہے

مائی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پوَن کی پوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون مُوا اور کس سے کہیئے کون موئی

حق ناحق اُن سے کون لڑے جو مرنا سمجھیں جینے کو — جینے کا رہنا نام رکھیں اور جینا کھانے پینے کو
جو مر گئے آگے مرنے سے وہ جانے بھید قرینے کو — ہو خاصی دُلھن جا لپٹی اُس لال بنے نہ رنگ بھینے کو

مائی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پوَن کی پوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون مُوا اور کس سے کہیئے کون موئی

کیا صورت لوگ لگائی کی کیا نقشہ ناری نر بت کا — کیا رنگ بنے کا روپ بنے کیا سوانگ بنا یا گت گت کا
جو سمجھیں اُنکو آساں ہے نہیں فرق ہر رائی پربت کا — بس ہو رہ نظیر اب کیا کہیئے ہے زور تماشا قدرت کا

مائی کی ماٹی آگ اگن جل نیر پوَن کی پوَن ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون مُوا اور کس سے کہیئے کون موئی

(۶۲)

موت کا دھڑکا

گرہ بند

دنیا کے بیچ یارو سب نے لیت کا مزا ہے — جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے — نے باپ ہے نہ بیٹا، نہ یار آشنا ہے

سنہ بھرم اس نظم میں خاص معنوں میں مستعمل ہوا ہے بھرم کے ایک تو معنی ہیں عزت اعتبار حیثیت عرفی اور دوسرے معنی ہیں غلطی فہمی - عزت حیرت و پشیمانی کا اشارہ ہے سو تو اقبل اُن دونوں کی طرف ہے لے زمیت = بادشاہ ۱۲ شہباز

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے
جب مر گئے تو ہرگز مے ہے نہ کوئی شے ہے
گلزار، ناچ، سیر، ساقی، صراحی مے ہے
اس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں، ہے ہے

ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

ہے دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے میاں کدھر کے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

مرنے کے بعد کوئی اُلفت نہ پھر جتاوے
جو دیکھے اُن کی صورت دہشت سے بھاگ جاوے
نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی منہ لگاوے
اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

پیتے تھے دودھ شربت اور چابتے تھے میوا
بچے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا
مرتے ہی پھر کچھ اُن کا سکہ رہا نہ نگیوا[1]
اس مرگ نے اُکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جب روح تن سے نکلی آنا نہیں یہاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یاں پھر گھوڑے پہ چڑھ کے ڈال پھر
کاہے کو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر؟
جب مر گئے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر؟

ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے

[1] نگینہ: پتھر جو انگوٹھی میں جڑ جاتا ہے۔ نگین انگشتری یہاں وہ نگین مراد ہے جس پر مہر کھدوا لیتے ہیں ۱۲ شہبانہ

مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

گھر ہو بہشت جن کا اور پھر بہی ہو دولت
پھر مرتے وقت اُن کو کیونکر نہ ہووے حسرت
اسباب عشرتوں کے محبوب خوب صورت
کیا سخت بے بسی ہو کیا سخت ہے مصیبت

ڈرتی ہو روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہو جاتی
اور وہ بناویں ٹکڑا دیکھ ٹک اُن کی چھاتی
لیکن نیظر سب کچھ یہ موت ہو چھڑاتی

ڈرتی ہو روح یارو اور جی بھی کانپتا ہو
مرنے کا نام مت لو مرنا بڑی بلا ہے

(٦٤)

كل نفس ذائقة الموت

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مرگیا
عاقل تھا وہ تو آپکو سمجھا کے مرگیا
دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مرگیا
بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مرگیا

دُکھ پا کے مرگیا کوئی سکھ پا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

دن رات دُنیا میں جھی ہو یہاں اور پڑتی ہو جنگ
جسکا قدم بڑھا وہ موا اُنہیں بے درنگ
چلتی ہیں نت اجل کی سناں گولی و تفنگ
جو جی چھپا کے بھاگا تو اُسکا ہوا یہ ڈھنگ

وہ بھاگتے ہیں تیغ و تبر کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

سلہ ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے ١٢ نوسی

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو و کل　　یا چپ گذاری عمر و یا دھوم کر جھل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گل　　کام آئی کچھ کسی کو خموشی نہ شور و غل

چپکے کوئی موا کوئی چلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

گر لاکھ عشرتوں سے رہی دل میں دھوم دھام　　یا سو مصیبتوں سے ہوا غم کا ازدحام
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام　　... سڑی کے غم میں کوئی ہو گیا تمام

کوئی حور پریاں جھماکے سے لپٹا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک با وضو　　کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بکو
ناپاکی پاکی موت کے ٹھہری نہ روبرو　　کوئی عبادتوں سے موا ہو کے سرخرو

ناپاک روسیاہ بھی پچھتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

گر دل کے آئینے کے تئیں صاف ایک بار　　کشفِ قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گذار　　کام آئی روشنی نہ کرامات کی بہار

کامل فقیر خلق میں کہلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا　　یا مفلسی میں ایک نے خون جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا　　سوکھی کسی نے روٹی چبا غم میں جی دیا

قلیہ، پلاؤ، نہ زردہ کوئی کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا　　یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا

آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا — پورے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا

باغ و مکان محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں — یا بینوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشد اجل کا قدم آیا درمیاں — کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں

مونچھیں بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا اور ایک قدر دار — سر پر لگا جب آن کے تیغ اجل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار — تھا بے حیا سو وہ تو موا کھو کے ننگ و عار

اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موئی چاہتا تھا کوئی موٹھا اور مڑا — جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر — یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اوپر

تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

عاشق ہو گر کسی نے کسی گل کی چاہ کی — عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آ کر لگن لگی — معشوق کام آئی کسی کی نہ عاشقی

دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی الفت کی چاہ — جو جسم و جان ایک ہوئے ان کے واہ واہ
عاشق موا تو مر گیا معشوق خواہ مخواہ — معشوق مر گیا تو وہ عاشق بھی کر کے آہ

اُس گلبدن کی قبر اُپر جا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا کالی پیلی شکل کے کیا گورے گلعذار
عاشق کوئی ہے اور کوئی معشوق طرحدار
عاقل حکیم و عامل و فاضل رسالدار
پنڈت نجومی بید چہ ناداں چہ ہوشیار

دونوں کی شان ہر کوئی دکھلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا اونچی ذات پات کے اشراف کیا نجیب
قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے نہ ہوئی نصیب
جس دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب
کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب

کوئی خزانے خاک میں گڑوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقان زار
وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر بر قرار
کیا کاتبان اہل قلم خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار

کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیر و مرید و شاہ و گدا امیر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس غریب صاحب تاج و علم سریر
کوئی ترس ترس کے موا غم میں اے نظیر

کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۶۴)

عالم گزران

کی وصل میں دلبر نے عنایات تو پھر کیا!
یا ظلم سے دی ہجر کی آفات تو پھر کیا
غصہ رہا یا پیار سے کی بات تو پھر کیا
گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

مجنوں کی طرح ہم نے اگر دل کو لگایا
بے چین کیا روح کو اور تن کو سکھایا
دل بر نے بھی لیلی کی طرح دل کو لبھایا
جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا
قصوں میں رہے حرف وحکایات تو پھر کیا

جس شوخ پریزاد کی آدل سے ہوئی چاہ
ہر طور ملے اُس سے رہے عیش کے ہمراہ
ہنسنا بھی ہوا باتیں بھی اچھی ہوئیں دلخواہ
حد بوس وکنار اور جو تھا اسکے سوا آہ
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

تھے وہ جو دُر ولعل سے بہتر لب ودنداں
آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملتا ہو بھلا خاک کے ہٹیاں
دو دن اگر اُن آنکھوں نے دنیا میں مری جان
کی ناز وادائوں کی اشارات تو پھر کیا!

دُنیا میں اگر ہم کو ملا تختِ سلیمان
تابع رہے سب جن وپری آدم ومرغاں
جب تن سے ہوا اڑ گئی وہ پود نہ سی جاں
پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت وسب شاں
لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا وسکندر
اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر
اسپ وشتر وفیل وخر ونوبت ولشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا؟

کامل ہوا اگر روشنی کی دل کی اندھیری
اور بانگ تصرف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری
آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

طائر کی طرح سے اڑے ہم گرچہ ہوا پر
یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوئے تر
جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش
اور چلہ کشی کر کے ہمیشہ رہے دل ریش
عابد ہوئے زاہد ہوئے مرتاض حق اندیش
جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست خرابی
ہونٹوں سے جدا ہی نہ کبھی مے کی گلابی
کی لاکھ طرح عشق کی مستی و خرابی
جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لکھ کے اگر نقش ازل سے
لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے
دو دن کو جو تعویذ فلیتہ و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا ؟

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے ڈھومی
پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اوپر آن کے گھومی
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا

گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی رتبہ لی
چیز اور سوا طب کے سر انجام کے کر لی
جب سر کے اوپر مرگ نے آ ڈالدی کملی
اک دم میں ہوا ہو گئی سب نشتری و بگلی
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

لہ علی گوہر کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ علی گوہر شاہ عالم کا نام تھا۔ ... بادشاہ بنا ہے کو قوت و جبروت سے مشہور کرنا ...

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا
اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈھے ہے کوئی جاہ
سب زر کے طلبگار ہیں لے ماہی سے تا ماہ
دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیر آہ!
بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات تو پھر کیا

(٦٥)

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا
ماہی، علم، مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا؟
اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا؟
نوبت، نشاں، نقارہ در پہ ہوا تو پھر کیا؟
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا

یا لکھ کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی
جب آن کر فنا کی سر پہ پڑی تباہی
پھیری دہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی
پھر سر رہا نہ لشکر نہ تاج بادشاہی
دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی اصیل، ذاتی
تھے آپ مثل دولہ اور فوج تھی براتی
جمشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی
جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی
ملک و مکاں، خزانہ، لشکر ہوا، تو پھر کیا

یا آج منبی ہو کر دنیا میں راج پایا
جب توپ نے اجل کی آمورچا لگایا
چتور گڑھ سے تا رہ کا لنجر آ نبایا
سب اُڑ گئے ہوا پہ کوئی نہ کام آیا

لہ راج منبی شاہی خاندان کا آدمی، راجہ کے خاندان کا۔ راجپوت قوم کا نام ہے۔ سہ چتور گڑھ اودے پور میں ایک مقام ہے جہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان قائم ہوا جو نہایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب نسب خیال کرتا ہے وہ سورج منبی کے لقب سے ملقب ہے۔ اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام کی اولاد جانتے ہیں۔ سب سے پہلے چتور گڑھ پر مسلمانوں نے حملہ کیا مگر اُس کی حملہ ناتمام رہا۔ علاؤالدین نے عہد کر کے اس پر فتح حاصل کی۔ اس فتح کے سینوں قصے بن گئے ہیں۔ ان میں ہمارا آنا اور دل نشیں ہے۔ دوسری فتح اکبر نے حاصل کی۔

سہ تارا گڑھ ... جہاں راجہ قلعہ جیجی سے بھاگ کر داخل ہوا تھا۔ گو اورنگ زیب نے ... میں بذات خاص اس کا محاصرہ کر کے جیتنے کا عزم کیا مگر ... فتح ... کالنجر بندیل کھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ جس کے محاصرے میں شیر شاہ کی جان گئی۔ شہباز

گڑھ، کوٹ، توپ، گولہ، لشکر ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج ان کے ہاں ہیں
یہ ابن پنج ہزاری، یہ عالی خاندان ہیں
دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام نہ نشاں ہیں
دو دن کا شور و چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو، یہ ہیں امیر[1] خاں جی
پنجا اٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی
اور یہ ہیں خانخاناں اور یہ شیر خاں جی
پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی
عمدہ، غنی، تونگر، بازر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا
یہ پالکی، یہ ہاتھی ہے ذوالفقار[2] خاں کا
خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
جھپیان[3] میگ ڈمبر در پہ ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ ڈیوڑھی ہے خان مہرباں کی
جب راج نے قضا کی کرنی بسولی ٹانکی
یہ باغ یہ حویلی ہے مخلدار[4] خاں کی
اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی
رنگیں محل، سنہرا گھر در ہوا تو پھر کیا؟

لکھوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا
جب آن کر قضا نے نام و نشاں مٹایا
مہریں بڑی کھدائیں، سکہ بڑا بنایا
وہ نام اور سکہ ڈھونڈھا کہیں نہ پایا
دو دن کا مہر چھاپا در پر ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ٹکٹک پایا
لے کر سند اجل کا جب فوجدار آیا
گر بندوبست اپنا نظم و نسق بٹھایا
اک دن میں حکم حاصل سب اڑ گیا پرایا
ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی یہ لشکر ہے طرہ باز خاں کا
آیا کٹک[6] اجل کے جب یکہ تاز خاں کا
یہ خیمہ، شامیانہ ہے شہنواز[5] خاں کا
سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز[7] خاں کا

[1] امیر خاں محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا۔ بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا اس کے سیکڑوں لطائف مشہور ہیں چنانچہ وہ پوت۔ کپوت۔ سپوت والا لطیفہ بھی اسی کا ہے ۱۲ [2] ذوالفقار خاں، اورنگ زیب کا نہایت ہی چست و چالاک اور قابل زبردست سپہ سالار تھا ۱۶۹۸ء میں قلعہ جنجی اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا ۱۲ [3] جھپیان ایک قسم کی عماری نما پالکی جس کا سرد پہاڑوں پر رواج ہے ۱۲ [4] دلی میں مخلدار خاں کا باغ شہر کے باہر چھاؤنی میں واقع ہے جیسا کہ غالب کے ایک فارسی کے رقعہ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ [5] شہنواز خاں ناصر جنگ والی ریاست حیدرآباد کا وزیر یعنی مدار المہام تھا۔ غلام علی آزاد کا معاصر علمی قابلیت خاصی رکھتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی اچھا ذوق تھا ۱۲ [6] ٹکٹک زبان اردو ڈاڑھی میں لشکر کو کہتے ہیں ۱۲ [7] سرفراز خاں شجاع الدولہ کا بیٹا اور مرشد قلی خاں کا پوتا تھا ۱۷۳۹ء میں باپ کا جانشین ہوا۔ نادر شاہ کا حملہ بھی اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ نادر شاہ جب ہند سے لوٹ کر چلا گیا تو علی وردی خاں صوبہ دار بہار نے محمد شاہ وزیر کو کچھ دے لے کر صوبہ داری بنگالہ کی سند حاصل کی۔ حصول سند کے بعد فوج لے کر مرشد آباد پر چڑھ آیا۔ سرفراز خاں گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خاں اس کی جگہ تخت پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا۔ اور حسب وعدہ دہلی کو ایک کروڑ نقد اور ستر لاکھ کے جواہرات بطور نذر روانہ کیے ۱۲ حاشیہ بلا نمبر: کرنی بسولی معماروں کے اوزار ۱۲ مولوی عبدالباری آسی مصحح۔

سردار، میر بخشی بڑھ کر ہوا، تو پھر کیا؟

ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصے گھوڑے اوپر — پانا لکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر
پالے صراحی حقہ دوڑے جلیب[۱] اندر — جب آ اجل پکاری صاحب رہا نہ نوکر

آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

پالے گے اک قلم دان اور رکھ قلم کو سر پر — جوڑے حساب لاکھوں چہرے لکھے سراسر
جب عمر کی کچہری جھانکی قضا نے آکر — پھر آپ نہ قلم دان کاغذ رہا نہ دفتر

منشی، وکیل، دیوان مر مر ہوا تو پھر کیا

پائی قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی — محضر بنائے لکھے قضیے چکائے شرعی
اعلام[۲] نے قضا کا جب آ فنا پکاری — پھر محکمہ نہ جھگڑا، قاضی رہا نہ مفتی

کوڑا البیدہ[۳] درہ در پہ ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر ہو مقرر — فاسق ڈرے ہزاروں اور کانپے چور تھر تھر
آیا قضا کا مردھا[۴] جس دم چھڑی اٹھا کر — کتوالی اور صدارت سب ہو گئی ہوا پر

دو دن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی — ہم شیخ ہم مغل ہیں ہم ہیں پٹھان ہاں جی
جس دم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی — پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی

ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

پالے گے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت — یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے بہیاں جب کر کے اک اشارت — سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں دم میں غارت

مال اور مکان جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا اکھایا — بل دار باندھ چیرا طرے کو جگمگایا
کھیتوں میں جاکے کونڈا لاکھوں کی آنیں بھگایا — جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا

---

[۱] جلیب اندر جلو میں ۱۲ منہ
[۲] اعلام۔ فرمان حکمنامہ ۱۲ منہ
[۳] البیدہ یا البیدا ریاے مجہول۔ سونٹا۔ ایک سزا کرنے کا آلہ ۱۲ منہ
[۴] مردھا اصل میں مردہہ تھا یعنی وہ عہدہ دار جو دس جوانوں پر افسر ہو۔ ایک عہدہ دار جو دیہاتی ہو سرکار کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا ۱۲ منہ بیہاں بھی کی جمع ۱۲ منہ

یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے کودا فوجوں میں ہو دلاور
مارا قضا نے بھالا جب دم فنا کا آکر
مارے تیغے بھالے کھائے کٹار جمدھر[1]
پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی ہوا پر

خود و سلاح جلتہ بکتر[2] ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑکر کھایا بدن میں ٹانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا
مونچھوں کو تاؤ دے کر سو ڈوت دات بانکا
پھر ٹھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

تیغا سپر قرابیں جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت
کھوئے مرض ہزاروں دھوئی ہر اک کی زحمت
مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت
جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

لقمان یا فلاطوں اگر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا
سورج گہن بچارے چندر گہن نکالا
جب وقت اپنا آیا اُن وقت کو نہ ٹالا

جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور علم کر کے حاصل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل
یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
ٹلا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

تعویذ و فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا
پوجا کتھا بجھائی کیا کیا سبد[3] نکالا
پوتھی بغل میں دابی زنار کو سنبھالا
کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

بید و پران پڑھ کر مصر ہوا تو پھر کیا؟

یا زہد بندگی میں سوکھا ہو کوئی عابد
حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد
بیٹھا مصلّوں اوپر ہو مسجدوں میں ساجد
پھر بو رہا نہ بدھنا عابد رہا نہ زاہد

[1] جمدھر: ہر قسم کا خنجر ۱۲ [2] بکتر ایک قسم کی زرہ جو ایسی باریک لوہے کی کڑیوں کا بنا ہوا جامہ ۱۲ [3] سبد (اصح شبد) لفظ کو کہتے ہیں نانک پنتھیوں کی اصطلاح میں سبد گیت کو بھی کہتے ہیں۔ گیتا مہابھارت کا قصہ ۱۲ شیدانہ

روزہ نماز چلّہ اکثر ہوا تو پھر کیا

یا پی کے مے کسی نے کی عیش[1] کامیابی
جب دم قضا نے اپنی جھمکائی[2] اک گلابی
لوٹا نشے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
پھر مے رہی نہ مینا نہ مست نہ شرابی

اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پا کر یا خوب رو کہایا
آ کر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا
یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا
دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

عاشق ہوا تو پھر کیا؟ دلبر ہوا تو پھر کیا؟

یا ہو کے پیرزادے کرنے لگے فقیری
جب پیرہن کی کفنی آ کر اجل نے چیری
کر کر مرید کتنے کی اُن کی دست گیری
سب اُڑ گئی ہوا پہ دم میں مریدی پیری

مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے[3]
میلے کیے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے
یا خود منڈے کہا کر سو روپ رنگ کھیلے
جب آ قضا پکاری جا سو رہے اکیلے

تکیہ ہوا تو پھر کیا؟ بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی، اتیت[4]، جنگم[5]، یا سیوڑا[6] کہایا
ترسول سے قضا کا جب وقت سر پر آیا
یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
نہ بانکے[7] کو ٹھانا، نہ آپ کو بچایا

نانک، کبیر پنتھی پھر کفر ہوا تو پھر کیا؟

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے
آ کر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے
یا بد کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
بھٹے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے

بہتر ہوا تو پھر کیا؟ بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو اور مسلماں، کیا رند و گبر و کافر
جتنے نظیر یاں ہیں اک دم کے ہیں مسافر
نقاش کیا مصوّر، کیا خوش نویس، شاعر
رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر

سلہ عیش زیادہ تر مذکر بولتے ہیں ۔ سلہ جھمکانا چھلکنا چھلکانا ۔ جھبکانا ۔ پانی کھنڈانا ۔ پانی گرانا ۔ پانی اونڈھانا ۱۲ سلہ نویلا ۔ تازہ ۔ نیا جدید ۱۲ سلہ اتیت ایک قسم کے ہندو فقیر ۔ گسائیں سلہ جنگم ۔ جین مذہب کا فقیر ۱۲ سلہ سیوڑا ۔ ایک قسم کا فقیر جس کے سر پر جٹا میں سلائی ہیں اور ہاتھ میں گھنٹا ۱۲ سلہ بانکا ۔ چھیلا ۱۲ آسی

دو چار دن کی خاطر یاں گھر ہوا تو پھر کیا؟

(۲۶)

مراتب دنیا محض بے ثبات ہیں

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ

گر بادشاہ ہو کر عمل ملکوں ہوا تو کیا ہوا؟
غل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا تو کیا ہوا؟
دو دن کا زر سنگار بجا جیوں بھوں ہوا تو کیا ہوا
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا تو کیا ہوا؟
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ں ہوا تو کیا ہوا

دو دن تو یہ چرچا ہوا گھوڑا ملا ہاتھی ملا
آگے کو نقارہ نشاں پیچھے کو فوجوں کا پرا
[illegible]
بیٹھا اگر ہو دے اوپر یا پالکی میں جا چڑھا
دیکھا تو پھر اک آن میں باقی نہ گھوڑا نہ گدھا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ں ہوا تو کیا ہوا

یا دولت و اقبال سے پہنا زری اور بادلا
آخر نہ وہ دولت رہی نہ آپ نہ وہ گھر رہا
مسند سنہری زری بچھا کمخواب کے تکیے لگا
مسند کہیں جاتی رہی تکیہ کہیں پھرتا پھرا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ں ہوا تو کیا ہوا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے اور عیش کے اسباب تھے
یا بیکسی کے درد سے بے حال تھے بے تاب تھے
ساقی صراحی گلبدن جام شراب ناب تھے
آخر جو دیکھا دوستو سب کچھ خیال و خواب تھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ں ہوا تو کیا ہوا؟

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وہ
ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہے سب [illegible]
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وو ں ہوا تو کیا ہوا؟

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
اور اڑ گئی دولت یہ پھر اسباب کے تختے کہاں
ہر دم تکبر کے سخن ہر آن میں مغرور بیاں
آ کر فنا حاضر ہوئی سب مٹ گئے نام و نشاں

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر
میوے مٹھائی با مزے حلوائے تر شیر و شکر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر در بدر

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

یا دولتوں کا سامنے آ کر تھا ایک دریا بہا
یا ہو کے مفلس بینوا پھرتا ہے دانے مانگتا
لے کر زمیں تا آسماں دولت میں بھرتا تھا پڑا
جب آ گئی سر پہ اجل اک دم میں سب کچھ مٹ گیا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
جب وقت چلنے کا ہوا نہ یہ رہا نہ وہ رہا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہو
یا لذتیں یا راحتیں یا ظلم یا بیداد ہے
واں عیش و عشرت کے مزے یاں نالہ و فریاد ہو
کچھ رہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب برباد ہو

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

جو عشرتیں آ کر ملیں تو وہ بھی کر جانا میاں
یا سکھ میں یا دکھ میں غرض یاں سے گزر جانا میاں
جو درد و دکھ آ کر پڑیں تو وہ بھی بھر جانا میاں
یاں چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا میاں

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

اب دیکھ کس کو شاد ہو اور کس پہ آنکھیں نم کرے
یا دل کو رو دے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
یہ دل بچارا ایک ہے کس کس کا اب ماتم کرے
یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جوتی خم کرے

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

گر تو نظیرؔ اب مرد ہے تو جال میں بھی شاد ہو آزادگی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو	دستار میں بھی ہو خوشی رومال میں بھی شاد ہو اس حال میں بھی شاد ہو اُس حال میں بھی شاد ہو

گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

(۶۷)

رہے نام اللہ کا[۱]

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا زردار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا	نہ صاحب مقدور، نہ ناکام رہے گا شادی نہ غم گردشِ ایام رہے گا

نہ عیش نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے بڑا گنبد ازرق لوح و قلم و عرش بریں ثابت[۲] و مطلق	یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جائے گا ہُو حق[۳]

آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

لے عالم ارواح سے تا عالم جنّات کیا ابر و ہوا کوہ و بحر ارض و سمٰوات	انسان و پری حور و ملک جن و خبیثات اک پھونک میں اُڑ جائیں گے جوں نقش طلسمات

ہشیار، نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور	یا کشف کرامات میں ہے صاحب مقدور اک دم میں پلک مارتے ہو جائیں گے سب دُور

مستور نہ مشہور نہ گم نام رہے گا

[۱] یہ نظم نظیرؔ کی بہت مشہور اور پسندیدہ نظموں میں ہے۔ نام اس کا نظیرؔ نے کچھ نہیں رکھا۔ اُس نے عنوان فارسی لکھا تھا جس کا خلاصہ تحقیق کی اُردو میں یہ ہے "جہان کی فنا اور رحمٰن کی بقا"۔ عبدالرحمٰن خاں شاگرد نے اس نظم کو بلقب "فنا نامہ" ملقب کیا غالباً تقلیباً۔
[۲] ثابت وہ ستارے جو ایک جگہ قائم ہیں۔ مطلق سے مراد سیارے ۱۲۔
[۳] ہو حق ہو جانا فنا فی اللہ ہو جانا، مٹ مٹا جانا۔ نیست و نابود ہو جانا ۱۲ شہباز

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختار ہی کے خطرہ سے جو کرتے ہیں سدا کام — یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردش ایام — اک آن میں اُڑ جائے گا سب چیز کا الزام
مختار، نہ مجبور، نہ خود کام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار — سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک وار — اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات — یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات — پھر صاف ہو دونوں کی گنہگاری و طاعات
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں — جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن — عاشق تو قلندر رہیں نہ ہندو نہ مسلمان
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو — دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو — اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیرو
نہ ملک، نہ دولت، نہ سر انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار
آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا آپ چاہیئے کر لیجیے بیوپار
پھر جنس نہ دلاّل نہ مالک نہ خریدار

نہ نقد، نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی گھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات
یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں کیا یہ ہوادار مکانات
اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنے کی نہیں ہات

دالان، نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول
یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول
آجاوے گی جب باد خزاں اُنکے اُپر بھول
ہر خار کی ہر پھول کی اُڑ جاویگی سب دھول

نہ زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مے خوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے ملاقی
ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب وثاقی[1]
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی
فرصت ہے غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی

نہ مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ
آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ شخص کہاں جا کے رہے اے مرے اللہ
اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نہ عشق نہ عاشق نہ دل آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد
لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز وہ بیداد

[1] وثاق معاہدہ کرنا۔ باہم عہد باندھنا۔ وثاقی عہد بستہ۔ محبوب وثاقی وہ معشوق جس نے وفاداری کا عہد باندھا ہو۔ دوستی کا پکا۔ عہد کا مضبوط وفادار۔ راسخ العہد۔ شہباز

جو پھول کھلے زاہ وہ سب ہو گئے برباد | ہم تم بھی غنیمت ہیں سُن او یار پری زاد

واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

محبوب بنا جس نے تمھیں حسن دیا ہے | اُس نے ہی ہمیں عاشق جاں باز کیا ہے
ملنا ہے تو مل یونہی جینے کا مزا ہے | سب ناز و نیاز آہ یہ اک دم کی ہوا ہے

پھر ہجر نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ملنے سے ہمارے جو تمھیں آتا ہے الزام | آنے دو پہ تم ہم سے ملے جاؤ سحر شام
پھر حسن کہاں اپنے رکھو کام سے تم کام | جھک مارتے ہیں وہ جو تمھیں کرتے ہیں بدنام

طوفان نہ بہتان نہ الزام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی | آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنا یا کوئی قصہ کہ کہانی | کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی

خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(۶۸)

طلسم زندگی

فرصت حیات و کثرت و تنوع واردات

آہ کیا کہیے رہی یاں جب اک بنی حیات | مجھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جینے جی کے سات

ایہام کوئی کلام کی قسم نہیں ہے بلکہ ایک صنعت کا نام ہے جس کا قدماے شعراے اُردو میں بہت رواج تھا چنانچہ آبرو کا شعر ہے صلہ یاں بت آن آ چھوڑ جو کنور تم چلے تو راہ بیچ جاں والے کیسی اسکی زبان شیریں ہے دل میرا قفل ہے تماشے کا اس قسم کے کلام کو مجازاً ایہام کہنے لگے۔ مثلاً فلاں شاعر ایہام خوب کہتا ہے یعنی اپنے کلام میں صنعت ایہام نہایت لطافت و خوبی کے ساتھ برتتا ہے ۱۲ شاہ نظیر کی لفظوں میں اس قسم کی چند مثالیں نظیر کی کائنات میں ہو سکتی ہے ۔

جب موئے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات ‖ زندگی اپنی تھی کل چونسٹھ گھڑی کی کائنات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے ‖ صاحب تاج و نگیں فرماں روا بھی ہو چکے
مالک ملک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے ‖ عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ ‖ بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوانِ شاہ
محتسب کتوال قاضی صدر مفتی اہل جاہ ‖ اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے ‖ صاحب کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل فقیہ و جاہل و عاقل ہوئے ‖ تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے ‖ پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سسرے بھائی ماموں اور چچا تایا ہوئے ‖ تھی یہی فرصت اسی میں دیکھیے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر ‖ مسجد و تالاب و مندر حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر ‖ تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

لے تایا بڑے چچا کو کہتے ہیں ۱۲

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم دل ربا بھی ہو گئے
عاشق و فاسق اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
پُر گنہ مست و خراب و پارسا بھی ہو گئے
تھی یہی فرصت اسی میں تھا جو ہونا ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کوٹھی زر کی بھر گئے
لیں ہزار اجناس بھی اور بن کے سوداگر گئے
خاک چھانی اور ضرر اور نفع کیا کیا کر گئے
تھی یہی فرصت انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کھیتیاں بھی بو گئے
شحنہ و عامل مقدم ہو کے قانون گو گئے
پھر سپاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے
تھی یہی اس میں تھا جو ہونا سو ہو کر ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات
لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات
دیکھی ہولی دوالی عید بھی اور شب برات
پھر اسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر
سب کیے ہم نے یہاں اس حال میں ہو کر اسیر
طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بنکے پیر
پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیر

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات

نہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

(۶۹)

فنا

تنبیہ الغافلین

جہاں ہے جب تلک یاں سیکڑوں شادی و غم ہونگے
کنار و بوس اور عیش و طرب بھی دم بدم ہونگے
ہزاروں عاشق جانباز اور لاکھوں صنم ہونگے
مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہیں یہ سب عدم ہونگے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

تمہارا اب ہے جتنا حسن کا عالم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا دم غنیمت ہے
اگر ہے بیش تو بہتر وگرنہ کم غنیمت ہے
بھروسا کچھ نہیں دم کا عزیزو دم غنیمت ہے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

چمن میں چل کے بیٹھو اور صراحی جام منگواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمیں ہنس ہنس کے بوسہ دو
پیو بھر بھر کے ساغر تم بھی اور ہم کو بھی پلواؤ
اجل کا فکر گھڑی ہر سر پہ لے دلدار سنتے ہو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہماری چشم میں آئے تمہارے عارض گلگوں
گھڑی بھر بیٹھ کر ہم پاس کر لو عیش بوقلموں
غرض تم وقت کے لیلی ہو پیارے اور ہم مجنوں
کسی کے کہنے سننے پر نہ جاؤ دیکھو کہتا ہوں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اُچھل لو کود لو ہی جب تلک یہ زور نلیوں میں
ہنس لو ساتھ اور سیریں کرو پھولوں کی گلیوں میں
غنیمت ہے یہی دم اب جو گذرے رنگ لیوں میں
بکھر گی پھر تو آخر تن کی اُڑتی خاک گلیوں میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر سینہ ہمارا تم نے چکی کی طرح دلا ہا
موے پر کس نے پوچھا دل برا اور کس نے پھر جلایا
تو اب جلدی گلے مل کر لگا دو عیش کا پھاہا
ہمیں تو رونا آتا ہے یہی کہہ کر اہا ہا ہا!

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

جو آگے عاشق و معشوق تھے سب مل گئے گِل میں
نہ قاتل میں رہا جی اور نہ اُس قاتل کے بسمل میں
اجل کی تیغ سے دونوں کے تکّے اڑ گئے پل میں
تو بس اے دلبر و تم بھی یہی اب جان لو دل میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر تم نے ہمارے دل کو دکھ دیدے کے ترسایا
گیا جب وقت کافر ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آیا
غلط فہمی تمھاری یا کہ جس نے تم کو سکھلایا
غرض ہم نے تو اب بھی اور تمھیں آگے بھی سمجھایا

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمارے اور تمھارے حق میں ہے اب تو یہی بہتر
کبھی لپٹیں گلے سے اور کبھی مے کے پئیں ساغر
کریں دیکھیں چاندنی اور سیر دریا کی کریں جا کر
یہی کہنے کو رہ جاوے گا آخر اے مرے دلبر

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے

میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر برسات ہو یا ابر ہو یا مینھ برستا ہو — پہن پوشاک رنگیں اور بہار سے بریاں آ بیٹھو
ادا و ناز و غمزے جو نچلے کرنے ہوں سو کر لو — فلک کب چین دیتا ہے مری جاں پھر تو آخر کو
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے ہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اُدھر واں حسن کی مستی اِدھر یاں عشق کی لے ہے — چمن ہے ابر ہے ساقی صراحی جام اور مے ہے
جو کرنا ہو سو کر لو اس گھڑی سب عیش کی شے ہے — غضب ہے قہر ہے جب جی نکل جاویگا پھر اے ہے
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے ہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ابھی یاں اُلفتیں بڑھتی ہیں اور واں نازکی گھاتیں — غنیمت ہیں طمانچے پیار کے اور چاہ کی لاتیں
جب آنکھیں مند گئیں سب ہو چکیں چتون اشارا تیں — کہاں پھر دن مزے کے اور کہاں یہ عیش کی راتیں
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے ہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمیں ہے بیقراری اور تمھیں ہر دم طرحداری — غنیمت ہے ہماری اور تمھاری گرم بازاری
نظیرؔ اب کیا کہے آگے غرض آخر بلا جاری — کہاں پھر ہم کہاں پھر تم کہاں اُلفت کہاں یاری
نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے ہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

---

(٧٠)

فنا

انسان خاک کا پتلا ہے آخر خاک ہی میں اسکو ملجانا ہے

دنیا میں کوئی شاد کوئی دردناک ہے
یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے
ناپاک ہے پلید نجس یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اُس جا بڑا ظہور
لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جس کا نور
گذرے ہے اُن کی قبر پہ جب وحش یا طیور
رو رو یہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جب کہ اولیا اور انبیا اُٹھے
اجسام پاک اُن کے اسی خاک میں رہے
روحیں ہیں خوب حال میں روحوں کے ہیں مزے
پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ
حشمت میں جن کی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی اُن کے تن ہوئے گلیوں کی خاک راہ
اب اُن کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کج کلاہ
تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ تھے رشک ماہ
جاتی ہے ان کی قبر پہ جس دم مری نگاہ
روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کہہ کے دل میں آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ گورے گورے تن کہ جنھوں کی تھی ڈلیں جائے
ہوتے تھے میلے اُن کے کوئی ہاتھ گر لگائے
سو ویسے تن کو خاک بنا کر ہوا اُڑائے
رونا مجھے تو آتا ہے اب کیا کہوں میں ہائے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

منعموں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا
مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اُوپر پڑا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا
دونوں کو خاک کھا گئی یارو کہوں میں کیا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

اگر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن
اور اک یونھیں پڑا رہا بیکس برہنہ تن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن
دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں ناج ہیں کنگنی سے تا گیہوں
اور جتنے میوجات ہیں تر خشک گونا گوں
کپڑے جہاں تلک ہیں سپید و سیہ نموں
کمخواب تاش بادلہ کس کس کا نام لوں
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں دیکھو ہو بوٹے سے تا بہ جھاڑ
بڑ پیپل آنب نیب چھوارا کھجور تاڑ
سب خاک ہوں گے جبکہ فنا ڈالے گی اکھاڑ
کیا بوٹے ڈیڑھ پات کے کیا جھاڑ کیا پہاڑ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا
پھر خاک اُس کو ہونا ہے یارو جدا جدا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا
زر سیم کوڑی لعل زمرد اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گڑھ کوٹ توپ رہکلہ تیغ و کمان و تیر
باغ و چمن محل و مکانات دل پذیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی خاک میں خمیر
میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

فنا

موت کے آگے علم و فضل سب ہیچ ہے

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل ذی ادراک ہوئے
معقول پڑھی منقول پڑھی ہر منطق میں چالاک ہوئے
اور لاد کتابیں اونٹوں پر ہر معنی کے دراک ہوئے
یاں جتنے علم کے دریا ہیں ان دریا کے پیراک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

رمال نجومی جفری ہو یا غیبوں کے احکام کہے
منہ دیکھ اجل کی شکلوں کا سب داخل خارج بھول گئے
کل تارے جہان لیے سارے اور پھینکے تختوں پر قرعے
نہ رمل جفر کچھ پیش گئے نہ تختے قرعے کام آئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یاں پڑھ کر علم طبابت کا
جب موت مرض نے آن لیا سب بھولے نبض اور قارورا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
گو نسخے لاکھ مجرب تھے پر کام نہ آیا ایک نسخا

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

لے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہوئے سپاہی متصدی
جب کلک قضا نے حرف لکھے اور سیف اجل کی چمکی
دن رات لڑے گڑھ کاغذ سے شمشیر کھنچی اور قلم چلی
یاں فرد طلب کٹ ڈب گئے واں تیغ سپر بھی پٹ پڑ گئی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوئے یا کھود زمین کو کھیتی کی — لکھ ڈالیں بہیاں لاکھوں کی ہو ڈالی دھرتی ہری بھلی
جب ہنڈی آئی مالک کی اور آکر جم[۱] کی بھیج[۲] لگی — یاں کوٹھی کوٹھے بیٹھ گئی واں کھیتی باڑی کھیت رہی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا مست شرابی رند ہوئے یا زاہد تا مقدور ہوئے — یا پیر بنے دل شاد ہوئے یا چیلوں میں مسرور ہوئے
جب عمر کے پیالے دونوں کے آ ساعت پر معمور ہوئے — یا جپتے تسبیح نور ہوئے واں پیالے شیشے چور ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

اس دنیا کی دھن دولت میں گر شاہ سلیمان جاہ چلے — یا ٹھہرے میر وزیر اعظم یا راجہ بن کر راہ چلے
منھ دیکھ اجل کے لشکر کا تب لے کر گھر کی راہ چلے — نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نہ تخت چھتر ہمراہ چلے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

سب چھوڑ فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے — یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا اجلے پوند گونٹ گئے
سنگ اور قضا کے سونٹے سے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے — یاں سیلی تاگے ٹوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عاقل یا معقول ہوئے — یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے — کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب نت اسی میں دھول ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

گر بیر تجلی زہر ہوئے یا بخشش میں تریاک ہوئے — یا نخل ہوئے پر میووں کے یا خالی پانوں ڈھاک ہوئے

[۱] جم و موت ملک الموت ۱۲
[۲] بھیج مالگزاری لگان. قسط ۱۲
شہباز

یا عمر گزاری عشرت میں یا سو غم میں غمناک ہوئے
پھل پھول کھلائے گلشن کے یا کلیوں کی خاشاک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

حکاک مصوّر زرگر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
یا پھیری سے دوکان بسی یا جنگل جنگل بیشے تھے
بس اے نظیر اب کیا کہئیے سب ناحق کے اندیشے تھے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

(۷۲)

بعد از فنا

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں
دل چسپ دل فریب پیاری سواریاں
پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سُلا
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جا بجا
اُس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ
ہو دوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
جن پر کسیں عماریاں رخشندہ رشک ماہ
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے
ٹاپیں بھی ہنہناتے رہے چھوٹے اور بڑے
جن پر سنہرے زین جواہر کے تھے جڑے
مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زرنگار
لالا لکی پہ موت نے جب کر لیا سوار
جھالر[1] پہ جس کی ہوتے تھے موتی جڑے نثار
پھر وہ نہ پالکی نہ جھالر نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن جن میں چھیل چھبیل
رتھوبان نے اجل کے جو ہیں کر لیا دبیل
بجتے تھے زنگ[2] اور بھتے کلس ان کے جوں سہیل
پھر کس کی چھتری بیٹے کہاں اور کہاں کے بیل

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ گاڑیاں جو دوڑیں تھیں گھوڑوں سے بیشتر
پہیّا قضا کے ہاتھ سے جب الٹا آن کر
ناگوری ان کے ہاتھی کے پاٹھے تھے خوب تر
گاڑی ادھر الٹ گئی مالک گرا ادھر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھڑ بہل[3] فیل بہل شتر بہل راہ وار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار
ہرنوں کی بہل بکری بہل گھنٹے گھنگرو دار
پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

[1] جھالر: جھالے، کرن، مسلسل آنچل، بھندنے ازقسم خواہ مقیش تار جو مسند یا جھول وغیرہ کے گرداگرد لگاتے ہیں) ۱۲

[2] زنگ: گھنٹالی، گھنگرو، گھنٹی۔ ناسخ سے: مری لیلیٰ کو یاں اگر لائے + باندھوں ناقہ میں زنگ سونے کا + ۱۲ شمار

[3] گھڑ بہل، شتر بہل، فیل بہل یہ سب زمانہ قدیم کی سواریاں تھیں ۱۲ آسی

جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ محافہ اور وہ چنڈول[1] جھپّیاں | وہ پینسیں، وہ بوچے[2]، وہ چوپالے[3] خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھٹ کھٹے[4] پہ پردہ داں | بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا میاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

چھکڑے، لڑھے[5]، رہکلے[6] شتر بہل اور خچر | ٹٹو، حمار، بھینسے، وہ لدنے کے گورخر
مالک چلا جو موت کے تانگے کو چھیڑ کر | بھینسا گیا نہ ساتھ، نہ ٹٹو نہ گاؤ خر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اجل کا ہوا آن کر اسیر | گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب ان دیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر | یہ بات تو عیاں ہے کہوں کیا میاں نظیرؔ

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

(۷۳)

پیری کی سواری
اور
سفر آخرت کی تیاری

جب مار اجل کا آ پہونچا ٹک اسکو دیکھ ڈر دبا با | اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھر دبا با
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مرو بابا | جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

[1] چنڈول کھپال محافہ، ڈولا، ایک زنانہ سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں ۱۲
[2] بوچا ہوادار، سکھاسن ایک قسم کی امیروں کی سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں ۱۲
[3] چوپال (چوپہلا) ایک قسم کا ڈولا ۱۲
[4] کھٹ کھٹا یا ہلکی پالکی ۱۲
[5] لڑھا۔ چھکڑے کی قسم کی ایک گاڑی ۱۲
[6] رہکلا ایک قسم کی گاڑی جس پر توپ چلتی ہے ۱۲
[7] اس نظم کو کتاب میں تو "فقیروں کی صدا" کے ذیل میں لکھا ہے۔ لیکن فقرا "کیرٹی نامہ" کہتے ہیں اور اس وجہ سے کہ ٹیپ میں کیرٹی کا لفظ بار بار واقع ہوا ہے ۱۲ شہباز

ترجیع

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو
خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا مان کرو
کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا کچھ دھیان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو تو اپنا جینے سے اب دو گلے کو یوں مت کاٹو
اب چاٹ فنا کی نمک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو
دھن چھوڑو حصہ تجربے کی دربھاجی اپنی تم بانٹو
ناکند بچھیڑے کو دیکھے اب اور دولتی مت جھاڑو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیائی گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت سب کو حیران کرو
اور پوپلے منہ سے روٹی کو مت مل کر لکان کرو
اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

لال جھاجی ترکاری
یعنی خوانی اسلام
ناکند بچھیڑا، وہ
گھوڑے کا بچہ جو
ابھی ایک برس
کا ہو اور جس کے
سپید الیشی دانت
نہ گرے ہوں۔
یہ نہایت سرکشی
ہوتا ہے۔ دولتی
جھاڑنا مراد
سرکشی اور بدچالی
کرنا یعنی سب سے
برے کام کرچکے
اب یہ باتیں نہ
کیجے جاؤ ہمیں

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ سے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی نکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی ، دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خورسند کرو
یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ فند کرو
بس بہت تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

بیوپار تو یاں کا بہت کیا اب واں کا بھی کچھ سودا لو
جو کھیپ ادھر کو چڑھتی ہے اس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اس راہ میں جو کچھ کھاتے ہیں اس کھانے کو بھی منگوا لو
سب ساتھی پہنچے منزل پر اب تم بھی اپنا رستا لو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلنی ہے
یہ ہڈی پسلی جتنی ہے یا گھلنی ہے یا جلنی ہے
ہر رات جو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں یہ بھی ڈھلنی ہے
اٹھ باندھ کمر سویرے سے تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئے گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ دولت کام نہ آوے گی مت اسکو تم زنجیر کرو
جو پار اُتارے دریا سے اُن باتوں کو گو سیر کرو
یہ خاک بدن کی پارا ہے مت مار اسے اکسیر کرو
اب ناؤ کنارے آ پہنچی اب چڑھنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکرو کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں کیا آج چلو یا کل نکلو
اب شام نہیں اب صبح ہوئی جوں گم گھل کر ڈھل نکلو
کچھ کپڑا لتہ لینا ہو سو جلدی باندھ سنبھل نکلو
کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرائے کا یارو صندوق جنازہ یاری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے تھے یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے
جب اس پر ہو اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نہ عماری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیر تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

(۷۴)

بنجارا

دنیا کا سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونی پلا سر بھارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاویگا
یا سود بڑھا کر لاویگا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراویگا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاویگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاویگی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چپنی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جان اوپر
نقارے نوبت بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکان کیا چوکی کرسی تخت چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پہ بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

داکھ کشمش ۱۲
ہانڈنا پھرنا
گشت لگانا
چپنی مٹی کا ڈھکنا ۱۲
[illegible]
چھپر [illegible] مکان کے اوپر
[illegible] چاروں دروازے یا
چاروں طرف
لکڑیاں ہوتی ہیں
[illegible]

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا بقچے تاش مشجر کے کیا تختے شال دوشالوں کے

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے کھم تیرے تن کا ہے پولا
کیا ریتی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا
تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے منہ کھولا
گڑھ کوٹ رہکلہ توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا مندر مسجد تال کنویں کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

سلہ پٹا توڑ کر بھاگنا
جلدی سے بھاگ گیا
کافور ہو جانا رفو چکر
ہو جانا [illegible]
[illegible] تاش
زری۔ ایک قسم کا
زری کا ریشمی کپڑا
مشجر۔ بیل دار اور
پھولدار کپڑا ۱۲
سے کھم کھمب پولا
جو چیز اندر سے
خالی اور نرم ہو
کھکھل۔ کوٹ
قلعہ ۱۲ [illegible]
ریتی قلعہ کے گرد
کی چھوٹی دیوار ۱۲
[illegible]
دیوار قلعہ یا شہر پناہ
کے وہ رخنے جو غنیم
پر اندر سے بندوقیں
چلانے کے واسطے
چھوڑ دیتے ہیں ۱۲
[illegible]
[illegible]
دیوار [illegible]
[illegible]
کہاں [illegible]
[illegible]
چھوٹی توپ [illegible]
[illegible]
[illegible] توپ [illegible]

کاٹی۔ مغرور نہ ۱۲ ٹ ۵ بعض نسخوں میں یہی پہلا مصرعہ ہے اور پہلا مصرعہ دوسرا ۱۲ تھا۔



اندھیری

لائی ہے جب اپنا یہ شروعات[۱] اندھیری دیتی ہے غریبوں کو مکافات اندھیری		کرتی ہے اُجالے کے تئیں مات اندھیری دکھلاتی ہے خوباں کی مُلاقات اندھیری

ہر عیش کی کرتی ہے عنایات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار گر اس میں کہیں شور و یا غل ہوا اک بار		جو شوخ ملا شوق سے جا بھڑ گئے للکار ایدھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم مار

بر لاتی ہے اس ڈھب کی مہمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جب یار چلا اوڑھ کے کالا ساد و شالا جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا		کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا منھ اُس کے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا

کیا وصل کا رکھتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

[۱] شروعات ایک مخلوط لفظ ہے بعض فصحا شروع کی جمع میں شروعات لانا درست سمجھتے ہیں اور بعض غلط۔ لغت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ اکثر اس عنایت کی جگہ عنایات، سمت کی جگہ سمات، کرامت کی جگہ کرامات، طلسم کی جگہ طلسمات وغیرہ بھی لائے گئے ہیں۔ ستہ کرامات فی زمانا مؤنث بولا جاتا ہے ۱۲ آسی

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے — چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے — اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے

اس ڈھب کی تو رکھتی ہے عجب گھات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی سے کے گلابی[1] — اور عیش جو کرنے لگے ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی — گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اس کی بہ ساتھ غیر کے کھٹکے — چھپ چھپ گئے اُٹھ دونوں ہی نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اُس نے ڈھبک ڈھوے[2] جو مارے — کتنا ہی ٹٹولا جو اُجالا ہو تو پا دے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

معمول ہے جب چاند کا چھپتا ہے اُجالا — ہوتا ہے عجب کھیل پہ پردے وہ بالا
محبوب پری شکل صراحی دیا لا — نہ روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا

اس لوٹ کی کرتی ہے مدارات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس کوچے میں چاہا وہیں کرنے لگے پھیری — بیٹھے کہیں اُٹھے کہیں جلدی کہیں دیری
اور اس میں کہیں مل گئی گر حسن کی ڈھیری — پھر جب تو نہ کہہ میری نہ میں کچھ کہوں تیری

کام عیش کے لاتی ہے لگا سات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھا شوخ سے کل رات عجب سیر کا کھٹکا — بوسوں کی مدارات کا سینوں کی لپیٹ کا

---

[1] گلابی ایک قسم کی بوتل یا صراحی جس میں شراب یا گلاب رکھتے ہیں ۔
[2] ڈھبک ڈھوے ۔ ادھر اُدھر سری ڈھونڈھنا ہے

آیا جو چنچل خور تو سیندہ وہیں سٹکا
وہ ٹکریں کھاتا ہوا پھر تا رہا بھٹکا

رد کرتی ہے سب سر کی بلیات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظر آہ
سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہمراہ
نکلے تھے ہمیں ڈھونڈھنے اُس دم کئی بدخواہ
مل مل بھی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ

کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۷۶)

برسات کا تماشا

اہل سخن کو ہے گا اک بات کا تماشا
اور عارفوں کی خاطر ہے ذات کا تماشا
دنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا
ہم عاشقوں۱؎ کو ہے گا سب گھات کا تماشا

آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے
لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر سے برسے

آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اُٹھا کر
ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سُنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آکر

آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جب یہ نوید پہونچی صحرا میں ایک باری
ہونے لگی وہاں پھر برسات کی تیاری
چشموں میں کوہ کے بھی ہوئی سب کی انتظاری
موسم کے جانور بھی آتے ہیں باری باری

۱؎ عاشق سے وہ لوگ مراد ہیں جو سیاحتی اور نیچر کی سیر کے دلدادہ عاشق ہیں ۲؎ میگھ راجہ بادلوں کا راجہ فرشتہ جو بدلیوں پر موکل ہے یعنی رعد ۳؎ شہباز

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں سے پھر آ گھٹا جو چھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جن صاحبوں کے دل کو کچھ عیش سے ہو بہرا
ہر طرف آب سبزہ اور گلبدن سُنہرا
وہ اس ہوا میں جا کر دیکھیں ہیں کوہ صحرا
جنگل میں آج منگل کس کس طرح کا لہرا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کوئی اپنے دلربا سے کہتا ہے دیکھیں جنگلاؔ
اور ساغر و صراحی مے کی تو اپنے سنگ لا
چہرے کو تو گلابی یا گل انار رنگ لا
پی پی لنشوں میں سیریں دیکھیں بنا کے بنگلا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر گلبدن کے تن میں پوشاک ہے اکہری
صحن چمن میں ہے جو بارہ دری سُنہری
پگڑی گلابی، ہلکی یا گل انار گہری
اُس میں سبھوں کی آ کر ہے بزم عیش ٹھہری

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معشوق عاشقوں میں کیا بزم بانمک ہے
جھنکار تال کی ہے اور طبلے کی کھڑک ہے
شیشہ گلابی ساقی اور جام اور گزک ہے
گوری ملار کے ساتھ آواز کی گمک ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آ کر کہیں مزے کی ننھی پھوار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے
چھینٹوں کا رنگ جھٹ کر حسن و نکھار برسے
چھاجوں اُمنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا
وحش و طیور ہر اک مل کے ہے نہاتا
برسے ہے مینہ جھڑ اجھڑ پانی بہا ہے جاتا
غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا

لہ جنگل کا سماں
ایک قسم کا پھولدار
کپڑا ۱۲ اشتہار

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

گلشن میں آ بھرے ہیں سب گلبدن نکیلے — ساتھ اُن کے لگ رہے ہیں عاشق جو ہیں رنگیلے
کہتا ہے کوئی کسی سے اے دلربا ہٹیلے — ایک ہی گلابی مُے کی ہاتھوں سے میرے پی لے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینھ کی دھاریں — اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں — اور مور مست ہو کر جوں کوکلا چنگاریں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹائیں آ کر مینہ مست تل رہی ہیں — دستاریں سُرخ اس میں کیا خوب کھل رہی ہیں
رخساروں پر بہاریں ہر اک کے ڈھل رہی ہیں — شبنم کی بوندیں جیسے ہر گل پہ ٹل رہی ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کی کالی راتیں اور برق کے اشارے — جگنو چمکتے پھرتے جوں آسمان پہ تارے
لپٹے گلے سے سوتے معشوق ماہ پارے — گرتی ہے چھت کسی کی کوئی کھڑا پکارے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہاتھوں میں ہیں ہر اک کے پھولوں کی لال چھڑیاں — بجلی چمکتی پھرتی اور لگ رہی ہیں جھڑیاں
گل بوندوں کے جو اوپر بوندیں ہیں مینھ کی پڑیاں — برسیں گویا ہزاروں اب موتیوں کی لڑیاں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر ایک اُن میں بہتر محبوب گلبدن ہے — خوبی میں برگ گل سے بہتر ہر اک کا تن ہے
تس پر یہ ابر باراں اور گل ہے اور چمن ہے — عاشق کے دل سے پوچھو کیا عیش کا چلن ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

شہروں کے بیچ ہر جا عمدوں کے جو مکاں ہیں — باراں کے دیکھنے کی بام و اٹاریاں ہیں
بیٹھے ہوئے بغل میں معشوق دلستاں ہیں — ہر رنگ ہر طرح کی مے کی گلابیاں ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نکلے سبھوں نے ہر جا اونچے چھوائے زردے
پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زردے
میوے مٹھائی انبہ انگور اور سردے
برسے ہے ابر باراں کھلوا دیے ہیں پردے
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

اب شہر میں جہاں تک اوباش پیشہ ور ہیں
معشوق ہیں بغل میں محبوب سیم بر ہیں
بیٹھے دکان اوپر بے خوف و بے خطر ہیں
اور سب غریب غربا دل شاد اپنے گھر ہیں
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آگے دکان کے نالا ہے موج مار چلتا
کوئی چھپکتا پانی اور کوئی ہے پھسلتا
عالم طرح طرح کا آگے سے ہے نکلتا
ٹھٹھا ہے اور مزا ہے آب عنب ہے ڈھلتا
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معمور ہیں جہاں کی سب تال اور تلیاں
اور ڈالیاں چمن کی بوندوں سے جھک رہی ہیں
سب بھر رہا ہے پانی اور سیر امبریاں
بادل بھرے ہیں جیسے معشوق ہیں دوگنیاں
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہے جو نظیر جن کی دھوم میں اگستیاں ہیں
معشوق ہیں بغل میں اور مے پرستیاں ہیں
سب سے زیادہ اُس کو اب عیش مستیاں ہیں
شعروں سے موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۷۷)

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

لہ غرباء بالفتح درست ہے ۱۲
ئہ آب عنب شراب انگوری
ئہ امبریاں آموں کا باغ۔ عام طور امریاں بولتے ہیں ۱۲
ئہ تر و تازہ شاداب ۱۲ سی

معشوق ہیں بادل بھرے ہیں جن سے زیادہ دوگنیاں

(شعروں سے مراد ...)

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر[۱] دریا ڈونڈ[۲] رہے ہیں
مور و پپیہے کوئل کیا کیا رُمنڈ[۳] رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں
برسے ہے کہ مینھ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ[۴] رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے[۵] نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگا دیں
جھینگر جھنگار[۶] اپنی سُرنائیاں[۷] بجا دیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بُلا دیں
پی پی کریں پپیہے مینڈک ملاریں گا دیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے
بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بماہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یا رب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

لے ڈابر جوہڑ سا تالاب یا جھیل جہاں نشیب کی وجہ سے پانی جمع ہو جائے۔ ۲ ڈونڈنا جوش مارنا۔ ۳ رمنڈنا غل مچانا ۴ گھمنڈنا۔ گھمنڈ کرنا ۱۲ ۵ نقارہ۔ بتشدید قاف صحیح اور فصیح ہے ۱۲ ۶ جھنگار جھینگر کی آواز ۷ سرنائی ایک باجا۔ یہ سورنا کا مخفف ہے۔ نفیری وغیرہ ۱۲ آسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا
اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا
یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو
پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گر گر گھن گھور ناچتے ہیں
مینڈک اُچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن ٹھن
سوہتے ہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار برن
کتنوں کے گھر ہی کھانا سونا لگے ہے آنگن
کونے میں پڑ رہی ہیں سر منہ لپیٹ سوگن

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں اتنی رات ساری
جو غم میں ہیں اُنھوں پر گذرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری
چھاتی پھٹے ہے اُن کی جو ہیں برہ کی ماری

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں اُن کے جوڑے مہک رہے ہیں
جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو اُن کے سینے پھڑک رہے ہیں
آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری
ہر بوند مارتی ہے سینے اُپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری
ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری

لہ اُٹں ہدہد کی آواز - بیہودہ - لغو کلام ۲ ۱۱ سی
لہ سوہنا - زیب دینا بھلا معلوم ہونا - زیب تن ہونا
لہ سوگن جھنکی عورت - غمزدہ عورت جو کسی کا سوگ کرتی ہو
شہ برہ - فراق برہ کی ماری - فراق زدہ - ہجر
شہ برہن ہجر جدائی میں مبتلا
شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سناتی
سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بے کل ہیں کہتی جاتی
مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
رو رو اُنھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس ہی ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی
میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی
بھڑکا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا
مارو[1] جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کسی کو آکر ہے درد و غم نے گھیرا
منھ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جن کو اب میّسر حسنوں کی ڈھیریاں ہیں
سرخ اور سنہرے کپڑے عشرت کی گھڑیاں ہیں
محبوب دلبروں کی زلفیں بکھیریاں ہیں
جگنو چمک رہے ہیں راتیں اندھیریاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھو رہے ہیں
بھڑسے[2] کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے
سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ[3] غریب کنگلے

[1] مارو جنگ جو لڑاکا۔ گیتوں میں معشوق کو اس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے ۱۲
[2] وہ ملک جس میں جنگل بہت ہوں جنگل بیابان ۱۲
[3] عمدہ زمانہ شاہی کا ایک عہدہ ۔ کنگلا مفلس ۱۲

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اُسارا
مفلس بھی کر رہا ہے پوُلے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے
در و در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
مفلس سو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پُرانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا
اُٹھ کے ہر اُن کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اونچا مکان جس کا ہے پیچ کھنا سوایا
اُس نے تو اپنے گھر میں ہر شور غل مچایا
اوپر کا کھن ٹپک کر جب پانی نیچے آیا
مفلس پکارتے ہیں جاتے ہمارا ++++
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بھوٹی ٹیلوں اُپر دھتورے
بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے
پِسّو سے مچھروں سے روئے کوئی بسورے
آنگن میں کنسلائی کونوں میں کھنکھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھُنسی کسی کے تن میں سر پر کسی کے پھوڑے
کھاپڑیاں کسی کو ہیں لگ رہے مروڑے
چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹ میں ذدوڑے
آتے ہیں دست جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے

۱ے اسارا چھپر سائبان ۲ے پوے کے گزارا کرنا مفلسانہ تنگی سے زندگانی بسر کرنی ۳ے زنان آخر بالآخر ۴ے ۵ے [illegible] کھنا پیچ منزل منزل [illegible] شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چٹنی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی
لگّن نے وہیں بولی آ اونٹ کی بلائی ہے
کوئی پکارتا ہے کیوں خیر تو ہے بھائی
ایسے جو کھاتے ہو کیا کالی مرچ کھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
سے وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے
اُس پر تو سب گھلاوٹ[1] برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بدنوں میں کھُب رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے
جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے
آنکھوں میں چبھ رہے ہیں پیاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
گلنار یا گلابی یا زرد سرخ، دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی
جھولوں میں جھولتے ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولنے میں جھولے کی ڈور چھوڑے
یا ساتھیوں میں اپنے پانوؤں سے پانوؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
بوندوں میں بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو ہو رہی ہے اس عیش کی نشانی
سوتے ہیں ساتھ جس کے کہتی ہے وہ سیانی
اس وقت تم نہ جاؤ اے میرے یار جانی
دیکھو تو کس مزے سے برسے ہے آج پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست چھک رہے ہیں
مے کی گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر، گھنگرو جھنک رہے ہیں
پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں

[1] یعنی برسات کی تمام بہاریں اس پر چھنٹ پڑی ہیں ۱۲ آسی مرحوم

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی
وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی
ہے ان کے سر پہ سرکی[1] یا بوریے کی کھوئی[2]

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ٹٹو
جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے اُن پہ لٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں کتنوں کے گھوڑے ٹٹو
جب پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑھے ہیں
ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی پہ چڑھے ہیں
ہم سے غریب غُربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا
اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا
ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پُرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے خوشی سے بیٹھے کھاتے ہیں خوش محل میں
کتنے چلے ہیں لینے بنیے سے قرض پل میں
کاندھے پہ دال آٹا ہلدی گرہ نے مل میں
ہاتھوں میں گھی کی پیالی اور لکڑیاں بغل میں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو + + جو ائیں حسنوں میں پھرتیاں ہیں
سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دل میں بھی کھڑکیاں ہیں
اک اک نگہ   ہیں کافر بجلی کی پھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجوان ہیں اُن کی تیاریاں بڑی ہیں
ہاتھوں میں لال چھڑیاں کھتوں پہ کھڑی ہیں
اور وہ جو + + + سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں
منھ کو چھپا پلنگ پہ مچلی ہوئی پڑی ہیں

[1] سرکی - بان [2] کھوئی - [illegible] بوریے کی وہ خاص شکل جو بارش سے بچنے کے لیے سر پر رکھا جاتا ہے [illegible] مفلسوں کی [illegible] [3] شہباز [illegible] ٹٹو - اونی موٹا کپڑا [4] [illegible] یعنی پوری [5] [illegible] سرتی - [6] [illegible] - [illegible] آنسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپٹا
تم سے تو دل ہمارا اب ہوگیا ہے کھٹا
کہتی ہے ہنس کے کافر چٹکی سے لے یا اُنٹھا
تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرادو پٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے کوئی مجھکو جوڑا اسے ہا بنا دو
کوئی کہے ہے میری کرتی ابھی رنگا دو
یا ٹاٹ باقی جوتا یا کفش سرخ لا دو
یا گرم سے اندرسے اک سیر بھر منگا دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اُن کے مبتلا ہیں سب چیز لا رہے ہیں
جو جو ہیں اُن کی باتیں سب کچھ اٹھا رہے ہیں
کرتی تمام سبز ہیں انگیا رنگا رہے ہیں
باہیں گلے میں ڈالے عشرت منا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا + + + کے دیکھے پیسے
برسات بھر تو ایکی سنتے ہو جان پیارے
کہتے ہیں شاد ہو کر یوں اپنی + + + سے
احمق ہو جو پلنگ سے اب + + + کو اتارے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ سُن کے اُن سے ہنس ہنس کہتی ہے شوخ + + +
ہم پہنیں لال جوڑا تم پہنو خاصی بنڈی
+ + + کو اب تو لے کر بندی بھی ہے گھمنڈی
خندی ہو جو تمھاری چھاتی کرے نہ ٹھنڈی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو اُن سے کچھ رہی ہے پلنگڑی
مفلس کی ٹوٹی پھوٹی یا ٹاٹ کی جھلنگڑی
+ + + پری سی بیٹھی جھمکائے چوڑی ننگڑی
+ + + ملی تو کالی یا کنجی لولی لنگڑی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

+ + + بھی اب تو سب بن رہی ہیں رنگیا
کرتی ہے + + + سے کیوں میرے یا بھنگیا
پہنے ہیں + + + اُن کے تنبان یا کہ جنگیا
تو آج بھی نہ لایا میری رنگا کے انگیا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کرتی گلابی جن میں گوٹے لگے ہوئے ہیں
انگیا کے گرد چھوٹے گوٹے ٹکے ہوئے ہیں
کہتی ہیں اُن سے ہنس ہنس جو جو کھڑے ہوئے ہیں
لا اب تو میرے تجھ پہ بارہ ٹکے ہوئے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دوستوں کے دل میں لڑکا سما رہا ہے
اُن کو بھی اس ہوا میں یہ عیش یہ مزا ہے
ستھرا پلنگ بچھا ہے + + + بھی خوش ادا ہے
یہ پیار کر رہا ہو + + + مچل رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو بیگمی ہے گھر میں آرام کر رہی ہے
پردوں میں دوستوں سے پیغام کر رہی ہے
چتون لگاوٹوں سے سو دام کر رہی ہے
چھپکے ہی چھپکے اپنا سب کام کر رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی اپنے محبوب سیمبر سے
وو اس مینھ میں نہ جاؤ پیارے ہمارے گھر سے
کوئی کہے ہے اپنے دلدار خوش نظر سے
ہاتھوں سے میرے جانی کھالے یہ دو اندر سے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی پیاری جو کچھ کہو سو لادیں
زردوزی ٹاٹ بانی جوتا کہو بنھا دیں
پیڑا جلیبی لڈو جو کھاؤ سو منگا دیں
چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگا دیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کے تن پر ہیں گرمی دانے آئے
کہتے ہیں اُن کو عاشق یوں پیار سے بلائے
کیا مینھ برس رہا ہے پیارے ذرا نہالے
چھاتی نہیں تو پیارے ٹک پیٹھ ہی ملا لے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں
شہر و دیار کوچے بازار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کہسار بھیگتے ہیں
عاشق نہا رہے ہیں دلدار بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو دلبروں کی ڈہلی پہ بھیگتے ہیں
اور کتنے ++ کی ڈیوڑھی پہ بھیگتے ہیں
کتنے پریرخوں کی بولی پہ بھیگتے ہیں
کتنے طوائفوں کی موری پہ بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے جب وہ سنکر یہ بات بھیگ احمق
مجکو بھی ضد چڑھی ہے دن رات بھیگ احمق
ماروں گی تیرے آکر اک لات بھیگ احمق
یونہیں تو ابکے ساری برسات بھیگ احمق

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو سنکر آواز وہ پریرو
مفلس کوئی پکارے تو اس سے کہتی ہے ہٹو
کہتی ہے لونڈیوں سے جلدی کواڑ کھولو
ہرگز کوئی نہ بولو احمق کو بھیگنے دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ سن کے گر وہ مفلس کچھ شور و غل مچاوے
کھڑکی میں ڈال سر کو جب نائکہ سناوے
بیٹھک میں اینٹ پھینکے یا کنڈی کھڑکھڑاوے
کیا غل مچا رہا ہے سن چھٹے مالزادے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی یار سے کہے ہے اے دلستان آؤ
کیا مینہ برس رہا ہے ہر اک مکان آؤ
بدلی بڑی اٹھی ہے کہنے کو مان آؤ
راتیں اندھیریاں ہیں اے میری جان آؤ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی رات کو پکارے پیارے میں بھیگتی ہوں
آئی ہوں تیری خاطر آرے میں بھیگتی ہوں
کیا تیری الفتوں کے مارے میں بھیگتی ہوں
کچھ تو ترس تو میرا کھا رے میں بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے دل سخت بھیگتی ہوں
کپڑے بھی تر بتر ہیں اور سخت بھیگتی ہوں
کانپے ہے میری چھاتی یک لخت بھیگتی ہوں
جلدی بلا لے مجکو کمبخت بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

آباد ہیں چھپر کھٹ ماچے پلنگ کھٹولے
چولوں کی چرچراہٹ بوچھار کے جھکولے
دلبر کہیں بغل میں امرد کہیں ہیولے
لیٹے +++ کہیں دھڑا کے چلتے کہیں + + +
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

شیشہ کہیں گلابی بوتل جھمک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے
رابیل موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
پائے کھٹک رہے ہیں پٹی چٹک رہی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے کیا کیا مجھے بھگویا
ناحق قرار کر کے جھوٹا مجھے بھگویا
کوئی پکارتی ہے کیسا مجھے بھگویا
یوں دور سے بُلا کر اچھا مجھے بھگویا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے
لے اُن کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں دھر نچوڑے
وہ دیکھ اُن کی اُلفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
چیرا کوئی سکھاوے جامہ کوئی نچوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر یہ اے خدا اے لیجو
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے مجھکو بھی ہائے لیجو
کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے وائے لیجو
کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو

سلہ ایک بڑا مچان نما اونچا پلنگ -- شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اکثر جو مرد عورت پھسلے ہیں ناگہانی — تو اُن کی یہ ہوئی ہے گرنے کی واں نشانی
یا اُس کا ہاتھ ان کے پاجامے کی میانی — یا اُن کا منھ ہوا ہے اور اُسکی وہ مُنیانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر گر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطّر — پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منھ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر — ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر خوش ہیں — ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرّم عاشق اسیر خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیرؔ خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۷۸)

برسات اور پھسلن

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا — بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینھ بھی آکے سراسر پھسل پڑا — چھجّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا

کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکان اور محل سرا — اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
دیواریں بیٹھتی ہیں چھتوں کا ہے غل مچا — لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہو کھڑا تو کیا

چھجّا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے جھڑ لگا — سنئے جدھر اُدھر کو دھڑا کے کی ہے صدا
کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر چلا — کوئی کہے ہے ہائے کہوں تم سے اب میں کیا

۱؎ اٹاری چھایا ہوا اوپر کا کمرہ۔ کوٹھا۔ بالاخانہ۔ چھت کے اوپر کا مکان ۱۲ ۲؎ چھلا مشتبہ بدلا ہم گھر کی وہ دیوار جو ایک رخ سے پختہ اور دوسری جانب سے کچی ہو امداد علی بحر کا ایک شعر ہے ؎ خرابی لائے گا اک دن فراق اُس یار جانی کا ہمارے قصر تن میں چاہیے چھلا نشانی کا ۳؎ پھسل۔ دیوار کا کوئی ٹکڑا جو گر پڑا ہو۔ دیوار کی چند گری ہوئی اینٹیں ۱۲ ۴؎ جھڑ پتہ اتر بارش۔ جھڑی ۱۲ شہباز

تم در کو جھنکتے ہو مرا گھر پھسل پڑا

باران جب آکے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں اے وائے
کچّا مکاں پھر اس کی بھلا کیونکہ تاب لائے
کہتے ہیں یارو دوڑیو جلدی مجھے ہائے ہائے
پاکھے پچھیت سو گئے چھپّر پھسل پڑا

آکر گرا جو ہے کسی .... کا اب مکاں
کہتا ہے کٹھٹے باز ہر اک اُن سے آکے واں
اور اُسکے آشنا کی بھی چھت گرتی ہے جہاں
کیا بیٹھے چھت کو روتے ہو تم او میاں یہاں
واں چھت لگن کا آپ کے سب گھر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہے زمیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
نکلے جو گھر سے اُسکے پھسلنے کا ہے یقیں
کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر تدھر کو یہی غل پکار ہے
پیادہ اُٹھا جو مر کے تو کیچڑ اسوار ہے
کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی پر چڑھا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار
نوکر کا بس کچھ اُس میں نہ آقا کا اختیار
کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہے ایک بار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنے بار
آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دلدل جو ہو رہی ہے ہر اک جا پہ رسمسی
کیا سخت مشکلات ہے کیا سخت بیکسی
مرمرا اُٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
اُس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی

لہ پچھیت مکاں کے پیچھے کی دیوار۔ دالان کی پشت کی دیوار۔ پچھواڑا۔ عقب خانہ ۱۲ ... لفظ جھل میں چھت لگن کو ... ٹھٹھے باز ... جونکہ چھت بارش میں ... چھت کی رعایت ... چھت لگن ... ہیں ...

جو اپنے جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

+ + + جو ناچنے کو چلی کوئی خوش جمال　　+ + + بھی ساتھ اُس کے چلا ساز کو سنبھال
آیا قدم تلے جو پھسلنی زمیں کا ڈھال　　+ + + ادھر کو ادھر رہے کر کر گری نڈھال

+ + + ادھر کو آہ رہے کر کر پھسل پڑا

ایسی ہوس میں + + + جو کوئی نکتہ چین ہے　　کہتا ہے اُس سے + + + جو صحبت قرین ہے
اگر پی یہ + + + یا کہ پھسلنی زمیں ہے　　تم کو + + + کے جانے کا اندر یقین ہے

پر میں تو جانتا ہوں کہ باہر پھسل پڑا

عاقل جو + + + باز کہاتا ہے اب پڑا　　+ + + جہاں گری تو وہیں آپ بھی گرا
جو تاڑ باز تھے سو پکارے یہ جا بجا　　یارو یہ جائے غور ہے ٹک دیکھو ذرا

بنیے کا بیٹا کچھ تو سمجھ کر پھسل پڑا

اور جس کسی کے دل کو ہے لڑکوں کے تن کی چاہ　　نکلا وہ ساتھ لڑکے کے کیچڑ میں ہو تباہ
الفت کی اپنی چاہ جتانے کو خواہ مخواہ　　لونڈا گرا جو آگے تو پیچھے سے یہ بھی آہ

بے اختیار اُس کے برابر پھسل پڑا

کرتی ہے گرچہ سب کو پھسلنی زمیں خوار　　عاشق کو پر دکھاتی ہے کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوب گل عذار　　گرنے کا مکر کر کے اُچھل کود ایک بار

اُس شوخ گلبدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

کیچڑ سے ہر مکاں کی تو بچتا بہت پھرا　　پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی مینھ برسا نا زکا　　پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا

آخر کو واں نظیر بھی آ کر پھسل پڑا

---

(٧٩)

برسات کی اُمس[1]

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُمس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُمس
گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُمس
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اُمس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

کتنے تو اس اُمس کے تئیں کہتے ہیں گرباؤ
اُس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ
یعنی کہ گھرا ابر ہو اور آکے رُکے باؤ
دل سینے میں بیکل ہو یہی کہتا ہو کہ تاؤ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پنکھے کوئی پکڑے کوئی کھولے ہے گھڑا بند
پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اِدھر تو پسینوں سے بڑی بھیگے ہیں کھاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اُسے آٹیں
گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال
دم گھٹنے لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال
پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
کچھ روح کو بیتابیاں کچھ جان کو جنجال

[1] اُمس برسات کی گرمی ہوتی ہے [illegible]

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گھبرا کے دم آتا ہے کبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا
آرام جو دل کا ہے کبھی جاتا ہے بھولا
کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر
ادھر تو ہوا بند اُدھر پسو و مچھر
گر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
پانی کوئی پیوے تو ادھن[1] سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

جس وقت ہوا بند ہو اور آکے گھٹا چھائے
اوڑھو تو پسینا جو نہ اوڑھو تو غضب آئے
پھر کیجیے دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
پسو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُمس کی چڑھائی
تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
تو پھر وہی رونا وہی غل شور دُہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اُمس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گر تن سے ملا ہو
اک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
اُس وقت مزا دیکھیے اُمس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس

[1] ادھن۔ کھولتا ہوا پانی جس میں چاول یا سویاں یا اور کوئی چیز پکاتے ہیں ۱۲ تہبانہ

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُوس

اُس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دل خواہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ
مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
اُوس بھی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُوس

(۸۰)

برسات کا لطف

ساقیا موسم برسات ہے کیا روح فزا — دیکھ کچھ تازگی صنعت بے چون و چرا
جابجا نکلے ہیں اس لطف سے طفلان نبات — اپنے ہاتھوں سے کھلائی ہے جنھیں نشو و نما
کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت — آ رہی ہے چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا
دیکھ سبزوں کی طراوٹ کو زمیں پڑھتی ہے — دم بدم انبتہ اللہ نباتاً حسنا
برگ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم و لطیف — فی المثل حلۂ جنت انھیں کہیے تو بجا
کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہے کہوں کیا گویا — مخمل تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہے بچھا
الغرض دشت تو ہیں کارگہ مخمل سبز — اور جو ہیں کوہ تو اُن پر بھی زمرد ہے فدا
جان سے کرتی ہے اب نزہت خضرت سلوک — جیسے غنچوں سے نسیم سحر اور گل سے صبا
ق ہے زمین چمن و باغ جو پانی سی سفید — اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہے یوں جلوہ نما
عقل کہتی ہے تامل سے جسے دیکھ کہ یہ — طشت بلّور ہے اقسام جواہر سے بھرا
شاخ پر گل سے یہ عالم ہے کہ جیسے محبوب — سرخ دستار بسر رکھتا ہے اور سبز قبا
ہلتے اس لطف سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال — جیسی ہو ناز میں دلبر کے نہانے کی ادا
غلغل رعد خوش آتا ہے ہر ایک گوش کو یوں — جیسے شادی میں پسند آتی ہے نوبت کی صدا

بَرق بھی چمکے ہے اور رعد گجے ہے ایسی ہر دم
جس سے کیا کیا اُمنڈ اور جھوم کے آئے ہے گھٹا

اس سیہ ابر میں یوں اُڑتے ہیں بگلے جیسے
لب مالیدہ مسی میں دُرِ دنداں کی صفا

بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت
جن کے ہر رنگ پہ ہو مانی کے ارژنگ فدا

اس طرح برسے ہے جھڑیوں کو لگا کر باراں
غسلک جیسے ہو سلک گُہر بیش بہا

ہے اسی کے سبب عالم میں حیات ہر شے
شاہد اس بات کی ہے حَیّ مِنَ الما کی ندا

اب میں ساون کی اندھیری کی کہوں کیا تعریف
جعد شیریں کہوں یا زلف سیاہ لیلا

جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہو گویا چھڑکا

کہیں رقاص کا رقص اور کہیں مطرب کا سرود
کہیں ساقی مے و ساغر طرب و برگ و نوا

زہرہ دال ہو کے خوشی گاتی ہے وہ دیکھ ملہار
جس کو سن سن کے فلک ناچے ہے بربط ہوا

مور کا شور دہقاں غوک کی جھینگر کی جھنکار
پی پی ہر آن پپیہے کے ہے کوئل کی صدا

اہل ظاہر تو ہیں سب مست مئے عیش و سرور
اہل باطن بھی اُچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ

شہر اور دشت میں یاں چار مہینے تو نظیرؔ
ہر برس ہوتے ہیں گل حسن طراوٹ ہر جا

(۸۱)

جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برفی گلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

چِلّا[1] غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہو رہی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّے پہ کلّا لگ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکی سی

[1] چِلّا۔ سخت جاڑے کے چالیس مخصوص دن ۱۲ آسی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
پیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب یہ دو مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی، چٹکی، لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آ کر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن تس پر
وہ دلبر شوخ، پری چنچل، ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں
منھ ان کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن ان کے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیر اُس کی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آ کر جس جس ارمان کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

مہاوٹ ـ ماگھ کے مہینے کی بارش ہوا کی

(۸۲)

تل کے لڈّو

جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے تل کے لڈّو
ہر ایک خوانچے میں دکھلائے تل کے لڈّو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈّو
ہم کو بھی ہیں گے دل سے خوش آئے تل کے لڈّو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈّو

عمدوں نے سو طرح کی یاقوتیاں بنائیں
لونگوں میں دار چینی شکر میں سے ملائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
اوروں نے ڈال مصری گر ینڈیاں بنائیں
ہم نے بھی گُڑ ملنگا کر بندھوائے تل کے لڈّو

رکھ خوانچے کو سر پہ پیکار[1] یوں پکارا
بادام بھونا چابو اور گڑ کرا چھوہارا
جاڑا لگے تو اُس کا کرتا ہوں میں اجارا
جس کا کلیجہ یارو سردی نے ہووے مارا
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈّو

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلوان جھجھاڑا[2]
پر ایک تل نے اُسکو رگ رگ سے ہی اکھاڑا
جب دم دل و جگر کو سردی نے آلتاڑا
خم ٹھوک دوں ہیں ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا
تن پھر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈّو

کل یار سے جو اپنے ملنے کے تئیں گئے ہم
کچھ پیڑے اُس کی خاطر کھانے کو لے گئے ہم
محبوب ہنس کے بولا حیرت میں ہو رہے ہم
پیڑوں کو دیکھ دل میں ایسے خوشی ہوئے ہم
جب خوش ہوا وہ اُس نے جب پائے تل کے لڈّو

جو ++++ اس ہوا میں مفلس ہے تھوڑی تھوڑی
بجتے ہیں دانت اُسکے اور کانپتی ہے تھوڑی
کہتی ہے ++ سے ++ بھی میں نے چھوڑی
جاڑے کے مارے اب تو مرتی ہوں میں نگوڑی
جی جاؤں تو جو مجھ کو کھلوائے تل کے لڈّو

[1] پیکار اُردو میں پھیری پھر کر سودا بیچنے والے کو کہتے ہیں ۱۲ آسی ت
[2] جھجھ بڑی لمبی گھنی داڑھی۔ جھجھاڑا بڑی لمبی گھنی داڑھی والا ۱۲ داڑھی سے چونکہ چہرے پر ایک خاص قسم کی شوکت اور رعب آجاتا ہے لہٰذا پرشوکت پر رعب زبردست تو بھی مستعمل یا بڑا اڑانے اور بھو کرنے والا ۱۲ شہباز

یہ بات + + + سن کے اُس کا لگا سُنانے — جاؤں تو جاڑا مجھ کو پھریاں نہ دیگا آنے
کچھ میرا تن بھی اب تو لاگا ہے تھرتھرانے — سو سو کیئے بہانے پر آہ کب وہ مانے
آخر کو اُس نے اُس سے منگوائے تل کے لڈو

جب ہاتھ آئی اُس کی انگیا کی نرم بٹی — لگتے ہی ہاتھ نکلی رگ رگ کی ساری سردی
جب گلبدن سے ہنس کر بولا کہوں میں کیا جی — کچھ ان کچوں سے ایسی سینے میں آگ بھڑکی
گویا کہیں سے میرے ہاتھ آئے تل کے لڈو

وہ + + + کہ جن کا ٹوٹا سا جھونپڑا ہے — یوں کانپتی ہیں اُن پر جاڑا اگو یا چڑھا ہے
ہر ایک جھونپڑے سے نکلے یہی صدا ہے — پیڑا جلیبی برفی لایا تو آہ کیا ہے
+ + + وہی بڑا ہے جو لائے تل کے لڈو

جاڑے میں جس کو ہر دم پیشاب ہے ستاتا — اُٹھیں تو جاڑا لپٹے نہیں + + + نکلا جاتا
اُس کی دوا بھی کوئی پوچھو حکیم سے جا — بتلائے کتنے نسخے پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اُس کا ٹھہرائے تل کے لڈو

جاڑے میں اب جو یارو یہ تل گئے ہیں بھونے — محبوبوں کے بھی تل سے انکے مزے ہیں دونے
دل لے لیا ہمارا تل شکریوں کے رونے — یہ بھی نظیرؔ لڈو ایسے بنائے تو نے
جو سن کے اس کی لذت گھبرائے تل کے لڈو

(۸۳)

نارنگی

اب تو ہر باغ میں آئی ہے پھلی نارنگی — ہے ہر اک پیڑ کی مصری کی ڈلی نارنگی
حسن والوں کے بھی سینے کی پھلی نارنگی — دیکھ کر اُس کی وہ انگیا کی بٹی نارنگی
ہم نے تو آج یہ جانا کہ چلی نارنگی

سیر کو باغ کی جاتی ہے وہ چنچل جو ذرا
سامنے اپنے وہ بازار سا کولوں کا لگا
کھا کے نارنگیاں چھینکے ہے وہ ہم پر چھلکا
دم بدم چھیڑ سے کہتی ہے یہ انگیا کو دکھا
تم نے پینے کی کبھی ہم سے نہ لی نارنگی

جب نظر آئی مجھے شوخ کے سینے کی بہار
جا پڑا ہاتھ جو سینے کی طرف کھو کے قرار
کھٹا میٹھا سا لگا ہونے مرا دل اک بار
اس قدر تھیں وہ کچیں شوخ ستمگر کی تیار
جس قدر سیب ہو یا جیسے بھلی نارنگی

مل گیا ہم کو جو کل ایک مکاں خلوت کا
کیا کہیں شب تو عجب عیش کا لوٹا دو پہر
باغباں کی نہ اٹک اور نہ کسی کا خطرا
ہر گھڑی اُس شجرِ حُسن کو چھاتی سے لگا
کیا ہی بوسے لیے اور کیا ہی ٭٭ نارنگی

جن دنوں شوخ کے عالم کا نیا موسم تھا
اب وہ وقت گیا تو ہے یہی حیف آتا
جب ہی مل لیتے تو دل کیا ہی سدا پھل پاتا
آہ اس ہاتھ سے اس حسن کی ڈالی کو جھکا
ہم نے افسوس کبھی توڑ نہ لی نارنگی

جب سے آئی ہے نظر شوخ کچوں کی تصویر
دل بھی سینے میں تڑپتا ہے نظر ہے گی اسیر
جب سے لگتے ہیں وہ لوگوں کے جگر میں سو تیر
سنگتروں کی نہ ہوس ہے نہ ہے کولوں کی نظیرؔ
اب تو سب سے ہمیں لگتی ہے بھلی نارنگی

(۸۴)

پنکھا

کیا موسم گرمی میں نمودار ہے پنکھا
گل بوٹوں کا ہر اک جا پہ طلبگار ہے پنکھا
خوبوں کے پسینوں کا خریدار ہے پنکھا
اب پاس مرے یار کے ہر بار ہے پنکھا
گرمی سے محبت کی بڑا یار ہے پنکھا

لے کولا۔ ایک قسم کی نارنگی ۔ ٭ کھٹا میٹھا ہونا ۔ ... کے معنی میں ... جب ایک حالت پر قرار نہ ہو ... لغات سے ... کھٹا میٹھا ... کے معنی ... [illegible]

کیونکر نہ اُٹھے دل سے مرے شعلۂ جانکاہ
جل جاوے جگر کیوں نہ بھلا رشک سے اب آہ
جب شوخ کی پنکھے کے تئیں جی سے ہوئی چاہ
آگے دل صد چاک ہمارا تھا ہوا خواہ
اور اب تو دل و جاں سے ہوا دار ہے پنکھا

کیا کیا تجھے اُلفت کی جتاتا ہے وفائیں
بیتاب ہو کر کرکے خوشامد کی ہوائیں
دھوپ آوے تو کرتا ہے بڑا ہاتھ سے چھائیں
لیتا ہے ہر اک دم ترے مکھڑے کی بلائیں
ایسا تری اُلفت میں گرفتار ہے پنکھا

یہ انگلیاں نازک جو تمھاری ہیں نمایاں
ان نرم سے ہاتھوں کا ترس چاہیے ہر آں
ڈرتا ہوں کہیں پھانس سے ہو دیں نہ پریشاں
پنکھے کو کھجوری کے نہ لو ہاتھ میں ایجاں
تم کو تو مرے دل کا سزاوار ہے پنکھا

چھیڑا جو مرے دل کی محبت کے اثر نے
رنگ چشم کے ڈوروں کے تئیں خون جگر نے
گرمی میں کہیں بیٹھ کے پنکھا تجھے کرنے
سیجوں سے عرق کی تری گو دھلنے نظر نے
پنکھے تو بہت ہیں پہ یہ نور کا ہے پنکھا

دل باغ ہوا جاتا ہے پھولوں کی مہک سے
کچھ خس سے کچھ اس پانی کی بوندوں کی ٹپک سے
اور روح بسی جاتی ہے خوشبو کی مہک سے
نیند آتی ہے آنکھوں میں چلی جن کی جھپک سے
کیا یار کے جھلنے کا مزیدار ہے پنکھا

جاڑے میں جو رہتے تھے ہم اس گل کے کنے تو
حسرت سے بھلا چپ نکلے کیونکر نہ جگر کو
گرمی نے جدا کر دیا گرمی کا برا ہو
کیا گردش ایام ہے دیکھو تو عزیزو
جب یار کے ہم یار تھے اب یار ہے پنکھا

نرمی سے صفائی سے نزاکت سے بھڑک سے
مقیش کے جھڑتے ہیں پڑے تار جھپک سے
گوٹوں کی لگاوٹ سے اور ابرک کی چمک سے
دریائی و گوٹے و کناری کی جھمک سے
کیا ہاتھ میں کافر کے جھمک دار ہے پنکھا

۱ے پھانس کی جمع
۲ے بانس کی ...
بانس کا ... سنے
کی طرح ...
چھید جاتا ہے
پھانس کی تیزی
نوک سے زیادہ
دھار میں ہوتی
ہے ۳ے مہاز
سے جھپک
خوشبو ... خوشبو
مہک ...
اور ...
بکھی ... خوشبو
آتی

اک دم تو مری جاں ترے پنکھے کی ہوا لوں
آنکھوں سے ملوں پیار کروں چھاتی لگا لوں
گرمی سی پنکھے کی ہے ٹک اُس کو نکالوں
گر حکم کرے تو تو مری جان اُٹھا لوں
اک چار گھڑی کو مجھے دیدے کارہے پنکھا

اس دھوپ میں اے جاں کہیں مت پاؤں نکالے
گرمی ہے ذرا تن کے پسینے کو سکھا لے
جلتی ہے زمیں آگ سی پڑجائیں گے چھالے
آنکھوں میں مری بیٹھ کے ٹک سرد ہوا لے
دیدار کا تیرے ہی طلبگار ہے پنکھا

رکھتی ہے ترے حُسن سے ساماں چمن چشم[1]
سو رات و دن ہے ہر حال سے ہر اہرے بن چشم
صورت سے تری رکھتی ہیں نت اُسکی لگن چشم[2]
دیکھے ہے ترے منھ کو یہ ہو کر ہمہ تن چشم
یاں تک تو ترا طالب دیدار ہے پنکھا

ہے یہ وہ ہوادار جہاں اس کا گذر ہو
کرتا ہے خوشی روح کو دیتا ہے عرق کھو
پھر گرمی تو ڈال اپنے پسینے میں چلے رو
رکھتا ہے سدا اپنے وہ قبضے میں ہوا کو
سچ پوچھو تو کچھ صاحب اسرار ہے پنکھا

لے شام سے گرمی میں سدا تا بہ سحر گاہ
عاشق کے تئیں اُسکی بھلا کیونکہ نہ ہو چاہ
رہتا ہے ہر اک وقت پریزادوں کے ہمراہ
پھولوں کی گند ھاوٹ سے اُس گل کا نظر آہ
رشک چمن و حسرت گلزار ہے پنکھا

(۸۵)

گورا بر تن

گرہ بند

گورے بر تن ہیں کیاری گلشن کی
جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی

[1] توقع۔ اُمید
[2] پنکھے کی ہوا شہبانہ

بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی	کیا وہ پیاری صدا ہے سَن سَن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی واہ کیا بات کورے برتن کی	
پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات کورے برتن میں جب کہ آیا ہات	قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی واہ کیا بات کورے برتن کی	
وہ جو پانی کی گوری گولی[۱] ہے کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے	دہی آنے کے مول گولی ہے کیا کہوں[۲] گولی گولی گولی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی واہ کیا بات کورے برتن کی	
یہ جو کولی کی بولیاں باندھیں سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں	ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں دل نے بھولوں کی جھولیاں باندھیں
تازگی جی کی اور تری تن کی واہ کیا بات کورے برتن کی	
کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا لے گیا جان پائوں کا کھٹکا	اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی واہ کیا بات کورے برتن کی	
کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا	دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا[۳] جس نے دیکھا اُسی کا دل لوٹا

۱؎ گولی ایک خاص قسم کا مٹکا ہوتا ہے جو گھڑے سے زیادہ۔ گولی چھوٹا، گولی (گول) کی تصغیر ہے ۱۲ ۲؎ کیا کہوں۔ اگرچہ میں نے لیے گو تو لے لی ہے مگر اُس کی حقیقت اور سچی صفت بیان کرنی مشکل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک گولی (گولی) گولی (ٹھنڈی دوا کی گولی) ہے جو تمہیں ... معنی یہ۔ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ صاف تو بات ہے کہ گولی ہے گولی ہے۔ کیا نہیں ہزار بار گولی ہے۔ ۳؎ دل کا کھوٹا ہونے لگے یعنی دل میں ایسا جذبہ فاسد پیدا ہونے لگے ۱۲ شہباز

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں
یوں وہ رہتے ہیں آب کے نم میں
کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجّر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے
جس کی جاگیر ملکِ ججّر ہے
تاش کمخواب یا مشجّر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے
موتی کی آب پانی پانی ہے
دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں
اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں
کوروں پہ پھول بار چڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پہ جو نظیر جوبن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے
جو جڑے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
وہ گھڑونچی نہیں گلشن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

(۸۶)

آگرے کی ککڑی

گرہ بند

پہونچے نہ اس کو ہرگز کابل کے میوے کی ککڑی
نے چین کے میوے کی اور نے دیسے کی ککڑی
نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اس پیچھے کی ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں
گنّے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زرد مائل کوئی ہری بھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے
پکھراج منفعل ہے سینے کو تھرتھری ہے
سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھا کی بانسری ہے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

۱ جو جڑا استعمال برتن تو ٹوٹا ہوا برتن میر کا شعر ہے سے وہ دن کہاں کہ مست انداز خم میں بیٹھے وہ سب اب تو جو جڑا ہے شکستہ سبو کی طرح
۲ کابل کا میل روہ یعنی دروہ کابل سے نکلی ریشم کی ریل ۔ ککڑی جس پر ریشم چڑھاتے ہیں
۳ ہیر رانجھا پنجاب کی لیلےٰ مجنوں ہیں ۱۲ شہباز

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جس کو برفی کہیئے گلابی کہیئے
تل شکریوں کی بھانجیں اب یا امرتی کہیئے
یا حلقے دیکھ اُس کو تازی جلیبی کہیئے
سچ پوچھیئے تو اس کو دندان مصری کہیئے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگِ گل ہے کھانے میں کرکری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے
گرمی کے مارنے کو ایک تیر کی سری ہے
ککڑی نہ کہیئے اسکو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اُسکی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی
دیکھو اُسکی ایسی نرمی باریکی اور گلائی
بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اسکو گل کی طرح سے کھل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے
معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

مشہور جیسے ہر جا یاں کی جمثالیاں ہیں
میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی ڈالیاں ہیں
ویسی ہی ککڑی نے بھی دھومیں ڈالیاں ہیں
کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

سلہ جبالی: ایک خاص قسم کا خربوزہ جس کا گودا سرخ ہوتا ہے۔ آگرے کے خربوزے بہت عمدہ ہوتے ہیں حضور صاحب بن کا گودا سبز ہوتا ہے مصری کی کرکراہٹ اور مصری ہی کا مزہ ۱۲ اشتہاز

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی
دل تو نظیر غش ہے یعنے منگائے ککڑی
پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

(۸۷)

تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرّد کے برابر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز
کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش اوس میں دھر[1]
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر
تاکہ سینہ ہو خنک سردی سے ٹھنڈا ہو جگر
کتنے بچوں کو کھٹکتے ہیں خوشی ہو ہو کر
کتنے کھاتے ہیں کفایت سے منگا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے
ہونٹھ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کر کر بجے
کیا کہوں میں وہ مٹھائی میں کہ کیسے نکلے
کوئی اُولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

بجھیے

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دے کر پیسا
دیکھ تیوری کو چڑھا ہو کے غضب طیش میں آ
اُس میں ٹانکی جو لگائی تو وہ کچا نکلا
کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
کیوں یہ لایا ہے اُٹھا کر یہ مرا سر تربوز

جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہے کچا
اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
اور کچا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا
لاٹھی پائی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا

[1] اُوس یعنی شبنم میں رکھ کر دا شبانہ

کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

کیوں میاں ہم کو جو تم کرتے ہو ککڑی کھیرا ۔ کوستا ہر گھڑی ہر آن کا ہوتا ہے بُرا
تم کو کیا پڑ گیا ملنے کا رقیبوں سے مزا ۔ جھوٹی قسمیں یہ مرے سر کی جو کھاتے ہو بھلا

کیا مرے سر کو کیا تم نے مقرر تربوز

پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا ۔ چھلکا اُس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہے پنہا
اور یہ کہتا ہے کہ پھینکا تو چکھاؤں گا مزا ۔ کیا کہوں یارو میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا

دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تربوز

ایک بیدرد ستمگر ہے وہ کافر خونخوار ۔ قتل کرتا ہے عزیزوں کے تئیں لیل و نہار
کل مر اُس کی گلی میں جو ہوا آکے گذار ۔ اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار

جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

تھی جنھیں آگے ترے قند سے ہونٹوں پہ نگاہ ۔ آرزو ہی میں وہ سب مر کے ہوئے خاک سیاہ
اُن شہیدوں کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے واللہ ۔ بوسے لینے کی تمنا میں تہ خاک سیاہ

وہی حسرت زدہ اب نکلے ہیں بنکر تربوز

رات اُس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا ۔ بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا
اس پہیلی کے تئیں سن کے پڑے سوچ میں آ ۔ جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے اب تو ہی بتا

سن کے جب میں نے کہا لے مرے دلبر تربوز

اب تو اُس شوخ کا تربوز ہی لوٹے ہے مزا ۔ وہ تو ٹھنڈا ہے دلے میرا جگر ہے ٹھنڈا
رو نا کس طور نظیرؔ اب نہ مجھے آوے بھلا ۔ پھانک ہونٹوں کی بھری لے ہے وہ جب منھ سے لگا

تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنسکر تربوز

سلہ اس سے چیستاں کے بعض بند بچھو تے ہوتے ہیں ۱۲ لہ ککڑی کھیرا سمجھنا ۔ بیقدر جاننا ۱۲ منہ

(۸۸)

مکھیاں

یارو میں چپ رہوں بھلا تا کے
چلے آتے ہیں غول پے در پے
مکھیاں تو بہت ہوئیں در پے
شور ہے غل ہے بھنبھناہٹ ہے
کوئی تھوکے کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا
کوئی پینے کا اور نہ کھانے کا
کھا کے پھر ذکر کیا پچانے کا
یہ بڑا حال ہے زمانے کا
سخت مشکل بڑی خرابی ہے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چنوں سے جو منھ چلاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے
اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے
اس نے اللہ جانے کھائیں کے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اجلے ہیں یا کہ میلے ہیں
سر سے تا پا سڑے کچیلے ہیں
سب یہ گو مکھیوں کے چھیلے ہیں
آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں [۱]
لد گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے
ٹھوڑی بھوں آنکھ سب سجائی ہے
آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
حسن کی بھی یہ بدنمائی ہے

لہ بھیلا۔ گڑ کی بڑی بھیلی جو وزن میں ایک چھ سیر سے زیادہ ہو۔ گڑ کی چیان بالفتح پرانا لفظ ہے اور غیر فصیح ۱۲ شہباز

رہ گئی رنگ روپ کی سب رہٹے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کسبی اب جو گاتی ہیں
دم بہ دم تھوکنے کو جاتی ہیں
مکھیاں منھ میں بیٹھ جاتی ہیں
کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں

تو بھی بند ھتی نہیں ہے انکی لے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

طبلے والے تو کچھ اُڑاتے ہیں
ڈھول والے بھی کچھ ہلاتے ہیں
تال والے بھی کھٹکھٹاتے ہیں
اُن کی کم بختی جو بجاتے ہیں

بھونپو نرسنگا اور ترئی قرنے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

نرونے

کپڑا جن کا پھٹا پرانا ہے
پائجامہ تمام چھانا ہے
وہ تو کل مکھیوں نے سانا ہے
باقی اندر کا بیٹھ جانا ہے

وہ بھی منزل وہ اب کریں گی طے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دودھ میں مکھیاں ہی دابی ہیں
پانی میں تو یہ مُرغ آبی ہیں
کھانے میں مکھیاں ہی جابی ہیں
الغرض جو بڑے شرابی ہیں

وہ بھی سب اور کہتے ہیں بیکے مے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کوئی اوکے ہے روٹیاں کھاکر
کوئی کھانسے ہے خالی اُبکا کر
کوئی ڈالے ہے پانی متلا کر
حد تو یہ ہے کہ سخت گھبرا کر

+++ میں بھی کرے ہے +++ قے

۱؎ رونق ... بکیفیت ... آواز کرنا، شہباز

اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

ہے نظر اب تو شاش میں مکھی
شہر کی ہر دکان میں مکھی
گھر کے ہر اک مکان میں مکھی
بھر گئی سب جہان میں مکھی
کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۸۹)

آندھی

نہ ہو کیونکر جہاں یار وزیر اور زیر آندھی میں
لگا لیتے[1] جو کل دامن ہوا کا گھیر آندھی میں
کہ ہو کر باولے پھرتے ہیں بن کے شیر آندھی میں
بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مٹ بھیر آندھی میں

کہا میں نے اجی کچھ خیر ہے جاتے ہو تم کیدھر
چلو بھاگو شتابی ورنہ آندھی آ گئی سر پر
ہوا پر بھی تمھیں کچھ ہے نظر اے نازنیں دلبر
جتا کر خاک کا اڑنا دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اس گلبدن کو گھیر آندھی میں

یہ سنتے ہی پھری ڈر کر وہ چنچل نازنیں گھر کو
کہ اس میں آ کے اک جھونکا اندھیرا کر گیا یارو
چلی اس حال سے اس دم کہ میرا جی گیا غش ہو
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اڑا کر لے چلا اس کو
پکارے ہائے یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں

یہ کہکر کھڑ کھڑا اٹھے وزیر اور مل کے سب دوڑے
کہاں کا وہ بھلا اور کس کا لینا ہم جدھر بھاگے
پکارے لے چلو جانے نہ پاوے اس کو جلدی سے
وہ دوڑے تو بہت لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

چلے اس میں ہوا کے پھر تو آ کر اور سناٹے
اندھیرا ہو گیا یکسر سنوں خاکیں لگیں اڑنے

[1] شان شہد کی مکھیوں کے چھتے کو کہتے ہیں ۱۲ — یعنی کل کے روز جب ہوا کا دامن آندھی کے سبب اس قدر وسیع ہوا کہ ہم اس میں گھر گئے اور نکلنا دشوار ہوا۔ یعنی آندھی عالمگیر ہو گئی اور ہم آندھی میں بالکل گھر گئے ۱۲۔ شہباز

انھیں جھوکوں میں ہم نے اس پری چنچل کو جلدی سے
چڑھا کوٹھے پہ دروازے کو موند اور کھول کر پردے
لگا چھاتی لیے بوسے کیا ہت ابھیر آندھی میں

ادھر تو آگے آندھی سے اندھیرا ہو گیا ہر سو
خبر کس کو کسی کی میں کہاں ہوں اور کہاں ہر تو
اہاہا با عجب عشرت کی اس دم بھگئی اک جو
وہ کوٹھے کا مکاں ؤ نہ کالی آندھی وہ صنم گلرو
عجب رنگوں کی ٹھہری آگے ہیر اپھیر آندھی میں

اسی آندھی نے گلشن کر دیا یارو مرے گھر کو
بچھا یا شاد ہو میں نے پلنگ پر جھاڑ بستر کو
صراحی کی خبر لی اور اچھالا جا کے ساغر کو
اٹھا کر طاق سے شیشہ لگا چھاتی سے دلبر کو
فسوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں

چمن سا کھل گیا یارو مرے کوٹھے کے زینے پر
ہوئی پنکھوں کی مار از مار گرمی کے پسینے پر
لگے پھر عیش و عشرت جب تو ہونے اس قرینے پر
کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ اور گاہ سینے پر
لگے لوٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

یہ ٹھہرا جب تو پھر واں عیش کے بادل لگے گھرنے
جو ڈوبی حسرتیں تھیں دل میں سب اس دم لگیں ترنے
لپٹ کی ٹھہری اور کبھی ہاتھ سینے پر لگے پھرنے
مزے عیش و طرب لذت لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں

اُس آندھی میں اہاہا عجب ہم نے مزے مارے
فلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں یارے
تلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے
بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی نے بھاگ کر جلدی سے جا گھر کا لیا آنگن
گرا کوئی گڑھے میں اور کوئی بھاگا کہیں دشمن
کسی کے چھن گئے کپڑے اُچکّوں کی گئی داں بن
کسی کی اُڑ گئی پگڑی کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

یہ دن آندھی کے یارو یوں تو سب کے ہوش کھوتے ہیں
جنھیں ہیں عیش وہ آندھی میں موتی سے پروتے ہیں

مزا ہی جن کو ہنستے ہیں جنھیں غم ہو وہ روتے ہیں
نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو سے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

(۹۰)

عاشقوں کی بھنگ[۱]

دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا
عاشق تو یہ سمجھے ہیں اب دل میں بنا ڈنکا
برباد ہوئے لشکر فوجوں کا تھکا ڈنکا
جو بھنگ پئیں اُن کا بجتا ہے سدا ڈنکا

کونڈی کے نقارے پر ٹھکلے[۲] کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

الفت کے زمرد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے
منھ جس کے لگی اُس سے پھر کاہے کو چھوٹی ہے
پتّوں کی چمک اُس کے کمخواب کی بوٹی ہے
یہ تان ٹھکورشے کی اس بات یہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر ٹھکلے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

ہر آن کھڑا اگے سے اس ڈھب کا لگا ڈگڑا[۳]
چکان[۴] چڑھا گہرا اور باندھ ہرا پگڑا[۵]
جو حسن کے کھڑکا اس کی ہو بند سبھی دگڑا[۶]
کیا سیر کی ٹھہرے گی ٹک چھوڑ کے یہ جھگڑا

کونڈی کے نقارے پر ٹھکلے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

اک پیالے کی پیتے ہی ہو جاوے گا متوالا
کیا کیا نظر آوے گی ہریالی[۷] و ہریالا
آنکھوں میں تری آکر کھل جائے گا گل لالا
آمان کہا میرا اے شوخ نئے لالا

کونڈی کے نقارے پر ٹھکلے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

۱؎ اس نظم میں آزادوں کی زبان میں عشق حقیقی کا بیان ہے ۱۲ ۲؎ ٹھکورا نوبت کی آواز ۱۲ ۳؎ ڈگرا ۔ بڑی راہ ۔ بڑی سڑک ۔ شاہ راہ شارع عام ۱۲ ۴؎ چکان گاڑھی گھٹی ہوئی بھنگ چھان چھان کے چکان ۔ سو جھے بار (دروازہ) ڈکھان (مکان دھنگڑوں کا مشہور فقرہ) ۱۲ ۵؎ بڑی پگڑی آزادوں کا لہجہ ہے ۱۲ ۶؎ ہری دوب ۱۲ ۷؎ ہریالی ۔ ہری ۔ ... مقام جہاں ہری گھاس لہلہا رہی ہو ۔ ایک چڑیا کا نام ۱۲ شہباز

ہیں مست وہی پورے جو کونڈی کے اندر ہیں
دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بن ہو اور جھومتے مست رہیں
کہتے ہیں یہی منس منس عاشق جو قلندر ہیں

کونڈی کے نقارے پر کھتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سب چھوڑ نشہ پیارے پیوے تو اگر سبزی
گر جاوے وہیں تیری خاطر میں اثر سبزی
ہر باغ میں ہر جا میں آجاوے نظر سبزی
تیری بھی نظیر اب تو سبزی میں ہے سر سبزی

کونڈی کے نقارے پر کھتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۹۱)

عاشقوں کی بنگ

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل
خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال نیلے کا پھلیل
پھر چڑھا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بنگ پی اور ڈنڈ پیل

صدق سے لے نام پہلے لعل اور شہباز کا
مانگ پھر چڑھتے کو گدڑا باندھ ہاتھ اوپر اٹھا
اور نشے کی جھانجھ میں جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا
بھنگیاں در باغ رفتہ بیر گٹھلی سب روا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

جس نے اس دنیا میں آ کر ایک دن بھی پی نہ بھنگ
اُس نے سچ پوچھو تو کیا دیکھا جہاں کا آب و رنگ
گر تجھے کچھ دیکھنے ہیں زندگی کے رنگ ڈھنگ
تو منگا سبزی کو اور سب دوستوں کو لے کے سنگ

(حاشیہ)

ے زبیں کسم کو کپڑے میں رکھ کر پانی کے ذریعے رنگ چھانے کو زبیں کہتے ہیں مگر یہاں سبزی کی زبیں مراد ہے ۱۲

ے پھلیل خوشبودار تیل جسے کسی چیز کے پھولوں میں بسا کر خوشبودار کیا ہو ۱۲ آستی

ے سبزی ور چرس پینے سے پیشتر لعل اور شہباز کا نام لے لیتے ہیں جو اُن کے عقیدے میں دو بزرگ گزرے ہیں

ے مضمون غیاث اللغات سے مستفاد ہوتا ہے ۱۲

ے جھانجھ بہتر ہی ترنگ ۱۲

ے بھنگی ۔ بنگ نوش یہ مصرع بطور ضرب المثل مستعمل ہے ۱۲ شہباز

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

کل مجھے دریا پر خواجہ خضر جو مل گئے
کم خوراک اور ناتوانی کے گلے میں جب گئے
سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا لیے
تب تو وہ منھ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

پھر کہا میں اُن سے یوں اے میرے ہادی رہ نما
جی بھی رہتا ہے اُداس اور دل بھی رہتا ہے خفا
میں نے کچھ دیکھا نہیں دنیا میں آنے کا مزا
سوچ سوچ آخر انھوں نے پھر یہی مجھ سے کہا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد و مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن
سن کے بولے وہ بتا دیں ہم تجھے اسکا جتن
میری کچھ لگتی نہیں اللہ سے دل کی لگن
جا شتاب اور جلد سبزی لے کے اک ڈھائی من

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

زر ہے تیرے پاس تو سبزی کا تو بیوپار کر
ٹاٹ کے بورے سلا کھیتے کھدا کوئیں بھی بھر
کوٹھیاں مٹکے گھڑے کوزے صراحی بھر کے دھر
بیٹھ گھر میں چین سے دن رات اور شام و سحر

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اور تجھے کھیتی کی قدرت ہے تو سبزی کو بُوا
گھونٹ سبزی چھان سبزی اور سبزی میں نہا
باغ میں گھر میں یا صحن میں پیڑ سبزی کے لگا
دیکھ بھی سبزی کو اور سبزی ہی پی سبزی ہی کھا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل

سلہ اعصا عصا کا مزید علیہ جیسے شتر سے اشتر ۱۲ سلہ خوراک میں [illegible] کو دبنا اگرنا جائز [illegible] متقدمین ایسا سمجھ جاتے تھے اب کہ زبان ترقی کر چکی ہے ایسا نہ چاہیئے آ سکتی سلہ [illegible] کو خضر کو قول بھی سمجھ سکتے ہیں اور نظیر کا بھی ۱۲ شہباز سلہ صحن بفتح اول وسکون دوم درست ہے ۱۲ [illegible]

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ سخن تو سب نشے بازوں میں اب ہے گا مچا
جوں ہے سلطان بھنگڑ سے تو پوچھے گا بچا

یعنی سبزی کا نشہ اب سب نشوں کا ہے چچا
وہ یہی تجھکو کہے گا خوب شور و غل مچا

گونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر
گر تو چاہے اب سخن سرسبز ہو اور دل پذیر

طفل اور بوڑھے کو یاقوتی[1] جواں کے حق میں کھیر
تو کوئی دو چار من سبزی منگا کر اے نظیر

گونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۹۲)

عاشقوں کی سبزی

جتنے ہیں اس جہاں میں سبزی کے عشق والے
پیتے ہیں سبز لُڑے کھاتے ہیں تر نوالے

دل شاد سرخ آنکھیں سرسبز منھ اُجالے
کیا دیکھتا ہے بیٹھا او یار حسن والے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیر اُلگھ گھومے چھپر پا لے

غیروں کی تو نے اکثر مجون تو ہے کھائی
گر دیکھتی ہے تجھکو کچھ عیش کی چڑھائی

سرخی ذرا بھی تیری آنکھوں تلک نہ آئی
اُچھلیں دوال پاکھے اور بچھا ندیں چارپائی

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیر اُلگھ گھومے چھپر پا لے

گھولے ہے پوست تیری خاطر رقیب جھڑ دا
اب پوستی کرے گا تجھکو وہ چور بھڑ دا

[1] یاقوتی ایک قسم کی دوا جو مفرح اور مقوی قلب ہوتی ہے [illegible] آسی [illegible] نشہ آجائے نشے سے چہرے پر رونق آجاتی ہے آنکھ کی طرف اشارہ ہے شہباز کی بہت افیم پوستی [illegible] بھر [illegible] آسان کر کے کھا [illegible]

سلہ کھڑوا ایک زیور جو کلائی پر پہنا جاتا ہے ۱۲ سلہ گڑوا ایک قسم کا پانی رکھنے کا گھڑا۔ ایک قسم کا گلدان جو گویے اور کنچنیاں بسنت کی تقریب میں امیر ہندوؤں کے یہاں پیش کرتی ہیں اور کچھ بطور انعام بخشش پاتی ہیں ۱۲ سلہ بھنبھنا۔ ناک سے بولنے والا غنغنا کر بولنے والا۔ وہ شخص جس کی آواز غنغناہٹ ہو۔ وہ شخص جس کی آواز کو غنہ لازم ہو ۱۲ سلہ بھنبھنانا ناک سے بولنا۔

دیکھے گا جب تو اسے گا تیرا اُتار کھڑوا
اگر سیر دیکھتی ہے تو کرکے دل کو گڑوا

پی عاشقوں میں آ کر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کھا کر افیم ظالم مت ہو جیو افیمی
کیوں بھنبھنا بنا ہے اے گل عذار سیمی
تن سب کھجا کے کھجا دے آواز ہو گی دھیمی
عاشق تو آپ اسی کے من ست ہیں قدیمی

کیوں بنتا ہے اے گلعذار بھنبھنا یمی ؟

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

تاڑی بھی سیندھی بوزہ ظالم اگر پیے گا
پی کر شراب ناحق کیچڑ میں گر پڑے گا
پھولے گا پیٹ تیرا یا میٹھ قے کرے گا
اور یہ نشہ تو بیٹھے بیٹھے پر لے اُڑے گا

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

گانجا پیے سے ہوگا تیرا شعور ہتڑا
چاہے اگر اُڑانا عشرت کا باز جرا
اور چرس کے پیے سے تجکو لگے گا گھرا
تو پہن ہار بدھی اور سر پہ رکھ کے کڑا

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے
گردیکھنے ہیں تجکو کچھ عیش کے جھڑاکے
کونڈی کی ڈگمگاہٹ سونٹے کے سب کھڑاکے
تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑ جھڑا کے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

سبزی کا وہ نشہ ہے اُڑ غم کی دھول جاوے
آنکھوں کے آگے آکر سرسوں سی پھول جاوے
پیارے تن بدن ہو اور دل بھی پھول جاوے
عشرت کی لہریں آویں اور کھ درد بھول جاوے

... آواز ... کبھی بولنے والا ... ٹا بالطبع جھنجھلانا ... زور ... العمر ... کھلنے کا نام جس سے آواز ... کی آتی ہے ۱۲ سلہ ... ۱۲ سلہ ... ایک قسم کی ... اور چاول وغیرہ کی شراب جسے انگریزی میں بیئر کہتے ہیں ۱۲ سلہ ہتڑا نوچ یا کسی جماعت کا منتشر ہو جانا۔ تتر بتر ہو جانا کل قیدیوں کا جیل سے آزاد ہو جانا۔ شعور ہتڑا ہو گا یعنی تتر بتر ہو جائیگا منتشر ہو جائیگا کافور ہو جائے گا یا اُڑ جائے گا سلہ دھڑا کے دھوں ہیں اصل میں دھڑا کا توپ کی آواز کو کہتے ہیں جو دھڑ سے کان میں آئے جیسے بندوق کی آواز توپ کی آواز نوم کے گولے کی آواز اور چونکہ دھوم کی تقریبات میں اس قسم کی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں لہذا دھڑاکے کے معنی دھوم کے ہو گئے۔ دھوم کے ساتھ جب بولتے ہیں تو دھڑا کا بسقوط الف و تشدید کاف کہتے ہیں ۱۲ سلہ جھڑاکا۔ بوچھار۔ سخت جھڑی۔ زور کی جھڑی ۱۲ سلہ جھڑ جھڑانا۔ زور سے جنبش دینی۔ زور سے جھاڑنا۔ کان پھٹپھٹانا ۱۲ شہباز۔

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

پیسا ہو پاس یارو یا مفلسی سہیں گے
کونڈی کے اس طرف کو یا اس طرف رہیں گے
پر سبزیوں کے یاں تو دریاؤ ہی بہیں گے
اب تو نظیر پیارے ہر دم یہی کہیں گے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

(۹۳)

مستی عشق

ہیں عاشق اور معشوق جہاں واں شاہ وزیری ہے بابا
نہ رونا ہے نہ دھونا ہے نہ درد اسیری ہے بابا
دن رات بہاریں چہلیں ہیں اور عیش صفیری ہے بابا
جو عاشق ہوئے سو جانے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
یاں جتنا رنج و تردد ہے ہم ایک سے بھی آگاہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

کچھ ظلم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دل گیری ہے بابا

جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں اُس دلبر کی پھلواری ہے
کہیں سبزی کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے
دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور آس اُسی کی بھاری ہے
بس آپ ہی وہ داتا ہے اور آپ ہی وہ بھنڈاری ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نت عشرت ہے نت فرحت ہے نت راحت ہے نت شادی ہے
نت مہر و کرم ہے دلبر کا نت خوبی خوب مرادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارکبادی ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہیں تن تو گل کے رنگ بنا اور منھ پر ہر دم لالی ہے
جز عیش طرب کچھ اور نہیں جس دن سے سُرت سنبھالی ہے
ہونٹوں میں راگ تماشے کا اور گت پر بجتی تالی ہے
ہر روز بسنت اور ہولی ہے اور ہر اک رات دوالی ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہم چاکر جس کے حسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلا ہے
اُس نے ہی ہم کو جی بخشا اُس نے ہی ہم کو پالا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا متوالا ہے
کیا کہیے اور نظیر آگے اب کون سمجھنے والا ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

سلہ داتا [illegible] داتا [illegible] یعنیوں ایک معنی رکھتے ہیں دینے والا یعنی رزاق۔ جواد۔ کریم ۱۲
سلہ بھنڈاری خزانچی میر سامان ۱۲
سلہ عشرت ہوش ۱۲ شہانہ

اخلاقیات

مذمتِ دنیا

(۹۴)

اے دل نہ رہ تو عالمِ ہستی میں بے خبر — غفلت میں اپنی عمر نہ کھو شام اور سحر
اوقاتِ زیست لہو و لعب میں نہ کر بسر — دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر

دل کے فریب دینے کو کر مہر و التفات — ناز و ادا میں رکھتی ہے کیا کیا تنوعات
بدلے ہے رنگ و روپ ہزاروں ہی دن و رات — آج اس پہ تھی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر

وہ ناز و حسن رکھتی ہے اے دل یہ پیر زال — جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکھ جال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و وبال — ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

جاتی ہے مثلِ گل چمنِ ناز میں جو کھل — بلبل نفس سے اپنے وہیں بیٹھی ہو گی مل
عیارگی و عشوہ گری کر کے متصل — سحر و فسوں وہ رکھتی ہے پھر فریبِ دل
حیراں ہو سحرِ سامری بھی جس کو دیکھ کر

ملاحظہ: اس نظم کی بندش میں سلاست ہے اور عبارت میں نزاکت۔ طرزِ ادا میں متانت شاعرانہ سنجیدگی اور نکتہ سنجانہ سخن سنجی شروع سے اخیر تک قائم ہے۔ شہباز

جس دل کو اس نگار کی آئی ادا پسند ۔۔۔ اک دم وہ شاد ہو گئے رہا پھر الم میں بند
رکھتی ہے اپنے دوش پہ ہر دم نئی کمند ۔۔۔ لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب سے چکھے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر

تو اس نگار عہد شکن سے لگا نہ دل ۔۔۔ حاصل نہیں کچھ اس سے بجز رنج جاں گسل
زنہار اس کے بیٹھیو جا کر نہ متصل ۔۔۔ جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بہ یک دگر

آگے بھی میں نے تجھ کو جتایا ہے کتنی بار ۔۔۔ یعنی تو اس کا کیجیو ہرگز نہ اعتبار
ہیں کید و مکر عذر اسے یاد بے شمار ۔۔۔ تو بھی جو اس کے پاس لگاوے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

اک دن بھی تو کرے گا جو اس بے وفا کی چاہ ۔۔۔ برسوں ہلاک کرے گی یہ پرفن تجھے تباہ
ہرگز کسی کے ساتھ یہ کرتی نہیں نباہ ۔۔۔ میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

سفر گزیں مسافر ہوا

جو گل کہ رنگ و بوئے وفا کے نہ ہو قریں ۔۔۔ دل اس سے باندھنے میں اذیت ہے بالیقیں
اٹکے اگر تو یاں تو مناسب تجھے نہیں ۔۔۔ تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر

کرتا ہے فکر دل میں کہ منزل کو جا کے لے ۔۔۔ تو جلد رہروی کے غم و رنج سے چھٹے
ٹھہرے ذرا تو رہ میں دم لے کے اٹھ چلے ۔۔۔ گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر

اس گلستاں کو گر دہ اقامت کا دیوے خط ۔۔۔ دو دن میں پھر تو وہ رہ منزل کرے غلط
جاتا ہے کر کے ایک نگہ سرسری فقط ۔۔۔ بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
سیر مسافرانہ کر اور اس سے درگذر

جانا ہو عزم کر کے مسافر کے تئیں جہاں
تو بھی جو اپنا فائدہ چاہے تو مہرباں
اٹکے کہیں تو پہونچے وہ پھر کس طرح سے ہاں
اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۹۵)

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

مکافاتِ عمل

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اُس کو بھی ارمان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو پان کھلاوے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
جو جیسا جسکے ساتھ کرے پھر ویسا اُسکو آن ملے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو حق اُسکی بھی جان رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اُسکی بھی حق آن رکھے
یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو اُسکی بھی ناؤ اترتی ہے
جو غرق کرے پھر اُسکو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے

لہ اس نظم کا عنوان متداول نسخوں میں دنیا کی نیکی بدی ہے لیکن اس سے پوری طرح نظم کا مقصد ادا نہیں ہوتا۔ اگر اسی عنوان کے لفظوں کو قائم رکھا جائے تو مقصد نظم اس عبارت میں ادا کیا جا سکتا ہے کہ "دنیا کی نیکی بدی دنیا ہی میں آگے آتی ہے" یعنے دنیا دار المکافاۃ ہے مو شہباز

شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو مصری اور کے منہ میں دے پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے
جو اور کے تئیں اب ٹکر دے پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے
جو اور کو ڈالے چکر میں پھر وہ بھی چکر کھاتا ہے
جو اور کو ٹھوکر مار چلے پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں یہ جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب بچارا ہے حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
وہ جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے اُس کا بھی اور اُچکتا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلا دے اُس پر بھی دھوپ دھڑکتا ہے
یاں نشتی میں تو نشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکا ہے
کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے کیا زور یہ بھیڑ بھڑکا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اُسکے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے ٹپکے کے بیچ جو ہے ٹپکا
کیا کہیے اور نظیر آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

(۹۶)

دنیا دھوکے کی ٹٹّی ہے

یہ سیٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکٹّھی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ بُھنتا ہے پکوان مٹھائی پٹّی ہے[1]
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹّی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ چولھا بھاڑ نہ بھٹّی ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا بنواتا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی ناتی پوت کہاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ رشتا ہے نہ ناتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی سیٹھ مہاجن لاکھپتی بزاز کوئی پنساری ہے
کیا جانے کون خریدیگا اور کس نے جنس اُتاری ہے
یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو دلّال نہ کوئی بیوپاری ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی پھول کی مانند بیٹھے سند پر کوئی رو دے اپنی ذلت کو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق ناحق کو
کوئی بولے اپنا مجھ سے لو اور میرا ہے سو مجھکو دو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ دینا ایک نہ لینا دو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

[1] پٹّی ایک قسم کی مٹھائی، کشباز

رمال نجومی عامل ہی اور فاضل ملّا سیانا ہی
تعویذ فلیتا فال فسوں اور جادو منتر لانا ہی
کوئی عاقل کامل دانا ہی کوئی مست پڑا دیوانہ ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر بہانا ہی

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں بٹمار کسی کا ڈیرا ہی
نت قصّے جھگڑے کرتے ہیں یہ تیرا ہی یہ میرا ہی
کوئی باغ کنواں بنواتا ہی اور گھیر کسی کا گھیرا ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ میرا ہی نہ تیرا ہی

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کہیں دھوم مچی ہی قرضوں کی کہیں قرضی لگ دکھ دیتا آکر
ہر روز تقاضا دھرنا ہی دکھ دینا پیسا لینا ہے
کوئی ہیر اپنا پرکھا دے اور بیچے کوئی چینا ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ہی نہ دینا ہی

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی بنیا ہی کوئی تیلی ہی کوئی بیچے پان تنبولی ہی
کہیں گون ڈھلی ہی ناجوں کی کہیں تھیلا تھیلی کھولی ہی
کوئی سر پر رکھ کر کھینچے ہی کوئی باندھے پھرتا جھولی ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو اک دم کی بولا ٹھولی ہی

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہی کوئی باندھ پھرا عمامہ ہی
کمخواب گزی اور گاڑھے کا نت قضیہ ہی ہنگامہ ہی
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہی نہ پگڑی ہی نہ جامہ ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پگڑی ہی نہ جامہ ہی

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہی کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہی
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہی کوئی ننگے منگے آتا ہی

سلہ چینا بیاسے مجہول ایک غلہ کا نام ہی ۱۲ شہباز

سلہ فارس نے کیری کے معنی بیدے کے سوداگر کے لکھے ہیں اور اس کو دکنی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ غالباً اسی لفظ کی ہندوستانی شکل

کوئی پوجا کتھا لگھاتے ہے کوئی چھاپا تلک لگاتا ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑ اکیلا جاتا ہی

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہی کوئی ہنستا ہی کوئی ناچے ہی کوئی گاتا ہی
کوئی چھینے جھپکے لے بھاگے کوئی دھونس دھڑ کا لاتا ہی
کوئی مال اکٹھا کرتا ہی کوئی کنجی قفل لگاتا ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا رگڑا جاتا ہی

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بیچے بھنگ شراب افیون کہیں دودھ دہی کی پھیری ہے
کوئی پلا سر پہ لاتا ہی کوئی لادے بیل کیری ہی
کوئی جھگڑے اپنی جاگہ یہ یہ میری ہی یہ تیری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ تیری ہی نہ میری ہی

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں ٹلی ٹیو کی ٹھنی ہے کہیں گھاس کی پولی ہی
کہیں چھلنی چھاج پٹارے ہیں کہیں چج لٹھا چکی چوکی ہی
ترکاری بیگن ساگ کہیں گڑ گنا اگا جر مولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھوٹ یہ کھیت بھولی ہی

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بان اٹری ٹاٹ کڑی کہیں ڈھیر کھڑ گج تکلا ہی
کہیں بک رہا خوردہ ہی کہیں کوڑی پیسا دھیلا ہی
کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہی کہیں چھینکا رسی رستا ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پیڑھی کھاٹ نہ چرخا ہی

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی شکرا باز اڑاتا ہی کوئی ہاتھ پہ رکھے تیتلی ہی
شاباش کوئی لے بیٹھا ہی اور دور کسی نے دت لی ہی
ہی تار کسی کے ہاتھوں میں اور ناچتی پھرتی تیلی ہی
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ ریشم سوت نہ تکلی ہے

کیری ہے۔ کیری کوئی چھوٹے درجہ کے پیشہ ور ہیں جیسے جلاہے دھنئے بقال ۱۲ سلہ ٹیو کی ستون چوبی سلہ چوبی چیلکی تنسیخ ہے ۱۲ سلہ ... ۱۲ سلہ مٹی بالکل گویا باقسم باندھا ہی غالب قدیم محاورہ میں اس کی تلفظ یوں ہی ہوگا ۱۲ سلہ اس مصرع میں قافیے کو بے تکلف باندھا ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی نے تو کوئی کارنامہ کر کے شاباش حاصل کی ہے ہر طرف سے تعریف ہو رہی ہے اور کوئی ایسے بدنصیب ہیں کہ دوڑ کر گئے تھے کسی اور مطلب کے لیے مگر وہاں دھتکارے گئے اور شاباش کی جگہ دوت ریک بتائی گئی

دت ایک کلمہ ہے برملامت اور نفرت کی جگہ بولتے ہیں ۱۲ شہباز۔

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

اب کس کا رنگ بُرا کہیے اور کس کا روپ بھلا کہیے
پہ سیر تماشا دیکھ نظیرؔ اب جا کہیے بیجا کہیے
اک دم کی بیٹھک لگی ہے یہ انبوہ مزاحم جا کہیے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ پہیلی کیا کہیے
غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

(۹۷)

دُنیا دار المکافاۃ ہے[1]

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا گو مثل گل پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھاس کا پُولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر بھولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھُولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

شوخی شرارت مکر و فن سب کا بسیکھا[2] ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ خود بھی دیکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے بل تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

[1] اس نظم کا دوسرا عنوان ہے "کلجگ کا بیان" ۔ [illegible] اسکو یا اسکیا [illegible] مثل ۔ ان تینوں کا ہی [illegible] ۔
[2] بھی دیکھا وہ بھی دیکھا [illegible]

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کی توڑے دُھڑی اُسکا بھی ٹوٹے ہے دُھرا
جو اور کے مارے چھُری اُس کے بھی لگتا ہی چھُرا
جو اور کی چیتے بدی اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
جو آج دیوے گا میاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جَو سے جَو چانول سے چانول پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہی
دُنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہی
آرام میں آرام ہی آزار میں آزار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

تُو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
کر مشکل آسان اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

جو گل کھلاوے اور کا اُسکا ہی گل کھلتا بھی ہی
جو اور کا چھیلے جگر اُس کا جگر چھلتا بھی ہی
جو اور کا کیلے ہی مُنھ اُس کا ہی مُنھ کلتا بھی ہے
جو اور کو دیوے کپٹ[1] اُسکو کپٹ ملتا بھی ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

کرچک جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہی
نقصان میں نقصان ہی احسان میں احسان ہے

[1] کپٹ ۔ دھوکا دغا کپٹ کے معنی منافقت کے بھی ہیں جو ایک اعلیٰ درجہ کا دھوکا ہے۔ کپٹ دے یعنی منافقت کا برتاؤ کرے ۔ وفاداری کے بدلے بے وفائی کرے ۱۲ شہباز

تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیے تو چھان کر
تیرا بھی نقصان ہووے گا اس بات اوپر دھیان کر
یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گذران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحبِ ادراک رہ
ہر حال میں تو بھی نظر اب ہر قدم کی خاک رہ
دل شاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رہ بے باک رہ
کلجگ نہیں کرجگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

(۹۸)

دنیا[1]

یہ جتنا خلق میں اب جا بجا تماشا ہے
نہ جانو کم اسے یارو بڑا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
جدھر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] اس نظم کا عنوان فقط دنیا ہے دنیا کے تماشے ... نظر میں ... لیکن مذاق جدید کے ... عنوان کر دیا ... نظم کا مطلب ... کبیر داس کے اس قول سے ... کیا ہے۔ کبیر ... کی الٹی بانی ... ہے کمل بھیجے پانی ... کبیر داس کی الٹی بانیاں ... ہیں۔ اس نظم کے مناسب عنوان ... [illegible] ... عجب تماشا ...

مرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں ہوش بجا
جو ہے طلسم حقیقی وہ جاوے کب سمجھا
کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں اُلٹا
عجب بہار کی ایک سیر ہے اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

نہیں ہے زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں
چپٹ کے اندھے بھی بیروں کے تئیں پکڑتے ہیں
جو زور والے ہیں وہ آپ سے بچھڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کبڑے اکڑتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے پر ہیں وہ پانوؤں سے چلتے پھرتے ہیں
مثال روح کے لنجے بھی چلتے پھرتے ہیں
جو بن پروں کے ہیں وہ منکھے جھلتے پھرتے ہیں
ہرن کی طرح سے لنگڑے اُچھلتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بنا کے نیار یا زر کی دکان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
جو ہنڈی دال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریاں گھستی ہیں اور گدھ گھنگو پڑھتے ہیں
کتابیں کھول چنڈ بیٹھے سایہ کرتے ہیں
پتنگے بوند ہیں مچھر فلک پہ چڑھتے ہیں
نماز بلبلیں طوطے قرآن پڑھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عراقی بھوس ٹٹھیرے گھوڑے چباتے ہیں
جو شیر ہیں اُنھیں گیدڑ رگھڑے چڑاتے ہیں
گدھے پلاؤ ٹھئیں لات مار جاتے ہیں
پڑھن تو ناچے ہیں مینڈک ملار گاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

لٹوں کی لمبی دمیں مور سب لنڈورے ہیں
جو سادھ سنت ہیں لُچے سو وہ ادھورے ہیں
سفید کوّے ہیں چیلوں کے رنگ گورے ہیں
گیٹ کی ندی پہ بگلے بھگت کے پورے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلہ جھلنا دھوکا دینا۔ فریب دینا۔ مطلب مصرع کا یہ ہے کہ لنجے جھلاوا ہو رہے ہیں۔ ابھی یہاں ہیں ابھی وہاں ابھی مخفی ہیں ابھی عیاں ۱۲ سلہ پڑھن مچھلی کی ایک قسم ۱۲ شہباز

زباں ہر جس کی اشارت سے وہ پکارے ہر
جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہر
کلاہ ہنس کی کوّا کھڑا اُتارے ہر
اُچھل کے مینڈکی ہاتھی کے لات مارے ہر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں
کمینے اپنی بڑی ذات کے نو سیلے ہیں
جو باز شکرے ہیں پا پڑ کھڑے وہ بیلے ہیں
لگھڑ تو مر گئے اُتو شکار کھیلے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن میں خشک بنوں بیچ آب جاری ہر
خراب پھول ہیں کانٹوں کی گلعذاری ہے
سیاہ گوش کو بڈری نے لات ماری ہر
دبکتے پھرتے ہیں چیتے ہرن شکاری ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کی ڈاڑھی ہے اُن کی تو بات واہی ہر
جو ڈاڑھی منڈے ہیں اُن کی سند گواہی ہر
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے
اُجاڑ شہر ہیں مُردوں کی بادشاہی ہر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں میں عقل نہیں وہ بڑے سیانے ہیں
جو عقل رکھتے ہیں وہ باؤلے دوانے ہیں
زنانے شوق سے مردوں کے پہنے بانے ہیں
جو مرد ہیں وہ بڑے ہیجڑے زنانے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں
جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دُھنتے ہیں
برستے دھوئیں ہیں اور ابر تنکے چُنتے ہیں
کباب بھُونتے ہیں اور کبابی بھُنتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمگاڈر[1] دن کے تئیں رت جگا مناتی ہر
چھچھوندر اور کبھی گھی کے دیے جلاتی ہر
جو چُھپا ڈھول بجاتی ہے گھونس گاتی ہے
گلہری بیٹھی ہوئی گلگلے پکاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] چمگاڈر وزن میں نہیں آتا شاید چگادڑ باسقاط میم والف لکھا ہو مگر وہ مسموع نہیں ہے بہرحال صریح نقص سے خالی نہیں اسی واسطے اس بند کو بعض نسخوں سے خارج کر دیا ہے لیکن نقص وزن کے سوا مضامین بہت تماشے ہیں اس طرح کا نقص نظیر کے بعض اور کلام میں بھی ہے [illegible]

جو نوجواں ہے طوائف وہ بوڑھی بھبلاؔ ہے　　جو بوڑھی پھوس ہے بارہ برس کی ابلاؔ ہے
بجے ہیں چھاج پڑے چھلنیوں کا ڈھیلا ہے　　نقارے پھٹ گئے مرزنگ ہے نہ طبلا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

پہن کے ریشمی پوشاک جب دکھاتی ہے　　گدھوں سے ہنستی ہے کتوں سے مسکراتی ہے
پری تو کوڑی کی مستی کو داغ کھاتی ہے　　چڑیل پان کے بیڑے کھڑی چباتی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

خبیث دیو پلید آ کے آگ سے لڑتے ہیں　　جو آدمی ہیں وہ ان سب کے پاؤں پڑتے ہیں
بلائیں بیٹھی ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں　　یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مردے لڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتی کے تئیں لتاڑے ہے　　شتر کے گھر کے تئیں لومڑی اُجاڑے ہے
ہماؔ کو بوم ہر ایک تت مارے دھاڑے ہے　　غضب ہے بودنا سارس کا پر اُکھاڑے ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

کٹے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں　　بنولے پکتے ہیں انگور آنب سڑتے ہیں
سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں　　بخیل موتیوں کو موسلوں سے چھڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکر کے غم میں شکر خورے خاک اُڑاتی ہے　　جلیبی بیر تلے اوپر کھی بھن بھناتی ہے
اُڑے ہیں مچھلیاں مرغی کھڑی نہاتی ہے　　جنگل کی ریت میں مرغابی غوطہ کھاتی ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ٹھگ تھے اپنی وہ ٹھگ بدیا سے چھوٹے ہیں　　مسافروں کے گلے پھانسی ڈال گھوٹے ہیں
اندھیری رات میں گھر جو ڈوں کے پھوٹے ہیں　　سبھوں کو دن کے تئیں ساہو کار لوٹے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلہ بھبلا بھبل کا مخفف ہے بھبل موٹی جسیم عورت کو کہتے ہیں ۱۲ سلہ ۲ دبلا نازنین نازک اندام ۱۲ سلہ ۳ چھٹ چھانٹ کر دھان سے چاول جدا کرلینا پچھاٹ کر دھان سے چانول نکالنا شہباز

تدرو روتے ہیں اور زاغ کھلکھلاتے ہیں
خموش بلبلیں اور بھنگے چہچہاتے ہیں
پڑے اٹاریاں اور بڑے بنگلے چھاتے ہیں
بلوں کو چھوڑ کے چوبے محل اُٹھاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چرند جتنے ہیں پر جھاڑ جھاڑ اُڑتے ہیں
پرند گرتے ہیں اور بوٹی جھاڑ اٹتے ہیں
پڑیں ہیں بستیاں ویران اُجاڑ اڑتے ہیں
اٹل ہو بیٹھے ہیں روڑے پہاڑ اڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکمیاں بھوکے ہیں چیونٹی کے پاس ڈھیری ہے
کلنگ بُزّے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
عجب اندھیرے اُجالے کی پھیر اپھیری ہے
گھڑی میں چاندنی ہے اور گھڑی اندھیری ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عزیز تھے سو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر
حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحب توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر
اب ایسے خلق کے کیا کیا بیاں کروں میں نظیرؔ
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(۹۹)

دنیا میں سب دُم کا تماشا ہے

جہاں میں جب تلک یارو ہمارے جسم میں دم ہے
کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے
کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کے ساتھ عالم ہے
مگر جو صاحبِ دم ہے وہ اس نکتے سے محرم ہے
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

مشقت محنتوں سے جمع کرنا دام درہم کا
تعلق رنج راحت کا تفکر بیش اور کم کا
کبھی سامان عشرت کا کبھی اسباب ماتم کا
کہوں کیا کیا غرض یارو یہ جھگڑا ہے سب اِس دم کا

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے کہوں میں سیم او رزر میں جھگڑے ہیں
جلیبی امرتی برفی گلابی لڈو پیڑے ہیں
اسی کے واسطے عطر اور گلابوں کے تڑے ہیں
غرض میں کیا کہوں یارو یہ سب دم کے بکھیڑے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے کیا محل یہ سنگیں تراشتے ہیں
بہار و باغ و صحرا صید اور شکرے و باشے ہیں
اسی کے واسطے زر سیم کے تولے و ماشے ہیں
فقط دم کے ہی آنے کے یہ سب ٹھاٹھ و تماشے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کی ہیں پوشاکیں یہ رنگیں عطر میں ڈوبی
گدائی بادشاہی عاشقی رندی و محبوبی
اسی کے واسطے ہی سب طرحداری و مرغوبی
اسی دم کے ہی آنے کی ہے اے یارو یہ سب خوبی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے افیون شراب و پوست بھنگیں ہیں
محبت دوستی اخلاص الفت صلح جنگیں ہیں
نشے مستی ترانے عیش و عشرت کی ترنگیں ہیں
اسی دم کے ہی آنے کی یہ سب یارو امنگیں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہی نہ جادم ہے

یہی دم ہاتھی گھوڑے پالکی ہودج پہ چڑھتا ہے
کوئی مفلس ہو گھٹتا ہے کوئی عمدہ ہو بڑھتا ہے
یہی دم بکسی میں ننگے پاؤں سے کھڑا رہتا ہے
جو کچھ ہے اونچ نیچ اے یارو سب دم ہی گڑھتا ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی دم کے لیے یہ سب بنے ہیں سکھ زمانے کے — مزے عیش و طرب کے اور تحمل دکھ اٹھانے کے
جہاں تک شادی و غم ہیں جہاں کے کارخانے کے — یہ سب سکھ ہیں اے یارو اسی اک دم کے آنے کے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی دم کے لیے بدلی میں بگلوں کی قطاریں ہیں — اسی کے واسطے ابر و ہوا اور مینھ کی دھاریں ہیں
چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں — نظیر اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں[1]

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

(۱۰۰)

مذمت اہل دنیا

کیا کیا فریب کہیے دنیا کی فطرتوں کا — مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا — پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اچکّا تو چور رات میں ہے — نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
اُس کی بغل میں کتّی تیغ اُس کے ہات میں ہے — وہ اس کی فکر میں ہے یہ اسکی گھات میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

دیکھے کوئی ہر جن کا ہے گٹھ کٹی دیرا — جامے یہ کھا رہا ہے لچے کا دل حریرا

[1] اس بند میں قید شائگاں کا عیب ہے لیکن متقدمین شعراء اسے روا رکھتے تھے اس عیب کو جائز رکھتے تھے چنانچہ سند مسلم الثبوت سراج الدین علی خاں آرزو کا ایک مشہور اور مقبول مطلع ہے سے رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہید دل کے شب برات

لٹھ مارتا کتا ہے ہر آن سر کا چیرا — جوتی کو تک رہا ہے ہر دم اٹھائی گیرا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چھ کی اور مال دوستوں کا

عیّار اور چھچھورانت اپنے کار میں ہو — اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزاق جس مکاں پر فکر سوار میں ہی — پیادہ غریب اس جا پھر کس شمار میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چھ کی اور مال دوستوں کا

اس راہ میں جو آیا اسوار گہہ کے گھوڑا — ٹھگ سے بچا تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
سو یا سرا میں جا کے تو چور نے جھنجھوڑا — تیغہ رہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چھ کی اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا — کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دو شالا
دانا ملا تو اس میں گھولا دھتورا کالا — ہوتے ہی غافل اسکو پھانسی پہ کھینچ ڈالا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چھ کی اور مال دوستوں کا

پیسے روپے اشرفی یا سیم و زر کا پترا — پھر جیب گھر نہیں لا دے ہی کون ایسا چترا
میدان چوک کھائی یہ فن ہے وہ دھنترا — کرتے ہی جیب چڑھ کر ہاتھی پہ جیب کترا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چھ کی اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل کیڑا ادھر گھسیٹا — کوّے نے وقت پا کر چڑیا کا گھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوّے کا سر گھسیٹا — جو جس کے ہاتھ آیا وہ اس نے دھر گھسیٹا

ل گہہ کے زیان چلا کے قابو میں کر کے لے اڑا
ل دھنترا یا (دھنترا) دھن دولت والا آدمی زبردست طاقتور شہباز

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے ہو صید کا گزارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا
اور صید چاہے دانا کھا کر کرے کنارا
اور کچھ بھی چال چوکا تو وہ ہیں جال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے
کیا کیا کریں ہیں باہم مکر و دغا بہانے
گیدڑ کی دھن لگا دے خود شیر کو ٹھکانے
یاں وہ بچا نظیرؔ اب جس کو رکھا خدا نے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۱۰۱)

دُنیا

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر — اُلفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اُس پہ تھی کمیں تو لگادی کل اس پہ گھات — حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اُس کے گرفتار کا یہ حال — جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل — حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقد عُمر کے شیریں ہو مثلِ قند — جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اُس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل — ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بیک دگر
تو بھی جو اُس کے پاس لگا دے گا دل تو یار — اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اُس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ — لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزیں
گرد رہ میان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط

کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوے کمر
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گزر

اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۱۰۲)

مذمّت بخل

صدائے درویش

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا

دُکھ اس میں ترا روح بہت پاوے گی بابا
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آوے گی بابا

پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہو رکھ یاد تو یہ بات
دینے سے رہے اس کے ترا اونچا سدا ہات

کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
اور یاں بھی تری گذرے گی سو عیش سے اوقات

اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

دولت کی یہی خوبی ہے سو نعمتیں کھا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارات بنا ڈال

کمخواب پہن بادلہ اوڑھ اور بنا ڈال
اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال

پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
اور تونے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی

چڑھتی ہیں پہاڑوں کے اُپر ناؤ سخی کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی

خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبواوے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں یہ اب پھولے ہے جوں پھول
مردود بھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خنذی ترے ساتھ نہیں جاوے گی بابا

یہ + + + پرائی ہے ترا اس کے تو چھل میں
آج اس کی بغل میں ہے تو کل اُسکی بغل میں
ٹھنڈک نہیں پڑنے کی کبھی اس کے تو چھل میں
جب تن سے تری جان نکل جاوے گی پل میں
تو جاوے گا اور یہ یہیں رہ جاوے گی بابا

گر نیک کہاتا ہے کر اس جا سے کچھ احسان
ہندو کو کھلا پوری مسلمان کو کھلا نان
کھا تو بھی اسے شوق سے اور عیش پہ رکھ دھیان
تو اُس کو نہ کھاوے گا تو یہ بات یقیں جان
اک روز یہ خنذی تجھے کھا جاوے گی بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا
بیٹوں کو رفیقوں کو عزیزوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت میں اُڑا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
ورنہ تجھے پھر دُکھ میں یہ پھنسواوے گی بابا

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جاں
اور تیری سنے گا وہ بخیلی کی سی گذران
جب کھینچ بلاوے گا لگا کر کوئی طوفان
تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
یہ دوست ہی دشمن تیری ہو جاوے گی بابا

کہوے گا کوئی اس کے تئیں باندھ کے لٹکا
کہوے گا کوئی توبڑا منھ اس کے میں چڑھوا
کہوے گا کوئی کپڑے بھی سب اسکے اتروا
سو ذلت و خواری سے تجھے دیکھ کے پھرتا
بندھواوے گی اور مار بھی کھلواوے گی بابا

اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال
تو چور چرا لیوے گا یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ تو پھر ہووے گا یہ حال
قسمت سے تری جب کبھی آ جاوے گا بھونچال

سلہ خنذی نبوڈ بدچلن عورت ۱۲
۵لہ جھل شہوت نفسانی ۱۲ آسی
ستلہ یعنی بیتقسیم کامل ۱۲ شہباز

پھر پیچھے ہی پیچھے یہ سرک جاوے گی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہر سو گھٹے گی
جاوے گی کہ رہی وہ تجھ سے کرے گی
جب تک تو جیے گا یہ تجھے چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی بابا

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا
جب اُس میں تو اٹکے گا نہ دم نکلے گا پھڑکا
اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
کپڑوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے تری جان نکل جاوے گی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
وہ ناچ مزہ دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں گھبراوے گی بابا

اُس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی بابا

جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پڑے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا
تو قبر میں رہ رہ کے کف افسوس ملے گا
بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کٹواوے گی بابا

جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ
ساقی و صراحی و پری زاد کے ہمراہ
جب دیکھے گا سو عیش میں تو اُسکے تئیں آہ
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے میں اتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا
تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا سلگا کے کوئی بار فلیتا

دھوبنی بھی تری ناک میں دلوا دے گی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو تجیلی کا نہ کر کام
اس کام کا آخر کو بُرا ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوے گا دشنام
زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیزاریں ترے نام پہ لگوا دے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان
گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
جیسا ہی اُسے اُس نے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلا دے گی بابا

(۱۰۳)

تن کا جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا
اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا
اس میں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا

اپنا نہ مول کا نہ اجاڑے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے اسی میں سیانے ہیں
اس میں ہی ہوشیار اسی میں دوانے ہیں
اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں
شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں تماشے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں
اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں
اس میں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں
شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا

ملہ اکبر آباد میں کوئی بزرگ شاہ جھونپڑا لقب تھے جن میں ان کا شمار تھا ان کی زبان پر یہ شعر بہ وقت جاری رہتا تھا۔ نظیر کو پسند آیا اس کی تضمین کردی اس تضمین میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا جسم گویا جھونپڑا ہے جس میں وہ آن کر ٹھہر گیا ہے ایک دن اس کو اس جھونپڑے سے کوچ کرنا پڑے گا۔ تنہا زستے تمام وہ جیسے کوئی تازا و رخرد رنہ ہو گا اُسی

بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و منعم امیر ہیں
اس میں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اس میں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں
اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی چور ٹھگ ہیں ہی ہیں مشغول ہیں
اس میں ہی روتی شکل اسی میں ٹھٹھول ہیں
اس میں ہی باجے اور نقارے ڈھول ہیں
شا جھونپڑا ابھی اس میں ہی کرتے کلول ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں
بیدرد بھی اسی میں ہیں اور دردمند ہیں
اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں
شا جھونپڑا ابھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر
اس میں وکیل بخشی و متصدی اور امیر
اس میں ہی سب غریب ہیں اس میں ہی سب فقیر
شا جھونپڑا جو کہتے ہیں سچ ہے میاں نظیر

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہی دم کے گذارے کا جھونپڑا

(۱۰۴)

توکل و ترک تجرید

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول پات بیل بٹا
سب اپنے اپنے کام کے ہیں کر رہے جھمیل

ناتا ہے یاں سو ناتھ جو رشتہ ہے سو نکیل
جو غم پڑے سو اُس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل
نہ بیے

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مست ان سے دل لگا
شجرہ کلاہ پھینک اُڑا دے جھگا تگا
بڑتیں یہ سوتیاں انھیں اے یار مست جگا
آگے کو چھوڑ ناتھ نہ پیچھے کو رکھ پگا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر تو ناتا کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا
چھوڑا کٹم تو پھر رہا رشتا کسی سے کیا
دلبر کو اپنے چھوڑ کے ملنا کسی سے کیا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمین ہے نے تیرا آسماں
اُس کے سوا کہ جب یہ ہوا تو فقیر یاں
تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم و جاں
کوئی ترا رفیق نہ ساتھی نہ ہمرہاں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہے دل کو اپنے تو دے اُس کسی کو ہات
اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل مل کے میٹھی بات
جس یار سے کہ ہو ترے جیتے موے کا سات
مار اٹھے گا دیکھ نہ کھا ان کی آنٹ گھات

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ الفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں
یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

سلہ تونبڑی جو ایک باجا ہو۔ بیل ایک قسم کا باجا۔ عموماً اس کو بیلا کہتے ہیں اندر سے کسی قدر سارنگی سے مشابہ ہوتا ہے۔ سلہ شجرہ زنبو جس کو اب عموماً شجر کہتے ہیں ۲ سلہ اس کو عوام اپنے گلے ڈالے ہیں شجرہ کہ دیا شجرہ [illegible] کہتے ہیں سلہ جھگا۔ لباس اور پہننے کا کپڑا پیراہن کفنی جھگا ہوتا ہے بلحاظ تاریخ کہاں سے مستعمل ہوا ہے لیکن اصل میں یہ ایک ہے اور اس سے مراد سیلی جو فقرا گلے میں پہنتے ہیں جھگا تگا۔ لباس یعنی مع کفنی و سیلی سلہ تگا جس کو عموماً تاگا بھی کہتے ہیں وہ مضبوط رسی جو بیل کے گلے میں باندھا جاتا۔ سلہ [illegible] سے ماخوذ ہے سلہ کٹم خاندان۔ اہل قرابت رشتہ دار سلہ آنٹ گھات [illegible]
شہباز

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے منہ پر کھلے ہیں بال
یہ بال بال اب ہے تری جان کا وبال
مارا ہے تیرے واسطے صیاد نے یہ جال
پھنسیو خدا کے واسطے اس میں نہ دیکھ بھال

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا تو ہے فقیر اُسی کو سمجھ تو یار
دیوے تو لے وہی جو نہ دیوے تو دم نہ مار
مانگے تو مانگ اُس سے ہی کیا نقد کیا اُدھار
اُس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کار و بار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان یہ دریا ہے تھر تھرا ر
جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار
لاکھوں میں اس سے کوئی اُتر کر ہوا نہ پار
ملاح یاں نہ ناؤ نہ بلّی ہے میرے یار

ملاح بلی

ملاح بلی چپو کو کہتے ہیں جس کی مدد سے ملاح ناؤ کھیتے ہیں ۱۲ شہباز

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے یہ طلسمات ہے میاں
شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں
یہ جانور یہ باغ یہ گلزار یہ مکاں
سب کچھ ترے تئیں ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر
ایسا ہی تھا تو فقر میں ناحق کیا اسیر
ہو کر فقیر تو بھی رہا جال میں اسیر
ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو بڑی نہ بیل پڑا ہے سر پہ کھیل

(۱۵)

توکّل

نہ کس امید ندہ نہ کس بامید + خدا امید ندہ خدا امید

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے
مانگ اُس سے جسکے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے
اور درد دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے
مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

قادر قدیر خالق و حاکم حکیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے
مالک ملیک حی توانا قدیم ہے
یعنے اُسی کا نام غفورؔ رحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستار ذوالجلال خداوند کردگار
انسان جنّ و دیو و پری فیل و مور و مار
رزّاق کارساز مددگار دوستدار
جاری اسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے
پر سب نیاز مندوں کا اُس پر ہی ناز ہے
جتنی ہے خلق سب کا وہی کارساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے

۱۵ اس نظم کا عنوان بہتر خدا کے زمین و آسماں کے انعام' دوسرا عنوان یہ بھی ہو سکتا ہے و مطلق حقیقی خدا ہے" لیکن پوری نظم سے جو تعلیم نکلتی ہے وہ توکل کی ہے۔ لہٰذا اسی عنوان توکل کو ترجیح دی گئی ۱۲ شہباز

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑ ساتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ
نے پاؤں پڑ کسی کے تو اے دل نہ جوڑ ہاتھ
اُس سے ہی مانگ جس کے ہیں سب سو کروڑ ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اُس کے سوا کسی کے کنے گر تو جائے گا
شرمندہ ہو کے یوں ہی تو خالی پھر آئے گا
اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
بن حکم اُس کے یار تو اک جو نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زر سیم لعل دُر کو تو بارے اسی سے مانگ
پیسا بھی مانگنا ہو تو جا رے اُسی سے مانگ
صندوق مال دھن کے پٹارے اسی سے مانگ
کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے اسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نعمت مٹھائی شیر و شکر نان اُسی سے مانگ
کمخواب تاش گاڑھا گزی ہاں اُسی سے مانگ
کوڑی کی ہلدی مرچ بھی ہر آن اُسی سے مانگ
جو تجھ کو چاہیے سو مری جان اُسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے
بن حکم اُس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے
اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چھپائے
گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ ساہوکار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پسار
یہ سب اُسی سے مانگیں ہیں دن رات بار بار
پوری تری اُسی کے دیے سے پڑے گی بار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس
ماں باپ یار دوست جگر سب ہے بے نراس
مُحتاجگی سے آپ وہ بیٹھا ہے جی اُداس
ہر دم اُسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر
اللہ ہی ہے غنی میاں اور ہیں یہ سب فقیر
جو مانگنا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیرؔ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

(١٠٦)

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا کیا اُلٹ پلٹ کر کسی میں آ کر یہ دم کسی کے
کسی پہ لطف و کرم کسی کے کسی پہ ظلم و ستم کسی کے
کوئی کرے ہے کسی کی منت کوئی ہے چومے قدم کسی کے
کسے پڑی ہے میاں غرض اب جو کوئی کھینچے بھرم کسی کے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
نہ ہم نے بویا نہ ہم نے کاٹا نہ ہم نے جوتا نہ ہم نے گاہا
نہ ہم نے دیکھی خوشی کی لہریں نہ دردِ غم سے کبھی کراہا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اُسکے اُٹھتے ہی بھر اباہا

له اشارہ ہے اس آیت کی طرف اللہ غنی و انتم الفقراء (شہادت)

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ بات کل کی ہے جو ہمارا کوئی تھا اپنا کوئی بیگانا
کسی کا بیٹا کسی کا پوتا کسی کا پیا کسی کا چھانا
کہیں تھے نانی کہیں تھے پوتے کہیں تھے دادا کہیں تھے نانا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا تھانا تو پھر چھپی سے یہ ہم نے جانا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ سیر دیکھو ابھی ہمیں تھے کسی کے آقا کسی کے نوکر
کہیں تھے ملا کہیں سپاہی کہیں تھے بیٹے کہیں کما گر
کسی کے بندے کسی کے چیلے کسی کے خادم کسی کے چاکر
کھلی جو آکر بھرم کی گٹھری تو سب وہ قضیے ہوئے برابر

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی تھی کان بھی ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
بڑی تھی ذات اور بڑی صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
کہیں تھی شامد کہیں رآمد کہیں تواضع کہیں ادب تھا
خودی کے ٹٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ حسب تھا نہ کچھ نسب تھا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہمارے تھے یار کتنے ہمیں بھی اُن سے تھی اک محبت
کسی سے مہر اور کسی سے کینہ کسی سے ناتا کہیں قرابت
کہیں مروت کہیں فتوت کہیں خصومت کہیں عداوت
اُٹھی جو دل سے بھرم کی ٹٹی تو پھر یہ دیکھی خدا کی قدرت

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ ہم نے کی یاں فقیری اب تک نہ ہم نے کی یاں جہاں پناہی
نہ ہم نے اپنا بناؤ دیکھا نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
نہ فوجداری نہ ملک گیری نہ کچھ وزیری نہ بادشاہی
یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشہ بھرم کی ٹٹی ہر یا الٰہی

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے

عجب طرح کی ہوئی فراغت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

پہاڑ صحرا و جھاڑ بوٹے گھڑے میں ارض سما ہوے سب
بھرم کے اُٹھتے ہی چھوڑ بھاگے جو بھوت جن بھتنے تھے سب
ستارے لاکھوں چمک رہے ہیں تجلی نور و ضیا ہوے سب
کسی کا نام و نشان نہ باقی ہی یا الٰہی یہ کیا ہوے سب

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے لڑیے کسیکے پاؤں پہ جاکے پڑیے
ابھی یہ دُھن تھی نظیرؔ ہیں کہیں بگڑیے کہیں جھگڑیے
کسی سے حق پر فساد کیجیے کسی سے ناحق پہ جاکے لڑیے
دوئی کے اُٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑیے تو کس سے لڑیے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

(۱۰۷)

تلقین توحید

خدا کی خدائی تمام خدائی سے ظاہر ہو

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان
بے رنگ میں ہر رنگ میں نیرنگ میں پہچان
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان

نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان
ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل
نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل

سلہ یہ نظم نظیر کی اچھی نظموں میں ہے۔ اعلیٰ درجے کی شاعری اعلیٰ درجہ کے خیالات تصوف سے نہایت عمدگی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر کلام میں کیفیت بے وطیفہ نہیں بے سبب کچھ ابتیاں کی ترتیب سے مٹی ہوئی ہے ۱۲ اشتہار سے ہی رائے ہیں کہ بغیر شعری نہ اصل کر لیا ہے اور وہ پہیلے کی ایک قسم ہے ۱۲ شہباز

آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڈ پیل
ملتا ہے کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
باندھے کہیں تلوار اُٹھاتا ہے کہیں سیل
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے بُرا حال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال
پھانکے ہے کوئی خاک اُڑاتا ہے کوئی مال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
پہنے ہے کوئی چیتھڑے اوڑھے ہے کوئی شال
جب غور سے دیکھا تو اُسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
پہونچا ہے کوئی پار بھٹکتا ہے کوئی وار
عاجز کوئی بیکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار
زخمی کوئی ماندا کوئی اچھا کوئی بدکار
کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار[1]
بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی زار
مفلس کوئی ناچار تو انگر کوئی زردار
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی کوئی دوست کوئی جان کا دشمن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سُمرن
نکلے ہے جو اہر کے کوئی پہن کے ابرن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن
بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے طاقن
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب فن

[1] سماچار حالات روایات مضامین ... بھوگی متمتع الی ... دستل دنیا سے حصہ کافی رکھنے والا وہ جو دن رات عیش و عشرت میں پڑا رہے عیاش یہ لفظ جوگی کا مقابل ہے جس کے معنی ہیں زاہد متورع ... ممکن ہے کہ بھوگی فقرا کا بھی کوئی گروہ ہو جو زہد کے خلاف عیش و عشرت کو حاصل زندگی سمجھتا ہو جس طرح یورپ میں ایپکیورس کے پیرو ۱۲ متیاز

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنّات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں رُبات

دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سمٰوات
اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیہات
شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی تھانگ[1]
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ

مارے کوئی پارے کو بناوے کوئی ہرگا مگ
محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ
لتا ہے کوئی پوست[2] کو چھانے ہے کوئی بھانگ
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب انگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی
باتیں کوئی میٹھا ہو اکرتا ہے کتابی
مارے ہے زٹل کوئی کہیں جیب[3] ہر دابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی

صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
بنتا ہے کوئی کیفت کوئی مے کی گلابی
سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
ہیں اُس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ

له جتنے نسخے نظر سے گذرے سب میں زُبوات لکھا ہوا ہے مگر میرے خیال میں یہ ربوات کی تصحیف ہے ربوات صحیح ہے ربوہ کی جمع ہے جسکے معنی بلندی اور ٹیلے کے ہیں یہ زیادہ میرے نزدیک شاید صحیح ربیات ہو۔ سکی ۱۲ رگامگ بندوں میں گشتہ کو کہتے ہیں ۱۲
سه تھانگ چوروں کا مسکن تھانگ لگانا چوروں کا پتا دینا اور ان سے حصہ لینا ۱۲
سه پوست چوری کا مال لینا ۱۲ پوست لتا ہی کی جسکی تیار کرنا ۱۲
سه جب زبان جب ہر دابی مکر مخفف ہے ۱۲

کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا مہر ہے کیا ماہ ہے آیا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے اللہ ہی اللہ — کیا بھید نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۱۰۸)

تسلیم و رضا

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں — ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں — بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملالت نہ جگر میں اثر غم — ماتھے پہ کہیں چین نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئی نم — غم میں بھی وہی عیش الم میں بھی وہی دم

ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے — گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر وہیں منہ جوڑ کے بیٹھے — گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے

اور شال اڑھائی تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے دیا غم تو اسی غم میں رہے خوش — اور اس نے جو ماتم دیا ماتم میں رہے خوش

لہ مایا بمعنی شفقت لیکن یہ معمولی معنی ہیں اصطلاحی معنی تصوف ہنود میں اس کے بہت گہرے ہیں مایا اُس ہی ایک خاص قسم کے مغالطے اور دھوکے کا نام ہے جس کو طلسم خیالی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ دھوکا جو انسان کو خداوند قادر مطلق کی نیرنگی قدرت سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ سمجھتا ہے کہ عالم خارج میں اشیا وجود رکھتی ہیں حالانکہ غیر از خیال اُن کا کوئی وجود فی الخارج نہیں۔ اور یہ حالت خدا نے براہ شفقت انسان کی دلبستگی کے لیے پیدا کر رکھی ہے ۲ ۔ اس نظم کا مشہور نام خوشحال نامہ ہے عبد الرحمن خان شاکر نے اسی نام سے اسکو شائع کیا تھا مسودہ اول نسخہ میں اسکے صرف آٹھ بند ہیں ۲ انتہا نز

کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش
جس طور کہا اُس نے اُس عالم میں رہے خوش
دکھ درد میں آفات میں جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم
یکساں ہے انھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اک دم
نہ شب کی مصیبت نہ کبھی روز کا ماتم
دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے اڑھایا تو لیا اوڑھ دو شالا
کمل جو دیا تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اُڑھائی تو وہی ہو گئی بالا
بند ھوائی لنگوٹی تو وہی ہنس کے کہا لا
پوشاک میں دستار میں رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر کھاٹ بچھانے کو ملی کھاٹ میں سوئے
دوکاں میں سُلایا تو وہ جا ہاٹ میں سوئے
رستے میں کہا سو تو وہ جا باٹ میں سوئے
گر ٹاٹ بچھانے کو دیا ٹاٹ میں سوئے
اور کھال بچھا دی تو اسی کھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پیادے کو دیا ہاتھ تو ہو نکلے بھکاری ٹک
بٹھلا کے کھلایا تو وہیں عمر گزاری
میانے پہ چڑھایا تو لگے کرنے سواری
اور پاؤں چلایا تو وہی بات سنواری
جس چال میں رکھا وہ اسی چال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر سونٹھ منگا دی تو وہی چاب لی خوش ہو
اور جوار بھنا دی تو وہی چاب لی خوش ہو
سوکھی جو دلا دی تو وہی چاب لی خوش ہو
روکھی جو اُٹھا دی تو وہی چاب لی خوش ہو

اور دال کھلائی تو اسی دال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پانی جو ملا پی لیا جس طور کا پایا — روٹی جو ملی تو کیا روٹی میں گذارا
دی بھوک اگر یار نے تو بھوک کو مارا — دل شاد رہے کر کے کڑاکے پہ کڑاکا
اور چھال چبائی تو اسی چھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے کہا سیر کرو جا کے جہاں کی — تو پھرنے لگے جنگل و بر مار کے جھانکی[1]
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی — اور پھر جو کہا سیر کرو حسن بتاں کی
تو چشم و رخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم تو قشقہ وہیں کھینچا — جبّے کی رضا دیکھی تو جبّہ وہیں پہنا
آزاد کہا ہو تو وہیں سر کو منڈایا — جو رنگ کہا اُس نے وہی رنگ رنگایا
کیا زرد میں کیا سبز میں کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چادر جو اُڑھائی تو حتی[2] ہو گئے یک بار — باہر کو چلے فقر کی جھولی کو بغل مار
منھ باندھ کے نکلو تو وہیں ہو گئے تیار — سر گھٹ منڈاؤ تو کیا پھر وہی بستار[3]
سب بیٹھ میں سب چال میں سب ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے انھیں کام — تکیے کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے انھیں کام
استھل[4] کی ہوس دل میں نہ مندر سے انھیں کام — مفلس سے نہ مطلب نہ تو نگر سے انھیں کام
میدان میں بازار میں چوپال[5] میں خوش ہیں

---

[1] جھانکی مارنا۔ نظارہ کرنا۔ دید حاصل کرنا۔
[2] حتی۔ ایسا نفس کش فقیر۔ فقیروں کی ایک قسم ہے ۱۲
[3] بستار کے معنی افراط۔ فراوانی۔ بہتایت لکھے ہیں۔ وہی بستار کیا یعنی اسی کی کثرت کر دی سر سے پا تک منڈوا ہی ڈالا۔ کہیں ایک بال نام کو بھی جسم پہ نہ رکھا۔
[4] استھل۔ فقرا کے رہنے کی جگہ۔ ایک قسم کی خانقاہ جس میں فقرا آباد رہتے ہیں اور کچھ انھیں نیا نہیں پڑتا۔ ہندو فقیروں کی خانقاہ ۱۲ استھل
[5] چوپال (چوپاڑ) گاؤں میں لوگوں کے جمع ہونے کی عام جگہ۔ بستی میں کوئی مکان جس میں سب لوگ کسی مقصد عمومی کے لیے جمع ہوں۔ جماعت خانہ بڑے بڑے باغیچے جس میں رکھے ہوتے ہیں پرانی دنیا کا ٹون ہال دیہات میں کبھی کبھی اس مکان سے پاٹھ شالے اور مکتب خانے کا کام بھی لیا جاتا ہے ۱۲ شہباز۔

پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن سے تو جہاں بیچ عجب عالم ہیں نظیرؔ آہ
اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیرؔ آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیرؔ آہ
ہر وقت میں ہر آن میں خرّم ہیں نظیرؔ آہ
جس ڈھال میں رکھا وہ اسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

(۱۰۹)

دم غنیمت ہے

دیکھ ٹک غافل چمن کو گلفشانی پھر کہاں
یہ بہار عشق یہ شورہ جوانی پھر کہاں
ساقی و مطرب شراب ارغوانی پھر کہاں
عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

یہ جو یاں سے گل بدن ملتے ہیں سو گھات سے
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ ان گلرخوں کی ذات سے
ایک دم ہرگز جدا مت ہو تو ان کے سات سے
جس قدر پینا ہو پانی پی لے ان کے ہات سے
اب جنت کو بہت ہوگا یہ پانی پھر کہاں

یہ جو کڑوے ہوئے ہم کو اب جھڑ گئے ہیں یہاں
ان کی تلخی میں ہزاروں ہیں بھری شیرینیاں
اُٹھ سکے جب تک اُٹھا اے دل تو ان کی سختیاں
لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی لطافی پھر کہاں

یہ جو پھرتے ہیں سنہری سبز پوشاکیں کیے
خاک ہو تو بھی لگا رہ ان کے تو داماں سے
ان کی پوشاکوں کی رنگت کو غنیمت جان لے
واں تو چھٹے ہیں وہ لے پر یہ جوڑے زنگار رنگ کے
سوسنی سو ہی گلابی زعفرانی پھر کہاں

رہ وہیں اے دل سدا محبوب رہتے ہیں جہاں
کر لے اُن کی خدمتیں ہر دم دل و جاں سے میاں

[illegible]

جو تجھے دیویں سو لے اور غنیمت اس کو جان
واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہونگے نشاں
ان پری زادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں

منہ جو دکھلاتے ہیں خوباں دم بدم اب تو تجھے
دیکھ غافل ان کے تو جور و جفا سے منھ نہ موڑ
جس گھڑی آکر فنا اپنی دکھاوے گی مروڑ
پھر تو اک دم میں چلا جاوے گا تو ان سب کو چھوڑ
یہ چھبیلے دل ربا محبوب جانی پھر کہاں

حسن خوباں کی جہاں کچھ ہو رہی ہو داستاں
کان رکھ کر سن اسے اور یاد رکھ ہر دم میاں
ان کی اک اک بات کا سننا تجھے لازم ہے جاں
واں تو قصے حور و غلماں کے بہت ہونگے بیاں
ان کی یہ زلف و کمر کی یہ کہانی پھر کہاں

ہو سکے جس طور سن لے دوستوں کی واردات
اور میاں گر آگے آنکلے ہوں جو تجھ پر مشکلات
جس گھڑی آئی فنا کوئی نہ پھر پوچھے گا بات
الفت و مہر و محبت سب ہے جیتے جی کے سات
مہرباں ہی اٹھ گئے پھر مہربانی پھر کہاں

اب جو آغاز جوانی کی بہاریں ہیں میاں
عیش و عشرت میں اڑا لے زندگی کی خوبیاں
پی نشے دھوم مچا کر سیر باغ و بوستاں
واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

ہو کے ہر دم خوبرویوں کی محبت میں اسیر
کھا نگاہ سرمہ سا کے ناوکوں سے دل پہ تیر
وصف اب ان کا جو کرنا ہے سو کر لے دل پذیر
جا پڑے جب ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

…نی ز انا جان
…بھی کچھ میانوں …
…ست نہیں بلکہ
…ون کا اعلان …
…ہے …
…رحانہ کے نصحا
…یہاں، اور میاں
…کے ساتھ …
…ون کا اعلان نہیں
…قافیہ نہیں کہتے ۱۲
…

(١١٠)

تلقین ریاضت لہجۂ فقیرانہ

دلا تو کہنے کو میرے یقین جان میاں
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمان میاں
جو بات تجھ سے کہوں میں اُسے تو مان میاں
دہن میں پھرتی ہے جب تک ترے زبان میاں
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں

ملی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے
عبادت اس کی یہاں دل میں جس نے ٹھانی ہے
یہ چند روزہ ہے اگرچہ ہاں نہ جاودانی ہے
اُسی کو دونوں جہاں بیچ شادمانی ہے
یہی تو کر جو رہے تو بھی شادمان میاں

جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگا دے گا
ہزاروں فائدے دل خواہ اس میں پاویگا
تو یاں بھی خوش رہے گا واں بھی خوش تو جاویگا
اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنوا دے گا
تو اس میں ہوگا نہایت ترا زیان میاں

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ
ریاض روح کو اور گلستان تن کو دیکھ
بہار باغ عنایات ذو المنن کو دیکھ
نعیم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکران میاں

لبوں کو زیب دے قرآن کی تلاوت سے
خوشی ہو دل کو ترے خلد کی طہارت سے
خبر جو ہو تجھے افضال کی بشارت سے
بدن کا حسن بڑھا طاعت و عبادت سے
اسی میں خوبی ہے تیری ہر مکان میاں

کیے گناہ جو رنج و عذاب دیکھے گا
بروز حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا

وگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا | خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا

ہمیشہ حسن عمل سے لگا تو دھیان میاں

یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو مفت نہ کھو | خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
یہ دنیا مزرع عقبیٰ ہے اس میں نیکی بو | کہا نظیر نے جو کچھ تو یاد رکھ اس کو

اسی میں ہے تری سعادت کا ہی نشان میاں

(۱۱۱)

وجد و حال

کیا علم انھوں نے سیکھ لیے جو بن لکھے کو بانچے ہیں | اور بات نہیں منھ سے نکلے بن ہونٹھ ہلائے جانچے ہیں
دل ان کے تار ستاروں کے تن ان کے طبل طمانچے ہیں | منھ چنگ زباں دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل باجے بجکر ٹوٹ گئے آواز لگی جب بھرانے | اور چھم چھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
سنگیت نہیں یہ سنگت ہے ٹوٹے بھی جس سے نٹ مانے | یہ ناچ کوئی کیا پہچانے اس ناچ کو ناچے سو جانے

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہاتھ کو دھویا ہاتھوں سے جب ہاتھ لگے تھرکانے کو | اور پاؤں کو کھینچا پاؤں سے جب پاؤں لگے گت پانے کو
جب آنکھ اٹھائی ہستی سے جب نین لگے مٹکانے کو | سب کاچھ کچھے سب ناچ نچے اس رسیا چھیل رجھانے کو

ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب گھٹنا بڑھنا پھینک ادھر اور دھیان ادھر دھر مرتے ہیں | بن تاروں تار ملاتے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں

۱؎ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ۱۲ ۲؎ بانچنا پڑھنا ۱۲ ۳؎ انجام [illegible] ۱۲ ۴؎ [illegible] ۵؎ [illegible] نہایت ہی پیچ [illegible] کے ناچنے والے [illegible] ۱۲ [illegible] ناچ ۱۲ [illegible]

بن گہنے جھمک کھلاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پاؤں کھڑے گت بھرتے ہیں

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب مورت اُن کی آئے گئی
کہیں آپ کہا کہیں ناچ کہا اور تان کہیں لہرائے گئی
جب چھیل چھبیلی سندر کی چھب نینوں اندر چھائے گئی
اک مورچھا گت سے آئے گئی اور جوت میں جوت سمائے گئی

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پر آ مردنگ بجی
تن بھنگ ہوا دل دنگ ہوا سب آن گئی بے آن سجی
یہ ناچ کوئی نظیرؔ اب یاں اور کس نے دیکھا ناچ ابھی
جب جھنک نرتکی چھوڑ دیا میں اس تان کا آخر نکلا جی

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

(۱۱۲)

ترغیب سخاوت و آزادگی

زر دار ہے تو ہر گز مت مار اپنے من کو
تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں چل تو بھی اُس چلن کو
مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر
جھمکا گلابی مے کی پیالی اُلٹ پلٹ کر
محبوب دلربوں سے خوش ہو لپٹ لپٹ کر
پی دودھ اور بتاسے میوہ مٹھائی چٹ کر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

۵۔ ہزنا۔ لبھانا ۔ موہ لینا ۱۲، ۵۔ مورچھا۔ غشی ۔ بیہوشی ۔ زیر بھاؤ ۔ آنا یا کھانا۔ غش کھانا ۱۲، ۵۔ سرت کی بگڑی ہوئی صورت ۔ خیال ۔ یاد ۱۲ ۔ نکلنا ۔ زاری کے ساتھ آتا ہے ۔ ... میں اسکے معنی مر کر بیں ۱۲ تبھاتہ

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

کمخواب کیا دوشالہ کیا ریشمی دوسوتی
بولے جو شوم بھڑوا مار اس کے سر پہ جوتی
گر شال کا لنگوٹا مست رکھ قبا اچھوتی
دو دن تو دوستوں میں لُٹوا لے اپنی طوطی

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا
یا پی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یاں کا یہی مزا ہے کھانا و یا کھلانا
سب اس گھڑی اُڑا لے جو تجھ کو ہو اُڑانا
بھوکے کو ڈال روٹی ننگے کو کچھ اُڑھانا
غافل پھر اس گلی میں تجھ کو نہیں ہے آنا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو گل بدن ہیں رو ٹھے زر دے انھیں منا لے
ہنس بول جی بہلا لے ہر دم مزے اُڑا لے
بوسہ انھوں کا لے کر سینے سے پھر لگا لے
جو بن سکے سو اپنے جی کے مزے اُڑا لے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو پاس ہے ذخیرہ مت رکھ وہ کوٹھے اندر
دنیا کہیں بہا دے بن جا کہیں سمندر
مسجد کنوئیں بنا دے تالاب باغ مندر
سب کچھ اُڑا لٹا کر ہو رہ تو سدا قلندر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

؎ یہ بند اور بند ۵-۶-۷-۸-۱۲-۱۳ متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲

باغوں کی دیکھ سیریں بھر جام کے چھلکے
آوے جو شوم بھڑوا کا ڈھو اسکو دیکھے ڈھلکے
اور جہان میلے ٹھیلے کر دھوم اور دھڑکے
تو شوق سے اُڑائے عیش و مزے جھلکے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اسکو کبھی نہ گڑوائیے
کوٹھی مکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے
مے کے بہا کے نالے طبلوں کو کھڑکھڑا دے
کڑیوں تلک جلا دے اینٹوں تلک اڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل گُلُن[1] زر چھوڑ کر مرے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہِ خدا میں دے گا
یا کھائے گا جنوائی یا خالصے لگے گا
کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا
آگے سے دے دلا کے ہووہ تو اس سے ہلکا
مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل[2] کا
کر سوچ اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

زر جوڑ جوڑ اپنے تو پاس گر رکھے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ اب عیش کر چکے گا
یا چھین لے گا حاکم یا چھوڑ دے مرے گا
جب وقت آپکارا تب کچھ نہ بن سکے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا
مال و مکاں حویلی باغ چمن بھی دے گا

[1] کُلن قدر ساقی دولت بخیل - بڑا حرام زادہ - شعر کا کلاں مطلب جنوائی - داماد - خالصے لگن بحق شہنشاہ ضبط ہونا ۱۲
[2] بعض نسخوں میں دل لکھا ہے اور بعض میں ڈال ڈول زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے اس لیئے کہ عرف عام میں ڈال لفظ کو کہتے ہیں - رہا یہ وہ رقم متعدد ہو ڈال بڑی فوج کو کہتے ہیں اور نیز معنی انبار اور مقدار کے بھی لکھے ہیں ۱۲ شہباز

جیتا رہے گا جب تک کھانے کو ان بھی دیگا
مرجائیگا تو وہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں سب کھالے اور کھلالے
اپنا سمجھ اسی کو جب کھائے اور کھلالے
رکھ دھن اسی کی دل میں اب کھالے اور کھلالے
اب تو نظیر تو بھی سب کھالے اور کھلالے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۱۱۳)

آئینہ

مَن عَرَفَ نَفسَہٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّہٗ

لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ
خال سیاہ اور خط مشک بار دیکھ
صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
زلف دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ
نہ چشم

آئینہ کیا ہے جان ترا ایک صاف دل
زلفِ دراز فہم رسا سے رہی ہے مل
اور خال کیا ہیں تیرے سویدا کے رخ کے تل
لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے

نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دل میں تاب ہو
گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے
تو اپنے منھ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے
رخسار تیرا گل ہے پسینہ گلاب ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پہ تو نہ اپنا گمان کر
اپنے سوا کسی پہ نہ ہرگز تو دھیان کر
اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
یہ سب سمار ہے ہیں تجھی میں تو آن کر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے جان تری چشم خوش نگاہ
گر سیر باغ چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ
اور سرو کیا ہے یہ ترا قد دلربا ہے آہ
حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ واہ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

گر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہو
ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے
تو ہو خود تیرے قمری ہیں بلبل زبان ہو
باغ و چمن ہیں جتنے تو اُن سب کی جان ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن
جتنی جہاں میں پھولی ہے پھولوں کی انجمن
داؤدی جوہی لالہ و رابیل و یاسمن
یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حسُن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گُل میں نہ ہو اسیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیرؔ
قُمری کی سُن صفیر، نہ بلبل کی سن صفیر
ہیں حرفِ مَنْ عَرَفْ کے یہی معنی اے نظیرؔ

ہر لحظ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(۱۱۴)

گلدستۂ قدرت

دنیا کا چمن یارو ہے خوب یہ آراستہ
ہر پھول کے آنے کا جاری ہی سدا رستہ
سر سبز ہے اُس کا ہر سبزہ یہ پیوستہ
ہر شاخ مقطّع ہے ہر برگ ہے برجستہ

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

یاں ارض و سما تارے جو آن کے جھولے ہیں
سب وحشی و طائر ہیں یا گھاس کے بُوٹے ہیں
جن دیو پری آدم یا باد بگولے ہیں
کچھ اور نہیں یارو یہ گل ہی پھُولے ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ہر شہر و دہ و قصبہ سب پھولوں کی ڈلیاں ہیں
دیوار و در و حجرے سب کیاریاں ڈھلیاں ہیں
کوچے ہیں سو تختے ہیں گلیاں ہیں سو کلیاں ہیں
اینٹ اینٹ میں ہر گھر کے کیا رنگ ہیں لیاں ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

آراستہ آراستہ کا مخفف ہے۔ ایک نسخہ اس کا وارستہ بھی ہے ۱۲ ؎ عموماً فصیح شعرا کی زبان پر بگولا ہے گو نظیر نے اکثر بھولا ہی لکھا ہے اور شاید باعتبار ماخذ یہی اصح اور باعتبار استعمال یہی اتم ہے ۱۲ ؎ سانچے کی ڈھلی کیاریاں ۱۲ شہباز

انبوہ ہے غنچوں کا اور گل کی قطاریں ہیں
جو اپنی کھڑے ہوکر خوبی کو سنواریں ہیں
شاخوں کے تراکم ہیں برگوں کی بہاریں ہیں
سب اپنے ہی عالم میں دم حسن کا ماریں ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے گلاب ہر دم میں عطر سراسر ہوں
بیلا یہ پکارے ہے میں چاند کا پتر ہوں
اور سیوتی کہتی ہے میں اس سے معطر ہوں
گل اشرفی کہتی ہے وہ کیا ہے میں بہتر ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

لالہ یہ سناتا ہے میں لعل کا پیالا ہوں
صد برگ یہ کہتا ہے سو درجہ میں بالا ہوں
سورج مکھی کہتی ہے میں اسکی بھی خالا ہوں
گل جعفری کہتی ہے میں اس سے بھی اعلا ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

نسرین و سمن شبو گچھا ہے ثریا کا
رابیل چنبیلی بھی جلوہ ہے ڈلیا کا
نیلوفر و نافرماں ہے روپ کنھیا کا
دم بھرتا ہے جنت سے ہر پھول کٹیا کا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے کنول ہر دم میں پاک نمازی ہوں
سوسن کی زباں بولی میں ترکی و تازی ہوں
اور موگرا کہتا ہے میں ہر دیوں غازی ہوں
گل بانسی یہ کہتی ہے میں سب سے تازی ہوں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

مدھ مالتی ناگیسر اور مول سری کرنا
دوپہریا داؤدی گل چین کٹھل برنا

سلہ ڈلیا۔ ٹوکریا
۲ یہ بڑی پھول ہے جس کو نظر بڑی میں ڈلیا کہتے ہیں پھول پیالے کی طرح بڑا بڑا زرد و سرخ ہر قسم کا ہوتا ہے جو زرد ہوتا ہے اس کا کنارہ سرخ ہوتا ہے اور جو سرخ ہوتا ہے اس کا کنارہ زرد دھاری دار حاشیہ کا ہر اختلافات نہایت خوشنما کر کے دکھاتا ہے
سلہ گل اباسی گل عباسی مشہور لفظ کو یہاں دہرا دیا ہے اور سنبل بمقابل اباسی سے ایک تازہ لطف پیدا کیا ہے ۱۲
سلہ برنا۔ ایک درخت اور اس کے پھل کا نام جو گوبر سے مشابہ اور مزے میں تلخ ہے۔ یہاں اس کا پھول مراد ہے ۱۲
شبہانہ

نرگس بھی پکارے ہے مجھ پر یہ نظر کرنا
پیچھے کو سہاگن کے سو عشق کے دم بھرنا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

گل کیوڑا کہتا ہے کیا مجھکو تراشا ہے
اور موتیا شفتالو زر سیم کا ماشا ہے
اور کیتکی کہتی ہے صندل کا تراشا ہے
اور رنگ حنا مخمل جو ہے سو تماشا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ڈیلے و کنیروں کی کیا پنکھڑی ڈھالی ہے
بگلے و مدن بان کی کچھ بات نرالی ہے
چنپا و بھچنپا ہے یا موتی کی بالی ہے
گل چاندنی کہتی ہے میری ہی اُجالی ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

دستار یہ گل طرّہ کیا شان جماتا ہے
اور پھول نواڑے کا گجرے کو بڑھاتا ہے
کلگا بھی اُدھر اپنی کلگی کو ہلاتا ہے
جو گل ہے سو اپنے ہی جوبن کو دکھاتا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

بن آگ ترئی ٹیسو کیا پھول رہے بن بن
کہتا ہے پیا بانسا ہے حسن مرا سوسن
سرسوں ہے اڑوسا ہے پھر اور ہی ہے سن بن
درسن یہ پکارے ہے آ دیکھ لے سکھ درسن

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

قدرت کہ بنا جس نے اس باغ کی ڈالی ہے
کیا نخل کا ڈالا ہے کیا پھول کی ڈالی ہے
تمت
کیا بولیں نظیر آگے کیا خوب وہ مالی ہے
سب کا وہی وارث ہے سب کا وہی والی ہے

لہ ماشا ایک چھوٹا سا وزن آٹھ رتی کا جس سے چاندی تولتے ہیں۔ اور رتی کو سرخ بھی کہتے ہیں اور حبہ بھی۔ ہندی نام اس کا گھنگچی ہے عربی میں عین الدیک اور فارسی میں چشم خروس کہتے ہیں ۱۲ سلہ بن روئی کا کھیت۔ روئی کے درخت سلہ آک ایک قسم کا درخت ہے جو کھرسا میں سرسبز رہتا ہے اور برسات میں اکثر اس کے پتے گل جاتے ہیں اس کا دودھ دوا زخم کے اور دوا [illegible] میں ڈالنے کے کام آتا ہے۔ آک کی بڑھیا آک کے پھول کی ڈنڈی جو نہایت ملائم اور چکدار موتی ہے ۱۲ سلہ ٹیسو۔ پلاس ڈھاک کا پھول جس سے زرد رنگ نکلتا ہے ۱۲ شہ اڑوسا ایک درخت ہے جو دوا کے کام آتا ہے ۱۲ شہبانہ۔

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہی یہ گلدستہ

(۱۱۵)

اسرار قدرت

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی ہر اک بجاتا ہی شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہی عاقل کوئی ہی فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر یہ آسماں کا بچھا یا خیمہ جو تن رہا ہے
نہ اسکی میخیں ہیں نہ طنابیں اسکی چوبیں ادھر کھڑا ہی
ادھر ہی چاند اور اُدھر ہی سورج ادھر ستارہ اُدھر ہوا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہی اور کا ہے کا ہی

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا زمیں کا اب جو یہ بستر ا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جیسے فلک سے سر جس کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہی لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہی ہاتھی کہیں ہی چیونٹی کہیں ہی رائی کہیں ہی پربت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت
جو چاہے کھولے یہ بھید اسکے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جا کر یہ ملک کیا ہے اور کب بنا ہے
ارسطو لقمان اور فلاطوں ہر ایک سر کو ٹپک گیا ہے
جو جانتا ہو تو کچھ بتاوے نجانے سو کیا کہے کہ کیا ہے
یہ وہ طلسمات ہے کہ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی غمی کہیں ہے
کوئی ہے گھٹتا زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی یہ رنگیں چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
جو پانسا پھینکے بنا بنا کر ہزاروں کتنے ہی لیں ٹھانے
کوئی ہے ٹھیل کسی کا جگ ہے بچے ہیں دیں بھی خانے خانے
جو چاہتا ہو اٹھارہ آویں تو اسکے پڑتے ہیں تین کانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن اور رات اس جا
ہزاروں منصوبے اندھے لمبیں بناوے چالوں کی گھات اس جا
جو مات چاہے کرے کسیکو نہ آوے پر اس کو ہاتھ اس جا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
کوئی امیر اور کوئی وزیر ہے کوئی فقیری میں دل خفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی پہ شمشیر پر جفا ہے
سبھوں کو اس جا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج الگ وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھرے گا

کسی کے گھر کون ہووے پیدا کسی کے گھر کون سا مریگا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے اور کیا کرے گا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ جال ہے گا کمند کہیئے دیا کمندا
نہ چھوٹے چیونٹی نہ چھوٹے ہاتھی کوئی وحشی نہ کوئی پرندا
سبھوں کی گردن پھنسی ہے اسمیں کسی کا ٹوٹا نہ ایک پھندا
نظیر اتنی مجال کسکی کہاں خدا اور کہاں ہے بندا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۱۱۶)

خواب غفلت

بند ۱

جب یار نے اُٹھائی چھڑی تب خبر پڑی
اور دوں ہیں اک بدن پہ جڑی تب خبر پڑی
الفت کی آگ دل میں پڑی تب خبر پڑی
جب آنکھ اُس صنم سے لڑی تب خبر پڑی

غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

جب تک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ
اُلفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خوامخواہ
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ

دلبر نے دی پھر اُس سے کڑی تب خبر پڑی

تھے جب تلک دھیڑ رہے تو بھی ولولے
اور جب سفید ہو کے ہوئے برف کے ڈلے
یاروں سے جب تو بولے کہ لو یارو ہم چلے
لائے تھے ہم تو عمر بٹیا یاں کھا دنے

جب سیاہی پہ سفیدی چڑھی تب خبر پڑی

ڈاڑھی کی جب کہ رات گئی اور صبح ہوئی
تو بھی یہ دل میں خوش تھے کہ مرنا نہیں ابھی
دلبر کھڑا بجا وے تھا گھڑیاں عمر کی
سُن سُن کے سن تو ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی

باجی جب آ گجر کی گھڑی تب خبر پڑی

اُس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دید اور شنید
دانتوں پر اس میں آن کے ہل چل پڑی شدید

منشی قضا کا لکھنے لگا جنس کی رسید
ڈاڑھیں لگیں اُکھڑنے کو دنداں ہوئے شہید

مجلس میں جا چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

اس پوپلے ہی منھ سے لگے کرنے پھر نباہ
کانوں کے اس میں آن کے پردے ہوئے تباہ

گردن پھر اس میں ہلنے لگی کم ہوئی نگاہ
بن دانت بھی ہنسنے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ

جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

ڈھاتے تھے واں مزدور تو تن کی محل سرا
یہ گھر بنا رہے تھے دوالیں اُٹھا اُٹھا

اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آ چڑھا
شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا

گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی

کبڑے ہوئے تو جب بھی نہ سمجھے یہ ہوشیار
یعنے کہ اب تو باندھئے گھوڑے پہ بوجھ بھار

پھر اس میں آکے سر نے لیا پاؤں پر قرار
چوگان سے کمر کے بنا سر کی گیند مار

کھیلا جب آکے گیند تڑی[۱] تب خبر پڑی

یہ تو لگا رہے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان
تھے غرق لین دین میں اور کچھ نہ تھا دھیان

لیکھا جب اس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا اخبان
کیا جو لنڈھ چلا نہ ہوا تب بھی کچھ گیان

جب لٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر پڑی

بستر پہ جب تو آن پڑے لوٹ کر نڈھال
اٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال

ہونے لگی فرشتوں سے نظروں میں قیل و قال
جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال

جب سانس آ گلے میں اڑی تب خبر پڑی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ
پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھونٹ

اُکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ
پنجہ دکھایا شیر نے تو تبھی یہ سمجھے جھوٹ

[۱] گیند تڑی ایک کھیل کا نام ہے جس میں گیند کو جب اچھالتا ہے تو ہاتھ سے یا چوگان سے مارتے ہیں اور اسی طرح گھڑی تک سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ جب تڑی کھیلنے میں چور کسی لڑکے کی کمر پر مار دیتا ہے تو اس وقت پکار کر کہہ دیتا ہے کہ تڑی ہے یعنی اب یہ چور ہو گیا شہبانہ

جب چاپ لی گلے کی بڑی تب خبر پڑی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار
اس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار
اور غل مچا کے بولے کہ جلدی سے ہو سوار
کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار

نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن
کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر پھبن
جب آئے اُس گڑھے میں نظیرؔ اور ہزار من

اوپر سے آکے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۱۱۷)

خُدا کی دی ہوئی نعمتیں

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے
کچھ تن کے واسطے ہیں کچھ اشکم کے واسطے
ہیں گی یہ سب عیاں اسی آدم کے واسطے
ہیں بیش بیش کے لیے کم کم کے واسطے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

محبوب گل عذار پری زاد سرخ فام
ناز و ادا و چوچلے دولت کی دھوم دھام
مطرب شراب ساقی و مینا صُراحی جام
ہستی نشاط و عشرت و عیش و طرب مدام

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

اسباب عشرتوں کے ہیں جتنے جہاں تہاں
حقے بھرے چلتے ہیں اور نیچے پیچوان
گل دان پاندان عطر دان زرفشاں
مشک و گلاب و عطر و چمن باغ و بوستاں

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

جتنے جواہرات ہیں سُرخ و سفید لال
یاقوت لعل یمنی و نیلم فلک مثال
فیروزہ مونگا موتی و پکھراج خوش خصال
زر سیم فوج حشمت و املاک گنج و مال
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک و تر اس باغ میں لگے
بادام پستے داکھ چھہارے و کھوپرے
خربوزے آم جامن و لیموں چکوترے
نارنگی و انار بہی کولے سنگترے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

دنیا میں جتنے لوگ ہیں کیا شاہ کیا فقیر
سب سکھ میں ہیں پر ایک اک دکھ میں ہے اسیر
کیا عشرتیں بہار کی کیا عیش دل پذیر
جن جن کا تم نے نام لیا اب میاں نظیر
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

فلسفیانہ نظمیں

حکمت

(۱۱۸)

کوڑی کی فلاسفی

کوڑی ہے جن کے پاس وہ اہل یقین ہیں
کپڑے بھی اُن کے تن میں نہایت مہین ہیں
کھانے کو اُن کے نعمتیں سب بہترین ہیں
سمجھیں ہیں اُس کو وہ جو بڑے نکتہ چین ہیں
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی بغیر سوئے تھے خالی زمین پر
پٹکے سنہرے بندھ گئے جاموں کی چین پر
کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین پر
موتی کے گچھے لگ گئے گھوڑوں کی زین پر
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا بادشاہ کو — کوڑی ہی تھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
لے کر چھڑی رو مال گدا بھی بناہ کو — پھرتا ہے ہر دکان پہ کوڑی کی چاہ کو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو — رتھ خانہ فیل خانہ طویلا کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو — کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے — آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے — جو جان دے گذرتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے — شرم و حیا اُٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے — مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کتنے تو ہم میں ایسے ہیں کوڑی کے بتلا — کوڑی ہو گندگی میں تو لیں دانت سے اُٹھا
خست نہیں ہے ایسا ہی کوڑی کا مرتبا — کوئی دانت سے اُٹھاوے ہم آنکھوں سے لیں اُٹھا

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی ڈالتی ہے ... کے تئیں لتاڑ — کوڑی ہی اُس کی لیتی ہے انگیا نہ کرتی پھاڑ

کوڑی ہی . . . . کی کرتی ہے چھیڑ چھاڑ
لڑکا بھی دم میں آتا ہے سُن کوڑیوں کا جھاڑ

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگیں ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی خورد ے کے برابر بھی پت نہ تھی
آکے گماشتوں کی کھلی ہر طرف بہی
کوڑی جب آئی پاس تو بن بیٹھے سیٹھ جی
پھر وہ جو کچھ کہیں تو وہی بات ہی سہی

۸

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی تھیں نہ تیل کی باسی سنکوڑیاں
یوں خلق دوڑے کھیاں جوں گڑ پہ دوڑیاں
کوڑی ہوئی تو چھٹنے لگیں لنبی چوڑیاں
خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خاصے محل اُٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے
پُل اور سرا بناتے ہیں کوڑی کے زور سے
پکّے کوئیں کھُداتے ہیں کوڑی کے زور سے
باغ و چمن لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے

کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لے مفلس اور فقیر سے تا شاہ اور وزیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر
کوڑی وہ دل رُبا ہے کہ ہر سب کی دلپذیر
کوڑی عجب ہی چیز ہے میں کیا کہوں نظیرؔ

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

(۱۱۹)

پیسے کی فلاسفی

نقش یاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا
گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا
اُس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا
کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا

کپڑا تن کو بھی ملا زیب فزا پیسے کا

جب ہوا پیسے کا اے دوستو آکر سنجوگ
کھائے جب مال پوے دودھ دہی موہن بھوگ
عشرتیں پاس ہوئیں دور ہوئے تن کے روگ
دل کو آنند ہوئی بھاگ گئے روگ او رسوگ

ایسی خوبی ہے جہاں نام ہوا پیسے کا

ساتھ اک دوست کے اک دن جو میں گلشن میں گیا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا
واں کے سرو و سمن و لالہ و گل کو دیکھا
اُس نے جب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا

مہرباں مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا

یہ تو کیا اور بڑے ایسے ہیں جو باغ و چمن
حوض فوارے ہیں بنگلوں میں بھی پڑے جلون
ہیں کھلے کیاریوں میں نرگس و نسرین و سمن
جابجا قمری و بلبل کی صدا شور افگن

واں بھی دیکھا تو فقط گل ہے کھلا پیسے کا

واں کوئی آیا لیے ایک مرصع پنجرا
اُس میں اک مٹھی ہنسے مینا کہ ہو بلبل بھی فدا
لال و ستار و پٹہ بھی ہرا جوں طوطا
میں نے پوچھا یہ تمہارا ہے رہا وہ چپکا

نکلی منقار سے مینا کے صدا پیسے کا

واں سے نکلا تو مکاں اک نظر آیا ایسا
سیم جونے کی جگہ اس کی تھا اینٹوں سے لگا
در و دیواروں سے چپکے تھا پڑا آب طلا
واہ وا کر کے کہا میں نے یہ ہوگا کس کا

عقل نے جب مجھے چپکے سے کہا پیسے کا

ملہ اس نظم کا عنوان قدیم نسخوں میں "پیسے کی عزت" تھا بعد میں یہ پیسے نامہ سے ملقب ہوئی ہیں نئے زمانہ حال کے لحاظ سے پیسے کی فلاسفی کر دیا ہے۔ اس لیے اس میں پیسے کے متعلق حکیمانہ تجربے بند ہیں عنوان میں اس اسم کا تصرف میں نے اکثر نظموں میں کیا ہے اور یقیناً خوش نما ہے ۱۲ شہبانہ

روٹھا عاشق سے جو معشوق کوئی ہٹ کا بھرا
اور وہ منت سے کسی طور نہیں ہے منتا
خوبیاں پیسے کی اک یارو کہوں میں کیا کیا
دل اگر سنگ سے بھی اُس کا زیادہ تھا کڑا
موم سا ہو گیا جب نام سُنا پیسے کا

جس گھڑی ہوتی ہے اے دوستو پیسے کی نمود
ہر طرح ہوتی ہے خوش وقتی و خوبی بہبود
خوشدلی تازگی اور خرّمی کرتی ہے ورود
جو خوشی چاہیئے ہوتی ہے وہیں آموجود
دیکھا یارو تو یہ ہے عیش و مزا پیسے کا

پیسے والے نے اگر بیٹھ کے لوگوں میں کہا
جیسا چاہوں تو مکاں ویسا ہی ڈالوں بنوا
حرف تکرار کسی کی جو زباں پر آیا
اُس نے بنوا کے دیا جلدی سے ویسا ہی کھا
اُس کا یہ کام ہے اے دوستو یا پیسے کا

ناچ اور راگ کی بھی خوب سی تیّاری ہے
حسن ہے ناز ہے خوبی ہے طرح داری ہے
ربط ہے پیار ہے اور دوستی ہے یاری ہے
غور سے دیکھا تو سب عیش کی بسیاری ہے
روپ جس وقت ہوا جلوہ نما پیسے کا

دام میں دام کے یارو جو مرا دل ہے اسیر
اس لیے ہوتی ہے یہ میری زباں سے تقریر
جی بھی خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت عیش پذیر
جس قدر ہو سکا میں نے کیا تحریر نظیر
وصف آگے میں لکھوں تا بہ کجا پیسے کا

ملے روپے کا چالیسواں حصہ پیسا۔ دام سلاطین ہند کے مناصب و خراج ملک میں روپے کے چالیسویں حصے سے مراد ہوا کرتی تھی اور نیز پیسے کے پچیسویں حصے کو دام کہتے ہیں۔ شہباز

(۱۲۰)

پیسے کی فلاسفی

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے
پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے
پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے سب ٹھاٹھ ساٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھ سات آٹھ ہیں
پیسے کے زور شور ہیں پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسا نہ ہو تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ نہ ہو تو ہاتھی بھی دمڑی کا دستا ہے
ہر وقت جس کے سامنے پیسا برستا ہے
پیسے سے اونٹ لاکھ اشرفی کو سستا ہے
لادے ہو اونٹ کو کوئی ہاتھی کو کستا ہے

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہووے پاس تو کندن کے ہیں ڈلے
پیسے سے چُنّی لاکھ کی اک لعل دے کے لے
پیسے بغیر مٹّی کے اُس سے ڈلے بھلے
پیسا نہ ہو تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے سے چہرے تاش کے طرّے سنہرے ہیں
ہر لحظہ ماہ عید نما شکل و چہرے ہیں
سیر و طرب کے عیش و مزے گہرے گہرے ہیں
ہر دم بسنت ہولی و دوالی دسہرے ہیں

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا نہ ہو تو باغ کنوئیں پھر کہاں سے ہوں
عیش و طرب کے نکّی دوے پھر کہاں سے ہوں
کھانے کو پوری اور پُوے پھر کہاں سے ہوں
حلوا کچوری مال پوے پھر کہاں سے ہوں

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

۵ وہ پیادہ بنا ہوا دھاگا جو چرخے کو تکلے سے ملاتا ہے اور چرخے کی گردش کے ساتھ تکلے کو پھراتا ہے یہاں بے حقیقت شے سے مراد ہے ۱۲
۳ دستا دکھائی دینا معلوم ہوتا ہے شاعر نے معلوم ہوتا ہے اس لفظ کو یہاں بالفتح استعمال کیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ دستِ فارسی لفظ ہو قبضے کا مترادف ۱۲
شہباز

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسے سے لالہ بھیا جی اور چودھری کہائے
پیسا نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
بن پیسے ساہوکار بھی اک چور سا دکھائے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

چہرہ بھی لعل و زرب[1] کے درپن کے بیچ ہے
پوری بھگت[2] بھی پیسے کی سمرن کے بیچ ہے
گر زرب ہو تو سیر بھی گلشن کے بیچ ہے
درشن بھی خوب روپ کا سب دھن کے بیچ ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

جوڑے سے چمن بہار ہیں پیسے کے واسطے
خوشبو کے پھول ہار ہیں پیسے کے واسطے
گہنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
سب نقش اور نگار ہیں پیسے کے واسطے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

رونق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب حصول
پیسا ہی ساری چیز ہے پیسا ہی مرد تول
اور جو نہ ہووے چہرے پہ اڑتی ہو خاک دھول
پیسے سے آدمی ہے جہاں بیچ ناقبول

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے سے موتی چونی کا عز و وقار ہے
پیسے میں گر غمی ہو تو وہ بھی بہار ہے
پیسے سے اعتبار ہے اور افتخار ہے
پیسے بغیر شادی بھی ہووے تو خوار ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا ہی جب دلاتا ہے انساں کے ہات کو
پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو

[1] زرب بمعنی چاندی۔ درپن آئینہ۔ فارسی نے زرب کے معنی کامیابی و دولت ذراع مالی و خوشحالی بھی لکھے ہیں مگر غالباً یہ معنی اصطلاحی ہیں یا نہ لغوی ۱۲
[2] بھگت زہد و تقوی ۱۲ شہباز

بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو ۔ بن پیسے یار و دولہ بنے آدھی رات کو

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال ۔ پھنستے ہیں اُس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال ۔ پیسا پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

تیغ اور سپر اُٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔ تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
میدان میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔ یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔ بنیاد زیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔ جنّت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں دین دار کہاتا بھی نام ہے ۔ پیسا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسا ہی جسم و جان ہے پیسا ہی کام ہے ۔ پیسے ہی کا نظیرؔ یہ آدم غلام ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دیندار اس سے دوری کمال کا نام ہے

(۱۲۱)

روپے کی فلاسفی

نقشا ہے عیاں سو طرب و رقص کی رت کا ۔۔۔ ہے ربط بہم طبلہ و سارنگی دنے کا
جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے رے کا ۔۔۔ مینا کی جھلک جام اُدھر چھلکے ہے مے کا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے ۔۔۔ کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دہکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں جواہر بھی جھمکتے ۔۔۔ سب ٹھاٹھ اسی چلکی سے دیکھیں ہیں چلکتے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اسی سے ۔۔۔ میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
شیرینیاں میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے ۔۔۔ کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھمک دار بناتے ہیں اسی سے ۔۔۔ حشمت کے چمن کار بناتے ہیں اسی سے
محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے ۔۔۔ باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپے سے ہے حسن فسوں کا رہتا ۔۔۔ اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار رہتا
گجرے سے لگا طرۂ زر تار رہتا ۔۔۔ کیا موتیا ہے موتیوں کے ہار رہتا

لہ رت = رونق کیفیت ۱۲ سے
چلکی اشرفی - سونے چاندی کا سکہ ۱۲ سے
چلکنا - چمکنا - جگمگانا ۱۲ سے
چمن کار، وہ کپڑا جس میں اعلیٰ درجہ کی صنعت کی گلکاری کی ہو معلوم ہو کہ چمن زار کھلا ہوا ہے ۱۲ سے
روپ چاندی روپے کو بھی کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے ۱۲ شہباز

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے گرمی کے بھی سامان عیاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں
خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
اور شب کے بھی سونے کو ہوا دار مکاں ہیں

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میسر
باہر بھی وہ دیکھیں ہیں بہاروں کو نظر بھر
رتھ چھتریاں بارانیاں اور موم کی چادر
گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

یہ روپ جہاں ہیں کوئی واں دل نہیں میلا
دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا
اُجلے ہیں بچھے فرش نہیں کچھ بھی کچیلا
بھرتا ہے انہی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اے دوست یہ راحت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے
ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
عالم میں نظیرؔ عشرت و فرحت ہے اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

(۱۲۲)

زر کی فلاسفی[۱]

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہو فدائے زر
آنکھوں میں دل میں جان میں سینے میں جائے زر
جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہو ہوائے زر
ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضی[۲] حاجات کہتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

یہ پانی اب جو زیست کی سب کی نشانی ہو
یارو ہماری جس کے سبب زندگانی ہو
زر کی جھمک کو دیکھ کے اب یہ بھی پانی ہو
یہ پانی یہ نہیں ہو وہ سونے کا پانی ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

آب طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے
دنیا میں عیش دین بھی عشرت کے سات ہو
وہ بوند کیا ہے چشمۂ آب حیات ہے
زر وہ ہو جس سے دونوں جہاں میں نجات ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

سرمے کی جس کے پاس طلا کی سلائی ہے
لے عرش فرش سب اُسے دیتا دکھائی ہو
آنکھوں میں اُس کی آب بڑی روشنائی ہو
خالق نے دیکھ نور کی پتلی بنائی ہے

---

[۱] اس نظم کا ایک عنوان "تماشۂ زر" بھی ہے ۱۲
[۲] اشارہ ہے اس مشہور شعر کی طرف ؎ اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی ۱۲ شہباز

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کھان میں گڑا ہو تو واں بھی بہار ہے — شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہار ہے
دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہار ہے — گر خاک میں گرا ہے تو واں بھی بہار ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کے دیے سے پیر اور استاد نرم ہو — زر کے سبب سے دشمن بیداد نرم ہو
جو شوخ سنگدل ہے پری زاد نرم ہو — زر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو[1]

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں — میں اس کے تار تار کی تعریف کیا کہوں
ہو دست رس تو چوبہ اُچلے کو کیا کہوں — میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اُس کو چھین لوں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں — تا چین چیں سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں — اور یاں کے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں — وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں — سب میں زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

[1] اشارہ ہے اس مشہور مثل کی طرف ع زر بر سر فولاد نہی نرم شود ۱۲ شہباز

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے
سب مل کے پاؤں چومے ہیں ان کے غلام کے
ہر ایک امیدوار ہیں اُن کے سلام کے
کیا رتبے ہیں طلائے علیہ السّلام کے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنوں کے دل میں دھن ہے کہ زر ہی کمائیے
کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے
کچھ کھائیے کھلائیے اور کچھ بنائیے
کیا کیجے زہر کھائیے اور مر ہی جائیے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سرخ فام ہے
سب میں زیادہ حسن کی الفت کا دام ہے
لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے
زر وہ ہے جس کا حسن بھی ادنیٰ غلام ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

+ + + جو + + + پہنے ہے سونے کی بالیاں
یار اُس کے سب سمجھتے ہیں پھولوں کی ڈالیاں
کیا اُس کے منھ پر حسن کی چمکے ہیں لالیاں
سب اُس کو چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سر پاؤں سے جو سونے کے گہنے کے ذیل ہے
یہ جاہ یہ ملاپ تو زر کے طفیل ہے
جو دیکھتا ہے اُس کے نہ ہی دل کو میل ہے
نہ پوچھتے ہیں بھوت ہے وہ یا چڑیل ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں — کٹتے ہیں ہاتھ پاؤں گلے اور کلائیاں
بندوقیں اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں — کُل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

لڑکا سلام کرتا ہے جھک کے رشک ماہ — بوڑھے بڑے سب اُسکی طرف پیار کر کے واہ
دیتے ہیں یہ دعائیں تب دل سے خواہ مخواہ — اے میرے لعل ہو ترا سونے کے سہرے بیاہ

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر — پیر و مرید و مفلس و محتاج اور فقیر
سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر[1] — کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظیر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

(۱۲۳)

مفلسی کی فلاسفی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی — کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی — بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی

یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہیئے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں — تعظیم جب کی کرتے ہیں نواب اور خاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں — عیسےٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں

حکمت حکیم کی بھی ڈباتی ہے مفلسی

[1] اسی زر کے جال کو نظیر نے ایک مطلع میں نہایت خوبی سے باندھا ہے ۔ جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا + وہ نہ اس دام میں آئے گا جو دانا ہوگا ۱۲ شہباز

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال
مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار
مفلس کو دیویں ایک تو ٹکر کو چار چار
گر مانگے اور وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار
اُس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اُس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ
مفلس کرے ہے اُس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی
پھر جتنی گھر میں ست تھی اُسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی
ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردہ گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے
مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مرجاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اٹھائے
اِس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

[illegible] ست – طاقت [illegible] خیر و برکت [illegible]

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپّر میں مکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں[1]
پیدا نہ ہوویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
زنجیر نہ کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقّاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے
صورت ہی اُس کی دیکھ کے منھ کھنچ رہے پرے
سب رنگ دم میں کر دے مصوّر کے کرکرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اس کے تو منھ کا رنگ اُڑاتی ہے مفلسی

جب خوبرو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اُس کی چاہ
پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خواہ مخواہ
گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اُس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

اُس خوبرو کو کون دے اب دام اور درم
ٹوپی پرانی دو تو وہ جانے کلاہِ جم
جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم بدم
کیونکر نہ جی کو اُس چمن حسن کے ہو غم
جس کی بہار مفت لٹاتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب آ مفلسی پڑے
آوے جو رات کو تو نکالے وہیں اُسے
معشوق اپنے پاس نہ دے اُس کو بیٹھنے
اس ڈر سے یعنی رات کو ایذا کہیں نہ دے
تہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی ++ ہو خوش جمال
دیتے ہیں اُس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال
جب مفلسی کا آن پڑے سر پہ اُس کے جال
ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اُس کو انگلیوں[2] پہ نچاتی ہے مفلسی

[1] جھکڑی جھاڑ کی تصغیر۔ جھاڑی، خاردار درخت
[2] انگلیوں پر نچانا یعنی اُڑانا، ذلیل کرنا، حیران کرنا۔ ستانا ۱۲

اُس کا تو دل ٹھکانے نہیں بھاؤ کیا بتائے
وہ شام سے لے صبح تلک گو کہ ناچے گائے
جب ہو پھٹا دوپٹا تو کاہے سے منہ چھپائے
اوروں کو آٹھ سات تو وہ دو ٹکے ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مفلسی

جس +++ کا ہو فلاکت سے دل حزیں
اک پون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں نہیں
رکھتا ہے اُس کو جب کوئی آ کر +++
یہ دُکھ اُسی سے پوچھیے اب آہ جس کے تئیں
+++ میں ساری رات جگاتی ہے مفلسی

وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ دھیلا جو پاؤں گی
باقی رہے چھ دام سو پانی بھراؤں گی
دمڑی کے پان دمڑی کی مسّی منگاؤں گی
پھر دل میں سوچتی ہے کہ کیا خاک کھاؤں گی
آخر چبینا اُس کو چباتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھباس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول
پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا
گھیرے ہوئے اُسے چلے جاتے ہیں جا بجا
شہدا زنانہ ہیجڑا اور بھاٹ منڈچڑا
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چیلا
اور پیچھے تھپڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

سلہ دمڑی - پیسے کا چوتھا حصہ ۔
سلہ دام - پیسے ادھی یعنی پیسے کے آٹھویں حصے کو کہتے ہیں ۱۲ ۔
سلہ بول بولنا - نیلام کی آواز لگانا دام لگانا منت ماننا کسی زیور کی یا پوتا کے نام کا کچھ اٹھانا ۱۲ ۔
سلہ چدر - چادر کا مخفف ۱۲ ۔
سلہ منڈچڑا - یہ اصل میں منڈ چڑا تھا جس کے معنی ہیں منڈی ہوئی کھوپڑی والا ۔ گنجی چاند والا ۔ ممکن ہے منڈچڑا منڈا اور چڑا سے مرکب ہو یعنی وہ شخص جو منڈوا کر کسی بزرگ کا چیلا ہوا ہو ۔ فقیر ۔ ۱۲ شہباز

دروازے پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہے گالیاں
مالن گلے کی ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں
سقا کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں
یہ خواری یہ خرابی دکھاتی ہے مفلسی

کوئی شوم بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے
بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ بابا نکھٹو ہے
بی بی یہ دل میں کہتی ہے کہ بجڑ وا نکھٹو ہے
آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مفلسی

مفلس کا درد دل میں کوئی ٹھانتا نہیں
مفلس کی بات کو کبھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
صورت بھی اس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی

جس وقت مفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ
پھر کوئی اس کے حال پہ کرتا نہیں نگاہ
والیدری[1] کہے کوئی ٹھہراوے روسیاہ
جو باتیں عمر بھر نہ سنی ہو دیں اس نے آہ
وہ باتیں اس کو آکے سناتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی[2] ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل
کوئی گدھا کہے اسے ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
منھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

[1] والیدری - ولیدری کی قدیم شکل۔ مفلس غریب آدمی، منحوس آدمی، اگھوری آدمی۔ میلا کچیلا آدمی - میلا کچیلا ہو۔
[2] آبی بمعنی اب ہی۔ تخفیف (ہ) تلفظ میں گرادی گئی ہے۔ شہباز

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا
کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چُرا
باپ اُس کا دیکھے ہاتھ کا اور پانوں کا کڑا
نٹ کھٹ اُچکا چور دغاباز گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سو محنتوں میں اُس کی کھپاتی ہے جان کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندانؔ بھیکھ منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو تا فقیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

(۱۲۴)

افلاس کا فوٹو

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اشتر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
گھیرا اخرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا
آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

جب مفلسی کا آکر سر پر پڑے ہے سایا
بنتا ہے مفلسی میں مفلس کا آپ یہ نقشا
پھرتا ہے مرد کیا کیا در در خراب رسوا
پورا ہنر جو سیکھا تو بھیک مانگنے کا
یہ بدنصیبی دیکھو جوہر ملا تو ایسا

لے نادان (بیڑا؟) سرکی محاورہ ۔ آخر کار ۲ سلسلہ اشرفی کے قسم کے ساتھ صحیح ہے گر یہاں غائب ۔ ۔ ۔ اردو فصیح کے ساتھ بندھ گیا ہے ۔ اس مصرع میں اُس مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے جس کا منفکہ خاتمہ اس جملے پر ہے کہ اے میری انگلی کے سننے والے انگلا پیچھے دیا اور حکایت نے تطلع نظم ایک مطلب سیدھا سادا بھی ہے یعنی مفلس اپنا اونٹ آپ ہی ہے ۲۲ شہباز

مفلس نے گرچہ مر کر کی نوکری کسی کی
جید دھر کو ہاتھ ڈالا پائی نہ پھوٹی کوڑی
کیسی ہی محنتیں کیں لیکن طلب نہ پائی
کی عاشقی تو سر پہ ہے اک سڑی سی ٹوپی
سو وہ بھی اُس پنسے لے لی دلبر ملا تو ایسا
نہ اس نے

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے
واں سے سوا لنگوٹی ہرگز نہ پائی اُس نے
چیلا ہوا کسی کا اور پہنے سیلی تاگے
دن کو دلائی جھاڑو شب کو منگائے ٹکڑے
مفلس کو پیر و مرشد رہبر ملا تو ایسا

آٹا ملا تو ایندھن چولھا توا ندارد
گر ٹھیکرے پہ تھوپے تو پھر مزا ندارد
روٹی پکا دے کس پر گھر میں توا ندارد
تو چید پیندی غائب جس پر گلا ندارد
پانی کا گرمیوں میں جھجّر ملا تو ایسا

قلیے پلاؤ زردے دودھ اور ملائی کھوئے
جب کچھ ہوا میسر دن رات روئے دھوئے
پوری کچوری لڈو سب مفلسی نے کھوئے
یا خشک ٹکڑے پائے پانی کے یا بھگوئے
سوکھا ملا تو ایسا اور تر ملا تو ایسا

تھا اب تماش مشروع تن زیب خاصہ ململ
پگڑی رہی نہ جامہ ٹپکا رہا نہ آنچل
سب مفلسی کے ہاتھوں گئے اپنے ہاتھ مل مل
لے ٹاٹ کی قبا پر جوڑا اپنا کمبل
ابرا ملا تو ایسا استر ملا تو ایسا

نہ جھاڑو جھاڑنے کی پیوند کی نہ سوئی
اُپلا نہ آگ پانی چولھا توا نہ چکی
دالان نہ صحنچی نہ طاق نہ بخاری
ٹوٹا سا اک آسارا دیوار جھانکڑوں کی
قسمت کی بات دیکھو جو گھر ملا تو ایسا

بچھ پائی بیچ کھائی اور بان کو جلا کر
سونے کے وقت جھلنگا گڑرا رہا نہ چادر
روٹی پکائی روڑو اور کھائی آہ بھر بھر
کہنی پہ سر کو رکھ کر سوئے فقط زمین پر
تکیہ ملا تو ایسا بستر ملا تو ایسا

سنہ بخاری یا دبخنی نے
یا دالان کے اندر
کی وہ کوٹھری جو
غلہ وغیرہ کے واسطے
دیوار میں بنادیتے
ہیں اصل میں بخاری
کے معنی آتش دان
کے ہیں جو دالان
یا کمرے کی دیوار
میں ایام سرما میں
مکان گرم رکھنے
کے واسطے بنادیتے
ہیں چنانچہ کسی کا
شعر ہے ؎
خوش است بادہ
گلرنگ بایکہ بخاری
بدست یار پری چہرہ
در کنار بخاری
چونکہ عوام لوگ اسکی
اصل سے ناواقف تھے
اس سبب سے وہ اس
کو ٹھی کو کہنے لگے جو
دالان کے اندر دیوار
میں کوٹھی کے بجائے
غلہ رکھنے کے واسطے
بنادیتے ہیں۔ پس
رفتہ رفتہ بخاری
ایک عام لفظ ہوگیا
اور سب اسی معنی
میں استعمال کرنے
لگے ۱۲ ؎ جھانکڑ
جھاڑی جھاڑ دار درخت ۱۲
پروفیسر شہباز

ہو صبح اور سورج جب آ کے منھ دکھائے | لے شام تک اُسی کے گھر بیچ دھوپ جائے
آندھی چلے تو گھر میں سب خاک دھول جاوے | برسے جو مینھ تو باہر اک بوند پھر نہ جاوے

پھوٹے نصیب دیکھو چھپّر ملا تو ایسا

جس دل جلے کے اوپر دن مفلسی کے آئے | پھر دور بھاگ گئے اُس سے سب اپنے اور پرائے
آخر کو مفلسی نے یہ دکھ اُسے دکھائے | کھانا جہاں تھا بٹتا واں جا کے دھکے کھائے

کمبخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

تعظیم تھی ہر اک جا تھا پاس جب تلک زر | مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
کپڑے پھٹوں سے بیٹھا جس بزم میں وہ جا کر | سب فرش سے اٹھا کر بٹھلایا جوتیوں پر

مفلس کو ہر مکاں میں آدر ملا تو ایسا

گر مفلسی میں اُس نے دو تین لڑکے پائے | اور کنبے والے لڑکے واں کھیلنے کو آئے
دیکھ اُن کے گہنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے | سر کی کو چھیل سیتے تھے اور نہ کپڑے بنائے

بدبخت کے بچّوں کو زیور ملا تو ایسا

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتا | مفلس ہوئے تو ہرگز رشتہ رہا نہ ناتا
نہ بھائی بھائی کہتا نہ بیٹا کہتا بابا | اس پر نظیرؔ مجھ کو رونا بہت ہے آتا

اس مفلسی زدے کو ٹبّر ملا تو ایسا

(۱۲۵)

آٹے دال کی فلاسفی

کیا کہوں نقشہ میں یارو خلق کے احوال کا | اہل دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا | کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بالکا

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

لے آدر۔ عزت ۱۲
ٹبّر تیار ہے
بگڑ کر بنا ہے خویش
تبار۔ خویش و
اقربا۔ خاندان۔
قبیلہ۔ کنبا۔ کٹم
کنبے کا خرچ۔
جان صاحب نے
پنج تن پاک کی ہے
اس بچھے اپرا جی
جن کے صدقے
میں مرا سارا ہے
ٹبر جلیا۔ شہبانہ

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدّ راہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ
تو
پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے میں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات واں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کیجے بیاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار
دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اسکے آگے گرد ہے
تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دلبروں کی چشم ابرو زلف کیا خط و خال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا ٹھمکتی چال ہے
نازکی شوخی ادائیں حسن لالوں لال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر
وہ تو بے پروا سخی داتا ہیں آ بھی دلپذیر
ان غریبوں کی بھی اب مشکل ہے گی اے نظیر
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا — ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے — خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے — جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام — یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام — اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور — آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور — ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے — یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے — ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اُس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا — اس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا — کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا
جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے — گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے — چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے
یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو — میلے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو

بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوے بھر کے تھال ہیں
پوری بھگت اُنھیں کی وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں
عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکّی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے
لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے
سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا
اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جابجا
اور اس سوا جو غور سے دیکھا تو جابجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں بڑے
(پڑتے)
کچھ بھانڈ بھگتیے یہ نہیں پھرتے ناچتے
یہ + + + جو ناچیں ہیں گھونگھٹ کو منھ پہ لے
گھونگھٹ نہ جانو دوستو تم زینہار اسے
اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

اور وہ جو ناچنے میں بتاتی ہیں بھاؤ تاؤ
چتون اشارتوں سے کہیں ہیں کہ روٹی لاؤ
روٹی کے سب سنگار ہیں روٹی کے راؤ چاؤ
+ + + کی تاب کیا جو کرے اس قدر بناؤ
یہ آن یہ جھمک تو دکھاتی ہیں روٹیاں

اشرافوں نے جو اپنی یہ ذاتیں چھپائی ہیں
سچ پوچھیے تو اپنی یہ شانیں بڑھائی ہیں
کہیے انھوں کی روٹیاں کس کس نے کھائی ہیں
اشراف سب میں کہیے تو اب نان بائی ہیں
جن کی دکاں سے ہر کہیں جاتی ہیں روٹیاں

بھٹیاریاں کہاویں نہ اب کیونکہ رانیاں
ہتر خصم ہیں اُن کے وہ ہیں ہتر انیاں

ملہ راؤ چاؤ - ہنسی خوشی - چہل پہل پیار محبت ۱۲ شہباز

ذاتوں میں جتنے اور ہیں قصّے کہانیاں
سب میں انھیں کی ذات کی اونچی ہیں بانیاں
کس واسطے کہ سب یہ پکائی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے
نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر[1]
روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(۱۲۸)

چپاتی کی فلاسفی

جب ملی روٹی ہمیں سب نورِ حق روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق روشن ہوئے
رات دن شمس و قمر شام و شفق روشن ہوئے
اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق روشن ہوئے
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خانی کلچہ شیرمال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال
ہیں وہ خاص الخاص درگاہ کریم ذوالجلال
جب ملی روٹی ہمیں ہم ہو گئے صاحب کمال
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ تو اب مردِ خدا ہیں قوت جن کا نور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے
وہ ملائک ہیں وہاں روٹی کا کیا مذکور ہے
ہم شکم بندوں کا تو یارو یہی دستور ہے

[1] اس لفظ کو بعض نسخوں میں پتیرہ لکھا ہے اور بعض میں پتیر حضرت مطبع نظامی کے نسخے میں فطیرہ ہے۔ فطیر [illegible] کو کہتے ہیں جس میں خمیر نہ ہو چپاتی [illegible]

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یارو خیر ہے
کھانے ہی دو تر نوالے آسماں پر سیر ہے
گر نہ ہو پھر غیر کیا اپنے ہی جی سے بیر ہے
آسماں کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دسترخوان پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر
نے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہر نان پر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر کس کا بالکا
کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
وصف کس منھ سے کروں میں نان کے احوال کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک دو عالم تھا سیاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا بہ ماہ
جب پڑی روٹی تو پہونچی عرش کے اوپر نگاہ
کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو واہ واہ

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا
چاند کا ٹکڑا کہوں میں یا کہ ٹکڑا جان کا
جان آتی ہے لیے سے نام دسترخوان کا
روح ناچے ہے بدن میں نام سن کر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہاں میں سب بھرے ہیں نان میں
خوبیاں جتنی ہیں آکر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں
پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر
یعنے کچھ دیکھے تجلّی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں دل ہو گیا بدر منیر
کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مرشد اے نظیر
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۱۲۹)

پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے
سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے
پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

عاجز ہیں اس کے واسطے کیا شاہ کیا وزیر
محتاج ہیں اسی کے لیے بخشی و امیر
منشی وکیل ایلچی متصدّی و مشیر
چاکر نفر غلام تونگر غنی فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

صرّاف خوردیے سے لگا سیٹھ ساہوکار
دلّال جوہری اور کناری کے بنجیہ وار
پنساری و بزاز اناجوں کے کاروبار
بیوپار لین دین بنج قرض اور اُدھار
ہے سب نے ٹھٹھکا یہ کیا پیٹ کے لیے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور — سیکھے اسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف جلد ساز ٹھٹھی و کماں گر — زیں دوز گل فروش بساطی سفال گر
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا — جپتے ہیں ان کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا — عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لیے

کیا مینے ساز کام گے اور کیا مرصع کار — حکاک کیا مصور و نقاش زر نگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی اور نہ اب لہار — سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

گندھی کے عطر میں بھی یہی رچ رہی ہے بو — کھینچے ہے جب گلاب نکالے ہے عطر وہ
شیشی کسی کو سینک کی بھیجے کسی کو دو — ہر دم چھڑک گلاب لگا تن سے عطر کو
لپٹیں ہر ایک ہی کو سنگھا پیٹ کے لیے

رنگریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار یا — سرخ و گلابی زرد و سیہ سبز دھاریا
مخمل ہے کوئی کوئی ہے مشروع کٹاریا — جنگل میں جا کے دیکھا تو اس جا بھی تیاریا
نت خاک چھانتا ہے پڑا پیٹ کے لیے

بدنام ہے اسی کے لیے خلق میں کلال — ذباح بھی کرے ہے اسی کے لیے حلال
صیاد بھی اسی کے لیے لے چلا ہے جال — ٹھگ بھی اسی کے واسطے پھانسی گلے میں ڈال
ہر وقت گھونٹتا ہے گلا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ اچکے چور دغا باز راہ مار — عیار جیب کترے نظر باز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار — کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لیے

ٹھٹھی بجی۔ طمع والا جو منع کا کام کرتا ہے۔ دکن میں یہ لفظ آج تک رائج ہے چنانچہ اورنگ آباد میں اب ٹھٹھی بازار ابھی ہے۔

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر
لڑتا ہے توپ تیر تفنگوں میں آن کر
وہ بھی اسی کے واسطے سے تیغ اور تبر
کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تر بتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا
ملّا بھی دن گذارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا
عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدّعا
شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کے لیے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
بید اور حکیم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ
مفتی کے قصد کی بھی یہ شاہد ہے خواہ مخواہ
عطّار کے بھی درد کو دیکھا تو وہ بھی آہ
دن رات کوٹتا ہے دوا پیٹ کے لیے

پڑھتے ہیں اب قرآن جو مُردوں کا لے کے نام
دوزخ میں یا بہشت میں مُردے کا ہو مقام
پھولوں میں بیٹھ کرتے ہیں پنج آیتیں تمام
کچھ ہو پر اُن کو حلوے مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب اُن کو ملا پیٹ کے لیے

اُلفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے بیرا
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری بیرا
مانے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر
کہتا ہے اب فقیر بھی دے کر دعائے خیر
بابا کچھ آج مجھ کو دلا پیٹ کے لیے

عاشق کے تئیں جو دیکھیں ہیں سو نعمتوں کی جیٹ
گودی میں بیٹھ جاتے ہیں ہر دم بغل میں لیٹ
لڑکے بھی اپنی کھول کے چھاتی دکھا کے پیٹ
کھانے کی دیکھ چاٹ لگاوٹ کی کر لپیٹ
کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا پیٹ کے لیے

ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری چاہ
خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو واہ واہ
معشوق بھی کریں ہیں وفا پیٹ کے لیے

لہ پیاں پھول ویحیم زبانی - ذریعہ انبار - روٹیوں کی تقسیم ۱۲ پر دیکھیں شہرانہ

+ + جو ناچتی ہے پری زاد گھنگھرو چھڑی
چھنن لگا کے ٹھونکی جتا کر گھڑی گھڑی
سر پاؤں سے تمام جواہر میں ہے جڑی
لے شام سے سحر نہیں ہے ناچتی کھڑی
سو سو طرح کے بھاؤ بتا پیٹ کے لیے

+ + کے گھر میں دیکھا تو واں بھی یہی پکار
کرتی کبھی دکھا بھی انگیا اڑا تے دار
+ + + کے دوڑ جوتی ہے کہ ہر دم گلے کا ہار
جاتی ہے جھٹ پلنگ اوپر لیٹ ایک بار
سب کچھ کرے اپنی شرم و حیا پیٹ کے لیے

لاکھوں ہیں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہِ خدا سے کام
ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں یاں تلے اور کلام
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانا کہ کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لیے

جتنے ہیں اب جہان میں کر ذات یا اصیل
شیر و پلنگ گرگ و ہرن چیونٹی و فیل
سب اپنے اپنے پیٹ کی کرتے ہیں قال و قیل
کوا بٹیر ہنس لگھڑ باز گدھ و چیل
سب ڈھونڈتے پھریں ہیں غذا پیٹ کے لیے

جس کا شکم بھرا ہے وہ ہنستا ہے مثل پھول
جب تک نہ اس گڑھے میں پڑے آکے خاک دھول
خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
سوجھے نہ دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لیے

زردار مال دار گدا شاہ کیا وزیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی حال میں اسیر
سردار کیا غریب تونگر ہو یا فقیر
اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لیے

---

(۱۳۰)

تندرستی کی فلاسفی

بشمول حرمت

ہیں مرد اب وہی کہ جنہوں کا ہر فن درست — حرمت انھوں کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال و دھن درست — دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھوں کے تئیں کہیئے بادشاہ — جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ — ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و قسمت پناہی ہے — بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے — سچ پوچھیے تو عین یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اُس کا بھرا ہے تمام گھر — بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر — پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

[illegible]

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو
بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں پھر تو ہاں
ہو تندرستی اور ملے حُرمت سے آب و ناں
پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو
حسن و جمال و علم و ہنر گو ملا نہ ہو
محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
اک تندرستی چاہیئے کچھ ہو دے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ
تو اُس کو جانیئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
اب جس کا تن درست ہو حُرمت سے ہو نباہ[۱]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے
اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے[۲]
جو تندرست ہیں وہی دولہ ہیں اور بنے[۳]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں
پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں

[۱] تباہ و برباد ہونا ۱۲
[۲] بنے ٹھنے۔ خوبصورت۔ سجے ہوئے ۱۲
[۳] بنے ہوئے دولھا ۱۲
محمد اشرف علی

سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں		کھانے کو نعمتیں ہوں و یا فاقہ مستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

محبوب دل بروں کو گلے سے لگا لیا جو مل گیا سو پی لیا چاہا سو کھا لیا		چاہا جو دل نے کو تو وہیں منگا لیا آیا جو عیش دل میں خوشی سے اڑا لیا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے		آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے بیٹھے اٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تک یہ کل بنی ہے تو ہے آدمی کو کل پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل		قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل گر ہو خدا نخواستہ اک کل بھی چل بچل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر		ادنیٰ ہو یا غریب تو نگر ہو یا فقیر ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

(۱۳۱)

تندرستی اور آبرو

دکھ کی دولت ہو تو اُس کو بھی تباہی بوجھیے — سُکھ سے رہنا خلق میں خوش دستگاہی بوجھیے
روشنی کو غم کی ہر جاگہ سیاہی بوجھیے — صحت و حرمت کو نت حشمت پناہی بوجھیے

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

صحت و حرمت سے گر اللہ یاں کر دے نباہ — اس برابر کون سا ہے پھر جہاں میں عز و جاہ
اب جو ہم اس بات کے نتیجے کو کرتے ہیں نگاہ — کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

اس کے سب محتاج ہیں اب شاہ سے لے تا گدا — جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا
آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا — پھر جہاں میں اُس سا یارو کون سا ہے بادشاہ

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

دولت دنیا جتنی ہے سب ان دولتوں سے ہیں تلے — آبرو اللہ رکھے اور عمر حرمت سے کٹے
عزت و حرمت بڑی دولت ہے اللہ سب کو دے — ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق میں پیارا رہے

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہے — تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے
جس کو کہتے ہیں یہ اُسی کا سب ادب آداب ہے — یہ نہیں اور زندگی تو پھر خیال و خواب ہے

آبرو یعنی دولت جو [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] نیٹ یعنی [illegible]

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جواں خرد و کبیر
کیا تونگر کیا غنی کیا بے نوا اور کیا فقیر
عالم و فاضل گدا و بادشہ میر و وزیر
سب جہاں میں ہیں اسی نکتے کے قائل بے نظیر

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھیے

(۱۳۲)

خوشامد[ٹ] کی فلاسفی

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
شاہ مسرور غنی شاد گدا راضی ہے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ٹ حق

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجیے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجیے
اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجیے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مفلس ادنیٰ و غنی کی بھی خوشامد کیجیے
اور جو شیطان ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجیے
یا بخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجیے
گر ولی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دیے ہاتھ طرف جس کے آہ
وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پینے اور پہننے کھانے کی خوشامد کیجیے
ہیجڑے بھانڈ زنانے کی خوشامد کیجیے
مست و ہشیار دوانے کی خوشامد کیجیے
بھولے نادان سیانے کی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک و راج
کیا ہی تاثیر کی اس نسخے نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجیے
اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجیے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجیے
کُتّے بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سُکھ دیتی ہے

ماں خوشامد کے سبب چھائی لگا لیتی ہے
نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہو
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہو

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
خالا کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
ساس بولے کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہو
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہو

آ پڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہتے ہیں سب یار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہو
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہو

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
پارسا رند خرابی کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہو
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہو

جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بڑے ہیں انساں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
جس نے یہ بات نکالی ہے میں اُسکے قرباں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہو
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہو

کوڑی پیسے و ٹکے زر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے
لعل و نیلم در و گوہر کی خوشامد کیجے
نیک و بد جتنے ہیں یکسر کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی
دل بروں میں بھی خوشامد ہی کی اُلفت دیکھی
پیار اخلاص و کرم مہر و محبت دیکھی
عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا پیر ہے زاہد ہے مناجاتی ہے
ماہ سے ماہی تلک چیونٹی ہے یا ہاتی ہے
جُوارا یا چور دغاباز خرابائی ہے
یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی بھی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے
کچھ نہ ہو پاس تو خالی بھی خوشامد کیجے
سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں خرد و کلاں پیر فقیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے غدا راضی ہے

(۱۳۳۳)

آدمی کی فلاسفی

دنیا میں بادشاہ ہو سو ہو وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہو سو ہو وہ بھی آدمی
زردار بینوا[سلہ] ہے سو ہو وہ بھی آدمی
نعمت جو[سلہ] کھا رہا ہو سو ہو وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو[سلہ] مانگتا ہے سو ہو وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے
حتیٰ کہ اپنے زور و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہو وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا[سلہ]
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہو وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہو جو کرتا ہو مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہو وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہو وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہو آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہو آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہو آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہو آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہو وہ بھی آدمی

سلہ میرے خیال میں ٹکڑگدا رہا ہو صحیح ہے جو کہ ... ہو اُس کی تصحیف ہے جو بعض قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہو ٹکڑگانے کے معنی ہیں جمع کر کر کے رکھنا حفاظت سے رکھنا ٹکڑے جگا رہا ہے یعنے حفاظت سے رکھتا جاتا ہے تاکہ آئندہ کام آئیں جبانے سے جگانے میں زیادہ بلاغت ہو ۱۲ عبدالغفور شہباز
سلہ بینوا احتجاج
سلہ کھاتا مشہور
سلہ برملا یعنی کھلا
اشرف علی

ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو یار
اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی ازار اُتار
ننگا کھڑا اُچھلتا ہے ہوکر ذلیل و خوار
سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اُس کو بار بار
اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں[۱] جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور
یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے منجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
+ + + بھی آدمی ہی بجاتے ہیں گت لگا
وہ آدمی ہی ناچیں ہیں اور دیکھ یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

۱ ہ اس لفظ کو چونکہ نظیر نے مطابق تلفظ باندھا ہے لہٰذا بعض مصححین نے اس کی تصحیح میں اپنے منصب سے تجاوز کر کے خواہ مخواہ بعض لفظ کم و بیش کر دیے ہیں۔ مشعل بفتح میم و عین مفعل کے وزن پر ہے لیکن اردو کا تلفظ ہے مشال بروزن نقال۔ جمع کی صورت میں تین طرح سے اس کو لکھ سکتے ہیں (۱) مشعلیں (۲) مشعالیں (۳) مشالیں۔ نظیر نے غالباً صورت ثانی کو ترجیح دی ہے۔ شہباز

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے اور اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ
پھولوں کی سیج اُن پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ[1]
سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیران ہوں یارو دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے
اور آدمی ہی چور ہے اور آپی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثل رانگ ہے
فولاد سے گڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ[2] بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید[3] ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

[1] شوخ و شنگ: طرحدار [illegible]
[2] کلمہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ مسلمانوں کے [illegible] کا پہلا سبق اور جزو اعظم ہے
[3] مرید: شاگرد
[illegible] علی لکھنوی

ظرافت

(۱۳۴)

بولی پیر

+ + + جو + + + کوئی ہو جاتی ہے بڑھیا
ہر کام میں ہر بات میں شرماتی ہے بڑھیا
پھر جان کھپانے سے نہ شرماتی ہے بڑھیا
دن رات اسی سوچ میں غم کھاتی ہے بڑھیا

سر دُھنتی ہے اکتاتی ہے گھبراتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

جب پیٹ ملائی سا وہ دیتا تھا دکھائی
اور آکے بڑھاپے کی ہوئی جبکہ چڑھائی
کھانے کو چلی آتی تھی مصری و ملائی
سب اُڑ گئی کافور وہ ملائی وٹھائی

اس غم سے نہ کچھ پیتی ہے نے کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

وہ حسن کہاں جس سے کوئی پاس بٹھاوے
جب سوکھ گیا منہ تو جھمک خاک دکھاوے
چھاتی وہ کہاں جس پہ کوئی ہاتھ چلاوے
عاشق تو جواں کا ہے کو پھر ناز اٹھاوے

بوڑھے کو بھی ہرگز نہیں خوش آتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

جب منھ میں نہ ہوں دانت تو مسّی ملے کیا خاک
اور سر کے جھڑے بال تو کنگھی کرے کیا خاک
پلکوں میں سفیدی ہو تو کاجل لگے کیا خاک
جب ناک ہی سوکھی ہو تو پھر نتھ کھلے کیا خاک

اس خواری خرابی میں پھر آ جاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

جب تک کہ نئی عمر تھی چڑھتی تھی جوانی
ہر کوئی یہ کہتا تھا کہاں جاتی ہو جانی
جب بوڑھی ہوئیں پھر لگیں کہلانے پُرانی
ٹھہریں کہیں خالہ کہیں دادی کہیں نانی

ہیں نام تو اچھے یہ کہ شرماتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

بڑھیا کو بڑھاپے میں یہ دکھ ہوتا ہے لینا
نوچی کو کسی ڈھب کی نصیحت ہو جو دینا
منھ پیٹ وہ ہمسائے سے کہتی ہے کہ بھینا
ناحق کی لڑائی ہے نہ لینا ہے نہ دینا

اک چار گھڑی سے مجھے ٹُنو آتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

ٹک دیکھیو یارو یہ بڑھاپے کی ہے خواری
ہمسائے کے سنتے ہی لگی دل میں کٹاری
نوچی کی طرف دار ہو گھر میں سے پکاری
کیا بات ہوئی تجھ سے وہ کچھ مجھ کو بتا ری

جس بات پہ وہ پھر سے لڑاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

وہ کہتی ہے بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈھو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈھو
کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈھو

اس حال کو آخر کو پہنچ جاتی ہے بڑھیا

یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

ایسا جو مرے پاس لگے جاے گی بجھا نیو — اک روز مجھے گھر سے نکلوا دے گی جھانیو
سب کھا چکی مجھ کو بھی یہ اب کھاے گی جھانیو — وہ کون سا دن ہوگا جو مر جاے گی جھانیو

اب تو مجھے ڈائن سی نظر آتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

تو جی جو وفادار کوئی پاس رہی آ — تو روٹی ملی ورنہ لگی کاتنے چرخا
جب کبڑی کمر ہو گئی اور سر ہوا اگلا — منہ سوکھ کے چھرچھرا ہوا اور تن ہوا اکلا

پھر روٹی کو چرخے سے کما کھاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

کیا وقت بُڑھاپے کا بُرا ہوتا ہے واللہ — بیگانے تو کیا اپنے کو پھر ہوتی نہیں چاہ
اس خوار خرابی سے کبھی بہ کر غم جانکاہ — رُک رُک کے جوانی کی مصیبت میں نظر آہ

آخر کو اسی سوچ میں مر جاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

(۱۳۵)

سچے نفس کش

بیٹا ہو کسی کے جو سن پاویں ہیجڑے — سنتے ہی اُس کے گھر میں پھر آ جاویں ہیجڑے
ناچیں بجا کے تالیاں اور گاویں ہیجڑے — لے لے کے بیل[۱] بھاؤ بھی تبلاویں ہیجڑے

اُس کے بڑے نصیب جہاں جاویں ہیجڑے

ظاہر میں گرچہ بیٹھ کے اپنے مزورے ہیں — پر دل میں اپنے فقر کے گہنے کو گھورے ہیں
+ + + نہ ان کے پاس نہ دونوں + + + ہیں — خاصے لنگوٹ بند خدا کے یہ پورے ہیں

[۱] وہ پیسے جو بطور انعام دیئے جاتے ہیں ۱۲ شہباز

بیٹا دعا سے بانجھ کے جنوا دیں ہیجڑے

پورے فقیر نفس کشی کا کریں ہیں شغل
جو نفس مارتے ہیں وہ کرتے ہیں اُنکی نقل
ان میں بھی بعضے رکھتے ہیں کتنے خدا سے وصل
سچ پوچھیے تو نفس اُنھوں نے کیا ہے قتل

کیا مرد ہیں کہ مرد ہیں کہلا دیں ہیجڑے

یوں دیکھنے میں گرچہ یہ ہلکے سے مال ہیں
ہم کو تو پر اُنھوں سے ادب کے خیال ہیں
ناچیں ہیں بیگ جوگ کا کرتے سوال ہیں
اکثر اُنھوں کے بھیس میں صاحب کمال ہیں

جو کچھ مراد مانگو وہ بر لا دیں ہیجڑے

باتیں بھی ان کی صاف ہیں ملنا بھی صاف ہے
ظاہر بھی ان کا صاف ہے جوڑا بھی صاف ہے
سینہ بھی ان کا آئینہ کھنڈا بھی صاف ہے
آگا بھی ان کا صاف ہے پیچھا بھی صاف ہے

جب ایسے زندہ دل ہوں تو کہلا دیں ہیجڑے

چلتے ہیں اپنے حال میں کیا کیا مٹکتی چال
آتا ہے اُن کو دیکھ مجرّد کے دل کو حال
کچھ اونچی اونچی چولیاں کچھ لمبے لمبے بال
+ + + کو لات مار کے اکدم میں دے نکال

وہ مرد وا کہ جس کے تئیں بھا دیں ہیجڑے

یہ جان چھلّے اب جو کہاتے ہیں خوش صفیر
مدّت سے ہو رہا ہے ارادہ یہ دل پذیر
ہے دل ہمارا ان کی محبّت میں اب اسیر
اللہ ہمیں بھی دیوے جو بیٹا تو اے نظیر

ہم بھی بُلا کے خوب سے نچوا دیں ہیجڑے

(١٣٦)

حُسنِ طلب

کیوں جان کبھی ہم سے اشارات کی ٹھہرے
خلوت میں ذرا لطف و عنایات کی ٹھہرے
جس گھات کا ارمان ہو اُس گھات کی ٹھہرے
یا دن کی مقرر ہو و یا رات کی ٹھہرے

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب دل نے ہمارے جو اُسی بات کو چاہا
کیا وقت ہی کیا آن ہی دیکھو تو اہا ہا!
پھولوں کا اسی واسطے گہنا ہے بنایا
بوندیں بھی پڑی برسیں ہیں بادل بھی گھر آیا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

یہ تم نے جو انگیا پہ لپیٹا ہے ڈوپٹا
لو دل کو ہمارے نہ کرو اس گھڑی کھٹا
جی ہم سے یہ کہتا ہے کہ مار اس پہ چھپٹا
دیں گے وہ روپیہ جس میں نہ ہو کوڑی کا بٹا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب رنگ جو یہ پان مسی کا ہے جھمکتا
یہ پیٹ یہ سینہ ہے جو کرتی میں جھلکتا
تو ڑا ابھی پڑا چمکے ہے جگنو بھی دمکتا
دیکھ اب تو اسے ہائے یہ دل رہ نہیں سکتا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

فرمائش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماؤ
دیکھو تو ہمیں اس گھڑی ہو جوش بڑا تاؤ
ہم سب طرح حاضر ہیں ذرا ہم سے نہ شرماؤ
اب دیر بھلا کرتی ہو کس بات کو لو آؤ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

کیا جانے یہ دن کون سا لایا تھا ہمیں گھیر
جو چاہیئے حاضر ہیں وہ سب عیش کے آڈھیر
خالی نہ ہمیں چھوڑیو مت کیجیو اندھیر
اب کام میں نیکی کے بھلا کرتے ہو کیوں دیر

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے

جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

جو غنچہ دہن عقل میں اب رکھتے ہیں کچھ راہ
وہ اپنے خریدار سے ہوتے نہیں گمراہ
دیکھو تو بھلا کتنی تمھاری ہمیں ہے چاہ
کیا منت و زاری سے یہ کہتا ہے نظیر آہ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

(۱۳۷)

مزے کی باتیں

+ + + کی ترے آن کو پہچان گئی میں
+ + + کی ادا بھی تری پہچان گئی میں
لذت میں بھری ہوں نہیں اوسان گئی میں
مت ڈر مرے + + + سے کہ ای جان گئی میں

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

کیا باندھا ہے + + + میں تجھ + + + کے صدقے
کیا پیار سے منھ چومے ہے اس پیار کے صدقے
کیا تار بندھا ہے میں ترے تار کے صدقے
+ + + کی + + + اور ترے + + + کے صدقے

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

جوں جوں کہ لگاتا ہے تو اب تیر یہ کاری
لگتی ہے جگر میں مرے لذت کی کٹاری
بھاتی ہے مجھے دل سے تری جان + + +
ہر جھوک کے صدقے ترے ہر وار کے واری

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

ہے آن یہ ملنے کی مری جان سے ملے جا
مجھ کو بھی کھلا عیش میں اور تو بھی کھلے جا

ہر وقت یکی میں بھی +++ تو کبھی +++ جا
جس ڈھب سے ملا ہر تو اسی ڈھب سے ملے جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

راضی ہوں اس دم مجھے +++ میں کچل ڈال
بیکل ہوں مری جان مری جان میں کل ڈال
جس چیز کے +++ کی خوشی ہو سو وہ +++ ڈال
+++ بھی +++ اودھری +++ بھی +++ ڈال

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اُگتا ہو مرے دل میں ترے پیار کا پودا
مت چھوڑ قلم جان لکھے جا تو مسودا
کر ڈال تو +++ سے مری +++ کو +++
اب کیے ہی ترے وار میں سب پار ہو سودا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب آگے کو پیارے تری اُنگلی مرا چھلا
خاطر میں نہ لا کچھ مرے +++ کا تو کلا
واں آن رہوں گی جہاں تیرا ہو محلا
ہوتی ہو گر ڈھی فتح کیے جائیو ہلا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

جو مجھ کو نشا ہو وہی اب تجھ کو نشا ہے
کیا جوڑ برابر کا یہ اس وقت لگا ہے
میری بھی نئی عمر ہو اور تو بھی نیا ہے
ہنس ہنس کے +++ جا یہی +++ کا مزا ہی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

کرتی ہوں ترے +++ جو اس دم میں +++
+++ ہی تو جا دیکھ نہ کچھ راہ نہ بے راہ
مت اس سے ڈرا ی جاں میں بڑھاتی ہوں تری +++
ہو عین یہی وقت ترے سر کی قسم آہ!

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

یہ تار جو باندھا ہے نہ بڑھ اس میں نہ گھٹ جا
ہر وقت یہی اب مری .... سے .... جا
اک دم تو اسی تار کے بندھنے میں سمٹ جا
میں تجھ سے +++ جاتی ہوں تو مجھ سے ... جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب تجھ سے میں اک کوڑی بھی +++ نہیں لوں گی
جاویگا جہاں تو میں ترے ساتھ چلوں گی
ہاں کھول تجھے اپنی میں چنپا کلی دوں گی
خدمت سے تری ٹک نہ ٹلی ہوں نہ ٹلوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

+++ ہے جو ہر دم مرے سینے سے تو سینہ
ڈوبا ہے پسینے میں ترے تن کا نگینہ
کیا خوب تجھے آوے ہے +++ کا قرینہ
لا اپنے دوپٹے سے ترا پونچھوں پسینہ

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

میری تو +++ ہٹ گئی اور +++ بھی سرکی
قربان ترے یہ تو مہم تو نے ہی سر کی
پر تو نے تو اب شام سے +++ میں سحر کی
آ لے لوں بلائیں میں ذرا تیری +++ کی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب غم میں بہاوے گا تو میں غم میں بہوں گی
سن یار نظیر اب تو یہی تجھ سے کہوں گی
دکھ درد دکھاوے گا تو دکھ درد سہوں گی
جب تک کہ جیوں گی تری لونڈی ہی رہوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں

اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

(۱۳۸)

برہ کی کوک

بن دلبر کیونکر پھولے اب میرے دل کی کلی کلی
گشت لگا کتوال کا پھرنے چہ کی بیٹھی گلی گلی
تول بچن کر کر چھوٹا مجھ سے پھر چھوٹی خبر نہ لی
اُس بن جی گھبرا تا ہے اور لگتی نہیں کچھ بات بھلی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آ اُو پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اب میرا تو وہ حال ہوا ہے جیسے ہوویں قلم دوات
نیند اُچٹ گئی کروٹ جل گئی کاٹے نہیں کٹتی ہے رات
میاں کہیں تلوار کہیں ہو عیش مزے کی کیوں کر بات
خالی خولی کیا بیٹھیں ٹک جی بہلاویں مل کر سات

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آ اُو پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اُس جھوٹے کی راہ کو تکتے تکتے آنکھیں گئیں پتھرا
کاجل ڈھلکا سرمہ بگڑا منہ میں پان ہوا پھیکا
پھول پلنگ پہ سیج کے تیرے غم سے سوکھ گئے مُرجھا
جی اُکتائے دل گھبرائے آہ بھلا اب کیجے کیا

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آ اُو پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

جس کا جھوٹا وعدہ ہو پھر ویسے کی کیا کیجے چاہ
آنا تو اب تک آ جاتا اب کیا دیکھیں ہم اُنکی راہ
جو نہ نباہے اپنے سے تو اُس سے کیجے کیا نرباہ
کیونکر جی کو چین پڑے اور کیونکر دل سمجھاویں آہ

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آ اُو پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

کیا دکھ روؤں رات کی میری مفت گئی سب تیاری
کاجل مستی پھیکی پڑ گئی اور سنگار ہوا بھاری

انگیا میں کچھ پھڑک پھڑک کے سُست ہو مرجھا رہی رہی
سینہ دھڑکے +++ پھڑکے جاؤں میں کیدھر ہار رہی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

آج نہ اُس کے آنے میں کیا کیا نہ میری موج بہی
درد و الم جو گزرے ہر کچھ جاتی نہیں اب بات کہی
کس کس کُلہ کی سختی دیکھی کس کس دُکھ کی بات سہی
کیا کیجے اور کیا کہیے سب جی کی جی کے بیچ رہی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

رات کہا میں یار کا اپنے نام بتا کچھ اُسے تصویر
پھر ہمسائی سے یوں بولی بھر کر آہ اور ہو دلگیر
سُنکر غصّہ ہو کر بولی اُس جھوٹے کا نام نظیر
رات پہاڑ اور دل نہیں لگتا آہ کریں اب کیا تدبیر

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

(۱۳۹)

تجرّد کے مزے

نہ شوخ پری زاد کے بولوں میں مزا ہے
اکڑوں نہ صفا بیٹھ کے +++ میں مزا ہے
نے نازنیں پریوں کے ٹھٹھولوں میں مزا ہے
آوازِ پلنگ میں نہ کھٹولوں میں مزا ہے

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہے

ہے +++ کی گرمی میں جو از بس کہ بھرا رس
سو عیش کے لیتے ہیں مزے +++ کو گس گس
کہتے ہیں اسی واسطے اس کام کو متھ رس
لذّت جو ہے اس کام کی کیا کیا میں کہوں بس

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہے

جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

پیپا جو ہوا پاس تو ++ کو بلایا ٭ ++ + نہ ملی تو کسی + + + کے چلایا
اور جو نہیں سوراخ پلنگ میں ہی +++ ٭ ہاں اپنے + + + میں ہی کام اپنا چلایا

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے + + + میں مزا ہی

++ + کے اگر + + + کو جی سننے کو چاہا ٭ تو آپ لگے کہنے میاں چھوڑ دے آہا
چوڑی کو بجا دل کا مزا اپنے نباہا ٭ کیا عیش + + + کے بھی ہوتے ہیں اہاہا

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے + + + میں مزا ہی

+ + + کے لیے خوار نہ +++ سے ہیں نام ٭ نے چاہیئے کوڑی نہ یہ +++ پڑے اک دام
جی چاہا جسے لینے لگے اُس کا وہیں نام ٭ سچ ہی کہ +++ میں ہی سب چیز کا آرام

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

گر ہوتی نہ عالم میں +++ کے لیے راہ ٭ تو عابد و زاہد کا نہ ہوتا کبھی نرباہ
+++ کی نہ ذرکار نہ +++ کی رہی چاہ ٭ اس عیش کی لذّت کہوں کیا تجھ سے نظیر آہ

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

(۱۴۰)

چوہوں کا اچار

پھر گرم ہوا آن کے بازار چوہوں کا ٭ ہم نے بھی کیا خوانچہ تیّار چوہوں کا

سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چھوں کا
جلدی سے کچومر سا کیا مار چھوں کا

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہمیں اک ہیں پیچے مار
گلیوں میں ہمیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار
مدت سے ہمارا ہے اس اچار کا بیوپار
برسے ہے پڑی کوڑی روپے پیسوں کی بوچھار

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا!

سوکھے جیسے ترکاری سے تلنے کے ہوں درکار
کچھ تیل کے کچھ پانی کے کچھ چٹنی ہے تیار
تو سوکھے بھی کھونٹی پہ لٹکتے ہیں کئی بار
کس طرح کی لذت ہے تو چکھ دیکھ مرے یار

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

دیک کی مرچ لال سڑی لیکوں کی رائی
اور جس پہ سڑی موری کی کیچڑ ہے ملائی
دُم ٹانگ تلی کھوپڑی نس نس ہے سڑائی
جب ایسی بنی زور مزے دار کھٹائی

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

کچھ کینچوے کچھ بچھو ہیں کچھ ناگ ہیں کالے
کچھ ٹڈیاں کچھ مکھیاں کچھ مکڑی کے جالے
بھونے ہوئے چونٹے بھی کئی سیر ہیں ڈالے
اور ان کے سوا کتنے مصالح ہیں جو ڈالے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

کچھ اس میں اکیلے نہ چھے سیر پڑے ہیں
جوں پسو مچھر اور کئی سیر پڑے ہیں
کھونس اور چھچھوندر کے کئی ڈھیر پڑے ہیں
اور کھاٹ کے کھٹمل بھی سوا سیر پڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

اول تو چھے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں
کچھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں
اور سیر سوا سیر کے مینڈک بھی پڑے ہیں
چالیس برس گزرے ہیں جب ایسے سڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

چمگادڑ ابابیل کی ٹانگیں بھی پڑی ہیں
الو کے پر اور گدھ کی ... بھی پڑی ہیں

گوبر کی ڈلی بیٹ کی کھاتیں بھی پڑی ہیں — سر کوّوں کے اور چیل کی آنتیں بھی پڑی ہیں

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

چوہوں کا جدا چوہوں کی مونچھوں کا جدا ہے — دُم کا وہ جدا کان کا آنکھوں کا جدا ہے
لوٹے میں سڑی کھال کا بالوں کا جدا ہے — پیالی میں پیا نری سوت سی آنتوں کا جدا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

گر پانچ روپے ہو ویں تو اک چھپکلی لے لو — اور ایک اشرفی کو چھچھوندر سڑی لے لو
مت گھونس کے تئیں دیکھ کے ترساؤ جی لے لو — لے لو اجی لے لو اجی نے لو اجی لے لو

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

کھاوے جو اس اچار کی اک مونچھ کی جھنڈی — کھل جاوے سب اُس کے وہ دل و جان کی گھنڈی
آتی ہے چلی ملکوں سے ہنڈی پہ جو ہنڈی — جو سر ہے چھچھے کا سو مزے میں ہے وہ منڈی

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

جب دانت تلے کھوپری بھرتی ہے چرا کے — کھل جاتے ہیں لذت کے دلوں بیچ بھنبا کے
چکھتے ہی زباں بھرتی ہے اس ڈھب سے تڑا کے — شبرات میں پیا جس طرح سے چھٹتے ہیں پٹا کے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

لاتا ہے کوئی چکنے گھڑے اور کوئی کورے — پیالا کوئی تھالی کوئی پیتل کے کٹورے
کیا لیں گے اب اسکو کہ جو مفلس ہیں چھچھورے — کھاویں گے وہی جو کہ ہیں دولت کے چٹورے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

پاچن کے اُپر اب تو یہ چوزن کا چچا ہے — جو کھاوے تو پھر پیٹ کا پتھر بھی پچا ہے
ترشی میں کھٹائی میں یہ اب ایسا رچا ہے — جو آنب کا بابا ہے تو لیموں کا چچا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

آگے جو بنایا تو بکا تیس روپے سیر — اور تھکی نگئے لے اسے پچیس روپے سیر

لہ کھاتیں سڑی ہوئی غلاظت جو کھیتوں میں تقویت زمین کے لیے ڈالی جاتی ہے ۔ اسی کو پانس بھی کہتے ہیں ۱۲ ۔ ہ جھنڈی وہ گچھا جو بالوں کے کاٹ لینے کے ۔۔۔ (بعد) کھیتوں میں ۔۔۔ جاتی ۔۔۔ گنے کی جڑ ۔۔۔ یا جوار وغیرہ کے درخت کی جڑ ۔۔۔ یہاں مونچھوں کا گچھا مراد ہے ۱۲ ۔ سنے بھبا قا ۔ بھنبا کا جڑا اسو ملیح جو آریار ہو جانے پر اچھیلہ ۱۲ شہباز

لہ برسات میں بکتا ہے یہ

جاڑوں میں یہ بکتا رہا بتیس روپے سیر
اور ہولیوں میں بکتا ہے چالیس روپے سیر
کیا زور مزے دار ہے آچار چھوں کا

روزی تو ہماری یہ اُتاری ہے خدا نے
اور پیٹ کے بھی واسطے دو پیسے کمانے
دن رات پڑے ہم کو یہ آچار بنانے
لذّت کو نظیر اس کی جو کھاوے وہی جانے
کیا زور مزے دار ہے آچار چھوں کا!

قصص وحکایات

(۱۴۱)

لیلیٰ مجنوں

مُعَشّٰی

پہلے تو حمد خالق ارض و سما لکھوں
بعد اُس کے پھر میں نعتِ شہِ انبیا لکھوں

گر عمر بھر میں اس کو لکھوں تو بھی کیا لکھوں
بے انتہا ہے وہ تو غرض تا کجا لکھوں

لازم ہے اس میں طبع کو عجز انتہا لکھوں
کچھ وصف حسن کا لکھوں کچھ عشق کا لکھوں

کچھ ناز کچھ نیاز بطرز رسا لکھوں
ہے جی میں لیلیٰ مجنوں کا کچھ ماجرا لکھوں

سچ پوچھیے تو دونوں عجب کام کر گئے
معشوقی عاشقی میں غرض نام کر گئے

پیدا ہوا تھا قیس جب اپنے پدر کے گھر
ماں باپ کو ہوئی تھی خوشی سب سے بیشتر

کنبے کے لوگ بیٹھے تھے باہم سب آن کر
اک دھوم مچ رہی تھی خوشی کی ادھر اُدھر

چوبے تھا باپ قیس کے ہر لحظہ بہ چشم و سر
رکھتے تھے ہاتھوں چھاؤں کسے گرچہ بے خطر
ماں بھی لیے پھرے تھی اُسے اپنے دوش پر
فرزند کی خوشی میں لٹاتی تھی سیم و زر

لیکن وہ ماں کی گود میں اکثر نہ سوتا تھا
ہر وقت شور کرتا تھا ہر لحظہ روتا تھا

مادر تھپک تھپک کے سُلاتی تھی کرکے پیار
پھرتا تھا باپ فال دکھاتا بہ چشم زار
تعویذ ڈالتا تھا گلے بیچ بے شمار
لیکن اُسے قرار نہ آتا تھا زینہار
رہتا تھا اک فقیر کوئی واں بزرگوار
جس دم وہ حال اُس پہ کیا جاکے آشکار
سنتے ہی اُس نے آہ کی اور ہوکے اشک بار
مجنوں کے باپ سے یہ کہا اُس گھڑی پکار

دکھ پانے والے لڑکے جو دنیا میں آتے ہیں
لچھن سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں

لڑکا ترا بہ عاشق سرشار ہووے گا
محفل میں عاشقوں کی نمودار ہووے گا
زلفوں میں نازنیں کی گرفتار ہووے گا
چشم کرشمہ ساز کا بیمار ہووے گا
ناز و ادا کا دل سے خریدار ہووے گا
دیدار خوبرو کا طلبگار ہووے گا
رمزوں سے عاشقی کی خبردار ہووے گا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہووے گا

تدبیر یہ نہ رونے کی اس کے کیا کرو
تم گل رخوں کی گود میں اس کو دیا کرو

مجنوں کا باپ سنتے ہی گھر کی طرف پھرا
آیا تو گل رخوں کی اُسے گود میں دیا
جب اُن پری رخوں نے اُسے پیار ٹک کیا
تھا وہ جو رونا دھونا سو موقوف ہوگیا
ماں باپ کا دل اُس کے تئیں دیکھ خوش ہوا
بارے اسی طرح سے ہوا جب وہ کچھ بڑا
مکتب میں اُس کے باپ نے لاکر بٹھا دیا
اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا

مکتب کو دیکھ قیس نے ہوش اپنا کھو دیا

دیکھا جو قاعدے کو بھی یارو تو رو دیا

استاد ایسے بیٹھے کہ پوچھیں وہ عشق کو ۔ روے سخن میں اُن کے ملے عاشقی کی بو
جو کچھ پڑھے تو یوں کہیں غم کے گھر پڑو ۔ تختی لکھے تو بولیں اُسے آنسوؤں سے دھو
معنی جو پوچھے تو کہیں صبر و قرار کھو ۔ تقریر پوچھے تو یہ کہیں اُس کے روبرو
دل دے کے خوبرو کی محبت میں خوب رو ۔ باعث جو عشق کے تھے وہ حاضر تھے دوبدو

چاہت کی پاک بازی کا ہر دم رواج تھا
لڑکا بھی ابتدا ہی سے عاشق مزاج تھا

اس کے سواے اور یہ جادو بھر کنار ۔ لڑکے جو اُس میں بیٹھے سو ایسے وہ گلعذار
صورت کو جن کی دیکھ کے بلبل ہو بیقرار ۔ اندر تو قاتلوں کا وہ مجمع ستم شعار
باہر پڑے تڑپتے تھے مشتاق دل فگار ۔ اُن کے سوا یہ اور قیامت تھی آشکار
جو اُن میں لڑکیاں بھی کئی تھیں حیا نگار ۔ جادو پہ جادو جب یہ ہوا آن کر دوچار

دیوانگی کے بڑھنے کا دیوان ہو گیا
مکتب وہ اُس کے حق میں پرستان ہو گیا

حسن و ادا کا ناز کا دیکھا جو التیام ۔ اُن لڑکیوں میں ایک جو لڑکی تھی خوش خرام
تھی شرمگیں وہ نازنیں لیلیٰ تھا اُس کا نام ۔ زلف اُس صنم کی ہو گئی مجنوں کے دل کی دام
بن دام اُس نے کر لیا مجنوں کے تئیں غلام ۔ اُس کے بھی دل میں اُلفت مجنوں کا ازدحام
ایسا ہوا کہ پڑھنے لگا جی میں صبح و شام ۔ چاہت کی مے کے پی لیے آپس میں بھر کے جام

تقدیر سے جو چاہ کا روشن قلم ہوا
دونوں دلوں پہ حرف محبت رقم ہوا

یہ چاہتا تھا اُس کو اسے وہ لبھاتی تھی ۔ چاہت جو یہ جتاتا تھا وہ بھی جتاتی تھی
سنکھ نگہ سے نہ ہرگز لڑاتی تھی ۔ پر نیچی نیچی نظروں سے کچھ مسکراتی تھی

ظاہر میں تو ہر اک سے وہ چاہت چھپاتی تھی　　لیکن وہ دل ہی دل میں محبت بڑھاتی تھی
مکتب سے جب وہ نازنیں ٹک گھر کو جاتی تھی　　مجنوں کے دل پہ تب تو قیامت سی آتی تھی

ہوتا ہجوم جی میں جو تھا اضطراب کا
اک اک ورق بکھرتا تھا دل کی کتاب کا

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اُٹھاتا تھا　　شق الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا
بے کی کشش میں طول طپش کو جتاتا تھا　　نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا　　نقش دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا
جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا　　دیکھ اُس کو چشم یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفتر رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

جاتی تھی جب وہ گھر میں تو اُس کا بھی تھا یہ حال　　مکتب میں جلد جانے کا تھا دم بہ دم خیال
ہوتی تھی چپکے رونے سے آنکھیں جب اسکی لال　　جو پوچھتا تھا اُس سے کوئی موجب ملال
کہتی تھی آنکھ میں جو پلک کا گیا ہے بال　　ہوتا ہے اس سبب مرے اشکوں کا اتصال
مجنوں سے ملنے کا جو اُسے شوق تھا کمال　　اک دم کے دور رہنے میں ہوتا تھا جی نڈھال

جاتی تھی جلد پھر اُسی عنوان آتی تھی
مجنوں کے تن میں دیکھ کے پھر جان آتی تھی

کتنے دنوں تو روز ہی ہمرازیاں ہوئیں　　اُلفت کی تازہ تازہ ترانداز یاں ہوئیں
چاہت کی ہر کسی سے نہاں سازیاں ہوئیں　　ہرگز نہ اتہام نہ غمازیاں ہوئیں
نہ افترا ہوا نہ در اندازیاں ہوئیں　　شوقِ درون آئینہ پردازیاں ہوئیں
چھپ چھپ کے ہم دگر کی نظر بازیاں ہوئیں　　یکتا دلی میں طبع کی انبازیاں ہوئیں

مکتب کے بیچ گُل کی طرح سے کھلے رہے

ناز و نیاز کیسا ہی گھلے اور ملے رہے

اُس گل بدن کے دل میں چُبھا ہجر کا جو خار
مجنوں کو تھا جو لیلی کے آنے کا انتظار
اب کوئی دم میں دیکھیں گے پھر وصل کی بہار
آگے تو اتنی دیر نہ لگتی تھی زینہار

مکتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار
کہتا تھا آتی ہو گی وہ محبوب گل عذار
پھرتا کبھی یہ کہتا وہ گھبرا کے بے شمار:
ہرگز نہ جی کو چین نہ خاطر کو تھا قرار

کثرت سے طبع پر جو چڑھی دل کی چاہ تھی
در کی طرف نگاہ تھی اور آہ آہ تھی

جب شام تک نہ آئی وہ مجنوں کی مہ جبیں
ہیم پر رہ کبھی کبھی مادر سے سہمگیں
بے کل تمام رات رہا خستہ و حزیں
جو ہجر نے دکھائیں جفائیں وہ سب سہیں

چھپ چھپ کے رہے روتی رہی گھر میں نازنیں
بیتابی جب تو ایسی ہوئی قیس کے تئیں
اشکوں سے آنکھیں اُس کی بھری صبح تک رہیں
کہتا رہا یہ دل سے کہ اے دل یہ ہے یقیں

لیلی کا میرے پاس جو آنا نہ ہووے گا
تو میری زندگی کا ٹھکانا نہ ہووے گا

مجنوں کے دل پہ جب یہ ستمگاریاں ہوئیں
ہر آن بے بسی کی مددگاریاں ہوئیں
اُٹھنے کی ننگ و نام کے تیاریاں ہوئیں
جتنی کہ اُس کو ملنے کی دشواریاں ہوئیں

فرقت کے درد و غم کی گرفتاریاں ہوئیں
ہر دم ادھر اُدھر کی دل آزاریاں ہوئیں
ہجراں کی لحظہ لحظہ جفاکاریاں ہوئیں
اتنی ہی اُس صنم کو بھی ناچاریاں ہوئیں

جیسا کہ اُس کے دل کے تئیں پیچ و تاب تھا
ویسا ہی نازنیں کے تئیں اضطراب تھا

کتنے دنوں تو قیس رہا دل سنبھالتا
جو فکر وصل ہوتی ہر چاہت میں جابجا

ہر لحظہ رنج و درد سہا انتظار کا
اُس بیقرار نے بھی کیا سب ڈھک ڈھکا

لیلیٰ کا جب گذر نہ اُدھر مطلقاً ہوا
پھر تو گھر اپنا بھی اُسے لگنے لگا بُرا
ماں باپ سے بھی رہنے لگا ہر گھڑی خفا
سمجھاتے تھے جو اُس کے تئیں خویش و اقربا
آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور لب خموش تھا
ہرگز کسی کی بات پہ رکھتا نہ گوش تھا

گھبرا کے تھا کبھی جو سر بام بیٹھتا
کہتا ہوا سے اس گھڑی لیلیٰ کے پاس جا
کہیو میری طرف سے کہ اے شوخ دلربا
تیغ نگہ سے تو نے جو بسمل مجھے کیا
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھی ہے خاطر میں ہو خفا
اے نازنیں بتا ہوئی تقصیر مجھ سے کیا
لازم ہے ایک بار تو میرے کنے پھر آ
آکر کسی بہانے سے پھر منہ مجھے دکھا
پہروں تلک یہ حال ہوا کو سناتا تھا
باتیں یہ اُس سے کہتا تھا اور روتا جاتا تھا

جاتا کبھی چمن میں تو ہوتا وہاں یہ حال
بلبل کو وصل گل میں جو تھا دیکھتا نہال
دل بیٹھنے کا لیلیٰ کے تھا باندھتا خیال
رو رو کے آنکھیں کرتا تھا گل کی طرح سے لال
نرگس سے چشم لیلیٰ کو دیتا کبھی مثال
سنبل سے یاد آتے تھے لیلیٰ کے اُسکو بال
ہر سرو کو سمجھ قد لیلائے خوش جمال
ہر دم گلے لگاتا تھا بیتاب ہو کمال
دل سختی فراق سے جوں غنچہ تنگ تھا
گھر میں تو وہ طرح تھی چمن میں یہ رنگ تھا

چھٹی جو ملتی اور تو سب لڑکے لڑکیاں
ہنستے اُچھلتے کودتے کر کر کے بازیاں
لیلیٰ کے آنسو ہوتے تھے رخسار پر رواں
کہتی تھی ہو جو رات کی جلدی سحر میاں
تو جاکے دیکھوں مجنوں کو مکتب کے درمیاں
مجنوں بھی ہر بہانے سے تا شام اُسکے ہاں
جاتا تھا دیکھنے اُسے رہ رہ کے دوستاں
جب ہوتی رات گھر میں پھر آتا تھا نیم جان
لیلےٰ کی یاد دل کو جو ہر دم ستاتی تھی

آنکھوں میں نیند اس کے سحر تک نہ آتی تھی

ہوتی تھی جب سحر تو وہ مکتب میں آتا تھا
لیلیٰ کو پہلے آنے سے اپنے وہ پاتا تھا
اس غنچہ لب کے منھ سے جو وہ منھ ملاتا تھا
گل کی طرح سے دل میں نہ پھولا سماتا تھا
ملنے کا اشتیاق ہر اک دم سناتا تھا
دل کی طلب کو اپنی نگہ سے جتاتا تھا
جب حرف شوق لیلیٰ کے لب سے برآتا تھا
اُس نازنیں کی چاہ پہ قربان جاتا تھا

کہتا تھا میں غلام ترا بے تمیز ہوں
کہتی تھی ہنس کے وہ بھی میں تیری کنیز ہوں

پھر گھر میں اپنے جاتی جو محبوب دل ربا
مجنوں جو کچھ صنم سے نشانی تھا مانگتا
دیتی وہ کچھ تو مجنوں سے کہتی تھی تو بھی لا
مجنوں بھی دیتا اُسکو تو لے کر وہ مہ لقا
چومے تھی اُس نشانی کو سب سے چھپا چھپا
مجنوں بھی ہر گھڑی اُسے آنکھوں پہ رکھتا تھا
رہتے تمام رات اسی دُھن میں مبتلا
اس میں وہ صبح جب اُٹھیں دیتی تھی منھ دکھا

مکتب میں پھر تو آنے کی تشیید[1] ہوتی تھی
دونوں کو وہ سحر عید ہوتی تھی

جب تک یہ خردسال تھی چاہت نہاں رہی
سیانی ہوئی تو تاڑنے والوں پہ کچھ کھلی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اسکے ہر گھڑی
چاہت کے گل کی بو نہ رہی آخرش چھپی
جانا کسی کسی نے ملامت کسی نے کی
پھر تو وہ پھیلی ایسی کہ پہنچی گلی گلی
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُنکو بے بسی
چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی

آساں نہیں ہے رشتۂ اُلفت کو توڑنا
مشکل ہے بالے پن کی محبت کو چھوڑنا

پہونچی یہ بات خانۂ لیلیٰ میں جس گھڑی
ماں باپ کے دلوں میں پڑی غم کی گلجھڑی
لیلیٰ جب اُن کے روبرو آکر ہوئی کھڑی
دونوں کی طبع کثرت تنبیہ پر اڑی

[1] تشیید کے معنی ہیں [illegible] بلند کرنے کے [illegible] یہاں تمہید مراد ہے [illegible]

کچھ جھڑکیاں دیں باپ نے کچھ ماں ہوئی کڑی
تدبیر اور اس کے سوا کچھ نہ بن پڑی
ہیبت دکھائی اور تنقید بھی کی بڑی
مکتب سے اس کو منع کیا مار کر چھڑی

مجبور کر دیا وہیں فرحت کے ساتھ سے
تختی کتاب چھین لی لیلیٰ کے ہاتھ سے

بے بس ہو گھر میں بیٹھ رہی جب تو وہ صنم
مجنوں کی یاد صفحۂ دل پر جو تھی رقم
لیلیٰ کی یاد مجنوں پہ کرتی تھی یاں ستم
لیلیٰ کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قسم
ہوش و حواس کر گئے خاطر سے اس کی رم
مجنوں ہی مجنوں کہتی تھی دل میں بدرد و غم
تختی کہیں پڑی تھی پڑے تھے کہیں قلم
واں ایک پل قرار نہ یاں چین ایک دم

دونوں کے صحن دل میں جو بیتابی ہوتی تھی
واں مجنوں مجنوں ہوتا تھا یاں لیلی لیلی تھی

لاتا تھا باپ کھینچ کے اُس کو گھڑی گھڑی
ناچار اُس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
تدبیر اور جنوں کی جو ہوتی ہے وہ بھی کی
کہتا تھا باپ جا کے جو اُس سے کبھی کبھی
چین اُس کے دل کو گھر میں ہوتا تھا اک ذری
زنجیر کی صدا سے بھی دیوانگی بڑھتی
آخر گھر اپنا چھوڑ کے صحرا کی راہ لی
بیٹا میں تیرا باپ ہوں مل مجھ سے اس گھڑی

کہتا تھا رو کے میں تو تجھے جانتا نہیں
لیلےٰ سوا کسی کو میں پہچانتا نہیں

آتا تھا دیکھنے کو جو لیلےٰ کے وہ کبھی
کھڑکی کو دیکھتا تھا کہ ہے بند یا کھلی
لیلیٰ کو اُس کے آنے سے ہوتی تھی آگہی
مادر پدر کے خوف سے تھی گرچہ بے بسی
تھا چومتا بہانے سے چوکھٹ جو گھر کی تھی
کرتا نگاہ تھا کبھی جالی پہ ہر گھڑی
پھرتی ادھر اُدھر تھی وہ حیلے کو ڈھونڈتی
تو بھی ہر ایک طرح سے صورت دکھاتی تھی

کچھ کہنے پائی کیوں کہ حذر ہوش کھوتا تھا

باتوں کے بدلے واں اسے رو دینا ہوتا تھا

جاتی تھی سیر باغ کو جس دم وہ دلربا — مجنوں کے دیکھنے کا وہ رکھتی تھی مدعا
دیدار کے لیے وہ بہانہ تھا باغ کا — لڑکے جب آ کے مجنوں کو دیتے تھے یہ سنا
سنتے ہی دوڑتا تھا خوشی سے وہ مبتلا — لیلےٰ بھی اُس کے سنتی تھی جب شور کی صدا
محمل کے پردے کو وہیں دیتی تھی پھر اُٹھا — جلدی سے اُسکو دیتی تھی منھ اک نظر دکھا

دونوں طرف سے شوق جو نشتر چھبوتا تھا
واں دیکھنا دکھانا اسی ڈھب سے ہوتا تھا

مجنوں کا مدتوں تلک ایسا ہی حال تھا — آیا کبھی تو ٹھہرنے اُس کو نہ واں دیا
گر بن گیا بہانہ تو ٹک منھ کو تک لیا — ورنہ وہ اپنے پھر اسی وادی میں جا پڑا
سر کی خبر نہ اپنے اُسے تھی نہ ہوش پا — لیلیٰ ہی لیلیٰ اُس کی زباں پہ تھی جا بہ جا
رہتا تھا رات دن غمِ فرقت میں دل پھنسا — تن کا بیاں میں یار و کہوں اُس کے اور کیا

غالب جو اُس کے جی پہ وہ دیوانہ پن ہوا
لیلیٰ کی جو کمر تھی وہ اُس کا بدن[1] ہوا

کہتا تھا دمبدم مری دلدار لیلی ہے — اس خستہ دل کی مونس و غمخوار لیلی ہے
محفل میں دلبروں کے نمودار لیلی ہے — خوبی و دلبری میں چمن زار لیلی ہے
ناز و ادا کی گرمیِ بازار لیلی ہے — خوبانِ نازنیں میں فسوں کار لیلی ہے
محبوب گل رخوں کی وفادار لیلی ہے — مجنوں کی عاشقی کے سزاوار لیلی ہے

لیلی ہی کی ادا پہ مرا دل نثار ہے
لیلی ہی کی نگہ مرے سینے سے پار ہے

ماں باپ نے جب اس کی یہ کچھ دیکھی بیکلی — مشاطہ ایک خانۂ لیلی میں بھیج دی
اور یہ ہے نے لیلی کے پاس اُس سے یہ کہی — لڑکے کی اُن کے تجھ سے جنوں سے لگن لگی

[1] بعض نسخوں میں اس بند کے بعد دو بند لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے "ماں باپ کے بھی دل کو اوج لگ رہی خوشی" ۱۲ شہباز

سنتے ہیں وہ تو رہتا ہے وحشی سا ہر گھڑی
اُن سے کہا تو ہاں سے یہ کہہ بھیجا ہر گھڑی
مشاطہ جب یہ سن کے ادھر سے اُدھر پھری
سب جھوٹ ہی جو کہتے ہیں اس کی دوانگی

کچھ خوف مت کرو اُسے ہر دم پہ کھ لو
باور نہ ہو تو اپنی تم آنکھوں سے دیکھ لو

کہکر یہ قیس کو وہ ارادہ جتا دیا
زلفیں سنوار آنکھوں میں سُرمہ لگا دیا
پٹکا سنہرا اُس کی کمر میں بندھا دیا
رومال اک زری کا بھی ہاتھوں میں لا دیا
زرّیں لباس اُس کے بدن میں پنھا دیا
دستارِ زر فشاں کو بہ سر جگمگا دیا
بُردِ یمن کو دوش کے اوپر اُڑھا دیا
بوڑھے بڑوں کے ساتھ اُسے واں بھجا دیا

جتنے بزرگ تھے اُسے سب لیکے واں گئے
مل کر جو بیٹھے یہ بھی خوش اور وہ بھی خوش ہوے

کہتے ہیں قیس لڑکوں میں صاحب جمال تھا
واں جس نے دیکھا اسکو بہت جی کو خوش لگا
کہتی تھیں یہ تو لڑکا نہایت ہے خوش ادا
کتنے تھے اُن کے پاس جو لیلیٰ کے اقربا
پوشاک جب وہ پہنی تو حسن اور بھی بڑھا
تھیں بیبیاں بھی جھانکتیں غرفوں سے جابجا
دیوانگی کا اس کی عبث شور تھا مچا
لڑکے کا حُسن سب کی نگاہوں میں تھا کھبا

سب دل میں اپنے تخمِ محبّت کو بوتے تھے
الفت کی باتیں کرتے تھے اور شاد ہوتے تھے

کہتے ہیں ایک سگ کہیں لیلیٰ نے پالا تھا
مجنوں نے سر کو پاؤں پہ اُس سگ کے رکھ دیا
رومال وہ زری کا اُسی کو اُڑھا دیا
ہاتھ اپنا اُس کے سر پہ کبھی پیٹھ پہ رکھا
ناگاہ جب وہ قیس کی اُس جا نظر پڑا
کر پیار اُس کو اپنے گلے سے لگا لیا
گودی میں اپنے پیار سے جلدی بٹھا لیا
بے اختیار ہو کے اُسے جب تو یہ کہا

تو جس کے پاس ہے مجھے اُس سے جدائی ہے

مدت میں تیری شکل نظر مجھ کو آئی ہے

اُس سگ کو دیکھ قیس کا جب ہو گیا یہ حال / جو ہاتھ پیار سے دیے گردن میں اُسکی ڈال
سب کے تئیں یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کمال / تھے جیسے خوش وہ دیکھ کے واں قیس کا جمال
ویسا ہی اُن کے دل کو ہوا رنج اور ملال / آپس میں جب تو کرنے لگے سب یہ قیل و قال
جو ہوش میں ہو اُس سے تو یہ بات ہے محال / ہوتی مگر ہے ایسی دوانوں کی چال ڈھال

یہ ڈھنگ قیس کے جو نمودار ہو گئے
جتنے گئے تھے ساتھ وہ ناچار ہو گئے

ماں باپ کے بھی دل کو اِدھر لگ رہی خوشی / یعنی پسند ہو گی اُنھیں طرز قیس کی
اتنے میں آئے پھر کے اُدھر سے جو وہ بھی / جو واردات گذری تھی آکر وہ سب کہی
اور یوں کہا بہت ہمیں شرمندگی ہوئی / اس سے تو ہم نہ جاتے تو بہتر وہ بات تھی
خاطر میں پھر تو قیس کی دیوانگی بڑھی / شرم و حیا و صبر نے جب دل سے راہ لی

پھر تو ہمیشہ کوچۂ لیلیٰ میں جاتا تھا
بیتابیاں جتاتا تھا اور غل مچاتا تھا

آخر یہ قیس کی ہوئی حالت پھر آشکار / کر ڈالا اپنا غم سے گریبان تار تار
گھر کو بھی اپنے چھوڑ دیا ہو کے بیقرار / لیلیٰ کے در پہ آ پڑا ایسی ہو کے بے وقار
واں سے بھی جب اُٹھا دیا اُس کو بحال زار / گلیوں میں جب تو پھرنے لگا ہو کے دلفگار
لڑکوں کا تھا ہجوم لگا ساتھ بے شمار / آنکھیں بھی سرخ نالوں کے غل شور بار بار

کثرت میں عشق تھا جو بتِ گلعذار کا
اک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا

لیلیٰ بھی اُس کی چاہ میں بے اختیار تھی / منھ کو لپیٹے رہتی تھی مسند پہ وہ پڑی
ملنے کو اس کے آتی تھیں جب لڑکیاں کبھی / وہ غمزدہ کسی سے بھی ہرگز نہ بولتی

آنکھوں میں اشک آہ بلب اور اُداس جی
زنہار میرے پاس نہ آیا کرو کبھی
ہٹ کر تمیں وہ تو اُن کو سناتی تھی اُس گھڑی
صحبت مجھے کسی کی نہیں لگتی ہے بھلی

مجنوں کے دیکھنے کی تمنا مدام تھی
لیتی سحر سے شام تلک اُس کا نام تھی

اس حد پہ جا پہونچی تھی جو دونوں کی دوستاں
گر اس کے ایک پھانس لگی تن کے درمیاں
ہوتی تھی اس کی چشم ادھر جب گہر فشاں
جو اس کی شکل یاں تھی وہی اُسکی شکل واں
جو اُس پہ گذرا حال وہ اس پر ہوا عیاں
اُس کے جگر سے اُٹھنے لگا نالہ و فغاں
آنکھوں سے اشک اُسکی بھی ہوتے تھے تب رواں
الفت کا اُن کی آہ میں کیا کیا کروں بیاں

چاہت کے گل کچھ ایسی طرح جی میں کھل گئے
جو دل بھی اُن کے مل گئے اور تن بھی مل گئے

سچ پوچھیے تو رکھتی ہے چاہت بھی کیا مزا
یک رنگ دوستی میں رہے دونوں برملا
جو اُس کے پا میں پھرتے ہوئے آبلہ پڑا
مجنوں کے روئیں روئیں میں لیلیٰ گئی سما
جو فرق کی نہ عاشق و معشوق میں ہو جا
جو اُس پہ ہو گیا وہی اس پر گذر گیا
گھر بیٹھے اُس کے پاؤں میں کانٹا وہیں چبھا
لیلیٰ کے بند بند میں مجنوں ہی بھر گیا

(حاشیہ: لفظ روم پرانا لفظ ہے روئیں کا مرادف ہے)

چاہت کے اُن سے کام بہت نیک ہو گئے
دونوں میں کچھ دوئی نہ رہی ایک ہو گئے

اس کی مثل میں کرتا ہوں یارو میں اب بیاں
یہ رمز عشق ہے اسے جانے ہیں عاشقاں
لیلیٰ نے ایک روز کھلائی تھی فصد واں
حیرت ہوئی ہر ایک کو جب یہ ہوا عیاں
پنہاں نہیں غرض ہے یہ مشہور در جہاں
عشاق کے یہ دل پہ نہیں مطلقاً نہاں
وادی میں ہو گیا رگ مجنوں سے خوں رواں
حیرت نہیں یہ چاہ کی ہیں پختہ کاریاں

جب پختگی میں چاہ کا ہوتا کمال ہے

وان ہوتا پھر تو دوستو ایسا ہی حال ہے

قصہ تو لیلیٰ مجنوں کا ہے دوستو بڑا
اپنے سخن میں رکھتا تھا کب طبع کو رسا
سچ پوچھو تو زمانے کا ہے اعتبار کیا
لیلیٰ تو اٹھ گئی وہیں مجنوں بھی چل بسا
تھوڑا سا اُس کتاب سے میں نے بھی یہ لکھا
کچھ بیٹھے بیٹھے یہ بھی مرے جی میں آگیا
ہے راحت بہار سے رنج خزاں لگا
آگے نظیرؔ اس کا بیاں اب کروں میں کیا
کاغذ میں نام ان کا بارقام رہ گیا
آخر کو دونوں جاتے رہے نام رہ گیا

(۱۴۲)

ہنس نامہ

دنیا کی جو الفت کا ہوا مجھ کو سہارا
دیکھی جو یہ غفلت تو مرا دل ہوا پکارا
اور اُس نے خوشی کو مری خاطر میں اُتارا
آیا تھا کسی شہر سے ایک ہنس بچارا
اک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اُس کا گزارا

چنڈول اگن[۱] ابلقے چھپیان بنے ڈھیر
طوطے بھی کئی طور کے ٹوئیاں کوئی لہبر
مینا وُ بئے کلکلے بگلے بھی سنبر[۲]
رہتے تھے بہت جانور اُس پیڑ کے اوپر
اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

بلبل نے کیا اُس کی محبت میں خوش آہنگ
کھنجن میں کلنگوں میں بھی چاہت کی مچی جنگ
اور کوکلے کویل نے بھی اُلفت کو لیا سنگ
دیکھا جو طیوروں نے اسے حسن میں خوش رنگ
وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

سیمرغ[۳] بھی سو دل سے ہوئے ملنے کے شائق
سارس بگلے جو اصل بھی ہوئے اُسکے موافق
گرگھ نگھ[۴] بھی نیکھوں کے ہوئے جھلنے کے لائق
باز ولگڑ وجرہ و شاہین ہوئے عاشق

نسخہ: اپنے سخن میں رکھتا تھا کب طبع کو رسا

[۱] اس مصرع کے مطلب میں کسی قدر رعایت لفظی کی وجہ سے اشکال ہے۔ چنڈول ایک جانور کا بھی نام ہے اور ایک سواری کا بھی۔ شاعر اگن کو چنڈول قرار دیتا ہے اور ابلقے کو چھپیان اور ڈھیر کو نوشہ شہبانہ

[۲] سنبر۔ سفید بگلا

[۳] سیمرغ۔ رخ، عنقا۔ سیمرغ

[۴] ققنس کی طرح روانہ کا پرندہ ہے ۱۲ ابو نجم

شکروں نے بھی شکرے کیا اُس کا مُدارا

کچھ سبزک و بُڑنکے و کچھ ٹنٹن و بُزّے
پنڈ خی سے لگا تُوتر و قمری و ہر یوے
غوغائی بگیری و لٹورے و پپیہے
کچھ لال چڑے پودنے پدّے ہی بغش تھے

پڑری بھی سمجھتی تھی اُسے آنکھ کا تارا

چاہت کے گرفتار بٹیریں لوے تیتر
گلگوں کے تدرو دوں کے بھی چاہت میں تھے پر
ہُدہُد بھی ہوئے ہٹ کے بدھیا ادھر اُدھر
زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر

سب کرنے لگے اُس کی محبت کا اشارا

شکل اُس کی وہیں جی میں کھبی شام چڑے کے
دی چاہ جتا پھر اُسے جھبا پنو نے بھی جھپ سے
ہریل بھی ہوئے اُسکے بڑے چاہنے والے
جتنے غرض اُس پیڑ پہ رہتے تھے پرندے

اُس ہنس پہ اُن سب نے دل و جان کو وارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر دم اُسے دیکھیں
اور اُس کی محبت سے ذرا منھ کو نہ پھیریں
دن رات اُسے خوش رکھیں نت سکھ اُسے دیویں
صحبت جو ہوئی ہنس کی اُن جانوروں میں

ایک چند رہا خوب محبت کا گذارا

سب ہو کے خوش اُس کی مَے اُلفت لگے پینے
اور پریت سے ہر اک نے وہاں بھر لیے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے
اُس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے

اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تم نے کیے ہم پہ ہیں جو جو
تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو
لو یارو ہم اب جاوینگے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اتبک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش
اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش
اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش

لے بربگے ۔ بڑی
بال کا ایک پرندہ ۱۲
سے غرض بیہودہ ۱۲
سے کبھی بیپنائی ۱۲
ھے چھابا [illegible]
ایک پرندہ کا نام
ہے ۱۲ شے جھپ
فوراً ۱۲ [illegible]
وارا نثار کیا ۱۲
[illegible] پریت ـ
محبت ۱۲ فخر علی

سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمہارے ہمیں کب چین پڑیں گے — اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھریں گے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے — ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمہارے ہی چلیں گے

یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا[۱]

پھر ہنس نے یہ بات کہی اُن سے کئی بار — کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت ہے ہیں ناچار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کے گہربار — اُس میں جو شب کوچ کی ہوئی صبح نمودار

پر اپنا ہوا پر وہیں اُس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اُس پیڑ سے واں کو چلا ناگاہ — منہ پھیر کے ادھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ — سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراز و ہوا خواہ

ہر ایک نے اُڑنے کے لیے پنکھ[۲] پسارا[۳]

اور ہنس کی اُن سب کو رفاقت ہوئی غالب — جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بے بسی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پہ ہوئی غالب — دو کوس اُڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب

پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

پر اُن کے ہوئے تر جو ہیں دوری کی پڑی اوس — روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدمبوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس — کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اُڑا کوس

کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار — اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ ہو سکے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار — کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار

کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا[۴]

تھی اُس کی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے — سمجھے تھے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے[۵] — چیلیں رہیں کوّے گرے اور باز بھی تھک کر

[۱] سہارا - برداشت کیا
[۲] پنکھ - پر
[۳] پسارا - پھیلایا
[۴] کرارا - مضبوط
[۵] کیفیت حالات

اشرف علی لکھنوی

اُس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

دنیا کی جو الفت ہے تو اس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نر باہ
ناچار ہی ہو جس جا میں تو واں کیجے کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظر آہ

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

(۱۴۳)

پودنے اور گرڑھ پنکھ کی لڑائی

ایک پودنے کا حال عجب سننے میں آیا
تھا گھونسلا اک پیڑ اُپر اُس نے بنایا
اور پودنی اور بچوں کو تھا اُس میں بٹھایا
قد میں تو وہ تھا پودنا چھوٹا سا کہایا

پر دل میں وہ گرڑھ پنکھ سے ٹھہرا تھا سوایا

کوّے کو سمجھتا تھا وہ اک لکھی کا بچّا
اور چیل کو گنتا تھا وہ ناچیز پتنگا ہے
بگلے کو بچا کیڑے کا اور بُزّے کو بُھنگا
لگھڑی کو سمجھتا کہ تو ہے کیا اری چل جا

ہم نے ترے لگھڑ کو ہی چٹکی میں اُڑایا

اک روز وہ سارس سے لگا کہنے اُچھل کر
جس پیڑ پہ ہم بیٹھے ہیں ہلتا ہے سراسر
سارس نے یہ سُن پودنے سے یوں کہا ہنسکر
کیا بات تم ایسے ہی ہو بھاری و تناور

ہر پیڑ کو ہے بوجھ تمھارے نے ہلایا

رہتا تھا وہ جس پیڑ پہ وہ پیڑ تھا بڑنا
آگے کہیں اُس دشت میں اک رنی وار نا
خوش آیا اُنھیں واں جو ہری گھاس کا چرنا
ٹھہرایا اُنھوں نے اُسی جنگل میں اُترنا

رہنے لگے وہ بھی اُنھیں صحرا جو وہ بھایا

واں پودنی اور دارنی میں بہنایا جو ٹھہرا
دن کو وہ لگی رہنے خوشی ہو کے اُسی جا

لے بڑنا لفظ ... معنی میں بناہ کے ۱۲ سے ۵۲ بڑا ایک میوہ دار درخت کا نام شہباز

اور رات کو رہنے لگی وہ ارنے کنے جا ۔۔۔ خوش ہو کے لگی رہنے ہوا پیار جو گہرا
دونوں نے غرض خوب محبّت کو بڑھایا

اک روز وہ ارنی کہیں چرتی ہوئی آئی ۔۔۔ اور آتے ہی اُس پیڑ سے بیٹھ اپنی کھجائی
وہ پیڑ ہلا پودنے نے دھوم مچائی ۔۔۔ ہو جاوے گی اس بات سے مردوں میں لڑائی
اس تیرے کھجانے نے بہت ہم کو ستایا

ارنی یہ ہنسی سن کے اور ارنے سے کہا جا ۔۔۔ ارنا بھی ہنسا اور کہا جا پھر تو کھجا آ
اور آن کھجانے کو تو یوں پودنا بولا ۔۔۔ بدذات یہ تیری نہیں تقصیر میں سمجھا
شاید ترے ارنے نے تجھے ہے یہ سکھایا

کل اُس کی سزا پاوے گا ارنا ترا بدخو ۔۔۔ جو صبح لگی ہونے تو وہ پودنا دل جو
آیا جہاں سوتا تھا وہ ارنا پڑا خوش ہو ۔۔۔ دھر پیٹھ گیا کان میں باندھ اپنے پروں کو
پھُر پھُر کیا اور پردے میں پنجوں کو گڑایا

ارنا لگا ٹکرانے سر شور مچا کر ۔۔۔ ارنی گری اُس پودنی کے پاؤں پہ جا کر
جب پودنی نے اُسکے ترس حال پہ کھا کر ۔۔۔ جلدی سے نکالا اُسے آواز سُنا کر
ارنے کو سوا بھاگنے کے کچھ نہ بن آیا

بھاگا غرض ایسا کہ نہ پھر پیچھے کو دیکھا ۔۔۔ ارنی بھی گئی بھاگتی ساتھ ارنے کے گھبرا
اُس بھاگنے میں دونوں نے پھر منھ کو نہ پھیرا ۔۔۔ ارنا تو نظیرؔ اپنے اُدھر خوف سے بھاگا
یاں گھونسلے میں پودنا پھولا نہ سمایا

(۱۴۴)

کوّے اور ہرن کی دوستی

اک دشت میں سُنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن ۔۔۔ بچّا ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن

پھرتا تھا جو کڑی کا دکھاتا مزا ہرن
دیکھا جو ایک کوّے نے وہ خوشنما ہرن
دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہرن

دو باتیں کرکے کوّے نے اس کو لگا لیا
دم میں ہرن بھی کوّے کی اُلفت میں آگیا
کوّے ہرن میں ٹھہری جو گہری محبت آ
کوّا جدھر جدھر کو خوشی ہو کے جاتا تھا
پھرتا تھا اُس کے ساتھ لگا جابجا ہرن

اک گیدڑ اُس ہرن کے کنے آکے نابکار
بولا ہزار جان سے میں تم پہ ہوں نثار
مجھ کو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار
اور دل میں یہ کہ کیجے کسی طور سے شکار
اُس کی دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیدڑ یہ کہہ کے مکر سے جس دم گیا اُدھر
کوّا ہرن سے کہنے لگا کرکے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کراس سے تو حذر
اک دن دغا سے تجھ کو یہ پکڑے گا فتنہ گر
سن کر یہ بات کوّے کی چپ ہو رہا ہرن

دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا
کوّے کو سوتا دیکھ یہ بولا وہ پُر دغا
میں آج دیکھ آیا ہوں کیا کھیت اک ہرا
تم کھاؤ اُسکو چل کے تو ہو شاد دل مرا
سنتے ہی اُس کے ساتھ اُچھلتا چلا ہرن

جس کھیت پر یہ لے کے گیا اُسکو بدسگال[3]
واں پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال
لے پہونچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر شغال
جاتے ہی واں ہرن نے دیا منھ کو اُسمیں ڈال
منھ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن

واں پھر پھڑاتا آگیا کوّا بھی ناگہاں
گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہوویگا ناتواں
کوّے کی بات سنتے ہی ہمت کو باندھ واں
جیسے گرا پڑا تھا وہیں پھر اُٹھا ہرن

گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ
کوّا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ

[1] بھلا پھسلا ۔
[2] [illegible]
[3] بد معاش ۔
یہ وضع ۱۲ ۔
اشرف علی لکھنوی

یاک کھری تو ایسی لگا پاؤں کی پَیٹ ٹ
جا وے جو اُسکے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ

سن کر کھڑخے ہو سینگ ہلانے لگا ہرن

گیدڑ نے خوب کوّے کو دیں جل کے گالیاں
اس میں شکاری آکے ہوا دور سے عیاں

صیّاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
کوّا پکارا لیٹ جا دم بند کرکے ہاں

دم بند کرکے اپنا وہیں گر پڑا ہرن

گیدڑ نے اُسکو دیکھ کے اک جا کے جھاڑی لی
افسوس کرکے دام کی رسّی وہ کھول دی

صیّاد اُس ہرن کو پڑا دیکھ اُس گھڑی
کوّا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی

سنتے ہی وہاں سے چوکڑی بھر کر اُڑا ہرن

صیّاد نے جو دیکھا ہرن اُٹھ چلا چھپاک[۱]
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اُس نے تاک

جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آ کھٹاک

سر اُس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن

گیدڑ نے اُس ہرن کا جو چیتا تھا واں بُرا
تھا یہ تو نثر میں نے اُسے نظم میں کیا

پائی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
پہونچا نظیرؔ جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا

کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

(۱۴۵)

جوگی کا سچّا روپ

میاں میں کیا کہوں احوال کی اپنے پریشانی
یکا یک آ پڑی اُس دم مرے دل پہ یہ حیرانی

لگا ڈھلنے مری آنکھوں سے اکدن خود بخود پانی
کہ جس کی ہو رہی ہے یہ جو ہر اک جا ثنا خوانی

کسی صورت سے اُسکو دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

[۱] زمین سے ملا کر۔ [۲] فوراً۔ جلدی سے۔ [۳] چھپتا چھپایا ۱۲ اشرف علی

چڑھا اس فکر کا دریا بھرا اس جوش میں آکر ۔۔۔ کہ اک اک لہر اس کی نے اُڑایا لا ہوا اوپر
قرار و ہوش و عقل و صبر و دانش بہ گئے یکسر ۔۔۔ اکیلا رہ گیا عاجز غریب و بیکس ودبے پر
لگا رونے کہ اس مشکل کی ہو اب کیسے آسانی

یہ صورت تھی اسی میں دل میں دھن اک اور لا ڈالی ۔۔۔ منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
بنا مُندرے گلے میں ڈال سیلی بر ملا ڈالی ۔۔۔ لگا منھ پر بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا اودھوت[1] جوگی جوگیوں میں آپ گر گیانی

پھر اس سامان میں یار و دیکھا یک کچھ جو جوش آیا ۔۔۔ پٹارے درد کے تھے سو تو کاندھے پر لیے لٹکا
اُٹھا کر بیچا وڑی[2] اور دھیان میں منکا پھرا من کا ۔۔۔ لیا سیندور اور ماتھے پہ کھینچا اس قدر قشقا
کہ جس کے نور سے جلنے لگی جوں شمع پیشانی

اُٹھائی چاہ کی جھولی پیالا چشم کا کھپّر[3] ۔۔۔ بنا کر عشق کا کنٹھا طلب کا سر پہ رکھ چکر
مُنڈاسا گیروا باندھا رکھا ترسول کاندھے پر ۔۔۔ لگا جوگی ہو پھرنے ڈھونڈھتا اس یار کو گھر گھر
دکاں بازار و کوچہ ڈھونڈھنے کی دل میں پھر ٹھانی

یہ سادھا جوگ میں نے پھر کہو کیسا ہوا جوگی ۔۔۔ کوئی دنیا میں کاہے کو غرض ایسا ہوا جوگی
کہوں کیا واہ وا اُس وقت میں کیسا ہوا جوگی ۔۔۔ محبت میں سراسر ڈوب کر ایسا ہوا جوگی
کہ میری شکل بھی ہرگز کسی نے پھر نہ پہچانی

لگی تھی دل میں اک آتش دھواں اُٹھتا تھا آہوں کا ۔۔۔ تماشے کے لیے حلقہ بندھا تھا ساتھ لوگوں کا
طلب تھی یار کی اور گرم تھا بازار باتوں کا ۔۔۔ نہ کچھ سر کی خبر تھی اور نہ تھا کچھ ہوش پاؤں کا
نہ کچھ بھوجن کا اندیشہ نہ کچھ فکر اَمل[4] پانی

تو پھر اس جوگ کا ٹھہرا عجب کچھ آن کر نقشا ۔۔۔ جو آیا سامنے میرے تو کہنا اُس سے سنتا جا
کہو پیارے ہمارے یار کو تم نے کہیں دیکھا ۔۔۔ جو کچھ مطلب کی وہ بولا تو اُس سے اور کچھ پوچھا
دگر یوں ہی لگا کہنے تو پھر دینا[5] اتا کانی

[1] اودھوت بیا دابدھوت ہندو فقیروں کا ایک گروہ جو واجب الوجود کے سوا دوسرے کو نہیں مانتا اور نہ کسی غیر خدا کی پرستش ہی کرتا ہے ۱۲
[2] بیچا وڑی پیالا کھپّر یہ ان فقیروں کی لاٹھی ۱۲
[3] کھپّر مٹی کا پیالا جو جوگیوں کے استعمال کا ۱۲
[4] اَمل پانی کرنا جیسے بھنگ شراب کے علاوہ سب نشوں کی نسبت ہوتے ہیں اصل شراب کے علاوہ سب قسم کا نشہ ۱۲
[5] دینا اتا کانی دینا ان سنی ان سنی کرنا کسی کی بول نہ سننا شنیدہ ناشنیدہ کرنا ۔ درگزر کرنا ۱۲

کبھی مالا سے کہتا تھا لگا کر جپ سے ای مالا
ہوا ہوں جب میں جوگی تو ہی اُس یار کو بتلا
کبھی گھبرا کے ہنستا تھا کبھی لے سانس روتا تھا
لبوں سے آہ آنکھوں سے بہا پڑتا تھا دریا سا
عجب جنجال میں چکر کے ڈالے ہے پریشانی ناسخچی

کوئی کہتا تھا بابا جی ادھر آؤ ادھر بیٹھو
پڑے پھرتے ہو ایسے رات دن ٹک بیٹھ ستاؤ
جو کچھ درکار ہو میوہ مٹھائی حکم فرماؤ
نہ کہنا اُس سے لے آؤ نہ کہنا اس سے مت لاؤ
خبر ہرگز نہ تھی کچھ اس گھڑی اپنی نہ بیگانی

بڑی دبدھا میں تھا اس دم کہاں جاؤں کہاں دیکھوں
کسے دیکھوں کسے پوچھوں کدھر جاؤں کہاں ڈھونڈھوں
کروں تدبیر کیا جس سے میں اُس دلدار کو پاؤں
نشاں ہرگز نہ ملتا تھا پڑا پھرتا تھا جوں مجنوں
عجب دریائے حیرت کی ہوئی تھی آ کے طغیانی

اُسی کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوا مسجد میں جا پہنچا
جو دیکھا واں بھی ہر روزے نمازوں کا ہی اک چرچا
کوئی جبے میں اٹکا ہی کوئی ڈاڑھی میں ہے اُلجھا
تسلی کچھ نہ پائی جب تو آخر واں سے گھبرایا
چلا روتا ہوا باہر باحوال پریشانی

یہی دل میں کہا ٹک مدرسے کو جھانکیے چل کر
بھلا شاید اُسی میں ہو نظر آجائے وہ دلبر
گیا جب واں تو دیکھی واہ واں کچھ واں سے بھی بدتر
کتابیں کھل رہی ہیں مچ رہی ہے شور و غل کیسر
ہر اک مسلے پہ فاضل کر رہے ہیں بحث نفسانی

چلا جب واں سے گھبرا کر تو پھر یہ آ گئی جی میں
کہ یہ جاگہ تو دیکھی اب چلو ٹک دیر بھی دیکھیں
گیا جب واں تو دیکھا مورت اور گھنٹوں کی جھنکاریں
پکارا جب تو رو کر آہ کس پتھر سے سر ماریں
کہیں ملتا نہیں وہ شوخ کافر دشمن جانی

کہا دل نے کہ اب ٹک تیرتھوں کی سیر بھی کیجے
بھلا وہ دلربا شاید اسی جاگہ پہ مل جاوے
بہت تیرتھ منائے اور کیے درشن بھی بہتیرے
تسلی کچھ نہ پائی تب تو ہو لاچار پھر واں سے
محبت چھوڑ کر بستی کی لی راہ بیابانی

گیا جب دشت و صحرا میں تو رویا آہ کیا کریے
کدھر کو جایئے اور کس کے اوپر آسرا دھریے
کہا تنگ ہجر میں اس شوخ کے، درد کے دن بھریے
یہی بہتر ہے اب تو ڈوبیے یا زہر کھا مریے
بھلا جی جان کے جانے میں شاید آ ملے جانی

رہا کتنے دنوں روتا پھرا ہر دشت میں نالاں
پہاڑوں سے بھی سر ٹیکا پھرا شہروں میں ہو گریاں
غریب و بیکس و تنہا مسافر بے وطن حیراں
پھرا بھوکا پیاسا ڈھونڈھتا دلبر کو سرگرداں
نہ کھانے کو ملا دانہ نہ پینے کو ملا پانی

پڑا تھا ریت میں اور دھوپ میں سورج سے جلتا تھا
اُسی کے دیکھنے کے دھیان میں ہر دم نکلتا تھا
لگی تھیں دل کی آنکھیں یار سے اور جی نکلتا تھا
وِدے محبوب سے کچھ ہائے میرا بس نہ چلتا تھا
پڑے بہتے تھے آنسو لالہ گوں لعل بدخشانی

جب اس احوال کو پہنچا تو وہ محبوب بے پروا
اُٹھا کر سر مرا زانو پہ اپنے رکھ کے فرمایا
وہیں سو بیقراری سے مری بالیں پہ آ پہونچا
کہا لے دیکھ لے جو دیکھنا ہے اب مجھے اس جا
عیاں ہیں اس گھڑی کرنے ترے پہ بھید نہانی

یہ سن رکھ پہلے ہم عاشق کو اپنے آزماتے ہیں
ہر اک احوال میں جب خوب ثابت اسکو پاتے ہیں
جلاتے ہیں ستاتے ہیں رُلاتے ہیں بُلاتے ہیں
اُسی سے آ کے ملتے ہیں اُسی کو منھ دکھاتے ہیں
اُسے پورا سمجھتے ہیں ہم اپنے دھیان کا دھیانی

صدا محبوب کی آئی جو نہیں کانوں میں داں میرے
پھر آنکھیں کھول کر دلبر کے منھ پر ٹک نظر کرکے
بدن میں آ گیا جی اور رہیں دکھ درد سب بھولے
زمین و آسماں چودہ طبق کے کھل گئے پردے
مٹی اک آن میں سب کچھ خرابی اور پریشانی

ہوئی جب آ کے یکجائی دوئی کا اُٹھ گیا پردا
نظر اس دن سے ہم نے پھر جو دیکھا خوب ہر اک جا
جو کچھ وہم و دغا تھے اُڑ گئے اک دم میں ہو پارا
وہی دیکھا وہی سمجھا وہی جانا وہی پایا
برابر ہو گئے ہندو مسلماں گبر نصرانی

(۱۴۶)

جوگی

صفحۂ رخ پہ ترے خوبیِ خط کی ہے پھبن
رشکِ گل دستِ حنائی کو کہے دیکھ چمن
ہر سویدا ترے عاشق کا ترا خال ذقن
ہو رقم کس قلمِ شوق سے اے غنچہ دہن
اشتیاقے کہ بہ دیدارِ تو دارد دلِ من

اب جو مل جائے کہیں وہ تو یہ ہم اس سے کہیں
اتنا بھی بس نہیں ای یار کہ ہم مر ہی رہیں
کب تلک رنجِ جدائی کو بھلا تیرے سہیں
دور جس دن سے ہوا تجھ چمنِ حسن سے ہیں[1]
نہ مجھے باغ خوش آتا ہے نہ گلشن نہ چمن

بید مجنوں ہیں کہ ہیں تاک پریشاں خاطر
ہم غرض ایسے ہیں غمناک پریشاں خاطر
یا ہیں خاکسترِ خاشاک پریشاں خاطر
چشم نمناک جگر چاک پریشاں خاطر
چاک پر چاک گریباں سے لگا تا دامن

جور اور ظلم سے اس کے نہ کبھی گھبرانا
کام ہرگز نہ کسی سے نہیں آنا جانا
نہ کبھی شکوۂ بیداد زباں پر لانا
کوئی کچھ پوچھے تو منھ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم نہ اشارت نہ حکایت نہ سخن

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے
جان بے چینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بے تاب سدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سُمرن

[1] میں کا قافیہ کہیں، بہیں کے ساتھ کسی قدر رکیک ہے اور قدیم تلفظ کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ ہر قافیے میں میں کا التزام ہے عجب نہیں کہ نظیر نے یوں لکھا ہو۔ دور جس دن سے ہوئے تجھ چمن حسن سے ہیں ÷ نہیں باغ الخ اس طور پر اختلاف ضمیر کا عیب بھی مٹ جاتا ہے۔ شہباز

جور اور ظلم مرے دل نے ہزاروں ہی سہے
اب تو یہ حال ہوا ہجر میں اے یار مرے
شکوۂ جور بھلا تیرا کہاں تک نہ کرے
دوش پر بار الم کانوں میں غم کے مندرے
اشکوں کے تار گلے میں پڑے سیلی کے نمن

عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں تگ لائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد ہے پھیلائی بھبوت
پیرہن گیرو اور تن کے اُپر چھائی بھبوت
سر سے لے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من

گہ درِ کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جانا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
دم بہ دم آہ کی پونگی سے بجانا یہ صدا
دیکھیے کون سے دن ہم ہیں دیں گے درشن

دیکھا میرے تئیں جو تن کے اُپر گل کھائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروے تن پہ پائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر کو آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمھارا ہے وطن

یاد کرتے ہو اُسے نام اُسی کا لے لے
واہ جوگی بھی بنے خوب ہو تم البیلے
اور زیبا ہیں بہت آپ کے تن پہ سیلے
کون سے پنتھ میں ہو کون گرو کے چیلے
کون سے روپ میں ہو کون سا رکھتے ہو برن

ہم کو جوگی جی بتا دیجیے یہ حال اپنا
اور مرشد سے تمھارے ہی تمھیں کیا پہنچا
تم جو بیراگی بنے اس میں نفع کیا ہے بھلا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

در شہوار جلا کر جو بنائی ہے بھبوت
عشق میں کس کے یہ اب تن پہ رمائی ہے بھبوت
اور کیوں تم کو بتاؤ یہ خوش آئی ہے بھبوت
کس لیے منھ کے اُپر تم نے لگائی ہے بھبوت
کس کی الفت میں یہ بیراگ کا پہنا ابرن

لہ حلقہ ۱۲ ؎ شکل۔ مانند ۱۲ ؎ ایک تونبے کا باجا جسے منھ سے اکثر سپیرے بجائے ہوا کرتے ہیں ۱۲ ؎ ایک قسم کی چادر یا دوپٹا جو زرد رنگ ہے اور خاص کر دکن میں پہنا جاتا ہے اور بطور خلعت دیا جاتا ہے ۱۲ ؎ ابرن یا ابھرن زیور۔ گہنا ۱۲ شہباز

کس لیے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے یہ ہم سے کہو

کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیا الم کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو

دھونی جل پان بھی یا یوں ہی کروگے لنگھن[1]

نام پیغمبروں کے کفنی پہ لکھے سارے
تم تو کامل سے نظر آتے ہو اپنے لیکھے

اور گریبان میں ہیں نام خدا کے لکھے
ہم نے جوگی تو بہت یوں ہیں ہزاروں دیکھے

پر تمھارا تو زمانے سے نرالا ہے چلن

ہم نے دنیا میں اجی سیکڑوں دیکھے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی

دیکھے ہر رنگ کے ہر ایک برن کے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہم کو نئے سے جوگی

سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا ہوا جوگی جی تم کو بھلا ہم سے تو کہو
کس لیے وحشی سے پھرتے ہو بتاؤ ہم کو

کیوں خجل خوار پڑے پھرتے ہو منھ سے بولو
کس کی ہے یاد تمھیں کس کے لیے پھرتے ہو

اب کہیں بیٹھوگے یا یوں ہی پھروگے بن بن

کس لیے گھر سے تم آئے ہو بھلا اپنے نکل
تم سے اک بات کہوں اس پہ اگر کیجے عمل

پھرتے مانند صبا کیوں ہو بدشت و جنگل
گر کرو حکم تو بنوا دیں تمھارا استھل[2]

شہر میں باغ میں یا لب دریا ہے جمن

یا کہیں اور بتاؤ کہ جہاں آپ رہیں
یا کہ استھل کے بنا دینے کی تجویز کریں

یا تو جنگل میں اگر دل لگے یہ آپ کہیں
یا کہ متھرا جو پسند آوے تو واں جا کے لیں

یا کہ نندبن میں ہو یا مات بہا بندرابن[3]

ورنہ اگر یوں ہی پھروگے تو یہ ہے مشکل سخت
اس میں اچھا سا بچھا دیویں تمھارے لیے تخت

استھل اک ہم جو بنا دیں تو نہ ہے اپنے بخت
خاصے پھولوں کے لگا دیویں اس استھل میں درخت

جس سے آنکھوں کو طراوت رہے اور دل ہو مگن

لہ دیباچہ

لہ ۔ ورو ۔ فاقہ
کسی کا شعر ہو ۔ ص
ملاحظت از ترا کشا
... سر خوردن
... لنگھن ۔ ۱۲
سلہ استھل
... رہنے کی جگہ
... ۱۲ شہباز
سلہ متھرا کے نزدیک
ایک مشہور ... کا
اور شری کرشن کا مقام
اشرف علی

اب تو جوگی جی کہا مان لو یہ تم ہمیرا
مت پھر دیوں خجل و خوار بدشت و صحرا
ایک جا بیٹھ رہو اور کرو ہم پہ دیا
جب تو سُن سُن کے یہ ہم نے کہا اُس سے بابا
تجھ کو کیا کام فقیروں سے یہ کرنا ان بن[1]

کیا غرض تجھ کو جو پوچھے ہے تو احوال مرا
اور اُس کی ہی جدائی میں پھرے ہیں ہر جا
جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سُن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

مثل صرصر اُسی کوچے میں پھرا کرتے ہیں
خون دل جائے مئے ناب پیا کرتے ہیں
دیکھ دروازے کو بس شاد ہوا کرتے ہیں
اُس کے کوچے میں سدا مست رہا کرتے ہیں
وہی بستی وہی نگری وہی جنگل وہی بن

گاتے پھرتے ہیں سدا اپنے لیے کا نہ کے گیت
محو تیم کے ہیں جب سے کہ لگی اُس کی پیت
جو اتیتوں کی ہے مدت سے وہی اپنی ریت
پنتھ کی پوچھے تو جوگی نہ جنم کے نہ اتیت[3]
عشق کے میل میں ہم تیم کا رکھتے ہیں برن

آبلے دل میں جو اُلفت کے تھے سو پھوٹ گئے
اقربا دوست تھے جتنے وہ سبھی چھوٹ گئے
جتنا تھا مال مراتب اُسے بے لوٹ گئے
جب سے اُس شوخ کے پھندے میں پھنسے ٹوٹ گئے
جتنے تھے مذہب و ملت کے جہاں میں بندھن[5]

عشق میں چھوڑ کے ہم دنیا و دیں بیٹھے ہیں
چھوڑ سب عیش جہاں گوشہ گزیں بیٹھے ہیں
خاطر آشفتہ و دل گیر و حزیں بیٹھے ہیں
اُس کے ہم در پہ منڈاسر کے تئیں بیٹھے ہیں
رات دن بیٹھے ہیں دھو دھو کے اُسی گھر کے چرن[6]

خنجر عشق سے بس اپنا کلیجا ہے شق
خوں میں آلودہ ہیں زخمی ہیں کہ جوں رنگ شفق
یہ تو ظاہر ہے نشاں منہ کا بھی جو رنگ ہے فق
نام کو پوچھے تو ہے نام ہمارا عاشق
سب سے آزاد ہوئے یار کا لے کر دامن

[1] ان بن جھگڑا، [2] الجھن، [3] معشوق
[3] اتیت — جوگیوں کی ایک قسم ہے [4] انتشار
[5] رشتہ تعلق [6] جسم۔ بدن
اشرت کی لکھنو

حال بے باکی کا کیا اپنی بھلا تجھ سے کہیں
اور کھانے کو ملے تو بھی نہ کچھ شاد رہیں
گر رہیں بھوکے تو ہرگز بھی کبھی غم نہ کریں
گر رہیں جیتے تو جینے کی نہیں فکر ہمیں
اور مر جائیں تو ہرگز نہیں پروائے کفن

دیکھ نیرنگی زمانے کی ہوے گل در گل
اور مل تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
کپڑے رنگنے کو تو آسان نہ جان او غافل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن[1]

چھوڑا جنت کو جو آدم نے اُسی کی خاطر
اور ہر ایک کے کی دم نے اُسی کی خاطر
جی میں کی اپنے خوشی غم نے اُسی کی خاطر
جوگ بیراگ لیا ہم نے اُسی کی خاطر
سب کے تئیں چھوڑا اسی کی ہے محبت کی لگن[2]

رنگے کپڑوں سے نہ کر ہم پہ تو جوگی کا گمان
ہم نے کیا جانے کیا کس لیے ایسا سامان
گر تو عاقل ہے تو پھر دل ہی میں اپنے پہچان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن[3]

آتش غم سے جلا جب سے جلایا دل و جان
تب یہ اکسیر[4] ملی ہم کو تو شک اس میں نہ جان
تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان
خاک ہے یار کے کوچے کی بھبوت اب ہر آن
ہم نے بھی راکھ بنائی ہے جلا کر تن من

سرخ آنکھوں کا جو پوچھے ہے کہ باعث ہے کیا
شوق مے کا نہیں کچھ ذوق نہیں افیون کا
قدح[5] بنگ سے نہ عشق کبھی ہم کو ہوا
ہے محبت کے دھتورے کا جو آنکھوں میں نشا
اس کی گرمی ہی سے رہتے ہیں سدا سرخ نین[6]

کوئی مونس ہے نہ غمخوار نہ ہے سنگ نہ سات
رہتا ہوں رنج میں مشغول سدا دن اور رات
اب خدا جانے کہ کس طرح کٹے گی اوقات
اور استھل[7] کے بنانے کی کہی تو نے جو بات
یہ بکھیڑا وہ کرے جس کے لگنے ہو کچھ دھن

[1] کٹھن مشکل ۱۲
[2] لگن - دھن ۱۲
[3] پھبن - زینت ۱۲
[4] اکسیر امرت
[5] قدح - پیالہ ۱۲
[6] نین - آنکھیں ۱۲
[7] استھل - خانقاہ - اڈہ
اشرف علی لکھنوی

عشق جب سے کہ ہوا ہے ہمیں اُس اچپل[۱] سے — جب سے بیتاب پھرا کرتے ہیں اور بیکل سے
ہم سے بکل بھی نہیں بیٹھے ہیں اک جا کل سے — ہم فقیروں کو بھلا کام ہی کیا استھل سے
وہی استھل ہی جہاں مار کے بیٹھے آسن[۲]

خواہش زر نہ کریں اور نہ کسی سے مانگیں — تخت اور چتر[۳] کی بھی کچھ نہیں پرواہی ہمیں
گوکل اور متھرا کے رہنے کی نہیں حرص کریں — جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں
وہی گوکل ہی ہمیں اور وہی ہے بندرابن

جب سے جوگی ہوسے دی اسکو متاع دل و جاں — چھوڑ بیٹھے سبھی آرام کا جو تھا ساماں
حاجت تکیہ ہی نے خواہش بستر نہ مکاں — جا پڑے خاک پہ رکھ سر کے تلے ہاتھ جہاں
ہی وہی فرش وہی تخت وہی سنگھاسن[۴]

ہے خیال اُس گل رخسار کا ہر شام و پگاہ — باغ باغیچے کی ہرگز ہی نہیں ہم کو چاہ
چاہ ہی چاہ ذقن کی نہیں درکار ہی چاہ — پھول پھلواری کی بھی جب سے نہیں کچھ پرواہ
جب سے گل کھا کے محبت میں جلایا ہی بدن

رہتا ہوں مضطر و مغموم میں ہر دم ہر آن — ہوش گم کردہ پھرا کرتا ہوں اور بے سامان
باز آ ظلم سے اور جور سے تو حق کو مان — اب تو اس حال کو پہونچا ہوں تُرے ہجر میں جان
اے گل باغ وفا دل کے چمن کے گلشن

کہیں کہتا ہی جو احوال مرا کوئی ذرا — سر کو دھنتا ہی ہر اک پیر و جوان اور لڑکا
گھر میں رہتا ہوں تو روتا ہی ہر اک خویش اپنا — گھر سے باہر جو نکلتا ہوں تو منھ دیکھ مرا
مرے احوال پہ بھی روتے ہیں جنگل میں ہرن

خاطر آشفتہ میں پھرتا ہوں حزین و دلگیر — عشق میں اُس کے بھی کھو چکا عز و توقیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز ضریر — کیا لکھوں اب تو گزرتی ہی جو کچھ مجھ پہ نظیر
دل من داند و من دانم و داند دل من

۱ چپل - شوخ
۲ آسن - نشست
۳ چتر - شامیانہ
۴ سنگھاسن - تخت
جوگی - ایک قدیم سواری کا نام
اشرف علی

جوگن

ہائے اُس اُلفتِ ظالم کا بُرا ہو یہ چلن ہے — چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہو جس وقت لگن
چار ناچار اُٹھانے ہی پڑے رنج و محن — در فراق رخِ پُرنور تو اے غنچہ دہن

دیدہ باید کہ چگونہ شود احوال من

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم مجھ کو — پھرتی ہوں شکل بگولے کے میں ویران ہر سو
اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو — کون سے شہر میں ہو کون سی جا پر ہے تو

اے مرے ہمدم جان اے مرے جان و تن من

دلِ صد چاک مرا چاک گریبان میرا — مثل دریا کے رواں دیدۂ گریاں میرا
برق کی طرح تپاں یہ دلِ سوزاں میرا — دیکھ ٹک آن کے یہ حال پریشاں میرا

کہ ترے ہجر میں کیا کیا نہ سہا رنج و محن

میری جیسی ہو کرے حق نہ کسی کی اوقات — جو سنی بھی نہ تھی گاہے وہ وہ دیکھی آفات
ہائے افسوس صد افسوس ہو حسرت ہیہات — زار زار اب تو پڑا ہجر میں رونا دن رات

زندگی ہو گئی دو بھر مجھے اور جان کٹھن

خانمان و طرب و عیش و زر و مال و خوشی — اک تجھے یاد رکھا سب کے تئیں بھول گئی
ہائے جس وقت لگی آنکھ وہ کیسی تھی گھڑی — شہر بھی چھوڑ دیا دیس سے پردیس ہوئی

ہجر نے کر دیا آخر ترے مجھ کو جوگن ہے

سرخ آنکھیں ہوئیں اُلفت کے نشے سے رنگیں — پہن کر حلقۂ گوشی کے بھی مُندرے دو تیں
توبنہ[1] کر دستِ دعا کا پڑی پھرتی ہوں حزیں — پیرہن گیروا رکھے ہوئے کاندھے پر بین

من کے منکوں[2] کی بنا ہاتھ میں پہنی سُمرن

[1] توبنہ کشکول۔
[2] منکوں تسبیح کے دانے ۱۲ اشرف علی

کھوے پھرتی ہوں سب آرام کو ہر جائی میں
گاتی پھرتی ہوں اسی کام کو ہر جائی میں
ڈھونڈھتی ہوں تجھے گل فام کو ہر جائی میں
چیتی پھرتی ہوں ترے نام کو ہر جائی میں
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہوں اور تر ہیں نین

ناتواں ہوگئی اور جسم میں باقی نہیں دم
ہوگئیں خشک رگیں سیلیوں سے میں نہیں کم
رکھیو ٹک آ کے کبھی اس دل مضطر پہ قدم
گیروا ساری ہے اور جامے بھبوت اے ہمدم
خاک اڑ اڑ کے پڑی تن کے اوپر سو سو من

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
آگ لگ جائیو اس پیٹ میں جلیو[1] یہ تپاک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ جفا سے صد چاک
سیس کے بال تھے سنبل سے جمی جس میں خاک
خاک میں مل گیا تھا یہ جو چندرما[2] سا بدن

پھوڑ کر پتھروں سے کر دیے سر کے ٹکڑے
آ ادھر دیکھ مری ٹوٹی کمر کے ٹکڑے
ہائے تو ہے کہاں اے میرے قمر کے ٹکڑے
جیب کے بدلے میں کرتی ہوں جگر کے ٹکڑے
نہ تو بستی ہی خوش آتی ہے نہ کہسار نہ بن

میں نے کیا کیا نہ سہا آہ تری الفت میں
ناگہاں آ گئی اک مفت کی میں آفت میں
ایک دیوانی بنی پھرتی ہوں میں دقت میں
سیس کے بال کھسوٹوں ہوں کھڑی فرقت میں
خاک اڑاتے پڑی پھرتی ہوں بصد رنج و محن

ساری پت میری گئی اے مرے ساجن[3] تجھ پر
ایک حیران پڑی پھرتی ہوں بروگن تجھ پر
مال و زر وار دیا اور تن و من تجھ پر
چھوڑ کر ماتا پتا کو ہوئی جوگن تجھ پر
لیک تو ہی نہ ملا اے مرے جوگی ساجن

اپنے بیگانوں نے کر ڈالا ہے مجھ کو پامال
خاک کا بھی نہیں وہ حال جو ہے میرا حال
اور ادھر تیری جدائی میں ہوئی جان بلب
اقربا کی بھی نظر سے گرے اشکوں کی مثال
باپ اور ماں کا ترے واسطے چھوڑا دامن

[1] جلیو — جل جائیو ۱۲
[2] چندرماں — چاند سا ۱۲
[3] ساجن — معشوق ۱۲ اشرف علی

نہ کچھ دیں کی خبر اور نہ دنیا کا کام
دل گیا جان گئی اور گیا عیش و آرام
سارے کاموں کے تئیں بھول گئی اے گلفام
گھر گیا دیس گیا ہو گئی جگ میں بدنام
اک سہیلی ہے مری آہ بس اور سب دشمن

یاد میں بیٹھ گئی جس جگہ میں آسن مار
نالۂ موزوں کے بس کر کے سروں کو تیار
دل کی کھونٹی کو مروڑ اتری جانب کو سدھار
جگر و تن کی بنا تونبی بس اور آہ کے تار
بین کو غم میں بجاتی پھری بن بن بن بن

کون سی بات تھی جو واسطے تیرے نہ کری
دیس پردیس پھری جوگنوں میں لوگوں کے پڑی
چلّے بھی باندھے بہت پوجا بھی درگاہ میں کی
پوچھا ایک ایک سے تجھ کو میں بصد حیرانی
لیک تیرے ہی کسی طرح نہ پایے درشن

جا کے متھرا میں رہی اور بڑا پوجا تجھ کو
گنگا اور جمنا کے تیرتھ پہ بھی مانگا تجھ کو
کاشی میں بیٹھ رہی لیک نہ پایا تجھ کو
کون سی جا تھی کہ جس جا پہ نہ ڈھونڈا تجھ کو
پورب اور پچھم و اُتر سے لگا تا بہ دکھن

اب تو لاچار ہوئی اور بڑی بے چین ہوئی
تا کہ اب ڈھونڈھنے سے کوئی بھی جاگہ نہ رہی
ہجر کے درد و الم میں کھلا جاتا ہے جی
اب فقط ملک عدم مجھ کو رہا ہے باقی
سو بھی کچھ دور نہیں اور نہیں راہ کٹھن

ہو گئی جان کی لیوا تری الفت بیری
کوئی دن میں تو یہ سن لیجو نکل جائے گا جی
مرگ سے کرتی ہو سامان محبت یہ سبھی
رحم کر مجھ پہ کہاں تک سہوں فرقت تیری
دیکھ اس جان پہ کیا کیا سہا تیرے کارن

روح ہونٹوں تلک آجاتی ہے گھبراتی ہے
غم پہ پھٹتی مرے ہر ایک کی اب چھاتی ہے
لیک اُمید ملاقات نہ پھر آتی ہے
آہ کے ساتھ مری جان چلی جاتی ہے
اب اُٹھا سکتا نہیں بار مصیبت یہ بدن

کاشی - بنارس
کا قدیم نام ہے
یہ ہندوؤں کا بڑا
مقدس شہر -
پرستش گاہ اور
تیرتھ ہے یہ زمانہ
قدیم سے بہت
بڑا دار العلوم
تھا - سب ہی
سنسکرت کے
[illegible] علما
[illegible] وہاں
رہتے ہیں - اسی
مقام پر شیخ
علی حزیں کی قبر
ہے ۱۲ [illegible] دکن
شاہی زمانہ میں
دکن نہایت دور
دراز جگہ سمجھی
جاتی تھی ۱۲
اشرف علی

یاد کرکے تجھے دیدہ تو رو دیتا ہے ۔ جو مجھے دیکھتا ہے روتا وہ رو دیتا ہے
دیکھ ہر ایک مرے سمت کو رو دیتا ہے ۔ جو مرے حال کو دیکھے ہی سو رو دیتا ہے
ہوش لوگوں کے اُڑے جاتے ہیں سن میرا سخن

سر کو کہسار سے ٹکراتی ہے بادِ صرصر ۔ جانور دیکھیں ہیں حیرانی سے با دیدۂ تر
در و دیوار مرے حالِ بتر پر ششدر ۔ سر کو دُھنتا ہی مرے حال پہ ہر ایک شجر
میری ہمچشمی سے بچیں ہیں شیر اور ہرن

جب کہ تجھ بن یہ ہوا میرے اگر رنج و تعب ۔ ہر کوئی کہنے لگا ہائے غضب ہائے غضب
اُڑتے اُڑتے مری خبروں کا فسانہ ہوا جب ۔ اک دل آباد ہے بستی وہیں جاتے ہیں سب
اُس میں اک راجہ مہاراجہ کا ہے سنگاسن

نامی و ناموراور خلق میں عزت والا ۔ جس کے تابع ہیں ہر اک شاہ سے تا گدا
ہر حقیقت میں جہاں مرضی پہ اُس کی سارا ۔ عقل کل نام کہا کرتے ہیں اُس راجہ کا
دیکھ کر مجھ کو وہ کرنے لگا اس طرح سخن

واہ وا بھاگ مرے میں نے جو دیکھا تم کو ۔ تم سے اُلفت ہی ہمیشہ سے ہمارے دل کو
میں تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کہیں مجھ سے ملو ۔ آؤ جی بیٹھو مرے گھر میں قدم رنجہ کرو
گرد روشن مرے کاشانے کو ٹک رکھ کے چرن

ہم تمھیں جانتے ہیں اور بزرگوں کو سب ۔ سب بزرگ آپ کے رکھتے ہیں ہماری ہی طلب
ہم کو بھی لوگوں سے ہی ربط محبت کے سبب ۔ ہم کو معلوم ہوا آپ کا سب حسب نسب
عشق نے تم کو بنایا ہے بہ شکل جوگن

ہر عزیز آپ کی خاطر بڑی ہم کو دل میں ۔ اس سے سمجھاتے ہیں اب مت کھو غم کو دل میں
کیوں اُٹھا رکھا ہی اس جور و ستم کو دل میں ۔ جانے دو راہ نہ دو رنج و الم کو دل میں
باغ کی سیر کرو اور رہو محوِ گلشن ؎

[illegible] اشرف علی

محفل عیش بنا کر رہو آنکھوں کے حضور — باغ دنیا کی کرو سیر جو ہو دل کو سرور
کیسے کیسے ہیں گل اندا موں کا دیکھو تو ظہور — یاد کو اُس رخِ تاباں کی کرو دل سے دور
کون سی بات کی کمتی ہے تمھیں صاحب من

تم بھی سردار ہو ذی ہوش ہو ٹک غور کرو — ایک ہی شخص پہ مرجاتے نہیں جان کو کھو
سیکڑوں ماہ جبیناں ہیں ہزاروں خوش خو — تن سے بس گیرذی کفنی کے تئیں دور کرو
پہنو پوشاک شہانہ رکھو خوش دل اور من

شانہ لو ہاتھ میں اور اپنے یہ سلجھاؤ بال — سرمہ دو آنکھوں میں اور دیکھو یہ قدرت کا خیال
دل کو بہلا کے بُھلا دو یہ سبھی رنج و ملال — تم نے یہ اس طرح کا ہے نام خدا حسن و جمال
کہ ہیں خلق کے دلبر سبھی دھو دھو کے چرن

دل کو مسرور رکھو اور رہو شاد اور خوش — شیریں باتیں کرو اور شکل بناؤ دل کش
کہ ہر ایک شخص کو آجائے تمھیں دیکھ کے غش — نہ کہ تم اوروں پہ اس طرح پھرو وحشی وش
جانے دو دور کرو دل سے یہ اُلفت کی لگن

آدمی رنج سہا کرتا ہے ان باتوں میں — جان کو کھویا پھرا کرتا ہے ان باتوں میں
سب کی نظروں سے گرا کرتا ہے ان باتوں میں — نام بدنام ہوا کرتا ہے ان باتوں میں
خوب ہم دیکھ چکے ہیں کہ بڑا ہے یہ فن

خوب سن سن کے میں حیران رہی منھ کو تک — اور مایوسی و مظلومی سے دیکھا بہ فلک
گفتگو حد سے زیادہ ہوئی بس اور یک بیک — تب تو وہ حال ہوا جیسے جراحت پہ نمک
وعظ کے تیروں سے پہلے ہوا چھلنی چھن چھن

سب کو روشن ہے بُری ہوتی ہے یہ پیت لگی — میں بھی کہنے ہی سے آخر کے تئیں رہ نہ سکی
دل میں غصّہ تو بہت آیا وہ پے روک گئی — زار زار آنکھوں سے رونے لگی اور کہنے لگی
ہے بعید ایسے خردمندوں سے یعنی یہ سخن

آپ تو جانتے ہیں بہت بلا ہوتی ہے
رہے خاموش طبیعت یہ خفا ہوتی ہے
خوب معلوم ہے تم کو کہ یہ کیا ہوتی ہے
واہ جی یوں بھی لگی دل سے جدا ہوتی ہے
عشق میں کس کے تئیں بھاتی ہے سیر گلشن ؟

عیش کب بھاتا ہے جب تک کہ نہ ہو یار حضور
اس سوا کون ہے بہتر کہ وہ میں دیکھوں ظہور
گل رخسار بجز باغ سے کب ہووے سرور
اپنے کیا بس میں ہے جو دل سے کروں رنج کو دور
اپنے قابو میں ہے جو دور کروں رنج و محن

بال خاص اس لئے ہیں مجھ کو یہ منظور نظر
یہ تمنا ہے یہ آنکھیں گریں اُن قدموں پر
کہ بُہاریں[1] کبھی راہ اُس کی جو وہ آئے ادھر
بات کے کرنے سے ہے آہ کا کرنا بہتر
جلیو[2] یہ تن جو خوش آئے اسے خوش پیراہن

میرا وہ رشک قمر کون ملا دے مجھ سے
میرا متوالا[3] مگر کون ملا دے مجھ سے
میرا وہ تیر نظر کون ملا دے مجھ سے
یا خدا میرا جگر کون ملا دے مجھ سے
کون جا کر کہے میں پھرتی ہوں بے شہر و وطن

خوش ہوں اس غم سے کہ اُس یار کے باعث ہے ہوا
سر ہتیلی پہ دھرا عشق میں جب پاؤں رکھا
ننگ و ناموس بھی سب اُس پہ ہے ہی وار دیا
جان کا بھی نہیں جب پاس تو پھر پاس ہے کیا
جو کہ سمجھائے مجھے اُس کا ہے دیوانہ پن

نام پر تیرے میں اس جان کے تئیں کھوتی ہوں
خون دل روتی ہوں عارض کے تئیں دھوتی ہوں
تری صورت پہ میں قربان کھڑی ہوتی ہوں
تھام تھام اپنے کلیجے کے تئیں روتی ہوں
دیکھ رہتی ہوں ہر اک شخص کو حیراں بن بن

جو نہ سہنا تھا سہا رنج بہت کھایا ہائے
یعنی تو نے ہی نہ دیکھا یہ مرا جلنا ہائے
لیک ارمان رہا دل کو بہت سارا ہائے
اب تو بے تابی سے گھبرا گیا دل میرا ہائے
ڈوب کر مر ہی رہوں بر لب گنگ[7] اور جمن[8]

[1] بُہاریں — جھاڑیں — صاف کریں ما
[2] جلیو — جل جائے ۱۲
[3] متوالا — سرشار دیوانہ
[7] گنگ گنگا
[8] جمن جمنا
اشرف علی

کس کو دکھلاؤں جو گزرے ہے تری الفت میں … کچھ مرے بس کی نہیں پھنس گئی اک دقت میں
نام بدنام ہوا فرق پڑا عزت میں … ایک دیوانی سی پھرتی ہوں تری فرقت میں

عرش سے فرش تلک حال ہے میرا روشن

کس سے میں جاکے کہوں کون سی جا ہے تیری … کبھی بیتابی سے بیٹھوں کبھی ہوتی ہوں کھڑی
کبھی ہو محو تصور یہی کہتی ہوں اجی … سیس کے بالوں سے میں راہ بہاروں[1] تیری

جو قدم رنجہ کرو اور مجھے دو درشن

کبھی روتی ہوں آنکھوں سے بشکل دریا … کبھی گاتی ہوں ترے نام کو لے لیکے پیا[2]
کبھی منھ پیٹ لیا جیب کبھی چاک کیا … آرزو ہے کہ میں سو جان سے ہوں تجھ پہ فدا

دیکھے ٹک آن کے تو بھی تو مرا جوگن بن

تو کہیں اور میں کہیں اس سے تو مر ہی جاؤں … اے مرے ماہ جبیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تجھ کو بھی ہووے یقین اس سے تو مر ہی جاؤں … تاب جینے کی نہیں اس سے تو مر ہی جاؤں

ہے جدائی کی نپٹ مجھ پہ مصیبت یہ کٹھن

یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی نہ ہووے دل گیر … خجل و خوار پریشان و ذلیل اور حقیر
طور بے طور نظر آتے ہیں ہوں بس کہ نظیر … حسرتا آہ چہ بیغم بغم یار اسیر

من حزیں در غم او خلق حزیں در غم من

(۱۴۸)

جوگی کا روپ

میاں میں کیا کہوں اک روز اپنے دل کی حیرانی … پڑی جب ہجر کی آکر مرے دل پر پریشانی
نہ خوش آیا مجھے گلشن نہ آبادی نہ ویرانی … اٹھا کر ہاتھ جی سے اور یہ دل میں مصلحت ٹھانی

کسی صورت سے چل کر دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

[1] بہاروں۔ جھاڑوں۔ صاف کروں ۱۲
[2] پیا پیا پیارے عاشق ۱۲ — اشرف علی

پھر آیا سوچ یہ دل میں اگر یوں ہی چلے چلیے
مگر ایسا کوئی بہروپیے کا سوانگ اب کیجیے
جو وہ پہچان جاوے واں تو ناحق مفت میں مریے
کہ اُس کو دیکھیے بھی خوب ورجی کو بھی رکھ لیجے
جہاں میں زندگانی بھی میاں مشکل ہے پھر یانی

یہ کہتا تھا میں جی میں عشق نے یہ بات لا ڈالی
اُٹھا مُندرے گلے کے بیچ سیلی بر ملا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
لگا منھ سے بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا سر پاؤں سے اودھوت جوگی جوگ کا گیانی

بنا بالوں کا انڈا کھول بال اور ہو کے متوالا
اُٹھا تونبی کو اور کاندھے کے اوپر رکھ مرگ چھالا
چبا آکھ اور دھتورا کر دیا آنکھوں کو گل لالا
پھرا ہاتھوں میں سُمرن اور گلے میں ڈال کر مالا
چلا پڑھتا ہوا گرکا سبد اور ناتھ کی بانی

جب آیا یار کے در پر تو واں سنکھ آن کر پھونکا
ولیکن دیکھتے ہی مجھ کو اُس عیّار نے تاڑا
صدا سنتے ہی وہ محبوب گھبرا کر نکل آیا
پکارا آؤ جوگی جی بڑی کی آج تو کرپا
جو کچھ درکار ہو لیجے منگا دھونی ال پانی

مرا دل خوش ہوا یعنی مجھے اُس نے نہیں جانا
کہا جوگی جی کس نگری میں ہے اب آپ کو جانا
اور اُس عیّار نے پہلے ہی یارو مجھ کو پہچانا
کبھی آگے تھے آئے یا ابھی اس جا ہوا آنا
لگا عیارگی سے جان کر دینے انا کانی

پھر اُس میں کھلکھلا کر ہنس دیا اور دیکھ کر مجھ کو
ذرا گیرے اُتارو جوگ کے اور منھ کو دھو ڈالو
کہا جوگی جی اب تم ٹک ہمارے پاس آ بیٹھو
بھبوت ایسی ہی ملنی ہو تو پھر منھ سے لگا لیجو
یہ کہہ کر اور وہیں لا رکھ دیا آگے مرے پانی

جو ہیں پانی وہ منھ دھونے کو اُس کافر نے رکھوایا
کہاں کا ہو کے جوگی تو نے مجھے جھاڑ لگوایا
وہیں دھڑکا مرا دل اور پکارا او غضب آیا
مجھے آتے ہی کھویا سر بھی اپنا مفت کٹوایا
بھلا کب مجھ کو چھوڑے گا وہ قاتل دشمن جانی

یہ کہتا تھا میں جی میں اس پہ قاتل کھینچ کر تیغا
پکارا کیوں بے جوگی تو نے ابتک منہ نہیں دھویا
نہ تھا میرے تو دم میں دم و لیکن ہوش جب آیا
زمیں پر لوٹ سب کچھ پھینک ایسا واں سے دھر بھاگا
کہ جیسے چھوٹ کر بھاگے کوئی وحشی بیابانی

پکارا دیکھیو جانے نہ پاوے دوڑیو لیجو
و لیکن میں جو بھاگا پھر کہاں پاوے کوئی مجھ کو
لگا کہنے کبھی آنا ادھر کو پھر بھی جوگی ہو
سمجھنا ہو کسی دن سوانگ تو نے ہیں کیے جو جو
بھلا اب سب تری شوخی شرارت ہم نے پہچانی

نظیر اُس دم مجھے جب بھاگنے کی گھات یاد آئی
چھٹا ظالم کے پھندے سے دوبارہ زندگی پائی
جہاں لیجا کے میرے بھی خبر جس نے پہونچائی
ہر اک غمخوار نے مجھ سے کہا آ کر کے او بھائی
خدا کے واسطے ایسی نہ کیجو پھر تو نادانی

معتقدات

مذہب ہنود

(۱۴۹)

جنم کنھیا جی

ہو رُت جنم کی یوں ہوتی جب گھر میں بالا ہوتا ہے
سب بات بتھا کی بھول ہی جب بھولا بھالا ہوتا ہے

اُس منڈل میں ہر من جیتر سکھ چین دو بالا ہوتا ہے
آنند منڈیلے باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے

یوں نیک جنم لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر انکے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

شبھ ساعت سے یوں دنیا میں اوتار گرہ میں آتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جد م اس شسٹ میں جنمے جاتے ہیں

جو نار و من ہر دھیان بھلی سب انکا بھید بتاتے ہیں
جو لیلا جنم ہوتی ہے وہ رُوپ یہ جاد کھلاتے ہیں

یوں لکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُنکے اکار نرالے ہوتے ہیں

یہ بات کہی جو میں نے اب یوں سکو تو اب دھیان لگا
دھن چیر بہت کب تیج پنت سلطان انیک اُڈیل بڑا

ہی پنڈت پستک بیچ لکھا تھا کنس جو راجہ متھرا کا
کج اور شگن اچھے ملکے انسار ہی بدلے ذہن بیچا

سلہ رُت۔ رسم و رواج ۱۲ سلہ جنم۔ زمانہ ۱۲ سلہ بالا بچہ۔ طفل ۱۲ سلہ منڈل۔ مکان ۱۲ سلہ بتھا۔ رنج وغم ۱۲ سلہ بھجتر۔ ساعت ۱۲ سلہ اوتار۔ پیغمبر ۱۲ سلہ سبھ۔ نیک۔ سعد ۱۲ سلہ گرہ۔ حمل ۱۲ سلہ نار و من۔ روشن ضمیر ۱۲ محمد اشرف علی سلہ شسٹ سے مراد بشستا یعنی مذہب الطوائز شہباز سلہ اکار۔ حرکات افعال ۱۲ سلہ بل۔ زور ۱۲ سلہ تیج۔ عجب سلہ انیک۔ انواع۔ اقسام سلہ اُڈیل۔ جسم ۱۲ سلہ گج۔ ہاتھی ۱۲ سلہ تزنگ۔ گھوڑے ۱۲ سلہ نیکے۔ عمدہ۔ اعلیٰ سلہ کنس متھرا کا راجہ اور نہایت ظالم و بدکردار شخص تھا اس کے اطوار راون کے سے تھے۔ یہ کرشن جی کا ماموں تھا۔ آخر کار کرشن جی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کنس اور کرشن کا قصہ بالکل فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مشابہت نہایت پر لطف اور بار آور نکتہ ہے ۱۲ ابو الخیر محمد اشرف علی عفی عنہ مہتمم دار الارقام لکھنؤ۔

جب بن ٹھن وہ نچے ہستی پر وہ پاپی آن نکلتا تھا
سب سازہ جھلا جھل کرتا تھا اور سنگ گنگ اچھلتا تھا

اک روز جو اپنے بھج بل پر وہ کنس بہت مغرور ہوا
اک بان لگا کر پربت کو چاہوں تو ابھی وں پل میں گرا

اور ہنس کر بولا دنیا میں ہے دوجا کون بلی مجھ سا
اُن لیس کے بڑھ بل جتنے ہیں ہے کون جو مجھ سے ہو نہ سوا

جو دشٹ کوئی آ جدھ کرے کب موں پر واکا جور چلے
وہ سامنے میرے ایسا ہے جوں چینٹی ہاتھی پاؤں تلے

وہ ایسے ایسے کتنے ہی جو بول گربھ کے کہتا تھا
تھا ایک جو گھر وہ یوں بولا تو بھولا اپنے بل پر کیا

سب لوگ سبھا کے سنتے تھے کیا تاب جو بولے کوئی ذرا
جو تیرا مارن ہارا ہے سو وہ بھی جنم اب لیوے گا

تو اپنے بل پر ہاے مورکھ اس آن عبث ہنکار لیا
وہ تجھ کو مار گراوے گا یوں جیسے بھنگا مار لیا

یہ بات سُنی جب کنس نے واں تب سنکر اُسکے ہوش اُڑے
یوں پوچھا وہ کس دیس میں ہے اور کون بنوں آ کر جنمے

بھبوکن کے بھیتر آن بھرا اور بول گربھ سنگ گئے بسر ے
کون اُسکے ماتا پتا ہو ویں جو پالیں اُسکو چاہت سے

وہ بولا متھرا نگری میں اک روز جنم وہ پاوے گا
جب سیانا ہوگا تب تجھکو اک پل میں مار گراوے گا

یہ بات سنائی کنس کو پھر پھر آٹھ لکیریں ال کھینچیں
اُن آٹھ لکیروں کی باتیں پھر کنس کو اُس نے سمجھائیں

بسدیو پتا کا نانو کہا اور دیوکی ماتا ٹھہرائیں
سب چھوڑا چھوڑی دیوکی کے ہیں جگ میں لڑکے آٹھ بیں

لما تیج گربہ میں تونے تو سب کاج گمان بسارا ہے
جو پاچھے دیکھا کھینچی ہے وہ تیرا مارن ہارا ہے

اس بات کو سنکر کنس بہت تب من میں اپنے گھبرایا
تب ناردمن نے اسکو بھی کچھ اور طرح سے سمجھایا

جب نارد مُن اس پاس گئے تب اُن سے اُسنے بھید کہا
پھر کنس کو واں من بات سے اچھا اور نہ مارک بن آیا

جو اپنی جان بچانے کا کر سوچ یہ اس نے پھند کیا

ل پاپی۔ گنہگار ۱۲ ۲ کٹک۔ دل بیشمار فوج ۱۲ ۳ بھیج۔ شکل وجاہت ۱۲ ۴ دوجا۔ دوسرا ۱۲ ۵ بلی۔ قوی۔ طاقتور ۱۲ ۶ بان۔ تیر ۱۲ ۷ بڑھ بل۔ مشہور طاقتور ۱۲ ۸ دشٹ۔ بدذات شیطان۔ ظالم ۱۲ ۹ جدھ۔ تعلی ۱۲ ۱۰ موں۔ مجھ پر ۱۲ ۱۱ وا۔ اس ۱۲ ۱۲ بول۔ بانیاں ۱۲ ۱۳ گربھ۔ غرور ۱۲ ۱۴ سبھا۔ انجمن ۱۲ ۱۵ پرکھ۔ عاقل دانا ۱۲ ۱۶ مارن ہارا۔ لینے والا۔ قاتل ۱۲ ۱۸ مورکھ۔ شیطان گنہگار ۱۲ ابو الخیر محمد اشرف علی ۱۸ تعلی کرلینا غرور کرنا ۱۲ شہیانہ ۱۹ بھو۔ ڈر۔ خوف ۱۲ ۲۰ سنگر۔ ساویں ۱۲ ۲۱ بسرے زائل ہوجے ۱۲ ۲۲ ماتا پتا۔ ماں باپ

لہ بسدیو۔ کرشن جی کے باپ کا نام ہے ۱۲ ؎ دیوکی۔ کرشن جی کی ماں کا نام ہے ۱۲ ؎ نکس۔ نکلنے ۱۲ ؎ رسوئی۔ طعام۔ کھانا پکنے کو مکان ۱۲ ؎ دوار۔ دروازہ ۱۲ ؎ بارے۔ والے ۱۲ ؎ چنڈال۔ بدذات شیطان ۱۲ ؎ پرگھٹ۔ پیدائش ۱۲ ؎ روہنی ایک نچھتر کا نام ہے یعنی یہ اس ساعت سعد و نیک کا نام ہے جس میں کرشن جی پیدا ہوئے ۱۲ ؎ گھیر۔ جمع کرنا ۱۲ ؎ گوکل بندرابن کا ایک مقدس مقام ہے جو متھرا کے نزدیک ہے یہ بہت تیرتھ کی جگہ ہے۔ کرشن جی کا بچپن اسی مقام پر گذرا ۱۲ ؎ باسی۔ باشندے ۱۲ ؎ دیا۔ عنایت۔ مہربانی ۱۲۔ اشرف علی

بلوا بسدیو اور دیوکی کو اک مندر بھیتر بند کیا

جب قید کیا اُن دونوں کو تب چوکیدار دیے بٹھلا
سامان رسوئی کا جو تھا سب اُنکے پاس دیا رکھوا
اک آن نہ نکسن پاویں یہ پھر اُن سب کو یہ حکم دیا
اور دوار دیے اُس مندر کے تب بھاری تالے بھی جڑوا

ہشیار لگے یوں رہنے واں نت چوکی کے دینے ہارے
کیا تاب جو کوٹھے پچھے پر اک آن پرندا پر مارے

بھوبیٹھا تھا جو کنس کے من وہ بھر کر نیند نہ سوتا تھا
اُس مندر میں اُن دونوں کے جب کوئی بالک ہوتا تھا
کچھ بات سہاتی نا اُسکو نت اپنی پلک بھگوتا تھا
کنس آن اُسے جھپٹا لیتا تھا من بات پتا کا رہتا تھا

اک مدت تک اُن دونوں کا اُس مندر میں یہ حال رہا
جو بالک اُن کے گھر جنما سو مارتا وہ چنڈال رہا

پھر آیا واں اک وقت ایسا جو آئے گرب میں من موہن
گھنشیام مراری نرواری گرد ہاری سندر سیام برن
گوپال منوہر مُرلی دھر سری کشن کشورن کنول نین
پربھو ناتھ بہاری کان لال سکھدائی جگ کے دکھ بھنجن

جب ساعت پرگھٹ ہونے کی آن آئی کٹ دھریا کی
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنھیا کی

تھا نیک مہینا بھادوں کا اور دن بدھ گنتی آٹھن کی
اُس ساعت نیک مہورت سے اس جنمے آکر کشن جبھی
پھر آدھی رات ہوئی جس دم اور روہنی نچھتر پہنچی بھی
اُس مندر کے اندھیارے میں جوت اُجیالی آن بھری

بسدیو سے بولیں دیوکی جی مت ڈر بھے من میں گھیر کرو
اس بالک کو تم گوکل میں لے پہنچو اور مت دیر کرو
دیا دھیر

جو اُسکے تم لیجانے میں یاں ٹک بھی دیر لگاؤ گے
اس آن سنبھلکر تم اس کو جو گوکل میں پہنچاؤ گے
وہ دُشٹ لیے بھی مار اسکا پچھتاتے ہی رہجاؤ گے
اس بات میں یہ پھل پاؤ گے جو اس کی جان بچاؤ گے

واں گوکل باسی جو اس کو لے اپنی گود سنبھالے گا
کچھ نام وہ اُس کا رکھ لیگا اور مہر دیا سے پالے گا

جو حال[1] یہ واں جا پہونچے گا تو اس کا جی بچ جاویگا
جس گھر کے بیچ پلے گا یہ وہ گھر ہم کو بتلاویگا

جو کرم[2] لکھی ہی تو پھر بھی کچھ[3] ہم کو آن دکھاویگا
ہم اس سے ملنے جاوینگے یہ ہم سے ملنے آویگا

نہ کام ہیں کچھ دعوی سے نہ جھگڑا اور بکھیڑے سے
جب دیکھنے کو من بھٹکے گا سکھ پاوینگے اُسکے دیکھے سے

ہی اوشٹ[4] اب لکھی تو یاں لیجاؤ لے تم حال اُدھر
من بیچ اُنھوں کے تھا یہ ردن ہوویگا تو کنس آکر

بیٹا تو اپنی چھاتی سے تم لے آؤ جا کے اوہ کے گھر
اک آن میں اُسکو ماریگا ہم جاوینگے ہم آنسو بھر

یہ بات نہیں تھی معلوم انھیں یہ بالک جگ نستارے گا
کب مار سکیگا کنس اسے یہ کنس کو بھی آپی ماریگا

جب بولی سبد[5] یوں ان روکر تب بات کہی
زنجیر ور[5] دوار لگے ہیں تالے کل کچھ بات نہیں میرے بس کی

وہ بولے کچھ نکر لیجاؤں ہے باہر تو جو کی بیٹھی
تب بولی بولیں لیجاؤ من اشٹر کی رکھو آس ابھی

وہ بالک کو جب لے نکلے سب تالے کھٹ پٹ چھوٹ گئے
تھے تالے جتنے دوار لگے اُس آن جھڑ اجھڑ ٹوٹ گئے

جب آئے جو کیدار وں میں تب ان لکھی یہ صورت دیکھی
جب سوتا دیکھا ان سبکو ہو نرچنت نکلے واں سے بھی

سب سوتے پائے اُس ساعت ہر آن جو تھے تھے چوکی
پھر آئے جمنا پہ جو یہیں پھر جمنا دیکھی بہت چڑھی

یہ سوچ ہوا ان بیچ انھیں پر اُس جل میں پیا کیسے دھریے
ہے رین اندھیری سنگ بالک اس بپتا میں اب کیا کیجیے

یوں من میں ٹھہرا یہ چلیے پھر آپ ہی من مضبوط ہوا
یہ جونہیں پاؤں بڑھاتے تھے وہ پانی چڑھتا آتا تھا

بھگوان[6] پار آس لگا واں جمنا جی پہ دھیان دھرا
یہ بات لگی جب ہونے واں بسدیو گئے من میں گھبرا

تب پاؤں بڑھائے بالک نے جا آپ اور بھیگے جل میں
جب جمنانے پگ چھو لیے جا پہنچے پار وہ اک پل میں

جب آن برجے گوکل میں سب پھاٹک ان لکھی پائے کھلے
تب اُنسے چلتے چلتے وہ پھر نند کے دوارے آ پہونچے

[1] حال۔ نوراً ۱۲
[2] کرم۔ قسمت ۱۲
[3] کچھ۔ مجھ ۱۲
[4] اشٹر۔ خدا ۱۲
[5] سانکر سانکل زنجیر ور۔ کنڈی ۱۲
[6] نرچنت۔ بجزن ۱۲
[7] بپتا۔ اضطراب مصیبت ۱۲
[8] پگ۔ پاؤں
[9] ۱۰ براجے۔ پہونچے رونق افروز ہوئے ۱۲
[11] نند۔ اُس شخص کا نام جس نے کرشن جی کی بطور باپ کے پرورش کی اسلیے اس کو رضاعی باپ سمجھنا چاہیے ۱۲

اشرف علی

وان نند محل کے دوارے بھی سب بیٹھے پٹ پٹ دوارکھلے
جو چوکی والے سوتے تھے اب کون اُنھیں روکے ٹوکے

جب بیچ محل کے جا پہونچے سب سوتے وان گھر والے تھے
ہر جا طرف اُجیالی تھی جوں سانجھ میں پوٹے بالے تھے

اک دوار جنبھا یہ دیکھو جو رات جنم کی کشن کی تھی
وان سوتے دیکھ جسودا کو اور بدلی کر اس بالک کی

اس رات جسودا کے گھر میں تھی جنمی بادو اک لڑکی
اس لڑکی کو وہ آپ اُٹھا لے نکلے آئے متھرا جی

جب لڑکی لائے مندر میں سب تالے مندر لاگ اُٹھے
جو چوکی دینے والے تھے پھر وہ بھی اُسدم جاگ اُٹھے

جب بھید یہ ہوئی تب گھبرا کر شدھ کنس نے لی اُس مندر کی
لے ہاتھ پھرایا چکر دے تو ٹکے وہ بن ٹکے ہی

جب تالے کھلا اچ گیا تب لڑکی جنمی اک دیکھی
یوں جیسے بجلی کوندے ہے جب جھٹ سے وہ اپر جا پہونچی

یہ کہتی نکلی اے مورکھ کیا تو نے سوچ بچارا ہے
وہ جیتا اب تو سیس کمٹ جو تیرا مارن ہارا ہے

جب کنس نے وان یہ بات سُنی من بیچ بہت ساپچھتایا
سو فکر کرو سوچ کرو سو بات سنا کر حاصل کیا

جو کارج ہونے والا ہی وہ ٹالے سے کب ہی ٹلتا
ہر آن یہی یاں ہونا ہی جو ماتھے کے ہی بیچ لکھا

ہیں کہتے بدھ جسے اب یاں وہ سوچ بچے ٹھہرائی ہی
تقدیر کے آگے پر یارو تدبیر نہیں کام آتی ہے

اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھہرا
گھر نالیں چھچھ میں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا

جو رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کہنے کے مل بیٹھے آ

اَنند اور جسودا اور گوالے کرنے واں ہیر اپھیر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر بار ہی آگے ڈھیر لگے

سب ناری آئیں گوکل کی اور باس پڑوس آ بیٹھیں
کچھ ہر دم کہ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں

کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت بجا کے گاتی تھیں
کچھ تھال بنجیری کے بھیں کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں

لہ دیو سے ۔ جراغ ۱۲ ۔ لہ اچنبھا عجیب بات ۱۲ ۔ لہ جسودا نند کی زوجہ کا نام ہے یہ کرشن جی کی رضاعی ماں تھی ۱۲ ۔ لہ بھور صبح ۱۲ ۔ لہ بچھتایا ۔ لہ شرمایا ۱۲ ۔ لہ کارج کام ۱۲ ۔ لہ ناری ۔ عورت ۱۲ ۔ لہ بچا ۔ ترجمہ ۱۲ ۔ لہ بلہاری ۔ تصدق ۔ نثار ۱۲ ۔ اشرف علی

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی گھٹی میٹھی گرم کرے کوئی ڈالے سپند اور بھوسی
کوئی دیکھے روپ اُس بالک کا کوئی ماتھا چومے بھر بھر کی
کوئی لائے مفسلی اور کھڑوے کوئی کرتا ٹوپی میوہ گھی
کوئی بھنوؤں کی تعریف کرے کوئی آنکھڑیوں کی پلکوں کی

کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالک کی
کوئی کہتی بیاہ بہو لاؤ اس آس مرادوں والے کی

کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بہنا تیری نیک رتی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑے اس گھر کے بھی
یہ بالے انکو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑھ بھاگی
یہ باتیں سکھی سُن سن کر یہ بات جسودا کہتی تھی

اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگوان کی مہر کرپا ہے

تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھڑکتے تھے
ہر چار طرف آنندیں تھیں اس گھر میں نند جسودا کے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے

سو خوبی اور خوشحالی سے دکھلاتی تھی سامان گھڑی
سچ بات ہے بالک ہونیکی ہے دنیا میں آنند بڑی

پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب بیت ہوئی دو کا ندو کی
یہ اُس پر پھینکے بھر بھر کر وہ اُس پر ڈالے گھڑی گھڑی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
کوئی پونچھے مکھ اور بانہن کو کوئی سکھڑی پھینکے اور مٹھڑی

اُس دودھ کی بھی تک لیوں میں روپ اور ہوا ہر ناری کا
اور تن کے برن یوں بھیگے جوں رنگ ہو کیسر کیاری کا

سکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نکلی جب گوپی بھی
آنند بدھاوے باج بجے نرسنگے سُرنا اور ترئی
کچھ ناچیں بھانڈ ٹھٹکتے بھی کچھ ہیجڑے باویں بیل بڑی
رنگین سنہرے پالنے بھی نے ہاتھ کھڑے کتنے برتی

ہر آن اٹھاتی تھیں مانک کیا گنتی روپے سونے کی

سلہ سکھڑی بخربے کیلئے اور دہی کا ہوتا شکر اور بعض مسالے کے ساتھ ہوا ہے ایک قسم کی مٹھائی ہے
شہباز

نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونیکی

جو ننگی جوگی تھے اُنکو اُس آن نپٹ خوشحال کیا
اور جتنے ناچنے والے تھا اسباب انھیں بھی خوب دیا
پہرائے باگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہترا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب اُنکا بھی ارمان رکھا

دن رات چھٹی کے ہونے تک من خوش کیا لوگ لگائی کا
پھر تھال دیئے اور دھرتی پر جب نیگ چکایا دائی کا

نند اور جسودا بالک کو دال ہتھوں چھپا نہیں تھے رکھتے
جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
نت پیار کریں تن من وارین سُتھری ابرن گہنے بنکے
ہر آن جھلاتے پالنے میں وہ ادہر اور ادہر ٹہلاتے

کر یاد نظیر اب ہر ساعت اُس پالنے اور اُس جھولے کی
آنند سے میٹھو چین کرو جے بولو کانھ جھنڈولے کی

(۱۵۰)

بالپن بانسری بجیا

یارو سُنو یہ دودھ کے لُٹیا کا بالپن
موہن سروپ نرت کریا کا بالپن
اور بدھ پوری نگر کے بسیا کا بالپن
بن بن کے گوال گوئیں چریا کا بالپن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ظاہر میں سُت وہ نند جسودا کے آپ تھے
پردے میں بالپن کے یہ اُنکے ملاپ تھے
ورنہ وہ آپ ہی مائی تھے اور آپ ہی باپ تھے
جو تی سروپ کہئے جنھیں سو وہ آپ تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اُنکو تو بالپن سے نہ تھا کام کچھ ذرا
سنسار کی جو ریت تھی اُسکو رکھا بچا

سلہ شست ... بجیا ... ذات خدا یعنی خدا ... شہباز

مالک تھے وہ تو آپ اُنھیں بالپن سے کیا — واں بالپن جوانی بڑھاپا سب ایک تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

مالک جو ہووے اُسکو سبھی ٹھاٹھ یاں سرے — چاہے وہ ننگے پاؤں پھرے یا مکٹ دھرے
سب روپ ہیں اُسی کے وہ جو چاہے سو کرے — چاہے جواں ہو چاہے لڑکپن سے من بھرے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

بالے ہو برج راج جو دُنیا میں آگئے — لیلا کے لاکھ رنگ تماشے دکھا گئے
اس بالپن کے روپ میں کتنوں کو بھا گئے — اک یہ بھی لہر تھی کہ جہاں کو جتا گئے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

یوں بالپن تو ہوتا ہے ہر طفل کا بھلا — پر اُن کے بالپن میں تو کچھ اور ہی بھید تھا
اس بھید کی بھلا جی کسی کو خبر ہے کیا — کیا جانے اپنے کھیلنے آئے تھے کیا کلا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

راوہ ہارؤں تو یارو عجب جائے غور تھے — لڑکوں میں وہ کہاں ہیں جو کچھ اُنیں طور تھے
آپ ہی وہ پربھو ناتھ تھے آپ ہی وہ دور تھے — اُنکے تو بالپن ہی میں تیور کچھ اور تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن ؎
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

وہ بالپن میں دیکھتے جیدھر نظر اُٹھا — پتھر بھی ایک بار تو بن جاتا موم سا
اُس روپ کو گیانی کوئی دیکھتا جو آ — ڈنڈوت ہی وہ کرتا تھا ماتھا جھکا جھکا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پردا وہ بالپن کا نہ کرتے اگر ذرا
جھاڑ اور پہاڑ دیتے سبھی اپنا سر جھکا
کیا تاب تھی جو کوئی نظر بھر کے دیکھتا
پر کون جانتا تھا جو کچھ اُن کا بھید تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

موہن مدن گوپال ہری بنس من ہرن
گردھاری نند لال ہری ناتھ گوردھن
بلہاری اُن کے نام پہ میرا یہ تن بدن
لاکھوں کیے بناؤ ہزاروں کیے جتن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پیدا تو مدن پُر میں ہوئے شیام جی مُرار
نند اُن کو دیکھ موہ دے تھا جی جان سے نثار
گوکل میں آ کے نند کے گھر میں لیا قرار
مائی جسودا جیتی تھی پانی کو وار وار

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

جب تک کہ دودھ پیتے رہے گوال راج راج
سندر جو ناریاں تھیں وہ کرتی تھیں کام کاج
سب کے گلے کے کٹھلے تھے اور سب کے سر کے تاج
رسیا کا اُن دنوں تو عجب رس کا تھا مزاج

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بد شکل سے تو روکے سدا دور ہٹتے تھے
جن ناریوں سے اُنکے غم دور ہٹتے تھے
اور خوبرو کو دیکھ کے ہنس ہنس چمٹتے تھے
اُن کے تو دوڑ دوڑ گلے سے لپٹتے تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن

کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

اب گھٹنیوں کا اُنگنے میں چلنا بیاں کروں
یا میٹھی باتیں منھ سے نکلنا بیاں کروں
یا بالکوں کی طرح سے پلنا بیاں کروں
یا گودیوں میں اُن کا مچلنا بیاں کروں

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

ن
اچھلنا

پاٹی پکڑ کے چلنے لگے جب مدن گوپال
دھرتی تمام ہو گئی اک آن میں نہال
باسک چران چھوؤں کو چلے چھوڑ کر نہال
آکاس پر بھی دھوم مچی دیکھ اُن کے حال

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال
پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
چلتے ٹھمک ٹھمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال
تھامیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پہنے جھنگا گلے میں جو وہ دکھنی چیر کا
گہنے میں بھر رہا گویا لڑکا امیر کا
جاتا تھا ہوش دیکھ کے شاہ و وزیر کا
میں کس طرح کہوں اسے چھورا اہیر کا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

جب پاؤں چلنے لاگے بہاری نول کشور
ماکھن اُچکّے ٹھہرے ملائی دہی کے چور
منھ ہاتھ دودھ سے بھرے کپڑے بھی شور بور
ڈالا تمام برج کی گلیوں میں اپنا شور

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کرنے لگے یہ دھوم جو گردھاری نندلال — اک آپ اور دوسرے ساتھ اُنکے گوال بال
ماکھن دہی چرانے لگے سب کے دیکھ بھال — دی اپنے دودھ کی چوری کی گھر گھر میں دھوم ڈال

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جابجا — جس گھر کو خالی دیکھا اُسی گھر میں جا پھرا
ماکھن ملائی دودھ جو پایا سو کھا لیا — کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کوٹھی میں ہووے پھر تو اُسی کو ڈھنڈورنا — گولی میں ہو تو اس میں بھی جا منھ کو بورنا
اونچا ہو تو بھی کاندھے پہ چڑھ کر نہ چھوڑنا — پہونچا نہ ہاتھ تو اُسے مرلی سے پھوڑنا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر چوری کرتے آگئی گوالن کوئی وہاں — اور اُس نے آ پکڑ لیا تو اُس سے بولے ہاں
میں تو تیرے دہی کی اُڑاتا تھا مکھیاں — کھاتا نہیں میں اُسکی نکالے تھا چونٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر مارنے کو ہاتھ اُٹھاتی کوئی ذرا — تو اُس کی انگیا پھاڑتے گھونسے لگا لگا
چلّاتے گالی دیتے مچل جاتے جابجا — ہر طرح واں سے بھاگ نکلتے اُڑا چھڑا

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

غصّے میں کوئی ہاتھ پکڑتی جو آن کر — تو اُس کو وہ سروپ دکھاتے تھے مرلی دھر

جو آئی لا کے دھرتی وہ ماکھن کٹوری بھر ۔۔۔ غصہ وہ اُن کا آن میں جاتا وہیں اُتر

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

اُن کو تو دیکھ گوالنیں جی جان پاتی تھیں ۔۔۔ گھر میں اسی بہانے سے اُن کو بلاتی تھیں
ظاہر میں اُنکے ہاتھ سے وہ غل مچاتی تھیں ۔۔۔ پردے میں سب وہ کشن کے بلہاری جاتی تھیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

کہتی تھیں دل میں دودھ جو اب ہم چھپائینگے ۔۔۔ سکیشن اسی بہانے ہمیں منھ دکھائیں گے
اور جو ہمارے گھر میں یہ ماکھن نہ پائینگے ۔۔۔ تو اُن کو کیا غرض ہے یہ کاہے کو آئینگے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

سب مل جسودا پاس یہ کہتی تھیں آکے بیر ۔۔۔ اب تو تمھارا کانھ ہوا ہے بڑا شریر
دیتا ہے ہم کو گالیاں پھر پھاڑتا ہے چیر ۔۔۔ چھوڑے دہی نہ دودھ نہ ماکھن مہی نہ کھیر

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

ماتا جسودا اُن کی بہت کرتی منتیاں ۔۔۔ اور کانھ کو ڈراتی اُٹھا بن کی سانٹیاں
جب کانھ جی جسودا سے کرتے یہی بیاں ۔۔۔ تم سچ نہ جانو ماتا یہ ساری ہیں جھوٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ مجھ کو پکڑ کر لے جاتی ہیں ۔۔۔ گانے میں اپنے ساتھ مجھے بھی گواتی ہیں
سب ناچتی ہیں آپ مجھے بھی نچاتی ہیں ۔۔۔ آپ ہی تمھارے پاس یہ فریادی آتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ میری چھنگلیا چھپاتی ہیں
جاتا ہوں راہ میں تو مجھے چھیڑ جاتی ہیں
آپ ہی مجھے رٹھاتی ہیں آپی مناتی ہیں
مارو انھیں یہ مجھ کو بہت ستاتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اک روز منھ میں کانھ نے ماکھن جھکا دیا
پوچھا جسودا نے تو وہیں منھ بنا دیا
منھ کھول تین لوک کا عالم دکھا دیا
اک آن میں دکھا دیا اور پھر بھلا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے کانھ جی تو نند جسودا کے گھر کے ماہ
موہن نول کشور کی تھی سب کے دل میں چاہ
اُن کو جو دیکھتا تھا سو کہتا تھا واہ واہ
ایسا تو بالپن نہ ہوا ہے کسی کا آہ

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

سب مل کے یارو کشن مُراری کی بولو جے
گو نند چھیل کنج بہاری کی بولو جے
دو چور کہا رسی ناتھ بہاری کی بولو جے
تُم بھی نظیرؔ کشن بہاری کی بولو جے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بانسری

جب مرلی[1] دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری
کیا کیا پریم میت[2] بھری اس میں دھن بھری
لی اسمیں رادھے[9] رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دھن جو اس کی ادھر اور ادھر ذری

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اس کی سننے سے دھن ہو گئے دھنی
کتنوں کی سدھ بسر گئی جس دم وہ دھن سنی
کتنوں کی من سے کل گئی اور بیاکلی[3] چنی
کیا نر سے لے کے ناریاں کیا کوڑھ[4] کیا گنی[5]

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس آن کانھ جی[6] کو وہ بنسی بجاونی
جس کان میں وہ آونی واں سدھ بھلاونی
ہر من کی ہو کے موہنی اور چت لبھاونی
نکلی جہاں دھن اس کی وہ میٹھی سہاونی

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس دن سے اپنی بنسی وہ سری کشن نے سجی
اس سانورے بدن پہ پٹ آن کر سجی
نر نے بھلایا آپ کو ناری نے سدھ تجی
ان کی ادھر سے آکے وہ بنسی جدھر بجی

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

گوالوں[7] میں نند لال بجاتے وہ جس گھڑی
گوئیں[8] دھن اسکی سننے کو رہ جاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اسکی دھن بڑی
لے لے کے اپنی لہر جہاں کان میں پڑی

[1] مرلی - بانسری ۱۲
[2] میت محبت ۱۲
[3] بیاکلی اضطراب بے چینی ۱۲
[4] کوڑھ - کند ذہن ۱۲
[5] گنی عاقل ۱۲
[6] کانھ جی - کنھیا جی ۱۲
[7] گوالوں چرواہوں ۱۲
[8] گوئیں - گائیں ۱۲
[9] رادھا کرشن جی کی معشوقہ کا نام ہے ۱۲ اشرف علی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بنسیؔ کو مرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر
سنتے ہی اُس کی دھن کی حلاوت ادھر اُدھر
پھیلی دھن اُس کی روز ہر اک دل میں کر اثر
منھ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھولکر

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُسکی چاہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
کرتی دھن اُسکی پنچھیؔ بٹوہی کے دلمیں راہ
پڑتے ہی دُھن وہ کان میں لہاری ہوکے واہ

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اُس کی دُھن کے لیے رہتے بیقرار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
کتنے لگائے کان اُدھر رکھتے بار بار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیامؔ جی مرار

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

موہنؔ کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتنؔ
اُس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بجنؔ
تے اُس کی من کی موہنی دُھن اُسکی چت ہرن
کیا چلؔ پون نظیر پکھیرو دیکھا ہرن

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

لہ بنسی - بانسری ؎ پنچھی بٹوہی - چڑیوں کے نام ہیں ؎ شیام جی - کرشن جی ؎ مرار - بانسری ؎ موہن - پیارے ؎ جتن - طریقے ڈھب ؎ بجن - ؎ چل پون - پاؤں چلنے والا
اشرف علی

(۱۵۲)

لہو و لعب کنہیّا

تعریف کروں میں اب کیا کیا اُس مرلی دھر بجیا کی
گوپال بہاری بنواری دُکھ بھرنا ہر کرتیا کی
نت سیوا کنج پھرایا کی اور بن بن گؤ چرّیا کی
گردھاری سندر شیام برن اور ہلدھر جی کے بھیّا کی
یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنہیا کی

ایک روز خوشی سے گیند تڑی کی موہن جمنا تیر گئے
جو گیند تڑی جا جمنا میں پھر جا کر لائے جو پھینکے
وہاں کھیلن لاگے ہنس ہنس کے یہ کہکر گوال و بالن سے
وہ آپی انتر جامی تھے کیا اُنکا بھید کوئی پاوے
یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنہیا کی

وہاں کشن مدن من موہن نے سب گوالوں سے یہ بات کہی
پھر آپ ہی جھپ سے کود پڑے اور جمنا جی میں ڈبکی لی
اور آپ ہی جھپ سے گیند اُٹھا اُس کالی دہ میں ڈالدی
سب گوال سکھا حیران ہوئے پھر بھید نہ سمجھے اک رتی
یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنہیّا کی

یہ بات سنی برج ناری نے تب گھر گھر اُسکی دھوم مچی
آ جمنا پر غل شور ہوا اور ٹھٹھ بندھے اور بھیڑ لگی
نند اور جسودا آ پہنچی سدھ بدھ بھول کے اپنے تن من کی
کوئی آنسو ڈالے ہاتھ ملے پر بھید نہ جانے کوئی بھی
یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیّا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنہیا کی

جب وہاں کودے من موہن ان آن چھپا تھا اک کالی
پھن والے پہونچا زور کیے اور پھر ان تک وال کشتی کی
سر پاؤں سے اُنکے لپٹا اُس دم کے بھیتر دیکھتے ہی
پھنکاریں لیں بل پیچ کیے پر کشن رہے ان ہنستے ہی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

جب کالی نے سو پیچ کیے پھر ایک کلا واں شیام نے کی ‏ ‏ اس طور بڑھایا تن اپنا جو اُس کا کسن لاگا جی
پھر ناتھ لیا اُس کالی کو اک پل بھر بھی نا دیر لگی ‏ ‏ وہ وار کیا اور اُس تن کی ہر ناگن بھی پھر پاؤں پڑی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

اُس دہ میں سندر شیام برن اُس کالی کو جب ناتھ چکے ‏ ‏ لے ناتھ کو اُسکے ہاتھ اپنے ہر پھن کے اوپر رت گئے
کر اپنے بس میں کالی کو مسکیا نے مرلی ادھر دھرے ‏ ‏ جب باہر آئے من موہن سب خوش ہو جے جے بول اُٹھے

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

تھے جمنا پہ اُس وقت کھڑے واں جتنے آ کر نر ناری ‏ ‏ دیکھ اُنکو سب خوشحال ہوئے جب باہر نکلے بنواری
دکھ چنتا من سے دور ہوئے آنند کی آئی پھر باری ‏ ‏ سب درشن پا کر شاد ہوئے اور بولے جے جے بہاری

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

نند اور جسودا کے من میں سُدھ بھولی بسری پھر آئی ‏ ‏ سکھ چین ہوئے دکھ بھول گئی کچھ دان اور پُن کی ٹھہرائی
سب کنج بن کے ہر بنے میں آنند خوشی اُس دم چھائی ‏ ‏ اُس روز اُنھوں نے یہ بھی نظیرؔ اک لیلا اپنی دکھلائی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

(۱۵۳)

کنھیّا جی کی شادی

جہاں میں جسوقت کشن جی کی اوستاسدھ بدھ کی یاد آئی
سنبھالا ہوش اور ہوے سیانے وہ بالپن کی ادا اٹھلائی

ہوا قد اُن کا کچھ اس طرح سے کہ قُمری جس کی غذا کھائی
نکالیں طرزیں پھر اور ہی کچھ بدن کی سج دھج نئی بنائی

ہوے خوشی نند اپنے من میں بہت ہوئیں خوش جسودا مائی

جو سدھ سنبھالی تو کشن کیا کیا لگے پھر اپنی چھبین دکھانے
جگہ جگہ پر لگے ٹھٹکنے ادا سے بنسی لگے بجانے

وہ بچھڑی گوؤں کو ساتھ لے کر لگے خوشی سے بنوں میں جانے
جو دیکھا نند اور جسودا نے یہ کہ شام اب تو ہوے سیانے

یہ ٹھہری دونوں کے من میں آ کر کریں اب ان کی کہیں سگائی

پھر آپ ہی وہ یہ من میں سوچے کہ ان کی اب ایسی جا ہو نسبت
بڑا ہو گھر در بڑے ہوں ساماں بہت ہو دولت بہت ہو حشمت

ہمارے گوکل میں ہے جو خوبی اسی طرح کی ہو اُن کی حرمت
وہ لڑکی جس سے کہ ہو سگائی سو وہ بھی ایسی ہو خوبصورت

ہیں جیسے ہی نند کشور موہن نول دلارے کنور کنھائی

کئی جو ناری وہ بوڑھیاں تھیں جسودا جی نے اُنھیں بُلایا
کسی کو ادھر کسی کو اُودھر سگائی ڈھونڈھن کہیں بھیجا یا

جو بھید تھا اپنے من کے بھیتر سو اُن سبھوں کے تئیں جتایا

پھریں بہت ڈھونڈھتی وہ ناریں یہ تھا جسودا نے جو سنایا
نہ دیکھا ویسا گھر اک اُنھوں نے نہ ویسی کوئی دلاری پائی

وہ ناریاں جب یونہیں پھر آئیں تو بولی یوں اور ایک ناری
ہے یہ جو برسانا اس میں ہے گی برکھ بھان کی نول دُلاری

ہیں رادھکا نام اُس کا کہتے بہت ہے سُندر رہنٹ پیاری
کہی یہ میں نے تو بات اُن سے اب آگے مرضی جو ہو تمھاری

کرو سگائی لگن کی اُس جا کہ اس میں ہے گی بہت بھلائی

یہ سن جسودا نے جی میں چپ ہو اُدھر کو ناری کئی بھجائیں
چلیں وہ گوکل سے دل میں خوش ہو وہیں وہ برسانے بیچ آئیں

جہاں وہ گھر کہ بیاں کیا تھا وہ ناریاں سب اُدھر کو دھائیں
اُنھوں نے آدر بہت سا کر کے مُندر کے بھیتر وہ سب بٹھائیں

جو بیٹھیں یہ تو لگیں سنانے ادھر اُدھر کی بہت بڑائی

جو کہہ چکیں یہ ادھر اُدھر کی تو پھر سگائی کی بات کھولی
بڑے ہو تم بھی بڑے ہیں وہ بھی یہ بات ہو وے تو خوب ہو گی

ہے جیسا سندر اُنھوں کا لڑکا تمھاری سندر ہے ویسی لڑکی
ادھر بھی دولت اُدھر بھی حشمت خوشی وخوبی طرح طرح کی

اُنھوں نے اپنی بہت جتائی پر اُن کے دل میں نہ کچھ سمائی

جو رادھکا کی وہ ماں تھی کیرت یہ سن کے باتیں وہ بولی ہنسکر
وہ ایسے کیا ہیں جو اب ہمارے حسب اور دولت کے ہوں برابر

ہیں جیسے وہ تو سو ایسے ہیں گے ہمارے گھر کے تو کتنے چاکر
ہم اپنی لڑکی اُنھیں نہ دیں گے وہ ایسا کیا گھر وہ ایسا کیا بر

کرو ہمارے نہ گھر میں تم یاں اب اُس سگائی کی تب کہائی

سُنا جب اُن ناریوں نے یہ تو چلیں ادھر سے وہ شرم کھائیں
بہت ہی من میں ہو سست اپنے وہ پھر کے گوکل کے بیچ آئیں ؂

سنی جو باتیں تھیں واں اُنھوں نے وہ سب جسودا کو آ سُنائیں
یہ باتیں سُن کر جسودا من میں بہت خفا ہو بہت لجائیں

سوائے خفگی کے آگے کچھ واں جسودا مائی سے بن نہ آئی

جب اُس سگائی نہ ہونے سے واں بُرا جسودا نے من میں مانا
تو بھید اُن کا کُلا سے اپنے یہ بن جتائے ہے ہر نے جانا

کہا یہ من میں کہ کوئی لیلا کو چاہیے اب اُدھر دکھانا
بنا کے موہن سروپ نت پر سے خوب برسانے بیچ جانا

گئے وہیں ہر پھر اُس مکان میں اور اپنی بنسی وہ جا بجائی

بجی جو موہن کی بانسری واں تو دھن کچھ اُس کی عجب ہی نکلی
پڑی وہ جس جس کے کان میں آ اُسے سدھ اپنے بدن کی بسری

بُھلائی بنسی نے کچھ تو سُدھ بُدھ ادھر جھلک جو سروپ کی تھی
ہر اک طرف کو ہر اک مکاں پر جھلک وہ ہر کی کچھ ایسی جھمکی

کہ جس کی ہر اک جھلک کے دیکھے تمام بستی وہ جگمگائی

سہیلیوں سنگ رادھکا جی کہیں اُدھر کو جو آن نکلی
سروپ دیکھا وہ کشن جی کا اُدھر سے اُن کی سُنی وہ مُرلی

جو ہیں وہاں رادھکا جی آئیں تو ایسی موہن نے موہنی کی
دکھایا اپنا سروپ ایسا کہ اُن کی صورت کو دیکھتے ہی

ادھر تو رادھا کے ہوش کھوئے ہر اک سہیلی کی سُدھ بُھلائی

دکھا کے روپ اور سجا کے مرلی پھر آئے گوکل میں نند لالا
پھر اک کلا کی وہ کتنے دن میں کہ رادھا گوری کو ماندا ڈالا

بہت دوائیں اُنھوں نے کیں واں پہ فائدے نے نہ سر نکالا
پھر آپ موہن نے بید بن کر دوا کی تھیلی کو واں سنبھالا

پکارے برسانے بیچ جا کر کہ اچھی کرتے ہیں ہم دوائی

ادھر تھے ہارے دوائیں کر کے سنی اُنھوں نے جو بات اُنکی
بلا کے جلدی مندر کے بھیتر دکھائی رادھا جو وہ دُکھی تھی

اُنھوں نے کچھ واں دوا بھی دی اور دکھائے کچھ چھو چھو منتر بھی
پڑھنت کیا تھی وہ اک کلا تھی ہوئیں وہیں اچھی رادھکا جی

ہر اک نے کی واہ واہ ہر دم اور اپنی گردن بہت جھکائی

ہوئیں جو چنگی وہ رادھکا جی تو سب مندر میں خوشی کے برا جی
وہ برکھبھان اور سبھی کٹم کے یہ بات من بیچ آ کے ٹھہری

کہ رادھکا کی سگائی ان سے کریں تو ہے گی یہ بات اچھی
جو رسم ہوتی سگائی کی ہے وہ سب اُنھوں نے خوشی سے کر دی

نظیرؔ کہتے تھے اس طرح سے ہوئی ہے سیکشن کی سگائی

(۱۵۴)

دسم کتھا

اے دوستو یہ حال سنو دھیان رکھ ذرا
اور ہر طرف سے دھیان کے تئیں ٹک اِدھر کو لا
چرچا ہے اسکا واسطے سب کے بہت بھلا
کہتا ہوں میں یہ اگلے زمانے کا ماجرا
ہے نام اس بیان کا یارو دسم کتھا

سکھدیو نے کہا یہ پریچھت سے ہے کہی — اُس نے سُنی تو اُس کا ہوا دل بہت خوشی
پھر بھیکم ایک راجہ سندر کی جو مندری تھی — تھے پانچ بیٹے اُسکے بہت سُندر اور بلی
گھر بار اُس کا دولت و حشمت سے بھر رہا

بیٹا بڑا تھا اُس کا سو اُس کا رکم تھا نام — اور رکمنی تھی بیٹی بہت خوب خوش خرام
روپ اور سروپ اُسمیں تھے سرپاؤں سے تمام — سکھیوں سہیلیوں میں وہ رہتی تھی خوشخرام
گہنا لباس تن پہ رہا تھا جھمک رہا

نارد مُنی اک دن آئے جہاں پہ تھی رکمنی — اور اُس سے بات اُنھوں نے وہ سیکشن کی کہی
لیلا سنائیں وہ سبھی روپ اور سروپ کی — جب رکمنی نے خوبی وہ سیکشن کی سُنی
سنتے ہی اُن کی ہو گئی جی جان سے فدا

ٹھہری یہ رکمنی کے وہیں دل میں آن کر — برتی جبھی میں جاؤں ملے جب وہ مجھ کو بر
دن رات دھیان اپنا لگی رکھنے وہ اُدھر — آنکھوں کو اپنی کرنے لگی آنسوؤں سے تر
بیچین دل میں رہنے لگی سب سے ہو خفا

چھپتی نہیں چھپائے سے صورت جو چاہ کی — سکھیاں سہیلیاں جو تھیں اور لڑکیاں سبھی
دیکھی جو رکمنی کی اُنھوں نے یہ بے کلی — جانا کہ رکمنی کا لگا ساتھ ہر کے جی
کہنے لگیں اُنھوں کی وہ باتیں بنا بنا

بولیں وہ سب کرشن تو اوتار ہیں بڑے — جو خوبیاں ہیں اُن میں کہاں تک کوئی کہے
روپ اور سروپ اُنکے کی کیا کیا صفت کہے — لیلا ہوئیں ہیں اُن سے جو ہوں کب وہ اور سے
مادیو کی ہے اُن کی وہ لیلا یہ جی بتا

جتنے وہ بدھ پورے میں تو جب آدھی رات تھی — لیلا اُن کو لے چلے گوکل اُسی گھڑی
جمنا نے اُنکے چھو کے چرن جلد راہ لی — پہونچے جو گھر میں نند جسودا کے کانھ جی
سب نیگیوں نے نیگ بدھائی کا واں لیا

بسدیو جی نے بھیجا کرک پنڈتا کو واں
شُبھ نام جو کہ ہووے بیاں کر اسے عیاں
تو نام اُن کا جا کے وہاں کر بہت دھیاں
گوکل میں آمصر نے بہت ہو کے شادماں
اُن کا کرشن نام بہت سودھ کر رکھا

تھے بالپن میں جھولتے ہردم کرشن جی
اُس نے جو چھاتی زہر بھری اُنکے منھ میں دی
جب کنس نے وہ پوتنا بھیجی کہ یوے جی
منھ لگتے ہی اُنھوں نے وہ جان اُسکی کھینچ لی
اُسکے پران کڑھ گئے اور کچھ نہ بس چلا

کاگا سر آیا دُشٹ لیا اُس کو مار بھی
سکٹا سُر آیا اُسکی بھی گاڑی اُلٹ ہی دی
پھر ترناوَرت کی بھی ہوا دُور کے سبھی
آیا سری دھر اُسکی بھی مٹی خراب کی
جتنے وہ دُشٹ آئے سبھوں کو اُلٹ دیا

پھر پاؤں چلنے لاگے جو دھرتی پہ نندلال
سیانے ہوے تو ساتھ لیے اپنے گوال بال
آئے وہ جنگلی گو دمیں اُن کو کیا نہال
مرلی کی دھن سُنا کے کیا سب کا جی نڈھال
گوئیں چرائیں بن میں وہ بنسی بجا بجا

دھمکا کے گوالنوں سے لیے دودھ اور دہی
جب گوالنوں نے آ کے جسودا سے یہ کہی
کھانے کھلائے اُن کو جو تھے ساتھ میں سبھی
جھڑکا اُنھیں نے سانٹے اُٹھا کر جو اُس گھڑی
ترلوک کھول منھ اُنھیں ہر نے دکھا دیا

جملا و ارجن اور وہ دو دیوتا جو تھے
مدت تلک وہ بن میں یوہیں تھے کھڑے ہوے
دو تاڑ بن گئے تھے کسی کے سراپ سے
لیلا سے اپنی کشن نے اُس بن میں آن کے
ویسا ہی دیوتا اُنھیں اک پل میں کر دیا

راکھس بہت جو کشن پہ آنے لگے وہاں
لے کر کٹم سب اپنا جو تھے خرد اور کلاں
نند اور جسودا کی لگی دیکھ اُنسے جا نے جان
آ کر وہ بندرابن کے لگے رہنے درمیاں
گوکل کا باس سب نے اُسی دن سے پھر تجا

لے گوال بال جانے لگے شیام من ہرن
گوئیں لگے چرانے جہاں ہے یہ گوردھن
واں بھی بتاسر آیا بکاسُر بھی نکلا بن
مارا اور اُسکی چونچ کو چیرا سمیت تن
آیا اگھاسُر اُس کے بھی سر کو اُڑا دیا

دکھلائی اپنی ہر نے جو لیلا وہ بچھ ہرن
دیکھ اُس کو سب نے چوم لیے کشن کے چرن
ڈھنگ راچھس آیا پھر جو بنا کر وہ مکر و فن
مارا اُسے بھی ہر نے جہاں ہے یہ تال بن
کالی کو دہ میں ناتھ کیا نیر نرملا

گوئیں کھڑے چراتے تھے بن میں جو شیام جی
اُس بن میں ایک دن جو ہیں آگ آن کر لگی
سب گوال بال چھکری گوئیں کھڑی سبھی
لیلا سے واں بھی ہر نے وہ دیکھ اُنکی بے بسی
اُس آگ سے سبھوں کو لیا آن میں بچا

پھر کی جو لیلا چیر ہرن ہر نے خوب تر
سُرپت نے پھر وہ کوپ کیا اُن پر آن کر
سُرپت کو واں اُٹھا لیا بنسی اُپر ادھر
پھر سروسیں شیام نے لی ناریاں سندر
مرلی بجا کے نرت کیا راس کو بنا

مارا وہ سانپ پاؤں پہ لپٹا جو نند کے
لیں گوپیاں چھوڑا دہیں پھر سنکھ چوڑ سے
سرکا سُر اور کیسی و بھوماسر آ گئے
اپنے سے مکر ہر سے اُنھوں نے بہت کیے
ہر نے اُنھیں بھی مار کے بھوں پر دیا گرا

اک روز بندرابن سے لے آئے اُنھیں جو واں
چلنے کو ساتھ اُنکے ہٹیں سب وہ گوپیاں
جمنا میں پھر نہائے جو اک روز شادماں
ہر نے دکھائے واں اُنھیں لیلا سے بے نشاں
جو ہر ہی ہر دکھائی دیے اُن کو جا بجا

جب بندرابن میں آئے تو دھوبی کو کنس کے
مارا وہیں اور اُسکے لیے چیر جتنے تھے
سو جی سے لے لباس دیے پھر بہت اُسے
چندن جو کبجا لائی تو خوش ہو کے شیام نے
سب کھو دیا جہاں تئیں کُبڑا پن اُس کا تھا

ڈیوڑھی پہ آئے جب تو وہ توڑا دھنک کے تئیں
درشن دیے وہ راجہ جو قیدی تھے سہمگیں
رنگ بھوم میں گرا دیا پربل کو بر زمیں
پھر کنس کے بھی کیس پکڑ کھینچ کر وہیں
سر اُسکا اک اشارے میں تن سے جدا کیا

پھر آئے واں جہاں تھے وہ بسدیو دیوکی
یہ باتیں ہر کی سن کے وہاں رُکمنی نے بھی
چرنوں پہ سیس رکھ کے بہت سی اسیس لی
چاہا یہی کہ دیکھوں میں صورت کرشن کی
بے تاب و بے قرار لگی رہنے سُکھ گنوا

اُسکو یہ باتیں کشن کی خوش آئی تھیں سبھی
ماں باپ رُکمنی کے بھی اور چاروں بھائی بھی
سنتی وہ ساتھیوں سے اُنھیں کو گھڑی گھڑی
بر رُکمنی کے مُوں وہی تھے چاہتے یہی
پر وہ رُکم جو تھا سو پسند اُسکو یہ نہ تھا

رکھتا تھا نام اُس کا تو جد بنس ہے جنم
گوئیں چراتا پھرتا ہے بن بن میں رکھ قدم
کاندھے پہ اُسکے کامری رہتی ہے دمبدم
دولت میں اور ذات میں ہاں اُس سے بڑھے ہیں ہم
سسپال چندیری کا جو بر ہو تو ہے بھلا

یہ باتیں واں رُکم سے جو سنتی تھی رُکمنی
جب بیکلی بہت ہوئی اور رہ سکا نہ جی
بیکل وہ بہت ہوتی تھی اور دل میں کڑھتی تھی
اک چٹھی اپنے حال کی ہر کے تئیں لکھی
بامن کے ہاتھ دوارکا میں دی وہیں بھجا

بامن جو ہر کی ڈیوڑھی پہ آ پہونچا راہ سے
جانے میں تھے مندر کے جو دربان رُک گئے
دیکھا تو واں ہیں چیری و چاکر بہت کھڑے
سنکر خبر یہ ہر نے بلایا وہیں اُسے
پرنام کر کے اونچے مکان پہ بٹھا دیا ٹ — نہ دیا بٹھا

بامن کی منت کر کے لگے کہنے کشن جی
اُس نے زبانی کہہ کے جو احوال تھا سبھی
تم نے ہمارے حال پہ کرپا بڑی یہ کی
پھر رُکمنی کی چٹھی جو لایا سو ہر کو دی
ہر نے پڑھا اُسے تو یہ احوال تھا لکھا

اے برج راج کرشن منوہر مدن گوپال
دن رات تم سے ملنے کو رہتی ہوں میں نڈھال
ہیں درشنوں کی آپ کے مشتاق ہوں کمال
درشن سے اپنے مجھ کو بھی آکر کرو نہال
سب دھیان میں تمھارے ہی رہتا ہے من لگا

سسپال بیاہنے کو مرے اب تو آتا ہے
یہ غم تو میرے دل کو نہایت ستاتا ہے
سب راجے اور ساتھ جراسند لاتا ہے
اس اپنی بے بسی پہ مجھے رونا آتا ہے
تم ہر ہو میرے من کی کرو دور سب بتھا

اے کرشن جی تم آؤ کہ اب وقت ہے یہی
ہر نے وہ چٹھی پڑھ کے منگا رتھ وہ چلگئی
اپنے چرن سے لاج رکھو میری اس گھڑی
ہو کر سوار جلد چلے واں سے کرشن جی
بامن بھی اپنے ساتھ وہ رتھ میں لیا بٹھا

سسپال اسمیں آن کے پہنچا شتاب واں
باجے مندیلے گھر میں لگیں گانے ناریاں
اگوانی کے لینے کو بھیکم گیا دواں
آنکھوں سے رکمنی کے وہ آنسو ہوئے رواں
سندر کا منھ وہ آنسو کے بہنے سے بھر گیا

جوں جوں وہ ہر کے آنے میں ان دیر ہوتی تھی
تکتی تھی ہر کی راہ نہ کھاتی نہ سوتی تھی
کوٹھے پہ اپنے رکمنی واں چڑھ کے روتی تھی
بیکل کی طرح پھرتی تھی اور ہوش کھوتی تھی
کچھ رکمنی سے رونے سوا بن نہ آتا تھا

کہتی تھی کیوں یہ کرشن مراری نے دیر کی
برج راج روپ مکٹ سنواری نے دیر کی
موہن نول کشور بہاری نے دیر کی
یا چاہ بے اثر یہ ہماری نے دیر کی
بامن جو میں نے بھیجا تھا وہ بھی نہیں پھرا

اس میں مکند رتھ کے جو ہر آئے عنقریب
خوش رکمنی کا جی ہوا جوں گل سے عندلیب
جھلکے کلس وہ رتھ کے ہوئی روشنی عجیب
بولی خوشی ہو من میں کہ جاگے مرے نصیب
بامن نے بھی وہ آنے کو ہر کے دیا سنا

بن ٹھن کے جب خوشی سے وہ پوجا کے تئیں چلی
سندر کی جاتی پانوں کی پائل جو باجتی
ساتھ اُس کے ناریاں چلیں گاتی بہت خوشی
روپ اور سروپ اُسکا بیاں کیا کرے کوئی
پہونچی خوشی سے واں جہاں تھی پوجنے کی جا

جس جس کو پوجا واں یہی اُس نے کیا بیاں
لینے کو درشن اُسکے ہوئی ہوں میں نیم جاں
کرپا کرو جو مجھ کو ملیں برج راج یاں
جلدی ملاؤ تم جو یہ ہے لاج میری ہاں
ہر دیوتا سے وہ یہی کرتی تھی التجا

جب دیوی دیوتا کی وہ پوجا کر ادے چکی
اس واسطے کہیں مجھے درشن دیں کشن جی
سندر دلاری آ کے کو چل کر ٹھٹھک رہی
تو دیکھ وہ سروپ مری ہووے زندگی
بچ جاوے جی یہ لاج بھی میری رہے بچا

سندر نویلے روپ کا میں کیا کروں بیاں
پوشاک تھی بدن پہ چمکتی تھی زر فشاں
مکھ یوں جھمک رہا تھا کہ جوں ماہ آسمان
سر پاؤں سے بھرے تھے وہ گہنے کے دریاں
کیا وصف اُس کا ہو سکے زیب و نگار کا

دیکھا کمند پر سے جو لوگوں نے ہر کو واں
آپس میں سب وہ کہتے تھے نر اور ناریاں
سب درشن اُنکے پا کے ہوے جی میں شادماں
بر رکمنی کے یہ ہوں تو ہر من کو سکھ ہو یاں
ہر دم اسی مراد کی مانگیں تھے سب دعا

بھیکم جو ہر کے لینے کو آیا بہت خوشی
اتنے میں رکمنی جو تھی ہر کے لیے کھڑی
درشن جو ہر کے پائے تو منتی بہت سی کی
درشن جو پائے آ گیا واں اُسکے جی میں جی
ہر نے پکڑ کے ہاتھ لیا رتھ میں واں بٹھا

سسپال اپنے لے کے کٹک آ گیا وہاں
آیا رکم جو بان دھنک لے کے اور سناں
بان اُسکی ہر نے کاٹ بھگایا اُسے ندان
اُسکو بھی ہر نے باندھ لیا کاٹا اُس کی بان
منتی سے رکمنی نے دیا اُس کا جی چھٹا

سسپال کا بھی ہر نے دیا پل میں گربھ کھو
جو تھا غرور اُسکا سو سب ڈالا دم میں دُھو
آیا رکم بلی جو بہت کرتے گربھ کو
بالوں سے اُسکے ہاتھ بندھے اور رہا وہ رو
سچ کہتے ہیں کہ گربھ ہے جگ میں بہت بُرا

جب رُکمنی سے کہنے لگے ہنس کے واں یہ ہر
سسپال کو گربھ نے کیا سب میں خوار تر
کچھ یاد رُکم کو اور جراسندھ کو اُدھر
آئے تھے جس گربھ سے وہ لڑنے کو اب اِدھر
آخر اُسی گربھ نے دیا اُن کا سر جھکا

سسپال اور رُکم کا ہوا جب یہ حال واں
بلدیو جی نے اُنکے کٹک سب بھگا دیئے واں
لے رُکمنی کو ہر ہوئے پھر دوارکا روان
جب آن پہونچے خوش ہوئے سب نر و ناریاں
دیکھا جمال اُن کا تو پایا بہت بھلا

پھر دیوکی جو آئیں بہت ہو کے خوش ادھر
پانی پیا اُنھوں نے وہیں ہر پہ وار کر
سب ناریاں بھی آن کے بیٹھیں ادھر اُدھر
جتنا صحن تھا گھر کا رہا سب وہ اُن سے بھر
شادی کے باجے بجنے لگے شور غل مچا

سب دوارکا میں دھوم یہ شادی کی مچ گئی
باجے مجیرے طبلے دمامے بھی اور ترئی
در پر براتیوں کی بہت بھیڑ آ لگی
سو بھاسے دوار پر وہ بندھن وار بھی بندھی
پنڈت بلا سگن سے وہ پھیرے دیے پھرا

بیٹھے تھے دوارکا کے وہاں خرد اور کبیر
ہوتے تھے راگ رنگ خوشی تھے جوان و پیر
سامان تھے ہزاروں ہی شادی کے دلپذیر
جو خوبیاں ہوئیں سو وہ کیا کیا کہے نظیر
اس ٹھاٹھ سے وہ بیاہ عجب کشن کا ہوا
نٹ بیاہلا ہر

(۱۵۵)

ہر کی تعریف میں

میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتاری کے
گوپال منوہر سانولیا گھنشام اٹل بنواری کے
کر دھوم لٹیا دودھ ماکھن اچھوار نول گردھاری کے
ہر آن دکھیّا روپ نئے ہر لیلا نیاری نیاری کے

سکھش کنھیا مرلی دھر من موہن کنج بہاری کے
نندلال دُلارے سُندر چھب بیچ چندرمکٹ جھلکاری کے
بن کنج پھر تیا راس رچن سُکھ دائی کانھ مراری کے
پت لاج رکھیا دُکھ بھنجن ہر بھگتی بھگتا دھاری کے

نت ہر بھج ہر بھج رے بابا جو ہر سے دھیان لگاتے ہیں
وہ ہر کی آسا رکھتے ہیں ہر اُن کی آس پچاتے ہیں

جو بھگتی ہیں سو اُن کو تو نت ہر کا نانو سہاتا ہے
نت من میں ہر ہر بھجتے ہیں ہر بھجنا اُنکو بھاتا ہے
من اُنکا اپنے سینے میں دن رات بھجن ٹھہراتا ہے
جو دھیان بندھا ہے چاہت کا وہ اُنکا من بہلاتا ہے

جس گیان میں ہر سے نیہ جُڑے وہ گیان اُنھیں خوش آتا ہے
سُکھ من میں اُنکے لاتا ہے دُکھ اُنکے جی سے جاتا ہے
ہر نام کی سُمرن کرتے ہیں تو چین اُنھیں دکھلاتا ہے
دل اُنکا ہر ہر کہنے سے ہر آن نیا سُکھ پاتا ہے

ہر نام کے جپنے سے من کو خوش نیہ جتن سے رکھتے ہیں
نت بھگتا جتن میں رہتے ہیں اور کام بھجن سے رکھتے ہیں

جو من میں اپنے نسچہ کر ہیں دولے ہر کے آن پڑے
ہر نام بھجن کی پروا ہے اور کام اُسی سے ہیں رکھتے
کچھ دھیان نہ ادھر اودھر کا ہر آسا پر ہیں من دھرتے
کچھ آن اٹک جب پڑتی ہے من بیچ نہیں چنتا کرتے

ہر وقت مگن ہر آن خوشی کچھ نہیں من میں چنتا لاتے
ہے من میں ہر کی یاد لگی ہر سُمرن میں خوش ہیں رہتے
جس کام سے ہر کا دھیان بندھے ہر کام وہی ہر دم کرتے
نت آس لگائے رہتے ہیں من بھیتر ہر کی کرپا سے

ہر کارج میں ہر کرپا سے وہ من میں بات نہارتے ہیں
من موہن اپنی کرپا سے نت اُنکے کاج سنوارتے ہیں

نرسی کشن کی جو جو کرپا ہیں کب مجھ سے اُنکی ہو گنتی
ذکور کروں جس کرپا کا وہ بنتی ہے اس بھانت سُنی
تھی نرسی کی اُس نگری میں دوکان بڑی صرّافی کی
تھا روپ گھنا اور فرش بچھا پر تیت بہت اور ساکھ بڑی

ہر جتنی اُنکی کرپا ہیں اک یہ بھی کرپا ہے اُنکی
جو اک بستی ہر جونا گڑھ واں رہتے تھے مہتا نرسی
بیوپار بڑا صرّافی کا تھا بستا لیکھن اور بہی
تھے ملتے جُلتے ہر اک سے اور لوگ تھے انسے بہت خوشی

کچھ لیتے تھے کچھ دیتے تھے اور بہیاں لکھا کرتے تھے
جو لین دین کی باتیں تھیں پھر اُنکا لیکھا کرتے تھے

دن کتنے میں پھر نرسی کا سنگ کشن چرن سے دھیان لگا
سب کاج بسائے کام تجے ہر ناؤ بھجن سے من لاگا
تھا جو کچھ دکاں بیچ رکھا وہ درب جمع اور پونجی کا
ہو بیٹھے ہر کے دوارے پر سب پیت کٹم سے ہاتھ اُٹھا

جب بھگتی ہر کے کہلائے سب لیکھا جوکھا بھول گیا
جا بیٹھے سادھ اور سنتوں میں نت سنتے رہتے کشن کتھا
مدھ پریم کے پی کر متوالے سب سادھوں کو ہر نانوں دیا
سب چھوڑ بکھیڑے دنیا کے نت ہر سمرن کا دھیان لگا

ہر سمرن سے جب دھیان لگا پھر اور کسی کا دھیان کہاں
جب چاہت کی دوکان ہوئی پھر پہلی وہ دوکان کہاں

کیا کام کسی سے اُس من کو جس من کو ہر کی آس لگی
سکھ چین سے ہر کے دوارے پر جب تو کچھ ملا آنند ہوئی
نے کپڑے لتے کی پروا نہ جینتا لٹیا تھالی کی
دھن جتنی لین اور دین کی تھی سب من کو بھلی بسری

پھر یاد کسی کی کیا اُسکو جس من نے ہر کی سمرن کی
بیوپار رہا جب چاہت کا پھر کیسی لیکھن اور بہی
جب من کو ہر کی پیت ہوئی پھر اور ہی کچھ ترتیب ہوئی
نت دھیان لگا ہر کرپا سے ہر آن خوشی اور خوشوقتی

تھی من میں ہر کی پیت بھری اور بھلے کرتو رتے تھے
کچھ فکر نہ تھا سندیہ نہ تھا ہر نام بھرو سے جیتے تھے

نت من میں ہر کی آس دھرے خوش رہتے تھے وال نرسی
اور بیٹی کے گھر جب شادی ٹھہری بالک ہونے کی
مل بیٹھیں گھر میں ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی

اک بیٹی آنکھ جنمی تھی سو دور کہیں وہ بیاہی تھی
تب آئیں ادھر اُودھر سے سب ناریاں اُسکے کنبے کی
سب نار چین گائیں گیت سبھی ہر ریت جو شادی کی ہوتی

کچھ شادی کی خوشوقتی تھی کچھ سونٹھ سٹھوڑے کی بھری
کچھ چمک جھمک تھی ابرن کی کچھ خوبی کاجل مہندی کی

ہے رسم یہی گھر بیٹی کے جب بالک منہ دکھلاتا ہے
تب بالک اسکی چھوچھک کا ننھیال سے بھی کچھ جاتا ہے

واں ناریاں جتنی بیٹھی تھیں سمدھیانے میں نرسی کے
کچھ ریت نہیں آئی ابتک اے لال تمہارے میکے سے
تب بولی بیٹی نرسی کی اُن ناریوں سے آکر آگے
وہ بولیں کچھ تو لکھ بھیجو یہ بولی کیا اُن کو لکھیے

جب نرسی کی واں بیٹی سے یہ بولیں ہنسکر طعنہ دے
اور دل میں تھیں یہ جانتی سب وہ کیا ہیں اور کیا بھیجیں گے
وہ بھگتی ہیں بیراگی ہیں جو گھر میں تھا سو کھو بیٹھے
کچھ اُن کے پاس دھرا ہوتا تو آپ ہی وہ بھجوا دیتے

جو چٹھی میں لکھ بھیجوں گی وہ بانچ اُسے پھینکوا دیں گے
اک دمڑی اُنکے پاس نہیں وہ چھوچھک کیا بھجوا دینگے

اُن ناریوں کو تو کرنی تھی اُسوقت ہنسی واں نرسی کی
سامان ہیں جتنے چھوچھک کے سب بھیجو چٹھی پڑھتے ہی
کچھ صبح جٹھانی کا کہنا کچھ باتیں ساس اور نندوں کی
تھی ایک ٹھٹھولی گھر کی جو سب بولیں تو بھی کچھ کہتی

بلوا کے لکھیا جلدی سے یہ بات انھوں نے لکھوا دی
وہ چیزیں اتنی لکھوائیں جن آئیں اُنسے ایک کبھی
کچھ دیورانی کی بات لکھی کچھ اُنکے جو جو جی میں تھی
وہ بولی اُن سے ہنسکر واں منگواؤں کیا میں پتھر جی

وہ لکھنا کیا تھا واں لوگو من چہل ہنسی پر دھرنا تھا
اُن چیزوں کے لکھ بھیجنے سے شرمندہ اُنکو کرنا تھا

جب چٹھی نرسی پاس گئی تب بانچتے ہی گھبرا گئے
یہ ایک نہیں بن آتا ہے ہیں جو جو چٹھی بیچ لکھے
وہ بھیجے اتنی چیزوں کو یاں کچھ بھی ہو مقدور جسے
اسوقت بڑی لاچاری ہے کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے

بجھا سے من میں اور کہا یہ ہو سکتا ہے کیا مجھ سے
ہے یہ تو کام کٹھن اس دم واں کیونکر میری لاج رہے
کچھ چھوٹی سی یہ بات نہیں اس آن بھلا کس سے کہیے
پھر دھیان لگا ہر آسا پر اور من کو دھیرج لینے دے

وہ ٹوٹی سی اک گاڑی تھی چڑھ اُسپر بے وسواس چلے
سامان کچھ اُنکے پاس نہ تھا رکھ شیام کی من میں آس چلے

ہر نام بھروسا رکھ من میں چل نکلے واں سے جب نرسی
تھی سر پہ میلی سی پگڑی اور جیولی جامے کی مسکی
تھے جاتے رستے بیچ چلے تھی آس لگی ہر کرپا کی
واں اتنا کچھ ہر لکھ بھیجا میں فکر کروں اب کس کس کی
گو پلے میں کچھ چیز نہ تھی پر من میں ہر کی آسا تھی
کچھ ظاہر میں اسباب نہ تھا کچھ صورت بھی لجیائی سی
کچھ اسدم میرے پاس نہیں ان چاہئیں چیزیں بہتیری
جو دھیان میں اپنے لاتے تھے کچھ بات نہیں بن آئی تھی

جب اُس نگری میں جا پہونچے سب بولے نرسی آتے ہیں
اور لانے کی جو بات کہو اک ٹوٹی گاڑی لاتے ہیں

کوئی بات نہ آیا پوچھنے کو جب جا کے دیکھا نرسی کو
جب بیٹی نے یہ بات سنی کہہ بھیجا کیا کیا لائے ہو
دو ہنس ہنس اپنے ہاتھوں سے یاں دینا ہو اب جس جس کو
تھا پاس ہمارے کیا بیٹی اب لانے کی کچھ مت پوچھو
اور جتنا جتنا دھیان کیا کچھ پاس نہ دیکھا اُنکے تو
جو جو جھک کے سامان کیے سب گھر میں جلدی بھجوا دو
یہ بولے تب اُس بیٹی سے ہر کرپا اوپر دھیان دھرو
کچھ دھیان جو لانے کا ہووے سکیشن کہو سکیشن کہو

اس آن جو ہر نے چاہا ہو اک پل میں ٹھاٹھ بنا دینگے
ہے جو جو یاں سے لکھ بھیجا اک آن میں سب بھجوا دینگے

سکیشن بھر دے جب نرسی یہ بات جو من سے کہہ بیٹھے
کچھ چھکڑوں پر اسباب گئے کچھ بھینسوں پر کچھ اونٹ لدے
کل کپڑوں پر انبار ہوئے اور ڈھیر کناری گوٹوں کے
تھا ہنگ میں دنیا ایک جسے سو اُسکو بس اونٹیں لیے
کیا دیکھتے ہیں وہ ان آتے ہی سب ٹھاٹھ وہ آ سجا پہونچے
تھے مخملی کھڑوے سونے کے اور تاش کی ٹوپی اور کرتے
کچھ گہنے جھمکے چار طرف کچھ چمکی چیر جھلا جھل کے
اب واہ واہ کی اک دھوم مچی اور شور اہا ہا کے ٹھہرے

تھی وہ جو ٹھٹھولنی اُسکی ماں وہ بھولی جس دم دھیان پڑی
سو اُسکے لیے پھر اوپر سے اک سونے کی سل آن پڑی

واں جس دم ہر کی کرپا نے یوں نرسی کی تب لاج رکھی
بہتیرے آدر مان ہوئے اور نام بڑائی کی ٹھہری
سب لوگ کٹم کے شاد ہوئے خوش وقت ہوئی پھر بیٹی بھی
اُس نگری بھیتر گھر گھر میں تب نرسی کی تعریف ہوئی
جو لکھ بھیجی تھی طعنے سے ہر بابا سے وہ سانچ ہوئی
وہ بیٹی بھی خوشحال ہوئے تعریفیں کر کر نرسی کی

واں لوگ سب آئے دیکھنے کو اور دوانے دیکھ کر گئی
یہ ٹھاٹھ جو دیکھے چھوچھک کے سب بستی بھر دھوم ہوئی

جو ہرے کام رکھیں اُنکا پھر پورا کیونکر کام نہ ہو
جو ہر دم ہر کا نام جپیں پھر کیونکر ہر کا نام نہ ہو

سیکشن نے واں جب پوری کی سب نرسی کے من کی ابھلاشا
اک پل میں کر دی دور سبھی جو اُنکے من کی تھی چنتا
یہ ایسی چھوچھک لیجاتے سو اُنہیں تھا مقدور یہ کیا
یہ آدر مان وہاں پاتے یہ اُنسے کب ہو سکتا تھا
جو ہر کرپا نے ٹھاٹھ کیا وہ ایک نہ ان سے بن آتا
یہ اُتنی جسکی دھوم مچی سو ٹھاٹھ وہ تھا ہر کرپا کا
یہ کرپا اُن پر ہوتی ہے جو من رکھتے ہیں ہر کی آسا
ہر کرپا کا جو وصف لکھوں تو باتیں ہیں سب ٹھیک بجا

ہیں شاد نظیر اب ہر دم وہ جو ہر کے نت بلہاری ہیں
سیکشن کہو سیکشن کہو سیکشن بڑے اوتاری ہیں

(۱۵۶)

بیان سیکشن و نرسی اوتار

دنیا کے شہروں میں میاں جس جس جگہ بازار ہیں
کس کس طرح کے ہیں ہنر کس کس طرح کے کار ہیں
کتنے اسی بازار میں زر کے ہی پیشہ دار ہیں
بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں زر کے لگے انبار ہیں
سب لوگ کہتے ہیں انھیں یہ سیٹھ ساہوکار ہیں

ہیں فرش کوٹھی میں بچھے تکیے لگے ہیں زرفشاں
بہتیاں کھلی ہیں سامنے لکھتے ہیں لکھی کار واں
کچھ سیٹھ کی کچھ پرت کی آتی ہیں باتیں درمیاں
لاکھوں کی لکھتے درشنی سو سیکڑوں کی ہنڈیاں
کیا کیا منی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں

کچھ سود کا مذکور ہے کچھ بیاج کا ہے ٹھک ٹھکا
پھیلاؤ ہیں گھر بیچ کے بیچک کا چرچا ہو رہا
دلال ہنڈی سیٹھ کے آگے رکھے سُدھ سوا
آڑت بٹھاتے ہر جگہ چٹھی لکھاتے جابجا
کچھ دیکھنے والے کے پتے کچھ جوگ کے اقرار ہیں

تھوڑی سی پونجی جنکی ہے بیٹھیں ہیں وہ بھی مل کے یاں
اور جو ہیں حد ٹُٹ پونجیے وہ کوڑیوں کی تھیلیاں
ادھر لگے دَس بیس کے اُدھر دھری ہیں کوڑیاں
کاندھوں پہ رکھ جاتے ہیں وہ اُن لگتی جہاں ہیں گڈڑیاں
دیکھا تو یہ سب پیٹ کے دھندے ہیں در بستار ہیں

ہے یہ جو صرافہ میاں ہیں ان میں کتنے اور بھی
جو گیانی دھیانی ہیں بڑے کہتے انھیں کو سیٹھ جی
ہمت کے پیچھے کا درب چاہت کی جو کھی اشرفی
دھن دھیان کے کل ڈھیر میں کوٹھی بھی ہے کوٹھی بڑی
من کی پریم اور پیت کا کرتے سدا بیوپار ہیں

ہیں دیپ درشن اس کے چوکھے روپے من میں بھرے
لیکھن سے لیکھا چاہ کا چت کی سرت سے لکھ رہے
ہنڈی لکھیں ہیں ساہ کو جاتے ہی جو دل میں سلے
جس لوک میں ہے من لگا اُس باسکی بستی جا بجے
نت پیم کی ہیول بیچ میں بہیتاں دھریں دو چار ہیں

بیباک لگاتے ہیں جہاں دھوکا نہیں پڑتا ذرا
ہے جمع دل ہر بات سے من اصل مطلب سے لگا
جس بات کی ہنڈی لکھیں وہ ٹھیک پڑتی ہے سدا
حاجت تقاضے کی نہیں لینا سب آتا ہی چلا
جو بات کرنی جوگ ہے اُس میں بڑے ہشیار ہیں

رہتے ہیں خوش جی میں سدا فکر کچھ رہتے نہیں
جھگڑا نہیں کرتے ذرا غصہ نہیں ہوتے کہیں
بیوپار کرتے ہیں بڑے ہر آن رہتے ہیں یہیں
مست کی گُتھی سے من لگا سکھ چین ہر جی کے تئیں
کھوٹے ملت سے کام کیا اُنکے کھرے ہتکار ہیں

کرتے ہیں نت اس کام کو جو ہے سمایا گیان میں
سندیہ کا جیا ٹکا رکھتے نہیں دوکان میں
جو دھیان ہے من میں بندھا ہے ہیں خوش اُس دھیان میں
نت من کی کرن سادھ کر ہر وقت میں ہر آن میں
جس بار کا آدھار ہے اُس سے لگائے تار ہیں

جس من ہرن محبوب سے من کی لگائی چاہ ہے
جو دل کی لیکھن سے لکھا اُس سے وہی آگاہ ہے
سب لین کی اور دین کی اُن کو اُسی سے چاہ ہے
اُنکو اُسی سے ساکھ ہے اُنکی وہی اک راہ ہے
کوڑی سے لیکر لاکھ تک اُنکے وہی بیوپار ہیں

اس بھید کا اے دوستو اس بات میں دیکھو پتا — تھے زرسی وہاں اک جو صرافی کرتے تھے سدا
محفوظ تھے خوشحال تھے دوکان میں زر تھا بھرا — سیکشن جی کے دھیان میں رہتا تھا اُن کا من لگا
سُن لو یہ انکی بیت اور پریت کے ابکار ہیں

جوں جوں بڑھا ہر دے میں نت مدھ پریم کا پیالا پیا — پیسا ٹکا جو پاس تھا سب سادھ سنتوں کو دیا
سب کچھ تجا ہر دھیان میں اور نام ہر کا لے لیا — نت داس متوالے بنے ہر کا بھجن ہر دم کیا
پر گھٹ گئے سب دیکھ پر جو نیہ کے آثار ہیں

سب تج دیا ہر دھیان میں یہ بیت کا ٹھہرا چلن — کرتے بھجن سیکشن کا ہر حال میں رہتے مگن
زرسی کی پریتی ہو گئی تھے کر دن موہن کو من — چاہت میں سانول ساہ کی اپنا بھلایا تن من
سب بھگت باتیں ساتھ لیں جو اشٹ میں درکار ہیں

دن رات کی مالا پھری سیکشن جی سیکشن جی — ٹھہرا زباں پر ہر گھڑی سیکشن جی سیکشن جی
کہتا سدا سپنے میں جی سیکشن جی سیکشن جی — جاتے جہاں کہتے یہی سیکشن جی سیکشن جی
جو پریم کے پورے ہوئے اُنکے یہی اطوار ہیں

کہتے ہیں یوں اک دیس میں رہتے جو کتنے سادھ تھے — وہ درشنوں کے واسطے جب دوارکا جی کو چلے
آ پہونچے اس نگری میں جب زرسی جہاں تھے بہت بھلے — اُترے خوشی سے آن کر اور واں کئی دن تک رہے
پوجا بھجن کرنے لگے سادھواں کے جو اطوار ہیں

وہ سادھ جو اترے تھے واں کچھ تھے روپے اُنکے کنے — چاہا انھوں نے درشنی ہنڈی لکھا لیں سیٹھ سے
لیویں روپے ہنڈی لکھا جب دوارکا میں ہو چکے — کارج سنواریں دھرم کے جو نیک نامی واں ملے
کرتے ہیں کارج پریم کے جاگے جو اُس دربار میں

لوگوں سے جب اس بات کا سادھوں نے واں چرچا کیا — اور ہر کسی سے اُس گھڑی گھر پوچھا ساہوکار کا
اُس چھوٹی نگری میں بڑا زرسی کا یہ بیوپار تھا — سو کشن جی کی چاہ میں بیٹھے تھے سب اپنا گنوا
مفلس سے کب وہ کام ہوں کرتے جو اب زردار ہیں

کتنے جو ٹھگنے باز تھے جس دم انھوں نے یہ سنا
وہ مل کے نرسی کی اور سے دھواں سے یوں جاکر کہا
اک نرسی مہتا ہیں بڑے صراف یاں کے واہ وا
تم درشنی ہنڈی جو ہو ہاتھ سے ان کے لکھا
ہو ساکھ انکی یاں بڑی جتنے یہ ساہوکار ہیں

وہ سادھ کیا جانے کہ یاں یہ کرتے ہیں ہم سے ہنسی
لے کر روپے اور پوچھنے آئے بہت ہو کر خوشی
نرسی کے آئے پاس جب دل کی وہ بات اپنے کہی
لکھ دو ہمیں کرپا سے تم اسوقت ہنڈی درشنی
ہم دوارکا کو آجکل جلدی سے چلنے ہار ہیں

نرسی نے یوں سنکر کہا میں تو غریب آدمی ہوں جی
سادھو مری دوکان تو مدت سے ہی خالی پڑی
نے ہے مری آڑت کہیں نے سیت میرا ہے کوئی
ہے پاس میرے لکھنی نے ایک ٹوٹی سی بہی
یہ بات واں کیجئے جہاں نت ہنڈیاں ہر بار ہیں

جا کر لکھاؤ اور سے پرنیت سادھو کیا مری
ہے میرے رہنے کو یاں ٹوٹی سی اک جھونپڑی
تن پر مرے کپڑا نہیں نے گھر میں تھالی کر چھلی
ہیں تو سڑی خبطی سا ہوں کیا ساکھ میری بات کی
سب ناؤں دھرتے ہیں مجھے جو میرے ناتےدار ہیں

یہ بات سنکر سادھو واں نرسی سے بولے اس گھڑی
لکھ دو ہمیں کے جوگ تم ہم کو یہ ہنڈی درشنی
گر یاد سانول ساہ کی نرسی نے واں ہنڈی لکھی
سادھوں نے ہنڈی لیکے واں سے دوارکا کی راہ لی
کہتے چلے لینے روپے اب واں تو بے تکرار ہیں

لوگوں نے جانا اب بہت نرسی کی خواری ہووے گی
لکھ دی انھوں نے اب جو یاں کاہے کو یہ ہنڈی چلی
یہ دوارکا سے سادھو یاں آوینگے پھر کر جس گھڑی
پکڑینگے ان کو آن کر لوگوں میں ہووے گی ہنسی
کھوتے ہیں پت انسان کی جھوٹے جو کاروبار ہیں

نرسی نے وہ لیکر روپے رکھ دھیان ہر کی آس کا
تھے جتنے سادھو اور سنت سب کو واں لیا اسدم بلا
پوری کچوری اور دہی شکر مٹھائی بھی منگا
سب کو کھلایا کتنے دن اور سب غریبوں سے کہا
من مانتا کھاؤ پیو یہ جو لگے انبار ہیں

برتی جلیبی اور لڈو سب کو وہاں برتا دیے
وہ سادھ ہنڈی درشنی لے دوارکا میں جب گئے
جب سوچ آیا من میں یوں ہوتا ہے کیا اب کیجیے
کوٹھی کو سانول شاہ کی واں ڈھونڈھتے ہر جا پھرے
ہم جن کو ہیں یاں ڈھونڈھتے ہاں وہ نہیں تہار ہیں

بے آس ہو کر جس گھڑی وہ سادھ بیٹھے سر جھکا
تلسی جھمکتی جگمگا چھتری سنہری خوشنما
اتنے میں دیکھا دور سے اک رتھ ہے واں آتا چلا
اک شخص بیٹھا اُسمیں ہے سانول برن موہن ادا
رتھ کی جھلاک سے اُسکی واں روشن عجب انوار ہیں

وہ سادھ دیکھ اس ٹھاٹھ کو کچھ من میں گھبرا سے گئے
پوچھا اُنھوں نے کون ہو تب سادھ یوں کہنے لگے
جلدی اُٹھے اور سامنے رتھ کے ہوے آکر کھڑے
نرسی کی ہُنڈی درشنی ہے جوگ سانول ساہ کے
سو ہم کو وہ ملتے نہیں اب ہم بہت ناچار ہیں

یہ کہہ کے ہنڈی درشنی جس دم اُنھوں نے دی دکھا
جتنے روپے تھے واں لکھے وہ سب نہیے اُنکو دلا
سیکشن جی نے پیار سے ہر حرف ہنڈی کا پڑھا
وہ خوش ہوے جب کشن نے یوں ہنسکے سادھوں سے کہا
لا لا بہ جنھوں نے یہ لکھی ہم اُنسے رکھتے پیار ہیں

اب جو ملو گے اُن سے تم کہیو ہماری اور سے
یہ کام کیا تم نے کیا تھوڑے روپے جو اب لکھے
جو تھے روپے تم نے لکھے وہ ہم نے سب اُنکو دیے
آگے کو اب سمجھو یہی اتنے روپے کیا چیز تھے
لاکھوں لکھو گے تم اگر دینے کو ہم تیار ہیں

وہ سادھ اپنے لے روپے پھر شہر کے بھیتر گئے
پھر دوارکا سے چل کے وہ نرسی کی نگری میں گئے
کارج جو کرنے تھے اُنھیں من مانتے وہ سب کیے
نرسی سے لوگوں نے کہا نرسی بہت ال ہیں ڈے
دونگا کہاں سے میں روپے یہ تو بہت کی بہار ہیں

جب سادھ ملنے کو گئے نرسی وہیں پھینے لگے
پرشاد لائے اور روپے کچھ روبرو اُنکے دھرے
وہ سنتیاں کرنے لگے اور پاؤں نرسی کے چھوے
اور جو سب بیپا تھا دیا سب وہ بچن اُن سے کہے
نرسی نے جانا کشن کی کرپا کے یہ اسرار ہیں

من میں جو نرسی خوش ہوئے سب ساد ہو یوں کہنے لگے
ہُنڈی بڑی لکھتے رہو ہر نے کہا ہی آپ سے
سب ہم نے بھر پائے روپے اور ہر کے درشن بھی کیے
نرسی یہ بولے اُن سوا اب کس سے ہو کر پا سکے
جو جو کہا سب ٹھیک ہے وہ تو مہا اوتار ہیں

نرسی کی ساؤنل ساہ نے جب اس طرح کی پت رکھی
بلہاری نرسی ہو گئے پیکشن نے کرپا یہ کی
اور یوں کہا آگے کو تم لکھتے رہو ہنڈی بڑی
جس کی نظر ایسوں کی ہر جی جان سے چاہت لگی
وہ سب طرح ہر حال میں اُسکے نباہن ہار ہیں

(۱۵۷)

درگا جی کے درشن

من باس نہ کیجئے کیونکر جی ہر کاشی نگری برسن کی
جو بسنے ہارے ہر در کے ہیں یہ جھوم ہر کن من ترسن کی
ہر گیانی دھیانی کا ہر پنڈت اور دھن برسن کی
اُس دیوی پونی نٹ کھٹ کے ہر چاہ چرن کے پرسن کی
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

اُس منڈل اونچے کمٹ میں جو دیبی آپ براجت ہیں
دھن پوجا کھن ٹھن کی ایسی نت نوبت نوباجت ہیں
تن برن ایسے جھلکت ہیں جو دیکھ چندر مال لاجت ہیں
اُس سندر مورت دیبی کا جو برنن ہو سب چھاجت ہیں
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو بھرتے اُس دیبی کی وہ دو رسا سے دھاوت ہے
جب کرپا داگی ہووت ہے تب وا کے درشن پاوت ہے
جو دھیان لگا کر دھاوت ہے سب وا کی آس پُجاوت ہے
نت دیکھت ہے وا مورت کا من تن میں سیس نواوت ہے
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہرسن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو نیمی ہیں و امورت کے وہ اُن کی بات سُدھارن ہیں
ہر گیانی واکے سرن ہیں ہر دھیانی سادھ اُدھارن ہیں
سکھ چین جو دائیں مانگت ہیں وہ اُنکی چنتا ہارن ہیں
جو سیوک ہیں امورت کے وہ اُنکے کاج سنوارن ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

جب تک لی باچھے اس جا گہ دن آکر منگل ہوتا ہے
ٹک دیکھو جیدھر آنکھ اُٹھا ہر ناری کا دل ہوتا ہے
ہر چار طرف اس نیول میں انبوہ منگل ہوتا ہے
ہر من میں منگل ہوتا ہے آنند پر چھیڈ بھل ہوتا ہے

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو باغ لگے ہیں سندر تک وہ لوگوں سے سب بھرتے ہیں
کچھ بیٹھے ہیں خوشوقتی سے دل عیش و طرب پر دھرتے ہیں
وہ جھلیں ہوتی ہیں جتنی سب من کے رنج بسرتے ہیں
کچھ دیکھ بہاریں خوباں کی ساتھ اُنکے سیریں کرتے ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

جو چیزیں میلوں لگتی ہیں سب اُس جا آن جھمکتی ہیں
محبوبوں سے بھی حسینوں کی ہر آن نگاہیں تکتی ہیں
پوشاکیں جنکی زرتیں ہیں وہ تن پر خوب جھلکتی ہیں
یوں نام نظیر اب کس کس کا جو خوبیاں آن جھمکتی ہیں

پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

(۱۵۸)

بھیرو دل کی تعریف

دیکھا ہے جب سے میں نے ترا جمال بھیرو دل
دن رات ہے یہ میرا تجھ سے سوال بھیرو دل
رکھتا ہوں تب سے دل میں ترا خیال بھیرو دل
اب درد و غم سے آکر مجھ کو سنبھال بھیرو دل

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

آنکھوں میں چھا رہا ہے تیرا سروپ کالا
آنکھیں دیا سی روشن ہاتھوں میں مے کا پیالا
تن میں بھبوت مل کر گل بیچ منڈ مالا
ہوں دل سے داس تیرا سن اے مرے دیالا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

کیا کیا مچی ہیں تیرے دربار کی بہاریں
سب اپنا اپنا کارج من مانتا سنواریں
بھگتی کلا یہ تیری جی جان اپنا واریں
سیوک چرن کو چومیں اشٹی کھڑے پکاریں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ماتھے پہ تیرے ٹیکا سیندور کا براجے
ترسول کاندھے اوپر ڈھمرو کی گت بھی باجے
مدھ پیوے ماس کھاوے جو تو کرے سو چھاجے
سب تج کے ہیں نے اب تو تیری دیا کے کاجے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو راچھسوں کے تن سے ہر آن سر اکھاڑے
جو تجھ سے دو بدو ہو اک آن میں لتاڑے
چاہے جسے بسا دے چاہے جسے اجاڑے
دانوں کو چیر ڈالے دیت کو پچھاڑے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

غصے میں تو جو آ کر اپنی جٹا ہلا دے
سر کاٹ راچھسوں کے جھونٹے پکڑ ہلا دے
دھرتی اکاس پربت پاتال دہل جا دے
جھانکے کلال خانہ کتنوں کو خوں چٹا دے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں

اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جوگی ایت جنکم تیرے چرن سے لاگیں
جب نام لے کے تیرا بھبڑکا دیں تپ کی آگیں
سیویں جو تجھ کو انکے سوتے نصیب جاگیں
جن دیو ہاتھ جوڑیں بھوت اور پلید بھاگیں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے کون اب جو نکلے تجھ مست سے اکڑ کر
کریا ہے تیری میرے حق میں تو قند و شکر
ڈشٹوں کو لات تگی موذی کے سر کو ٹکر
اب سب طرح سے میں نے تیری دیا کو تک کر

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

میرا تو کوئی اس جا اپنا ہے نے بگانا
اے بیکسوں کے والی میری مدد کو آنا
بیکس ہوں بے ہنر ہوں اور ہے برا زمانا
تیرے سوا کسی جا میرا نہیں ٹھکانا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

پوجا کتھا میں تیرے میں گن بکھانتا ہوں
دھول اب تیرے چرن کی ماتھے پہ سانتا ہوں
تجھ کو ہی پوجتا ہوں تجھ کو ہی مانتا ہوں
تیرا ہی ہو رہا ہوں تجھ کو ہی جانتا ہوں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو شاہ میں بھکاری میں کیا کہوں کہ کیا دے
مجھ سے بگڑ چلے کو اب مہر کر بنا دے
جو دل میں تیرے آوے داتا مجھے دلا دے
اب جس طرح سے چاہے چنتا مری مٹا دے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب غم مرے جگر کو تیر زن سے چھانتا ہے ۔ اور گرد بیکسی کی نت سر پہ چھانتا ہے
کس سے کہوں میں جا کر کون آہ مانتا ہے ۔ جو دکھ ہے میرے جی پہ سو تو ہی جانتا ہے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جو دکھ ہے میرے جی پر اب کس کو جا سناؤں ۔ کس سے پناہ مانگوں یہ دکھ کسے دکھاؤں
اب بیکسی میں اپنی جا کر کسے سناؤں ۔ تیرا کہاکے اب میں کس کا بھلا کہاؤں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب کس طرح جتاؤں میں اپنی بے کلی کو ۔ نے سکھ ہے میرے دل کو نہ چین میرے جی کو
پوچھے جو میرے دکھ کو اب کیا پڑی کسی کو ۔ تجھ سے بھلے برے کی اب لاج ہے تجھی کو

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے جس کا اب جہاں میں تجھ اشٹ کا سہارا ۔ دن رات باجتا ہے اُن کا سدا نقارا
ہے بے نظیر تیری کرپا کا ٹھاٹھ سارا ۔ نانک جتی بجے ہی بھیروں سرن تمہارا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

۱۵۹

مہادیو کا بیاہ

پہلے نانوں گنیش کا لیجے سیس نوائے ۔ جا سے کارج سدھ ہوں سدا مہورت لائے
بول بچن آنند کے پریم پیت اور چاہ ۔ سن لو یارو دھیان دھر مہادیو کا بیاہ

جوگی جنگی سے سنا وہ بھی کیا بیان — اور لکھا ہیں جو سنا اُس کا بھی پرمان
سننے والے بھی رہیں ہنسی خوشی دن رین — اور پڑھیں جو یاد کر اُن کو بھی سکھ چین
اور جس نے اُس بیاہ کی نہاں کہی بنائے — اُسکے بھی ہر حال میں شیو جی رہیں سہائے
خوشی رہے دن رات وہ کبھی ہو دلگیر — نہاں اُس کی بھی رہے جس کا نام نظیر

ختم

آغازِ قصّہ

یوں کہتے ہیں اس دنیا میں اک راجہ ہماچل تھا — اُو دھرمی عدلی نیک جیو کھ چندلا و بچل تھا
گڑھ کوٹ بڑے گرپربت سے اور فوج سپہ کا دنگل تھا — گج مستی اونچے جھول زری نیاری ہوتے منجل تھا
ہتھ بہلیں میانہ لال رتھیں جھنڈول پہ اطلس مخمل تھا — خوشرنگ ترنگاں تیز قدم ہر زین جھلکتا ہر پل تھا
سب ساز جڑاو گج گاہیں کوئی چنچل تھا کوئی کوتل تھا — ہر بستر چیر جھبلا جھبل کا دھن دولت بلو آنچل تھا
پکھراج زمرد لعل منوں من مکتا بھی بے اٹکل تھا — محلات سنہرے رنگ بھرے بہ باری ور سکھ منڈل تھا
کل برتن سونے روپے کے اور چیرا چیری کا دل تھا — باغات بڑی تیاری کے ہر ڈالی پر گل ور پھل تھا
زر زیور ٹھاٹھ اسباب بہت اور عیش خوشی کا پھل تھا — گھر جگمگ جگمگ کرتا تھا سکھ چین آنند اور منگل تھا

ہر آن طرب ہر دم چہلیں جی جان ہر اک اوقات خوشی
وہ راجہ بھی ہر وقت خوشی اور پرجا بھی دن رات خوشی
اب یاں سے آگے سنو خوبی سے رکھ دھیان
پاربتی کے وصف کا جتنا ہوا بیان

اس راجہ ہماچل کے گھر اک مانی سندر بیٹی تھی — کچھ اُس کا چندر للن کا تھا نام اُسکا گورا پاربتی
لب لعل یمن اور غنچہ دہن تن برگ سمن قد سرو سہی — پوشاک جھلکتی تاش زری ان گنتی پہنے من بھوتی
وہ کٹھلے کنگن کندن کے وہ باز و جھلے اور مندری — وہ جھانجھن بجتی چاندی کی اور چوڑی گھنگرو جیورا سی
ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں آگے نس دن پھرتی — نت رہتی ہاتھوں چھانوں میں پٹرانی اس مرادوں کی

سُکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی
سب پیار کریں تن من وارین سنگ کھیلیں جیسے پہلے جی
کوئی اُچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کر تی اٹھکیلی

سو ساٹھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی
سب گہنے میں سر پانوں لدیں تن سوہا سالو اور چنری
دن رات رہیں سنبہیں اور چین کریں ہر آن کی خوبی خوشوقتی

تھی رہتی گورا پار ہتی ان روپ سروپوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں
اب یاں سے آگے سُنو اس کی یہ تقریر
جیسے گورا کی نسبت کی ہوئی تدبیر

اک رات وہ راجہ رانی تھے سکھ بیٹھے اپنے منڈل سے
وہ بالی سندر پیاری خوش بیٹھی آگے دونوں کے
لکھ دیکھ دُلاری کنیا کا یوں بولے راجہ رانی سے
تب بولی رانی راجہ سے کر جوڑ بہت منتی کر کے
تم صاحب ہو تم مالک ہو سو بھا سب کی اب تم سے
ہو راج پتی گھر اونچا ہو پھر شہر نگر میں جاؤ ڈھونڈ سے
ہاں جیسی گورا چندر مکھی ویسا ہی بر اسکا ہو وے

لکھ ماں پر اپنی دونوں کے اور ہنس ہنس باتیں کرتے تھے
ہر چیری باندھے ہاتھ کھڑی پوشاکیں پہنے اور گہنے
اب اپنی گورا پیاری کی کچھ فکر سگائی کی کریے
جو آپ کے من میں سوچ ہوا ہے سوچ وہی من میں میرے
دو حکم پروہت کو اپنے رکھ دھیان سگائی کا اُسکے
وہ بر بھی ایسا سندر ہو جو میری گورا کو سوہے
یہ بات جو ٹھہری دونوں میں رکھ من میں اُسکو سوئے رہے

جب صبح ہوئی تو راجہ کے من میں تھا وہی دھیان بھرا
دربار میں آئے خوش ہوتے سنگاسن اوپر پانوں دھرا
اب یاں سے آگے سُنو اور بچن اس آن
نسبت گورا کی ہوئی جگ میں جس عنوان

جب راجہ اپنے محلوں سے سنگاسن پر بیٹھے آکر
یہ بات کہی جب راجہ نے لے آؤ پروہت کو جا کر
سر پاگ بڑائی کی سوہے اور چندن روپے ماتھے پر

دربار ہوا گل لالہ ساسب حاضر جاکر اور نوکر
اُس وقت پروہت آپہونچے آشیر بچن رستا لاکر
تن جامہ خاصہ ململ کا انگلائی رنگیں ایتمبر

لکھ پان گلے موتی مالا اور مونگا سونا بھی اکثر
لکھ دیکھ پروہت کا اپنے یوں راجہ بولے خوش ہوکر
ہیں جتنے شہر پھر دُنیں اور سیر کرو ملک اور نگر
ٹھہراؤ سگائی گوراکی شبھ ساعت سے تم اُسکے گھر

خوش صورت سیرت نیک بچن قابل عاقل اور ذی شعور
تم جاؤ سگائی گوراکی اب ڈھونڈھو اچھی ساعت دھر
جس دیس میں دیکھو راج بتی ہو اونچا گھر اور در سُندر
جب ٹھہر چکے واں خوبی سے دو اُسکی ہمکو آن خبر

جس وقت پروہت سے اپنے یہ راجہ نے فرمان کیا
خوشحال پروہت نے ہوکر واں ڈھونڈھنے کا سامان کیا
اب یاں سے آگے سُنو بات پروہت مان
چلے سگائی ڈھونڈھنے گوراکی رکھ دھیان

ہو شاد پروہت چلنے کو اس شہر سے جب تیار ہوئے
ہر دیپ گئے ہر نگر لگے ہر شہر بسے ہر دیس پھرے
مقدور تلک تو دیکھ پھرے اور اپنے بس تک ڈھونڈھ چکے
جو بات لکھی ہو کرموں میں ہر طور وہی آکر ہووے
جب کھینچی باگ نصیبوں نے پھر اُسکے آگے ہار گئے
کیلاس دکھین واں کیلاس اور شیو آپ اکیلے ہیں بیٹھے
جب من کو سکھ آنند ہوئی پھر تھوڑی سی واں گھیر لے

یوں جلد چلے اُس نگری سے جوں پون سحر کے وقت چلے
پر ایک نہ پایا بر ایسا جو راجہ کے پر سند پڑے
تدبیر بہت سی کی لیکن جو چاہے سو تقدیر کرے
جو چاہے پھیرے کوئی اُسے کیا تاب جو مل پھر پھیر سکے
واں پھرتے پھرتے آخر کو کیلاس کے اوپر جا پہونچے
کی استت اور خوشوقت ہوئے سکھ پائے اُنکے درشن سے
کر ٹیکا اُسکا جلد بہت خوش ہوکر ماتھے پر شیو کے

جس آن پروہت کھینچ چکے وہ کیسر ٹیکا شادی کا
پھر واں سے اپنے دیس پھرے کر کاج مبارکبادی کا
واں گنپنے میں واں راجہ سے اس ٹیکے کی آ بات کہی
سن نانوں نند اشیو شنکر کا ہوئی راجہ کے گھر بہت خوشی

سب خویش کٹم دلشاد ہوئے اور راجا کو ہوئی خوشوقتی
کوئی بولی ہر دم خوش ہوکر ہو آئی سگائی گوراکی

گھر بار منڈلی ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی
کوئی گود چڑھا کر کہتی تھی آ میری گورا پیاری بتی

کوئی آنکھیں چومے پیار کرے کوئی ڈٹ بلائیں لیتی تھی
تب راجہ نے ہر پنڈت سے واں لگن مہورت کی پوچھی
دن ٹھہرا بیاہ میں آنے کا شبھ ساعت شادی لگن دھری
وہ پتری شیو کے پاس گئی ہے ہاتھ انھوں نے سب باچی

جب گھر گھر میں مشہور ہوئی یہ بات خوشی آنند بھری
سب بولے ماہ مہینے کی شبھ ساعت ہے اور نیک گھڑی
تب راجہ نے شیو شنکر کو اس بات کی پتری لکھ بھیجی
ہونادیا بیاہ سوار چلے اور آئے نگری راجہ کی +

واں آ کے اُترے بیاہنے کو تھا اُس جا اک میدان بڑا
خوش شوکت تو ملے جا و بھرے کر جوگی کا سامان بڑا
اب یاں سے آگے سنو یہ برنن اس آن
جب واں سے شیو نے کیا جوگی کا سامان

واں جانے پوچھے کون انھیں تھے یہ تو اترے جوگی بن
اک میلی گدڑی مچھ پڑی اور راکھ دھتورے کا بھوجن
جل چالن کریں اس شیو جس سے وہ تو نباتو تی کا برتن
اکھ راکھ بھرا اور لال آنکھیں کن مندرے کر میں اک سمرن
وہ راکھ ملی جو کہ تن پر وہ راکھ نہ تھی وہ تھا اُبٹن
وہ سمرن تھی یوں پہنچے پر جوں باندھے دولہا ہاتھ کنگن
وہ مندرے کانوں بیچ پڑے یوں جیسے موتی ہوں کانن

ترسول چکر تھا کاندھے پر اور رکھ بھر اسب لکھا اور تن
وہ سنکھ بدم تھا ال تاج وہ گھنٹا گھیر جھبلی دھن
اور سیس لٹائیں بکھر رہیں مرگ چھالا کا ڈالے آسن
اُس جوگی پن میں شیوجی کا تھا دولہا کا یہی زیور بن
اور لال شہانا باگا تھا وہ گیروا رنگا پیراہن
وہ سیس لٹائیں یوں بکھریں جوں باندھے سہرا نیک پھبن
وہ لڑیاں سیلی کی ایسی جوں زیور موتی زیب بدن

کچھ ٹھاٹھ نہ باجا گاجا تھا اور نہ کوئی سنگ میں ساتھی تھا
وہ آپ سدا شیو دولہا تھے اور نادیا بیل براتی تھا
اب یاں سے آگے سنو اُس جوگی کی بات
لوگوں نے جس دم سنی ملے ہر اک نے ہات

واں لوگ برات آنے کے تھے دن رات سبھی مشتاق بڑے
ہر چار طرف خوش وقتی سے کچھ بیٹھے تھے کچھ پھرتے تھے

معلوم نہ تھا یہ دولہا ہیں تھے راہ خوشی کی سب تکتے
واں سب نے جوگی جان انھیں پردیسی نگر پھرتے رہتے

یوں آن کے پوچھا جوگی جی کوئی دیکھی رات برات آئے
یہ بات سنی جب لوگوں نے تب ہنس کر سب بے ہوش گئے
یہ بات کہی اس جوگی کی تب راجہ بھی حیران ہوئے
سب محلوں اندر شور مچے یہ بھاگ تھے کیسے گورا کے
کوئی دیکھ کے صورت گورا کی رو دیوے ٹھنڈی سانس بھرے

اُس وقت سدا شیو ہنس بولے ہیں بیاہنے ہم ہی تو آئے
دل سُست ہوئے اور من کھٹکے پھر جا کر آگے راجہ کے
تحقیق کیا تو ٹھیک ہی تقدیر سے رو دے ہاتھ ملے
کوئی ماتھا کوٹے سیس دھنے کوئی آنسو ہر دم بھر لائے
کوئی بولے کروں کیا انے جو کرم لکھی ہو سو ہووے

واں جن جن نے یہ بات سنی افسوس اُسے فی الفور ہوا
جو چاہا تھا تو کچھ اور ہی تھا اور یہ گھٹ یاں کچھ اور ہوا
اب یاں سے آگے سُنو دھیان ادھر کو لائے
آ نزدہ جیسی ہوئی پاربتی کی ماے

رو جھینک ادھر ماں گورا کی سن جوگی پر یوں اُٹھ بولی
یہ میری گورا پاربتی بالی نیکی سُندر بھولی
مکھ جسکا چمکے چاند میں اور مصری ہونٹوں میں گھولی
ہر کنگن جسکا بیش بہا ہر پہونچی جس کی انمولی
تن پہ اکھڑے گدڑی اوڑھے کھا اکھڑ دھتورے کی گولی
نے محل مکان نے زر زیور نے بہل بیانہ رتھ ڈولی
اب لاج گئی کل میں موری سب دشمن بولیں کل بولی

یہ کیسی بیاہ آن بنی کس مشکل نے صورت کھولی
یہ مالی دھن اور دولت کی یہ پھول ترازو کی تولی
وہ الگن کھ پر چھوٹ رہیں کستوری نے جس بو لی
سو پیلے باندھی ایسے کے جو پہنے کنٹھا اور جھولی
سر کیس بکھیرے لال میں جوں لال بہادر کی گولی
چڑھ بیل بجا تا سنکھ پھرے بن برت کھاتا جھولی
تدبیر نہیں کچھ بن آتی تقدیر جو ہونی تھی ہولی

تھی میری گورا پیاری کی یہ بات چھٹی کی رات لکھی
کچھ اور نہ ہو ہوا نت وہی جو ماتھے میں ہو بات لکھی
اب یاں سے آگے سُنو شیو نے جب اُس آن
اپنی مایا سے کیسے کیا کیا واں سامان

تب راجہ نے تھی ترش ہو کر دربار پر وہ مہنت بلوائے
جب آئے تو یہ بات کہی یہ کیسا ٹھگ کر آئے

سب لوگوں نے بھی ناؤں دھرے تب جب شیو کے پاس آئے
جو بادنے جھاڑی خار و خسک اور بادل پانی چھڑکائے
نگیرے جھالر موتی کے کمخواب سنجر جھلکائے
منقش زری کے لچھے بھی پھر جا گہ جا گہ لٹکائے
پھر بھال لائچی لونگوں کے پھر خوب طرح سے چنوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے

بچھانا دیکھ پہ وہت کو واں ٹھاٹھ یہ شیو نے دکھلائے
بانات قناتیں شمیانے دل بادل تنبو تنوائے
کل فرش حریر اور دیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
کل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر منگوائے
جنگیر دھریں تنو زیب بھریں اور طرہ ہار بھی گندھوائے
جو ٹھاٹھ بڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جھمکائے

آکاس کے دیوت جتنے ہیں بن خوب برائی آن بھرے
وہ پہلا بھی میدان بھرا اور ویسے دس میدان بھرے
اب یاں سے آگے سنو خوش ہو کر ہر آن
جیسے شیو دولھا بنے اُس کا کیا بیان

جب بیٹھے شیو کی شادی میں کل تینتس کوٹھ جو ہیں دیوتا
اور سکر اور برہسپت بھی اور نارد منیجر بھی جن کا
اُسوقت خوشی سے سندر پر شیو بیٹھے بنکر یوں دولھا
ہر تار چمکتا چیرے کا اور تاش سنہرے کا باگا
ہر کان مرصع کندن تھے اور مکھ پر سونے کا سہرا
وہ موتی مالے گلے جھلکیں اور اُن میں لعلوں کی مالا
جب بیٹھے شیو یوں دولھا بن تب پریو نکا واں ناچ ہوا

بشن آپ تھے آئے اور برہما اور اندر نارد من اُس جا
وہ روپ سروپ بنا پریو شاکیں وہ اونچی شانیں زیب فزا
مکھ پان کی لالی کر مہندی اور آنکھوں بیچ لگا کجرا
اُس تار زری کے چیرے پر جوں مہر چمکتا کٹ دھرا
وہ سہرا مکھ پر یوں چمکے جوں سورج ہوئے کرن بھرا
وہ بانک جڑاؤ بازو بند اور کنگن پہنچے جھمک رہا
اور کرناسر ناجھانجھ بجے نقارے گونجے شور مچا

یہ ٹھاٹھ بنا کر دکھلایا جب شیو نے مایا اپنی کا
ہر چار طرف آنند ہوئی غل شور رہا خوش وقتی کا
اب یاں سے آگے سنو اس شادی کے طور
دیکھ اُسے جی سے خوشی لوگ ہوئے ہر ٹھور

یہ دھوم مچی واں آپسمیں کیوں لوگو کیسا یہ جوگی
ہرناری نکلی چھوڑ مندر رکھ من میں چاؤ تماشے کی
سب دیکھنے کو واں آن بھرے سو ٹھٹھ ہوئے اور بھیڑ لگی
جب دیکھا تو واں کوسوں تک ہے نور برات آکر اتری
ہوئی محلوں مندر بیچ خوشی اور عیش و طرب کی دھوم مچی
سکھ دیکھ کے خوش ہو بیٹی کا اور ماتھا چومے گھڑی گھڑی
کوئی دھن دھن بھاگ کہے رہ رہ کوئی واری ہو سو بار کی
ہم سمجھے اسکو جوگی تھے اور نکلا یہ تو راج یتی
اور بوڑھیاں بوڑھے طفل جواں اور کبڑے لنگڑے ہیں جی
یہ بات سنی جب راجہ نے تب چڑھ کر گھوڑے پر جلدی
خوشوقت ہوئے خوشحال ہوئے بر آئی سب منتا من کی
دل شاد ہو سب کہنے لگے ہاں گورا کی بھی شاد ہوئی
کوئی پاربتی کے پاؤں چھوئے کوئی ہو وے ہر دم بلہاری
اب جاؤ یہی اور چاہ یہی جو دیکھیں صورت دولہا کی

تھے جیسے جوگی دیکھ انھیں واں غم سے دل پامال ہوئے
جب ٹھاٹھ یہ دیکھے شادی کے سب شاد ہوئے خوشحال ہوئے
اب یاں سے آگے سنو بھوجن کے سامان
جس کی ہے تعریف سے میٹھا ہوا بیان

جب راجہ نے یہ حکم کیا تیاری ہوا اب بھوجن کی
حلوائی ہزاروں آبیٹھے کر گرم کڑھاؤ رکھ تھال نئی
پھر ڈالا خوب گلاب اسمیں اور ڈالیں ڈلیاں مصری کی
پھر لڈو بھی تیار کیے دے قند بہت بادام گری
وہ خوب جلیبی اور پھیلے وہ گھیور بالو سائی بھی
کی عرض یہ جاکر راجہ سے سب جنس وہ اب تیار ہوئی
جو حکم ہوا تھا اتنی تو سو خوبی سے بنوا ڈالی
منگوا کے میوا لاکھوں من اور بہوئے مصری شکر بھی
کر کھوئے سکھرے دودھ منگا اور ڈالی جھینی شکر تری
انبار لگائے پیڑوں کے اور ڈھیر گلابی اور برفی
براق بگلا اور خرمے بھی خوش رنگ امرتی بیر بلی
سب اتنے واں تیار ہوئے جو ہو رنہ دیکھنے کو پائی
ٹک دیکھو تم بھی آن اسے جو ہے کتنی اور ہے کیسی
جب راجہ نے بھی آنکھ اٹھا ہر جنس بہت ستھری دیکھی

مسرور ہوئے یہ کہہ من میں جس آن براتی آویں گے
سب اپنے من بھر کھاوینگے اور ڈھیر بڑے رہجاوینگے
اب یاں سے آگے سنو عیش خوشی کی بات

جیسے جیسے ٹھاٹھ سے شیو کی چڑھی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوش شوقی سے اسوار ہوئے
فانوسیں رنگیں جھلملیاں اور جھاڑ بڑی گلکاری کے
وہ پریاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمکڑے
بر سُر نا میں دھن میں ہیں کی اور کرنا ترئی جھانجھ بڑے
مردنگ منڈیلے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ہاتھی کنجل در کتے انباری ہودے اور نکلے
وہ جھاڑ مشعلیں ہنجشاخے سب روشن اونچے شعلوں کے

سب آگے پیچھے دولہا کے دلشاد براتی ساتھ چلے
ہر آن جڑاؤ چنور ڈھلیں اور سیس کے اوپر چھتر پھرے
نقارے نوبت طبل نشاں الغوزے بجتے اور ڈفلے
کر دھینسے دھوں دھوں باج رہے اور تاشے بجتے کڑ کڑ سے
وہ ڈھول دھمادھم شور کریں اور چھیتے بھی چھم چھم کرتے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹا لے
وہ صحرا جھمکا کوسوں تک اور اجالی جا پہونچے

وہ گھوڑے میانے گھوڑ بہلیں تھا اونچے پہیے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہولے ہولے چلتے تھے
اب یاں سے آگے سنو چلے جو بھولا ناتھ
اور براتی بھی ہوئے ایسے اُن کے ساتھ

پھر اور ہزاروں ساتھ چلے جو بہوت پری اور اچھیں تھے
ہر گردا نکا سوزن کا اور موٹے رسّوں کے ٹکے
کوئی ننگے سر وہ بال اُسکے جوں ناس پڑا دس بیس گز کے
کوئی ہاتھی بکھے کاندھے پر کوئی اونٹ بغل میں بجھا کے
کوئی سانپ گلے میں لپٹائے پھن اُنکے دم پر دم جھومے
کوئی گا دے بھاڑ گلا اپنا کوئی نرت کرے چکھ پھیری لے
کوئی ہاتھ نچاوے سر دہ کر کوئی نین خوشی سے مٹکاوے

ڈیل اونچے اُنکے بُرج سمن اور سیس بھی اُنکے گمٹ سے
اور گٹھڑوں پر طرّوں کی طرح تھے ساکھو کے برد کھے
کوئی منڈ کوئی رنڈ اور کوئی بن پانوں ناچے اور کودے
کوئی ارنا بھینسا گود لیے کوئی گینڈا سر پر بٹھلائے
کچھ لمبے سونٹے لوہے کے کچھ ہاتھ لیے بھاری لکڑے
کوئی شور کرے خوشحالی سے یوں جیسے ہاتھی چنگھاڑے
کوئی لمبے لمبے ڈگ رکھے کوئی دس بیس گز کی جست کرے

کچھ رنگ عجب کچھ ڈھنگ نئے سب ہنس ہنس دھج دکھلاتے تھے
بجتے دھوم مچاتے رہتے ہیں ہر آن اُچھلتے جاتے تھے

اب یاں سے آگے سُنو شادی کے اطوار
چلے سداشیو جس طرح پاربتی کے دُوار

جب دیکھا واں کے لوگوں نے وہ کوسوں تک کا اجیالا
سب بولے برات اب آتی ہے یہ شور اُجالا ہے اُس کا
وہ آتے جاتے جلد بہت جو دیکھتے واں سو کہتے آ
کوئی کہتا بہت براتی ہیں اور ساتھ لیے ہیں ٹھاٹھ بڑا
کوئی کہتا گھوڑے ہاتھی ہیں انبوہ رتھوں کا ہے آتا
یاں لوگ بہت سے آتے ہیں جتنا ہے بیچ کہاں یہ جا
پردھان کھڑے تھے جو آگے جب اُن سے اپنا بھید کہا

وہ سرنا کی آواز سنی اور نقاروں کا شور سنا
تب راجہ نے بھی بھیجدیا ہرکارے پروان ہرکارا
کوئی کہتا اب ان آپہونچے کوئی کہتا آئے اب اس جا
کوئی کہتا اتنے ہاتھی ہیں کچھ چھور نہیں جن کا ملتا
یہ باتیں سنکر راجہ نے گھبرا کے من کے بیچ کہا
یہ بھیڑ کب اسمیں مل بیٹھے کچھ بن نہیں آتا کریے کیا
یہ ٹھاٹھ جو اب یاں آتا ہے کچھ تم نے اسکا فکر کیا

وہ بولے کیا تدبیر کریں اور کیا کیا اسکا دھیان کریں
آجاوے اتنا ٹھاٹھ جہاں واں کس کس کا سامان کریں
اب یاں سے آگے سُنو باتیں ہیں یہ ٹھیک ٹھ
آئے شیو جس طرح واں دوارے کے نزدیک

جس آن برات آئی در پر یہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دُھن کرنا سُرنا کی اونچی
کل سب براتی چار طرف اور بیچ سواری دولھا کی
سب واہ کریں اور چاہ کریں اور ٹھاٹھ کو دیکھیں گھڑی گھڑی
وہ آئی تھی جو ساتھ لدی اور آتشبازی تھی چھٹتی
اک پہر تلک رہ وانکے پر واں پھول رہی پھلواری سی
وہ طبل بجیں اور ڈھولے بھی نقارے تاشے اور تُرئی

وہ پریاں ناچیں تختوں پر جھنکاریں طرح مجیرون کی
دروازے کوٹھے گونج رہے آواز سُہانی انکی بھی
سب چھجے چھجے کوٹھوں پر واں دیکھیں زینت اور خوبی
ہوں دیکھ کے صورت دولھا کی واں سو سو دل سے بلہاری
مہتاب انار اور پھلجھڑیاں بہت پھول ہوائی خوب چڑی
سب ہاتھی گھوڑے بیل اُچھلیں غل شور ہوا اور دھوم مچی
وہ ڈھول جھلی بجکے باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی

سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے دیکھ تماشے خوبی کے

کرو صفت بہت ہلبا رہوئے اُس دلھا کی محبوبی کے
اب یاں سے آگے سنو شادی کے رسم اور
جس کی ہر اک رسم سے جی خوش ہووے فی الفور

جب اجہ کے دروانے پر ہوئی آن برات اسطور کھڑی
جب سمدھی آئے ملنے کو اور سمدھ ملانے کی ٹھہری
جب دلھا ڈیوڑھی بیچ گئے تب نکلیں سندر سو چیری
وہ چاند سا مکھ وہ سر سہرا اور بیچے کنگنا تار زری
کوئی بولا دلھا خوب ملا اس دلھا کے میں بلہاری
کوئی دیکھ کے ہوتی شاد بہت کوئی وار کے پانی پیتی تھی
اسطور کہیں چھبن خوبی سے جو ہر اک منھ کو دیکھ رہی

سب باجے باجے دیر تلک اور چھوٹی آتشبازی بھی
اُس وقت بلایا دولھا کو تو ہووے زیب مسند کی بھی
لے آئیں مسند میں دلھا کو تو ہووے زینت مسند کی بھی
وہ روپ سہانا جب دیکھا ہوئی سب کے من کے بیچ خوشی
کوئی بولی میں اس دلھا پر اب واروں تن من بھر موتی
چھبن کہکر اُس جادو دلھا نے لی نیک اشرفی بہتیری
سب محلوں مندر بیچ ہوئی آنند خوشی اور خوش وقتی

جب بیٹھے دو دلھا مسند میں من بیچ خوشی کی بات لیے
جنماسے بیچ برات اُتری وہ ٹھاٹھ خوشی کا سات لیے
اب یاں سے آگے سنو اُس صورت کی بات
جنماسے میں جس طرح بیٹھی آن برات

کچھ جنماسے کے بیچ گئے کچھ بیٹھے جا دالانوں میں
کچھ آن براجے ڈیوڑھی میں مشغول خوشی کی باتوں میں
ہر چھور بجیں کرنا سرنا اور ترئی ڈھول بجی محلوں میں
اور باجیں نوبت جھانجھ بڑی اُس شادی کے رنگ رلیوں میں
کچھ میانے رتھ اور رنگھ بہلیں لا آن کھڑی کیں راہوں میں
تھے جتنے واں بازار بنے کچھ اُترے اُن بازاروں میں
جب جگہ نہ پائی بستی میں یاں کچھ اُترے شہر سوادوں میں

کچھ آنگن میں کچھ بیٹھک میں کچھ بیٹھے بالا خانوں میں
کچھ باہر آ کر بیٹھ رہے کچھ بیٹھے رتھ اور میانوں میں
ہر جانب دھونسے باج رہے نقارے بجتے کوچوں میں
کچھ ہاتھی بیٹھے کان ہلاتے ناچوں میں اُن دھوموں میں
کچھ گھوڑے اُچھلے بیل لڑے کچھ ہاتھی جھومے گلیوں میں
اور جتنے واں تھے باغ لگے کچھ اترے جا اُن باغوں میں
واں ڈیرے تمبو تان لیے اور بیٹھے خوش اُن ڈیروں میں

وہ بجتے واں جس جس طور اور پر کل فرحت کے آہنگ ہوے
غل شور ہوے اور ناچ ہوے اور راگ اٹے اور رنگ ہوے
اب یاں سے آگے سنو اس کا بھی لب تار
جس جس طور سے آن کر ٹھہری واں جیونار

جس وقت براتی بیٹھ چکے تب راجہ نے واں لوگوں کو
جب چاکر نوکر جلد چلے اور جھانسے میں آکر وہ
تم اب بھی جیمو اور انکو دلواؤ جنھیں دلوائے ہو
اس بات کو سنکر ہنس بولے ہر خوب ہے اتنی بات سنو
وہ گود اٹھا کر خوش ہوتے جیونار میں لائے دونوں کو
اک پڑھ نوالا کر بیٹھے پھر مچلے اب کچھ اور دیکھو
یہ بات کہی جب راجہ سے تب وہ بھی اپنی سدھ بدھ کھو

یہ حکم کیا اب خوبی سے ان سب کو جا کر بھوجن دو
یوں بولے اب سب کر پا کر جیونار مندر کے بیچ چلو
ہیں لگتے ڈھیر مٹھائی کے درکار ہوں جتنے اتنے لو
یہ دو بالک جو بیٹھے ہیں تم پہلے ان کو جیموا دو
تھے جتنے واں انبار لگے اور ڈھیر مٹھائی کے تھے جو
ان لوگوں کے تب ہوش گئے اور بھاگے واں سے لرزاں ہو
حیران ہوے اور چپ ہو گئے من بیچ بہت شرمندہ ہو

مغرور ہوے تھے کہہ کر یوں جا بھوجن کے انبار کریں
سو اس کی تو یہ شکل ہوئی اب کا ہے کو جیونار کریں
اب یاں سے آگے سنو خوش ہو کر یہ شان
جیسے دولہا کے ہوے پھیروں کے سامان

جب ساعت آئی پھیروں کی تب ٹھہری اس جا یہ خوبی
کچھ بیٹھے لوگ ادھر اودھر سب اپنے من کے بیچ خوشی
جب دولہا دولھن مل بیٹھے تب ریت ہوئی گٹھ جوڑے کی
سب پنڈت بیٹھے بید پڑھیں کوئی بیٹھا ڈالے شکر گھی
بھر تھال جواہر نیگ ملیں لیں جلد سوا اسی اور نگی
سکھ ساعت نیک مہورت سے وہ دولہا دولھن آپ بھری

گھر بیچ بلایا دولہا کو اور پھیروں کی تیاری کی
جو فرش مقرر ہو اس پر آ بیٹھے وہ دولہا دولھن بھی
وہ پنڈت آئے ہوم کیا سب لا کر اس کی چیز رکھی
گنیش کی پوجا کر کے واں پھر پوجا کی نوگرہوں کی
اور دے کے نیگ عائیں پھر سب دولہا دولھن کو بیگی
استو پھیرے مل آپس میں یہ ریت جو ہوئی پھیروں کی

جب پھیرے چار ہوئے آکر کُل عیش و طرب کی دھوم مچی
ہر چار طرف چمکی جھمکی خوشحالی خوبی خوش وقتی

ہر من میں سو سو عیش بھرے اور فرحت سے پہچان ہوئی
ہر جگ میں جو آنند خوشی وہ ظاہر سب اُس آن ہوئی
اب یاں سے آگے سنو اور بچن دو چار
آئے باہر شاد ہو دولھا جس اطوار

وہ پھیرے بھی جس وقت ہوئے اُس خوبی اور خوش وقتی سے
جو سکھیں اور معین وہ ان سکھیوں نے بھی سب شاد ہوئے
دس وز ہوئے ہر ٹہلے میں اور چادر آئے سب دل کے
شیو باہر آئے منڈل سے جوں سورج وقت سحر نکلے
وہ چیرا سر پر چمک رہا وہ مکٹ جڑاؤ بھی دمکے
تن پاگا جھلکے ہر ساعت اور لعلوں کی مالا چمکے
کچھ کانوں موتی چمک رہے کچھ بانہہ تلک جھمکے بازو کے
سو زیب جھمک سے خوش ہوتے آ مسند پر اپنے بیٹھے
وہ خوبی سو بھا دولھا کی سب دیکھیں واں کے لوگ کھڑے
سب جی کر خوش یہ بات کہیں یہ دولھا اور بر ٹھاٹھ بڑے
وہ دیکھیں اپنی آنکھوں سے ہوں جگ میں بھاگ بڑے جنکے
وہ راجہ رانی شاد بہت اور لوگ خوشی سب کہنے کے
وہ چیرا چیری بھی خوشدل اور نوکر چاکر خوش پھرتے
اُس نگری کے طالع چمکے اُن لوگوں کے بھی بخت کھلے

جس طور ہوئی وہ خوشحالی کب اُس کی حالت جائے کہی
ہر چار طرف خوش وقتی کے سو شور ہوئے اور دھوم ہوئی
اب یاں سے آگے سُنو بات خوشی آمیز
جو جو راجہ نے دیا اُس جا دان دہیز

جس آن ہوئے شیو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
پوشاکیں رنگیں زیب بھریں ہر تار پڑا جن کا جھمکے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ موتی ہیرے انمولے وہ لعل زمرد کے ڈبے
وہ کلسے نئے نئے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے محلوں بیچ بڑے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پاؤں تلک زیور پہرے
وہ کمبل جھول جھلکتی کے انباری چنیر اور ہودے
وہ گھوڑے گلگوں شکل ہوا زردوزی جن پر زین بندھے

چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
وہ رنگیں جھالردار رتھیں وہ بیل بہت جنکے اونچے
رتھ بہلیں اور گھڑ بہلیں وہ سب ٹھاٹھ چمکتے جنکے تھے
یہ ٹھاٹھ دکھا دروازے پر اور نقدی بوجھ اٹھانے کے

تھے جتنے شادی بیاہ نمت ساماں جو واں تیار ہوئے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سو انبار ہوئے
اب یاں سے آگے سنو راجہ نے اُس آن
جو باتیں شیو سے کہیں اُن کا کیا بیان

یہ ٹھاٹھ کیے دھن دولت کے تب راجہ شیو سے یوں بولے
کس لائق ہیں جو دیتے ہم اسباب تمہارے لائق کے
ہیں بھاگ ہمارے بہت بڑے جو چرن تمہارے ہم دیکھے
تم تھام نہ لیتے جو ہم کو پھر کیسے کیونکر ہم تھمتے
ہم چیز نہیں کچھ گنتی کی اور تم ہو لاکھوں خوبی کے
ہر وقت ہماری بانہہ رہو کر کرپا سے اپنی گہنے
تم لاج ہماری رکھنے کو ہر آن رہو کرپا کرتے
کچھ بن نہیں آیا جو ہم سے من پیج ہوئے ہم شرمندے
تم ایسے جگت پتا ایسے ہو جو پائے ہو لاکھوں ہم سے
اس نگری میں اس منڈل میں تم آئے اپنی کرپا سے
جو کرپا تم نے ہم پر کی کب شکت اس کی ہو ہم سے
اس آن دیا جو آپ نے کی وہ نیچھی کا ہے کو ہم نے
من پیج ہوئے ہم بہت خوشی اور بھاگ ہمارے جاگ اٹھے
جو من میں تھی سو بات کہی اب اور کہیں کیا ہم آگے

جب راجہ نے یہ بات کہی اور ہر دم ادھک ادینی کی
تب شیو نے ہنسکر راجہ کے واں من کی بہت تسلی کی
اب یاں سے آگے سنو من ادھر کو لائے
پاربتی واں جس طرح گھر سے ہوئی بدائے

جب شیو نے واں یہ حکم کیا تیاری ہو اب چلنے کی
یہ بات بدا کی سنتے ہی واں گورا کی ماں یوں بولی
من اسکا بہت ہی گھبرایا خوشی مت میلا کیجو اس کا جی
یوں کہکر بولی گورا سے مل مجھ سے میری پاربتی
اور آپ منڈپ سے اٹھ گئے تو ہوئے بدا واں دلہن کی
سب طور تم اسکے مالک ہو یہ چیری میں نے تم کو دی
یہ پیاری ہے من کی میرے اور روشنی میری آنکھوں کی
جب گورا پیاری دوڑ گلے واں اپنی ماں کے آ لپٹی

وہ ماں بھی روئی دیکھ اُسے اور روئیں جتنی تھیں گھر کی
ماں دیکھ کے روتی گورا کو کر پیار بہت یوں کہتی تھی
تو آنکھیں رو رو لال نہ کر میں تیرے سکھ کی بلہاری
کچھ اپنے من کے بیچ نہ لا میں تجھکو جلد بلاؤں گی
پھر آخر واں اُس روتی کو کر پیار بہت سا گھڑی گھڑی
چنڈول منگا کر ڈیوڑھی پر واں سب نے روتی بٹھلائی

سچ پوچھو تو ماں باپ کے تئیں ہے بیٹی سے یاں پیار بہت
جس وقت وہ بیاہی جاتی ہے جب ہوتے ہیں لاچار بہت
اب یاں سے آگے سُنو اتنی یہ بھی بات
جیسے واں اُس دیس سے شیو کی چلی برات

جب ڈیوڑھی سے چنڈول اُٹھا اور نوبے پر سو خوبی سے
نوچھاور اتنی کی اُس پر گل موتی پھول زری بکھرے
اُس وقت بہت خوشوقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
وہ خوبی حشمت چار طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
اسواری دولھا کی آگے چنڈول دُلھن کا تھا پیچھے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
اسباب دیے جو راجہ نے تھے اُس کے جاتے اونٹ لدے
وہ جتنے چیر اچیری تھے سب تھا دریانوں میں بیٹھے
وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب نیاری زین جھمکتے تھے
اُس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
غل شور خوشی کے چار طرف سب دیکھیں واں وہ ٹھاٹھ بڑے
جس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے
پھر ویسی ہی خوشوقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہونچے

یوں ٹھاٹھ ہوا یوں بیاہ ہوا بس اور نہ آگے اب بولو
ڈنڈوت کرو ہر آن نظیرؔ اور ہر دم شیو کی جے بولو

(۱۶۰)

مسدس

ہے صبر قناعت ساتھ میاں سب چھوڑ یہ باتیں لوبھ بھری
جو لوبھ کرے اُس لوبھی کی نہیں کھیتی ہوتی جان ہری
سنتو کھ تو کل ہرنوں نے جب حرص کی کھیتی آن چری
پھر دیکھ تماشے قدرت کے اور لوٹ بہاریں ہری بھری

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

ٹک اپنی ہمت دیکھ میاں تو آپ بڑا اوتاری ہے
ہر آن مرے ہے لالچ پر ہر ساعت لوبھ ادھاری ہے
پر حرص طمع کے کرنے سے اب تیرا نام بھکاری ہے
اس لالچ مارے لوبھ بھرے سب حرص ہوا کی خواری ہے

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص ہوا اور لالچ کی ہے دولت تیرے پاس دھری
ہاتھ آیا جب سنتوکھ درب تب دولت اوپر دھول پڑی
تو خاک سمجھ اس دولت کو کیا سونا روپا لال زری
کر عیش مزے سنتوکھ جن جے بول مرلیا والے کی

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص ہوا کے پیچوں کو جو لوبھی دل میں لیتے ہیں
جو ہاتھ پسارے لالچ کر وہ ماتھا کوٹ کے روتے ہیں
وہ چنتا مارے لوبھ بھرے نت خوار ہمیشہ ہوتے ہیں
اور ہاتھ جنھوں نے کھینچ لیا وہ پاؤں پسار کے سوتے ہیں

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

اس لوبھ بھرے کی لکھیوں کی جب منہ پر تیرے دھول پڑی
چل لوبھ کے سر پر جوتی مار اور لوبھی تن پر مار چھڑی
بے چین رہیگا ہر ساعت آرام نہ ہوگا ایک گھڑی
کر سمرن کنج بہاری کی جے بول مکٹ کی گھڑی گھڑی

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی ہم شنکر بولو ہری ہری

یہ شہد بڑا ہے لالچ کا اس میٹھے کو مت کھا پیارے
جو مکھی اس میں آن پھنسی پھر نکلے رہے لپٹا پیارے
یہ شہد نہیں یہ زہر بڑا اس زہر کو مت جا پیارے
سر پیٹ کے روئے ہاتھ ملے یہ لالچ بُری بلا پیارے

جب آسا انستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری

سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

یہ لوبھ بڑی پت کھوتا ہی اِن بھی لالچ مارے کی ۔ یہ لوبھ چمک کھو دیتا ہی ہر آن چمکتے تارے کی
تو ایک ٹکے کر لالچ پر بن صورت لال انگارے کی ۔ کر یاد مدن متوالے کی جی بول کنھیا پیارے کی

جب آ سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص ہوا کے پھندے میں تو اپنی عمر گنوا دیگا ۔ نہ کھانے کا پھل دیکھیگا نے پانی کا سکھ پاویگا
اک دن گز کپڑے تار سوا کچھ ساتھ نہ تیرے جاویگا ۔ ای لوبھی بندہ لوبھ بھرے تو مر کر بھی پچھتاویگا

جب آ سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص ہوا کی جھولی سے ہی تیری شکل بھکاری کی ۔ پر تجھ کو ابتک خبر نہیں ای لوبھی اپنی خواری کی
سنتو کھی سادھ سروپ تج مت نر اور ناری کی ۔ لے نام کشن من موہن کا جے بول اٹل بنواری کی

جب آ سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

ہی جبتک تجھ میں لوبھ بھرا تو چور اچکا ٹھگڑا ہے ۔ ہر پیچ برائی پگڑی سے جو سر پر تیرے پگڑا ہے
ہر آن کسی سے قصہ ہی ہر وقت کسی سے جھگڑا ہے ۔ کچھ من نہیں کچھ میٹھ نہیں سب حرص ہوا کا جھگڑا ہے

جب آ سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اب دنیا میں کچھ خبر نہیں اس لوبھی کے نستارے کی ۔ ہر کیچڑ اس پر لپٹ رہی سب حرص ہوا کے گارے کی
کیا کہئے واں کی بات نظیر اُس لوبھی لوبھ سنوارے کی ۔ سب ٹال رولا کر جی بولو اس بات کی نند لالے کی

جب آ سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتو کھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

(۱۶۱)

مسدس کریما

در مناجات باری تعالےٰ

سدا دل سے اے مومنِ پاکباز
بوقت مناجات باصد نیاز
وضو کرکے پڑھ پنج وقتی نماز
یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کرکے دراز

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

الٰہی تو ستار و غفار ہے
نہ حامی کوئی نے مددگار ہے
سراپا گنہوں کا انبار ہے
اب اس بیکسی میں تو ہی یار ہے

نداریم غیر از تو فریادرس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوے جرم تجھ سے صغیر و کبیر
ذرا خوابِ غفلت سے چونک اے نظیرؔ
پڑا ہے تو دامِ گنہ میں اسیر
دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر

نگہدار مارا ز راہِ خطا
خطا در گذار و صوابم نما

در ثنائے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ترا دوست ہے وہ جو خیر الوریٰ
کہاں وصف ہو مجھ سے اُس کا ادا
محمد نبی مالکِ دوسرا
ولیکن ہے میری یہی التجا

زباں تابود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمد بود دلپذیر

وہ شاہِ دو عالم امیرِ اُمم
بنے واسطے جس کے لوح و قلم
سدا جس کے پیچھے ملائک قدم
کروں اُس کا رتبہ میں کیونکر رقم

حبیبِ خُدا اشرفِ انبیا
کہ عرشِ مجیدش بود متکا

اگرچہ وہ پیدا ہوا خاک پر
گیا خاک سے پھر وہ افلاک پر
مرا جی فدا اُس تنِ پاک پر
تصدق ہوں میں اُس کے فتراک پر

سوارِ جہاں گیر یکراں بُراق
کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق

خطاب بہ نفس

سفیدی نے ڈالا سیاہی کو دھو
گئی نہ لڑکپن کی تجھ میں سے بو
ذرا اب تو اے مست ہشیار ہو
یہ کیا قہر ہے اے دلِ زشت خو

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نگشت

کیا تو نے نامہ عمل کا سیاہ
اُٹھایا نہ دُنیا سے کچھ زادِ راہ
تجھے اپنی غفلت پہ کچھ ہے نگاہ
غرض اور ہیں. کیا کہوں تجھ سے آہ

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی
دمے با مصالح نپرداختی

رہا عمر بھر تو گنہ میں اسیر
گر اب کچھ رہائی کی فکر اے شریر

کمانِ اجل نت لگائے ہے تیر ۔ اگر کچھ سمجھ ہے تو پھر کر نظیر

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

در مدحِ کرم

کرم کی ہیں کیا کیا کہوں خوبیاں ۔ کرم کے ہیں مدّاح اہلِ جہاں
کرم ہے نکو نامیِ جاودان ۔ جو کچھ فہم ہے تو یہ تحقیق جان

دلا ہر کہ بنہاد خوانِ کرم
بشد نامدارِ جہانِ کرم

کرم میں وہ خوبی ہے اے مہرباں ۔ کہ ہوتا ہے جس کا ہر اک جا بیاں
زباں سے قلم سے قدم سے میاں ۔ کیا کر کرم اور یقیں اُس کو جان

کرم نامدارِ جہانت کند
کرم کامگارِ امانت کند

کرم کی بہت خوب ہے رسم و راہ ۔ کرم کی ہر اک وقت ہے واہ واہ
کرم سے ہے عیش و طرب عزّ و جاہ ۔ کرم سے ہے سب رُتبہ و دستگاہ

کرم مایۂ شادمانی بود
کرم حاصلِ زندگانی بود

کرم یاں جنھوں نے کیا ہے مدام ۔ ہوئے ہیں بزرگی سے وہ نیکنام
اُنھیں لوگ کرتے ہیں جھک کر سلام ۔ کرم کا نہایت بڑا ہے مقام

درائے کرم در جہاں کار نیست
وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست

کرم سب کو دنیا میں آیا پسند — ہوئے ہیں جہاں میں وہی سربلند
کرم کا ہے رتبہ بہت ارجمند — کرم کر سدا گر ہے تو ہوشمند

دل عالمے از کرم تازہ دار
جہاں را ز بخشش پرآوازہ دار

کرم میں جو رکھتے ہیں اپنا قیام — تو اُن کا ہی رہتا ہے دنیا میں نام
نظیر اب تجھے ہے یہ لازم مدام — گھڑی پہر دن رات اور صبح و شام

ہمہ وقت شو در کرم مستقیم
کہ ہست آفرینندۂ جان کریم

در صفت سخاوت

سخاوت کی دنیا میں ہے جس کو چاہ — تو اُس پر نہایت ہے فضل الٰہ
ہوا وہ خلائق میں باعز و جاہ — یہی بیت ہے اس سخن کی گواہ

سخاوت کند نیک بخت اختیار
کہ مرد از سخاوت شود بختیار

خدا نے اگر تجھ کو زر ہے دیا — تو کھا تو بھی اور غیر کو بھی کھلا
جو چاہے کہ ہووے نہ اہلِ عطا — تو مقدور تک اپنے اے دلربا

بلطف و سخاوت جہانگیر باش
در اقلیم لطف و سخا میر باش

خدا کی عنایت ہے جس شخص پر — سخاوت کا وہ سیکھتا ہے ہنر
بڑی قدر ہے اُس کی اے بہرہ ور — سخاوت کرے جو ہے صاحب نظر

سخاوت بود کار صاحبدلاں

سخاوت بود پیشۂ مقبلاں

ہمیشہ سخاوت کر اے مہرباں
ستا دے گا تجھ کو نہ کوئی بیاں
تو سب عیب تیرے رہیں گے نہاں
نہیں کہہ گیا سعدیٔ خوش بیاں

سخاوت مسِ عیب را کیمیاست
سخاوت ہمہ دردہا را دواست

سخاوت جو کرتے ہیں یاں اختیار
نظیر اب ہو تو بھی سخاوت شعار
وہی ہیں جہاں میں بڑے ہوشیار
کہ راضی سخی سے ہے پروردگار

مشو تا توان از سخاوت بری
کہ گوے بہی از سخاوت بری

در مذمت بخیل

بخیلی کا پیشہ ہے جس نے کیا
نہیں اُس کے ملنے میں کچھ فائدا
وہ ہوتا ہے یاں گنج کا اژدہا
کنارہ ہے سب صورتوں میں روا

اگر چرخ گردد بکام بخیل
ور اقبال باشد غلام بخیل

سوا اس کے یہ بھی کیا ہے رقم
نحس اُس کو کہتے ہیں اہلِ کرم
کہ نام اُس کا لیتے نہیں صبحدم
سمجھتے ہیں وہ روزہ گر ہے بھی کم

اگر در کفش گنج قاروں بود
دگر تابعش ربع مسکوں بود

جو حشمت بڑی اُس نے پائی ہو یاں
تو اُس میں بزرگوں کا ہے یہ بیاں
نہ اُس کو گر دولت جاوداں
اگر تجھ کو حاجت ہے تو بھی میاں

مکن التفاتے بمال بخیل
مبر نام مال و منال بخیل

وہ ہے گو جہاں میں بڑا مالدار
ذلیل اُس کو کہتے ہیں سب اور خوار
ولیکن وہ نظروں میں ہے بیوقار
کچھ اُس کی نہیں قدر اے ہوشیار

بخیل ارچہ باشد توانگر بمال
بخواری چو مفلس خورد گوشمال

اگرچہ عبادت ہے اُس کا چلن
بڑے زہد کرتا ہے دل سے کٹھن
ریاضت میں کھینچے ہے رنج و محن
ولے شاہد اس شعر کا یہی ہے سخن

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتے نہ باشد بحکم خبر

جو زر ہے ترے پاس اے مہرباں
بخیلی میں ہووے گا تیرا زیاں
تو خرچ اُس کو کر راہ حق میں میاں
نظیر اُس سخن کو تو تحقیق جان

سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غم سیم و زر می خورند

درصفت تواضع

تواضع کی خوبی ہو کیا کیا بیاں
جو کرتا ہے رسم تواضع عیاں
یہ پستی بلندی کی ہے نردباں
اُسے دوست رکھتے ہیں اہل جہاں

دلا گر تواضع کنی اختیار
شود خلق دنیا ترا دوستدار

جو چاہے ملیں تجکو اخلاص مند
تواضع کی کر اُن سے پائیں دوچند

کہ آویں ترے کام سب کو پسند
بزرگوں کا ہے یہ کلام بلند

تواضع بود مایۂ دوستی
کہ عالی بود پایۂ دوستی

اگر ہے ترے دل میں یہ مدّعا
کیا کر تواضع یہی ہے بھلا
کہ عالم میں رتبہ ہو تیرا بڑا
ہر اک اہل معنی نے یوں ہی کہا

تواضع کند مرد را سرفراز
تواضع بود سروران را طراز

بدن تو نے پایا جو انسان کا
تکبّر تو ہے کام شیطان کا
تو ہرگز نہ کر کار حیوان کا
تواضع ہے باعث تری شان کا

تواضع کند ہر کہ ہست آدمی
نزیبد ز مردم بجز مردمی

بڑی یوں تو دولت کی ہیں خوبیاں
کہ یاں نام اور سیر فردوس واں
دلے ہے تواضع کی وہ عزّ و شاں
کہا ہے بزرگوں نے اے مہرباں

تواضع کلید در جنت است
سرافرازی و جاہ را زینت است

تواضع اگر ہوگا تیرا شعار
تواضع کو مت چھوڑ اے ہوشیار
بڑھے گا ترا سب میں عزّ و وقار
یہ معنی ہیں اس بیت کے آشکار

تواضع بود حرمت افزاے تو
کند در بہشت بریں جاے تو

اگر ہے جہاں میں تجھے دستگاہ
تواضع سے بڑھتی ہے توقیر و جاہ
تواضع پہ لازم ہے ہر دم نگاہ
یقیں کر تو ہے قول سعدی گواہ

تواضع زیادت کند جاہ را
کہ از مہر پرتو بود ماہ را

اگر چاہیے تجھکو یاں اعتبار
کرے تجھکو دل سے ہر اک شخص پیار
بزرگی ملے اور بڑا ہو وقار
تو اس کو یقیں جان اے غمگسار

تواضع عزیزت کند در جہاں
گرامی شوی پیش دلہا چو جاں

دل اپنے میں تخم تواضع کو بو
تواضع بغیر ایک دم کو نہ ہو
عمل کا ترے کھیت تو سبز ہو
یہی یاد رکھ دل میں اے نیک خو

کسے را کہ عادت تواضع بود
ز جاہ و جلالش تمتع بود

ملے تجھ سے جو اُس سے جھک کر تو مل
تواضع کو رکھ آپ سے متصل
کھلا غنچۂ دل کو اور تو بھی کھل
بلندی اسی میں ہے اے صاف دل

تواضع مدار از خلائق دریغ
کہ گردن ازاں برکشی ہمچو تیغ

ملی جن کو ہے عقل میں امتیاز
ثمر سے ہے ڈالی کو جھکنے میں ناز
وہی جھکتے ہیں سب سے با صد نیاز
اسی بات میں سب پہ کھلتا ہے راز

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

تواضع جو کرتے ہیں اس جا امیر
وہ ہوتے ہیں سب کے بہت دلپذیر
وہ ہیں نیک سب پیش صغیر و کبیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہ بات اے نظیر

تواضع ز گردن فرازاں نکوست

گدا اگر تواضع کند خوے اوست

نہیں پاس رکھتا جو یاں سیم و زر
اُسے لوگ کہتے ہیں نیکو سیر
اور اُس میں تواضع کا کچھ ہے اثر
وے قول سعدی ہوا ہے پر گہر

کسے را کہ گردن کشی در سر است
تواضع از و یافتن خوش تر است

در مذمت تکبّر

تکبر جو کرتا ہے یاں ہر گھڑی
تکبر سے ہے ربط بیدا کنشی
وہ کھینچے ہے آخر کو شرمندگی
اگر ہے تو عاقل تو بھولے سے بھی

تکبر مکن زینہار اے پسر
کہ روزے ز دستش درآئی بسر

تکبر جو کرتا ہے یاں اختیار
حذر اُس سے رکھتے ہیں اہل وقار
وہ رہتا ہے لوگوں کی نظروں میں خوار
یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار

کسے را کہ خصلت تکبر بود
سرش پر غرور از تصور بود

تکبر سے ہوتا ہے جو آشنا
تکبر سے کر خوف اے پارسا
وہ بیگانۂ عقل ہے دائما
تکبر کی نرشتی کہوں کیا بھلا

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

بہت کھینچتا ہے جو اپنے تئیں
جو ناداں ہیں واقف وہ اس سے نہیں
وہ گرتا ہے آخر بروئے زمیں
ولیکن یقیں جان اے ہمنشیں

تکبر بود عادت جاہلاں
تکبر نیاید ز صاحب دلاں

جنھیں عقل اور ہوش کا ہے خیال
نہیں چلتے ہرگز تکبر کی چال
وہ رکھتے ہیں یاں عاجزی کے خصال
یہاں اس سخن کی یہی ہے مثال

تکبر بود مایۂ بدبری
تکبر بود اصل بدگوہری

تکبر کی زشتی ہے سب پر عیاں
سمجھ بوجھ مت کر تو اپنا زیاں
سنا تو نے کچھ کچھ تو اُس کا بیاں
نظیر اب تعجب ہے یہ درمیاں

چہ دانی تکبر چرا مے کنی
خطا مے کنی و خطا می کنی

در فضیلت علم

جسے دولتِ علم کہتے ہیں یاں
نہ کر جہل پڑھ دل سے اے مہرباں
وہی دولت بے خطر ہے میاں
کہ ہے علم ہی دولت جاودان

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

فضائل کی تجھ کو اگر ہے ہوس
وگر معرفت چاہے اے نکتہ رس
پڑھا کر تو اندر علم سے کر نہ بس
تو ہر حال میں ہر گھڑی ہر نفس

چو شمع از پے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

تجھے علم تحصیل کرنا ہے یاں
تلاش اُس کی ہے فرض تجھ پر میاں

اسی کی تو خواہش میں رہ ہر زماں
یقین جان لے اس کو اے مہرباں

طلب کردن علم شد بر تو فرض
دگر واجبست از پئش قطع ارض

عجب دولت علم کا ہے اثر
بڑھے دمبدم اور رہے بے خطر
کرے خرچ اس کو جو شام و سحر
جو بے علم ہے کیا وہ سمجھے مگر

خردمند باشد طلبگار علم
کہ گرم است پیوستہ بازار علم

اسی فن کو کہتے ہیں کسب کمال
اسی سے دلائل اسی سے مثال
اسی کی کتابوں میں ہے قیل و قال
تو لازم ہے یوں اے ہمایوں خصال

بزن دامن علم گیر استوار
کہ علمت رساند بہ دار القرار

اسی سے معارف کی تحریر ہے
اسی سے معانی کی تفسیر ہے
اسی سے حقائق کی تقریر ہے
یہی نیک بختی کی جاگیر ہے

کسے را کہ شد در ازل بختیار
طلب کردن علم کرد اختیار

فقیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
وزیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
امیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
دبیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ

ترا علم در دین و دنیا تمام
کہ کار تو از علم گیرد نظام

یہی علم سب کی توقیر ہے
جو بے علم ہے اس کی تحقیر ہے
بزرگی کی چہرے پہ تنویر ہے
نظر اب یہی نیک تدبیر ہے

میاموز جز علم گر عاقلی
که بی علم بودن بود غافلی

در امتناع از صحبت جاہلان

نہیں علم ہے یاں جنھوں نے پڑھا — اُنھیں لوگ کہتے ہیں جاہل سدا
نہیں بیٹھ تو پاس اُن کے ذرا — غرض اُن کے نزدیک ہرگز نہ جا

دلا گر خردمندی و ہوشیار
مکن صحبت جاہلاں اختیار

جو ہے جاہل اُس کے نہ جا متصل — نہ اُس کے سخن سے تو جوں غنچہ کھل
سدا دور ہو اُس سے ہرگز نہ مل — جو چاہے بزرگی تو اے صاف دل

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش
نیامیختہ چوں شکر شیر باش

نہ کر ربط جاہل سے ہرگز بجاں — ترا اُس کے ملنے سے ہوگا زیاں
حذر دل میں کر اُس سے تو ہر زماں — کہا ہے بزرگوں نے یوں اے میاں

ز جاہل حذر کردن اولے بود
کزو ننگ دنیا و عقبےٰ بود

جو کرتا ہے جاہل وہ بہتر نہیں — جو کہتا ہے جاہل وہی بدتریں
سمجھ نیک اُس کو نہ اے خوش یقیں — کہ جاہل ہے بدعاقبت اور لعیں

ز جاہل نیاید جز افعال بد
وزو نشنود کس بجز اقوال بد

نہ کر جاہلوں کی محبت پسند — نہ ڈال اپنی گردن میں ہرگز کمند

نہ دے اُس کی اُلفت میں دل کو گزند
یہ قول بزرگاں ہے اے ہوشمند

ترا اژدہا گر بود یارِ غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

جہالت میں رہتا ہے جو مبتلا
نہیں اُس کو عقبےٰ سے حاصل ذرا
ہے اور اک جن کا نہایت رسا
انھیں نے ہے تصدیق دل سے کیا

سر انجام جاہل جہنم بود
کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

تجھے عاقلوں سے جو صحبت ہو یاں
غنیمت سمجھ اُن سے ملنا میاں
عداوت سے اُن کی نہیں کچھ زیاں
یہ قول بزرگاں ہے اے مہرباں

اگر خصم جان تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

جنھوں نے جہالت کا شیوہ کیا
ہر اک اُن سے رہتا ہے دل میں خفا
کسی نے نہیں اُن کو رتبہ دیا
سبھوں نے یہی اُن کے حق میں کہا

سر جاہلاں بر سر دار بہ
کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

جہالت کا جس شخص میں ہے خمیر
وہ رہتا ہے خفت میں ہر دم اسیر
ذلیل اُس کو کہتے ہیں برنا و پیر
جو دیکھا تو سچ بات ہے اے نظیر

چو جاہل کسے در جہاں خوار نیست
کہ ناداں تر از جاہلی کار نیست

در صفت عدل

ہوا ہے جو عالم میں تو بادشاہ
سبب عدل ہے اس عنایات کا
دیا ہے تجھے ملک و تاج و لوا
سمجھ یہ سخن اے شہ مہ لقا

چو ایزد ترا این همه کام داد
چرا بر نیاری سرانجام داد

کرے گا جو تو عدل کا کاروبار
عدالت سے ہے رتبۂ شہریار
بڑھے گا ترا جاہ اور اقتدار
تو رکھ یاد اے خسروِ کامگار

چو عدل است پیرایۂ خسروی
چرا عدل را دل نداری قوی

جو کرتے ہیں یاں عدل کا انتظام
صفت اُن کی ہوتی ہے ہر صبح و شام
وہ رہتے ہیں عالم میں نت نیک نام
سمجھ اس کو اے شاہِ عالی مقام

چو نوشیروان عدل کرد اختیار
کنون نام نیک است ازو یادگار

رہے گی تری عدل پر جو نگاہ
اگر ہے تجھے مال و حشمت کی چاہ
تو دولت رہے گی تری دیرگاہ
تو اُس کو یقیں جان اے بادشاہ

ترا مملکت پایداری کند
اگر معدلت دستیاری کند

جو عادل رہے گا تو شام و سحر
رہے گی تری مملکت خوب تر
کہیں گے تجھے خسرو دادگر
یہ خوبی جو چاہے تو اے بہرہ ور

جهان را بانصاف آباد دار
دل اهل انصاف را شاد دار

کرے گا جو تو معدلت روز و شب
تو ہوگا ترا سب میں عادل لقب

تری نیک نامی کا ہے یہ سبب | سمجھ اس کو اے شاہِ عالی نسب

ترا زیں بہ آخر چہ حاصل بود
کہ نامت شہنشاہِ عادل بود

بڑھائے یہاں عدل عزّ و وقار | وہاں بھی ملے رتبۂ و اعتبار
عدالت سے ہوتے ہیں سب کامگار | اسے گوش دل سے سن لے شہریار

جہاں را بہ از عدل معمار نیست
کہ بالا تر از معدلت کار نیست

ہوئی جس کو یاں معدلت دلپذیر | بڑا صاحب بخت ہے وہ امیر
بہت خوش ہیں اس سے صغیر و کبیر | جو کی غور دل میں تو سچ ہے نظیر

ز تاثیر عدل ست آرام ملک
کہ از عدل حاصل شود کام ملک

در مذمّت ظلم

سعادت سے ہوتے ہیں جو بہرہ ور | تعدی وہ کرتے نہیں اور پر
سعادت کا ہے کب ستم میں اثر | میاں اس سخن کو بدل غور کر

اگر خواہی از نیک بختی نشاں
در ظلم بندی بر اہل جہاں

ہر اک دل کو ہے خوف اس سے بڑا | کسی پر نہ رکھ ظلم کو تو روا
ستم کا ہے پیشہ نہایت برا | جو چاہے زمانے میں اپنا بھلا

مدہ رخصت ظلم در ہیچ حال
کہ خورشید ملکت نیابد زوال

گُل حلم کی گر تو دیکھے بہار تو کر ظلم کا دور خاطر سے خار
نہ بیداد سے رکھ کسی دل پہ بار سمجھ لے یہی بات اے کامگار

خرابی ز بیداد بیند جہاں
چو بستان خرم ز باد خزاں

ترے گھر جو ہے سلطنت کا نشاں تو کر ظلم کو شہر سے بے نشاں
اسی میں ہے بس راحت جاوداں یہی تجھ کو لازم ہے اے مہرباں

رعایت دریغ از رعیت مدار
مرادِ دل داد خواہاں برآر

جو کرتا ہے یاں ظلم کو اختیار وہ ہوتا ہے دنیا و عقبیٰ میں خوار
بُرا اس کو کہتے ہیں لیل و نہار سمجھ رکھ یہی بات اے تاجدار

ستم بر ضعیفان مسکیں مکن
کہ ظالم بدوزخ رود بے سخن

ستم کی نہ چل ایک دم بھی تو راہ ستانا دلوں کا بڑا ہے گناہ
نہ کر ظلم سے خلق کو تو تباہ رکھ اے باہنر اس سخن پر نگاہ

ستمکش گر آہے بر آرد ز دل
زند سوز او شعلہ در آب و گل

سکھاوے تجھے ظلم کا جو شعار ترا دشمن جاں ہے وہ نابکار
اُٹھا آہ کا مت دلوں سے شرار اگر خیر چاہے تو اے کامگار

بآزارِ مظلوم مائل مباش
ز دودِ دل خلق غافل مباش

ستم کی روش جس نے دنیا میں کی ہوئی اُس کو حاصل نہ کچھ بہتری

ملی عاقبت میں بھی شرمندگی
جو کچھ ہوش ہے تجھ میں تو اے نوی

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بیندیش آخر ز تنگی گور

جو کرتا نہیں ظلم سے اجتناب
سمجھتا نہیں ہے وہ خانہ خراب
وہ ہوتا ہے آخر اسیر عقاب
ستانا ذبوں کا بڑا ہے عذاب

مکن مردم آزاری اے تند رلے
کہ ناگہ رسد بر تو قہر خدائے

ستم کی جو رکھتا ہے یار و بنا
نظیر اس سخن کو کہے تا بجا
تو رہتے ہیں سب لوگ اُس سے خفا
یہ نکتہ ہے اہل خرد کا بجا

کسے کا تش ظلم زد در جہاں
بر آورد از اہل عالم فغاں

درصفت قناعت

خدا کا بڑا جس پہ احسان ہے
بڑی آبرو اُس کی اور شان ہے
قناعت کے گھر کا وہ مہمان ہے
خوشی خرمی اُس کو ہر آن ہے

دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

قناعت کی دولت ہے جس پاس یاں
نہیں خطرہ آتا کوئی درمیاں
وہ رہتا ہے آرام سے ہر زماں
تو دنیا کی دولت سے اے مہرباں

غنی گر نباشی مکن اضطراب
کہ سلطاں نخواہد خراج از خراب

قناعت سے ہوتا ہے جو بہرہ ور
نہیں دیکھتا ہے کسی کا وہ در
بصد عیش رہتا ہے وہ اپنے گھر
اسے غور کر دل میں اے پُر ہنر

قناعت توانگر کند مرد را
خبر دہ حریص جہاں گرد را

فقیری کے رتبے پہ کی جب نگاہ
تو اس کا ہے کچھ اور ہی عزّ و جاہ
اگرچہ ہے سختی سے ہونا تباہ
دلے جان سے اُسکو لطف الٰہ

نہ دارد خردمند از فقر عار
کہ باشد نبی را ز فقر افتخار

قناعت کی دولت ہے یاں اس قدر
نہ پہونچے جسے دولت سیم و زر
ہر اک وقت رہتی ہے حق پر نظر
جو دیکھا تو دنیا میں شام و سحر

غنی را زر و سیم آرایش است
ولیکن فقیر اندر آسایش است

قناعت ہے سرمایۂ افتخار
قناعت میں ہے خوبیٔ اعتبار
تجھے جس طرح رکھے پروردگار
اُسی میں تو راضی رہ اے دوستدار

قناعت بہر حال اولیٰ تر است
قناعت کند ہر کہ نیک اختر است

قناعت سے ہوتا ہے جو آشنا
وہی کام کرتا ہے یاں عقل کا
اُسے دے ہے عشرت کا عسرت مزا
جفائے فلک سے تو اے باصفا

اگر تنگدستی ز سختی منال
کہ پیش خردمند ہیچست مال

گر اب دل جو ہو قناعت منیر
وہ ہے مورد نورِ لطفِ قدیر

اُسے لوگ کہتے ہیں روشن ضمیر | تجھے بھی ہے لازم بیاں بے نظیر

ز نورِ قناعت برافروز جاں
اگر داری از نیک بختی نشاں

در مذمّت حرص

تجھے ہے یہ حرص کا جو نشا | اسی سے نہیں ہوش تیرا بجا
میاں یہ تقاضا نہیں عقل کا | سوا اس سخن کے کہوں تجھ سے کیا

ایا مبتلا گشتہ در دامِ حرص
شدہ مست و لایعقل از جامِ حرص

جو لالچ سے ہے جمع تو نے کیا | فراہم کرے گا گر اس کے سوا
نہیں اُس سے مطلق تجھے فائدا | یہ ہمراہ تیرے نہیں جائے گا

گرفتم کہ اموالِ قاروں تراست
ہمہ دولتِ رُبعِ مسکوں تراست

یہ اسباب ہے جو ترے رُوبرو | سمجھ نہ اپنا اسے تو کبھو
نہ کر اس کی تحصیل میں جستجو | نہیں حالِ قاروں سے آگاہ تو

بزاری شد آخر گرفتارِ خاک
چو بیچارگاں با دلِ دردناک

جو لینا ہے کچھ زندگی کا مزا | تو خوش ہو اسی میں جو کچھ مل گیا
میاں حرص کی راہ ہرگز نہ جا | سمجھ اس سخن کو تو دل میں ذرا

ہر آنکس کہ در بندِ حرص اوفتاد
ز بر خرمن زندگانی مباد

نہ رکھ حرص کا دوش پر اپنے بار
یہ کرتا نہیں ایک جا پر قرار
نہیں زر کے رہنے کا کچھ اعتبار
تو اس آتش غم میں کیوں لیل و نہار

چرا می گذاری ز سودائے زر
چرا می کشی بار محنت چو خر

نہیں حرص کی کچھ بھلی رسم و راہ
دکھا دے گی ذلت تجھے حب جاہ
تو اپنے تئیں اس میں مت کر تباہ
تو بیتاب ہو کر میاں خوانخواہ

چرا می کنی محنت از بہر مال
کہ خواہد شدن ناگہاں پائمال

اگرچہ رواں زر سے ہیں کاروبار
ذرا صبر کر اور نہ ہو بے قرار
پر اتنی بھی مت حرص کر اختیار
کہاں تک کہوں تجھ سے اے میرے یار

چناں عاشق روئے زر گشتۂ
کہ شوریدہ احوال و سرگشتۂ

نہ ہو حرص کا اس قدر آشنا
نہیں اس میں حاصل ندامت سوا
تجھے حرص کرنے میں خوبی ہے کیا
کہوں کیا تجھے تو ہے زر پر فدا

چناں دادۂ دل بہ نقش درم
کہ ہستی ز ذوقش ندیم ندم

تجھے حرص کرنے سے کچھ بھی ہے ڈر
یہی دھیان ہے تجھ کو شام و سحر
نہیں نفع اس میں تجھے جز ضرر
درندوں سے ہے نفس تیرا بتر

چناں گشتۂ صید بہر شکار
کہ یادت نیاید ز روز شمار

اگر زندگی کا تو ہے قدرداں
تو زر کی ہوس میں نہ کر رائگاں

بھلے اور بُرے میں تفاوت یہاں
اگر جانتا ہے تو اے مہرباں

مکن عمر ضائع بہ تحصیل مال
کہ ہم نرخ گوہر نہ باشد سفال

جسے دولت دیں ہے یاں دلپذیر
نہ ہو فکر دنیا میں ہرگز اسیر
اُسی کو ہے واں شاد مانی کثیر
کہا ہے بزرگوں نے یوں اے نظیر

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

درصفت وفا

محبت میں ہیں وہ جو اہل وفا
بہت معتمد ہیں وفا آشنا
تو اُن کا ہے اُلفت میں رتبہ بڑا
اگر تجھ کو بھی چاہیے مرتبا

دلاور وفا باش ثابت قدم
کہ بے سکہ رائج نہ باشد درم

جو ثابت قدم دوستی میں جیے
محبت کی تو بھی اگر سے پیے
دل اپنے وفا میں اُنھوں نے دیے
تو کیجو نہ ترکِ وفا کس لیے

بود بے وفائی سرشتِ زناں
میاموز کردار زشتِ زناں

جو چاہے کہ سب خلق ہو دوستدار
اگر دوستی کے چمن کی بہار
تو کر دل سے مہر و وفا اختیار
تجھے دیکھنی ہے تو اے گلعذار

مکن بے وفائی چو دور سپہر
متاب از رخ دوستاں روے مہر

جو ملتا رہے گا تو یاروں سے یاں | تو پھر خوش رہے گا دل دوستاں
وگر ان سے ہوگا جدا اک زماں | تو پھر قول استاد کا ہے عیاں

جدائی ز احباب کردن خطاست
بریدن ز یاران خلاف وفاست

نہیں جن کے دل میں وفا کا نشاں | وہ شرمندہ یاروں سے رہتے ہیں یاں
سبک ہیں وہ نزدیک پیر و جواں | جو چاہے بزرگی تو اے مہرباں

مگردان ز کوے وفا روے دل
کہ در روے جاناں نباشی خجل

ترے دوست جتنے ہیں اور غمگسار | تو آزردہ ان کو نہ کر زینہار
ستمگر نہیں ہوتے الفت شعار | جو کی ہے محبت تو اے دوستدار

منہ پاے بیروں ز کوئے وفا
کہ اندر دوستاں می نیرزد جفا

اگر دام الفت میں تو ہے اسیر | وگر دوستی ہے تجھے دلپذیر
تو کر دل میں حسن وفا جاے گیر | اسی بات کو یاد رکھ اے نظیر

ز راہِ وفا گر نہ پیچی عناں
شوی دوست اندر دل دشمناں

در صفت طاعت

جو رہتے ہیں طاعت میں شام و سحر | انھیں کو ہے عزّ و شرف بیشتر
کہاتے ہیں عالم میں روشن گہر | بہت سچ ہے جو کہہ گیا نکتہ ور

کسے را کہ اقبال باشد غلام

بود میلِ خاطر بطاعت مدام

جو مشغول طاعت ہیں لیل و نہار — بڑی اُن کی عزت ہے اور اعتبار
بزرگی ہیں نام اُن کا ہے یادگار — یقین ہے یہی بات اے باوقار

اگر بندی بہر طاعت میاں
کشاید در دولتِ جاوداں

جو رکھتے ہیں طاعت کا چہرے پہ نور — خجل مہر ہوتا ہے اُن کے حضور
جو چاہے کہ ہو تیرگی دل سے دور — تو اُس کو سمجھ رکھ تو اے پُر شعور

ز طاعت بود روشنائی جاں
کہ روشن ز خورشید باشد جہاں

جو رکھتے ہیں طاعت سے آرام جاں — وہی لوگ عقبےٰ میں ہوں شادماں
ملے گا اُنھیں کو جہاں میں مکاں — تجھے ہے اگر ترس دوزخ میاں

بہ آب عبادت وضو تازہ دار
کہ فردا ز آتش شوی رستگار

جنھیں ہے شب و روز طاعت سے کام — مطیع اُن کا رہتا ہے عالم مدام
بھلا اُن کو کہتے ہیں سب خاص و عام — یہ خوبی عیاں ہے تو پھر صبح و شام

نشاید سر از بندگی تافتن
کہ دولت بطاعت تواں یافتن

جو طاعت سے دل کو لگاتے ہیں یاں — سعید اُن کو کہتے ہیں اہل جہاں
اُنھیں میں تو روشن دلی کی ہے شاں — جو دیکھا تو عالم میں اے مہرباں

سعادت ز طاعت میسّر شود
دل از نور طاعت منوّر شود

جو کرتے ہیں طاعت کو یاں اختیار
وہی ہیں ہنرمند اور بختیار

شب و روز رکھتے ہیں طاعت سے کار
اسی پر نظر کر لے اے ہوشیار

زطاعت نہ پیچد خردمند سر
کہ بالائے طاعت نباشد ہنر

ہوئے ہیں جو طاعت سے روشن ضمیر
جو چاہے کہ دل ہو تجلی پذیر

اُنھیں خلق کہتی ہے پیر اور فقیر
تو لازم ہے تجکو بھی پھر اے نظیر

پرستندۂ آفرینندہ باش
در ایوان طاعت نشینندہ باش

در صفت عبادت

جنھیں حق پرستی ہے یاں بیشتر
صفت اُن کی ہوتی ہے شام و سحر

بڑے وہ توانگر ہیں اور بختور
دلا تو بھی اس کو یقیں جان کر

اگر حق پرستی کنی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں دولت اتقا
ملے ہے سعادت اُنھیں برملا

دل اُن کا ہے پاکیزگی سے بھرا
بھلا اپنا چاہے تو اے باصفا

ز تقوے چراغ روان بر فروز
کہ چوں نیک بختاں شوی نیکروز

جو پڑھتے ہیں خالق کی دل سے نماز
جو چاہے کہ ہو جاوے تو سر فراز

ملے ہے اُنھیں عزت و امتیاز
تو دائم جہاں میں بہ عجز و نیاز

نماز از سر صدق برپائے دار

که حاصل کنی دولت پایدار

نہیں فسق سے کام کوئی بتر
تجھے اُس سے لازم ہے کرنا حذر
تو دامن کو اُس سے نہ آلودہ کر
اُسی کو یقیں جان اے بہرہ ور

اگر دور باشی ز فسق و فجور
نباشی ز گلزار فردوس دور

جو سمجھے شریعت کی باتیں بجا
نظیر اُس کو محشر میں خطرہ ہے کیا
کرے پیروی اُن کی دل سے سدا
سخن ہے یہ اہل خرد نے کہا

کسے را کہ از شرع باشد شعار
نترسد ز آشوب روز شمار

در مذمت عصیاں

بُرائی ہے عصیاں میں بالکل میاں
جو خوشنودیِ خالق دو جہاں
نہیں کچھ بھلائی کا اُس میں نشاں
تجھے چاہیئے ہے یہاں اور وہاں

دلا عزم عصیاں مکن زینہار
کہ فردا نہ باشی ز حق شرمسار

جو ہوتے ہیں دنیا میں عصیاں شعار
اگر ہے تو کچھ عاقل و ہوشیار
وہی کھینچتے ہیں ندامت کے بار
تو اُس کو یقیں جان اے غمگسار

ز عصیاں کند ہوشمند احتراز
کہ از آب باشد شکر را گداز

کرے گا گنہ تو جو یاں روز و شب
ترا نور دانش چھپے گا یہ سب
تو ہو گا ترا سب میں عاصی لقب
سمجھ رکھ یہی دل میں اے باادب

کند نیکبخت از گنہ اجتناب
کہ پنہاں شود نورِ مہر از سحاب

در تعریف شکر

تجھے شکر کرنے سے ہے افتخار
کہ شکر آب ہے تو شجر میوہ دار
تجھے شکر کرنے سے ہے اعتبار
تامل کر اور غور اے ہوشیار

ز شکر جہاں آفریں سر متاب
کہ در باغِ دیں شکر او ہست آب

جو کرتے ہیں یاں شکر شام و سحر
اگر دولت و بخت کا کچھ اثر
فزوں نعمت اُنکی ہے اور سیم و زر
تجھے دیکھنا ہے تو اے بہرہ ور

زیادت کند شکر جاہ و جلال
زیادت کند شکر مال و منال

جو ہیں رتبۂ شکر کے قدرداں
کیا کرتے ہیں دمبدم شکریاں
نہیں شکر سے چپ وہ رکھتے زباں
تجھے بھی یہ لازم ہے اے مہرباں

نفس جز بہ شکرِ خدا برمیار
کہ واجب بود شکرِ پروردگار

جو کچھ نعمتیں تجھ کو بخشی ہیں یاں
کرے گا تو کس کس کا شکر اے میاں
وہ ہیں بے زباں اور تری کم زباں
جو شاکر ہے تو اس کو تحقیق جاں

اگر شکرِ حق تا بروز شمار
گزاری نباشد یکے از ہزار

نہ دے شکر سے تو کبھی لب کو قرار
زباں کو ہلا شکر میں بار بار

نظیر اس سخن کو تو کر اعتبار / ادا گر چہ تجھ سے نہ ہو زینہار

دلے گفتن شکر اولیٰ تر است
کہ اسلام را شکر او زیور است

در صفتِ صبر

صبوری کی دولت بڑی ہے میاں / جنھیں ہے وہ رکھتے ہیں آرام جاں
ہر اک اس سے خوش دل ہے اور شاداں / صبوری کی کیا کیا کہوں خوبیاں

دلا گر صبوری کنی اختیار
بدست آوری دولتِ پایدار

صبوری میں ہے اس قدر مرتبا / کہ ہے صابروں کے دلوں پر لکھا
نہیں لکھی جاتی ہے اس کی ثنا / غرض یہ سخن سن تو اے پارسا

صبوری بود کار پیغمبراں
نہ پیچید زیں رہ دیں پروراں

صبوری کی راہ میں تو رکھ کر قدم / نہ مقصد کے ملنے سے ہو پُر الم
نہ آنے دے خاطر میں کچھ درد و غم / یقیں کر اسی بات پر دم بدم

صبوری ترا کامگاری دہد
ز رنج و بلا رستگاری دہد

صبوری جو کرتے ہیں یاں صبح و شام / تو اُن کے صبوری سے جاری ہیں کام
ملے ہے انھیں رتبۂ و احترام / یقیں کر یہی بات اے نیکنام

صبوری کشاید در کام جاں
کہ جز صابری نیست مفتاح آں

صبوری کرے گا جو دل سے یہاں — تو ہوگی تری اس میں خوبی عیاں
نہ گھبرا کسی کام میں میری جاں — نصیحت یہ سعدی کی رہ جاوداں

صبوری کنی گر ترا دیں بود
کہ تعجیل کار شیاطیں بود

جو کچھ ہے ترا مقصد و مدعا — نہیں گر وہ جلدی سے ہوتا روا
برآنے میں اس کے یہاں غم نہ کھا — یقیں اس کو تو جان اے دل ربا

صبوری کلید در آرزوست
کشایندۂ کشور آرزوست

جو کچھ آرزو جی میں ہے تیری یاں — نہ ملنے کا ہے رنج دل میں نہاں
جو چاہے ملے تجکو اُس کا نشاں — اسی کو یقیں دل میں رکھ جاوداں

صبوری برآرد مراد دلت
کہ از عالماں حل شود مشکلت

اگر ہے تو دام بلا میں اسیر — وگر ہے تری طبع کلفت پذیر
نہ لا رنج دل میں قلیل و کثیر — کہا ہے بزرگوں نے یوں ای نظیر

صبوری بہر حال اولےٰ بود
کہ در ضمن آں چند معنیٰ بود

در صفت شراب عشق گوید

مے عشق ہے وہ نشاط التیام — کہ اُس کا نشا ہے انھیں صبح و شام
انھیں کو ہے دن رات عیش مدام — تو بس جلد لے کر صراحی و جام

بدہ ساقی آں آب آتش لباس

کہ مستی کند اہل دل التماس

وہ مے جس سے ہے چشم دل کو نگاہ
وہ ہے جانِ عشاق بے اشتباہ

نہ کیونکر ہو سو جان سے اُس کی چاہ
بہار اُس کی کیا کیا کہوں واہ واہ

مے لعل در ساغر زر نگار
بود روح پرور چو لعل نگار

جنھیں شوق ہے یاں مے عشق کا
چڑھا ہے جو اُس مے کا اُن کو نشا

عجب اُن کے دل کو ہے ملتا مزا
تو کیفیت اُس کی کہوں اب میں کیا

خوشا لذت شوق ارباب عشق
خوشا لذت ذوق اصحاب عشق

جو عشاق ہیں اُن سے مست کر حجاب
دل اُن کا جو کرتا ہے مست و خراب

اُنھیں لطف سے اپنے کر کامیاب
تو لا ساقیا بھر کے جام شراب

شرابے چو لعل رواں بخش یار
شرابے مصفا چو روئے نگار

جو ہے عاشقوں کو غم جاں گزا
جو چاہے خمار اُن سے ہووے جدا

تجھے اُس کی لازم ہے کرنی دوا
تو جلدی سے اے ساقی دلربا

بیار آں شرابے چو آب حیات
کہ باید ز بویش دل از غم نجات

وہ سرخی نہیں آنکھوں میں بھر رہی
کبھی سرخوشی اور کبھی بے بسی

عجب شغل عشق و دشمن ہوئی
کہوں کیا میں اس کے سوا اس گھڑی

خوشا مے پرستی ز صاحبدلاں
خوشا ذوق مستی ز اہل دلاں

کیا جس نے دل دوستی پر فدا
رہا ملتجی جلوۂ یار کا

قدم راہ الفت میں اپنا رکھا
صفت اُس کی یارو کہوں اور کیا

خوشا دل کہ دارد تمنائے دوست
خوشا دل کہ دربند سودائے اوست

جو مشتاق نظارۂ یار ہے
اسے کب کسی سے یہاں کار ہے

اُسی کو محبت سزاوار ہے
نظیر اُس کے لب پر یہ ہر بار ہے

خوشا دل کہ شید است بر روئے دوست
خوشا دل کہ شد منزلش کوئے دوست

در صفت راستی

جو رکھتے ہیں یاں راستی میں کمال
دل اُن کا چمکتا ہے اختر مثال

وہی فی الحقیقۃ ہیں فرخندہ حال
انھیں نیک باتوں پہ کر کے خیال

دلا گر کنی راستی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا اثر
اسی حسن و خوبی پہ کر کے نظر

بزرگی میں ہوتے ہیں وہ نامور
کہا شیخ سعدی نے اے پُرہنر

نہ پیچد سر از راستی ہوشمند
کہ از راستی نام گردد بلند

جو ہیں راستی میں یہاں کامیاب
دہن کی ہے بو اُن کے مثل گلاب

نہیں اُن کے دل کو ذرا پیچ و تاب
جو پوچھے تو سن اے فراست مآب

بہ از راستی در جہاں کار نیست

که در گلبن راستی خار نیست

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا شعار
وہ ہوتے ہیں مقبول پروردگار
اُنھیں کا ہے عالم میں عزّ و وقار
سمجھ کر یہی بات اے کامگار

دم از راستی گر زنی صبح وار
ز تاریکی جہل گیری کنار

جنھیں راستی کی خوش آئی ہر طیب
جو ناراستی کے ہوا عنقریب
وہ ہیں گلشن صدق کے عندلیب
سمجھ اُس کا انجام اے خوش نصیب

کسے را کہ ناراستی گشت کار
کجا روز محشر شود رستگار

جو رکھتے ہیں یاں راستی پر نگاہ
بزرگی سے ہوتا ہے اُن کا نباہ
اُنھیں کی بہت لوگ کرتے ہیں چاہ
جو ہے تو عقل اور دانش پناہ

مزن دم بجز راستی زینہار
کہ دارد فضیلت بسیں بر یسار

رہے گا تو ناراستی میں اسیر
یہاں اور وہاں ہوگی ذلّت کثیر
تو سب کی نگاہوں میں ہوگا حقیر
اسی کو یقیں دل میں کر اے نظیر

ز ناراستی نیست کارے بتر
کزو گم شود نام نیک اے پسر

در مذمّتِ دروغ

جسے جھوٹھ کہتے ہیں اہل جہاں
خرد کی ضیا کو ہے کرتا نہاں
وہ سینے کی ہے تیرگی کا نشاں
نہیں یاد کیا قول دانشوراں

کسے را کہ گردد زبانِ دروغ
چراغ دلش را نباشد فروغ

کرے گا جو تو جھوٹ کو اختیار
کرے گا نہ کوئی ترا اعتبار
طبیعت رہے گی الم سے فگار
یقین جان لے اسکو اے ہوشیار

ترا شرمساری نماید دروغ
بکاذب در غم کشاید دروغ

اگر جھوٹ بولے گا تو ہر زماں
کریں گے حذر تجھ سے اہل جہاں
تو ہوگا خجل سب میں تو اے بیاں
ہمیشہ یقیں کر اسے میری جاں

ز کذّاب گیرد خرد مند عار
کہ او را نیارد کسے در شمار

جسے جھوٹ رکھتا ہے کچھ شادماں
سراسر بدی اس کے ہے درمیاں
اُسے خوار کرتا ہے پھر ہر زماں
اگر اعتبار اپنا چاہے تو یاں

دروغ اے برادر مگو زینہار
کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

جسے جھوٹ ہوتا ہے یاں دلپذیر
نہیں اُس کی توقیر کرتے کبیر
وہ ہوتا ہے یاں منفعل اور حقیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہی اے نظیر

دروغ آدمی را کند شرمسار
دروغ آدمی را کند بے وقار

در صنعتِ حق تعالیٰ شانہ

جہاں میں نئے رنگ کے ہیں چلن
عیاں ہے عجب طرز کی انجمن

تجھے دیکھتے ہیں جو طَور زمن
تو چشم تامل سے اے یار من

نگہ کن دریں گنبد زرنگار
کہ سقفش بود بے ستون استوار

کہیں باغ وبستاں کہیں نیستاں
کہیں کوہ وصحرا کہیں بحر وکاں

کہیں ہے بہار اور کہیں ہے خزاں
انھیں دیکھ کر پھر تو اے مہرباں

سراپردۂ چرخ گردندہ بیں
درو شمعہاے فروزندہ بیں

تامل ذرا کر تو پھر اور میں
ہر اک وضع میں اور ہر اک طور میں

جو دیکھا تو ٹھہرا یہی غور میں
کہ کیا کیا ہیں نقشے عیاں دور میں

یکے پاسبان ویکے پادشاہ
یکے دادخواہ ویکے تاج خواہ

کہیں دعوتوں کی ہیں تیاریاں
نشاط وطرب کی ہوا داریاں

کہیں رنج وغم کی گرفتاریاں
غرض ہیں عجب کچھ نمو داریاں

یکے شادمان ویکے دردمند
یکے کامران ویکے مستمند

کہیں بے کسی اور کہیں دستگاہ
کہیں بے وقاری کہیں عزّ وجاہ

پڑے کیوں نہ حیرت میں جا کر نگاہ
غرض کچھ عجب یاں کی ہے رسم وراہ

یکے برحصیر ویکے برسریر
یکے درپلاس ویکے درحریر

کہیں سختی ورنج سے ہاے ہے
کہیں درد واندوہ سے دلے ہے

کہیں محفل عیش برپا سے ہے
عجائب تماشے کی یہ جاے ہے

یکے را عنا و یکے را غنا
یکے را بقا و یکے را فنا

کہیں بے زری اور کہیں گنج زر   کہیں خامشی اور کہیں شور و شر
کہیں غمزدہ اور کہیں شاد تر   نئی طرح کا یاں کا دیکھا اثر

یکے بینوا و یکے مال دار
یکے نامراد و یکے کامگار

کہیں صبح عشرت کہیں شام غم   کہیں خرمی اور کہیں ہے الم
کہیں مہربانی کہیں ہے ستم   جہاں میں جہاں دیکھو یہ ہے بہم

یکے در تبسم یکے در عذاب
یکے در مشقت یکے کامیاب

کہیں شادمانی کہیں غم کشی   کہیں کہنگی اور کہیں تازگی
کہیں دل کی قوت کہیں سستجی   غرض کچھ عجب طرح ہے یاں کی بھی

یکے تندرست و یکے ناتواں
یکے سال خوردہ و یکے نوجواں

کہیں نرم وضعی کی چلتے ہیں راہ   کہیں سخت گوئی کہیں مہر و چاہ
کہیں لطف ہے اور کہیں ظلم و آہ   عجب ڈھب کی دیکھی ہے یہ بزم گاہ

یکے نیک خلق و یکے تندخوے
یکے بردبار و یکے جنگ جوے

کہیں ہے ہدایت کہیں گمرہی   کہیں راستی اور کہیں کجروی
کہیں پارسائی کہیں مے کشی   جہاں میں عجب دھوم ہے مچ رہی

یکے در صواب و یکے در خطا

یکے در دعا و یکے در دغا

کہیں ہے نشاط و طرب ہر زماں
کہیں کلفت دل ہے رخ پر عیاں
بہار چمن نغمۂ بلبلاں
کہاں تک کہوں یاں کی نیرنگیاں

یکے در گلستان راحت مقیم
یکے با غم و رنج و محنت ندیم

کہیں بادۂ عیش ہے موج زن
کہیں رنج و غم سے لگی ہے لگن
پری زاد بیٹھے ہیں نازک بدن
غرض کچھ عجب ڈھب کی ہے انجمن

یکے را فروزند شمع طرب
یکے را ز غم روز روشن چو شب

کہیں شادکامی کے ہیں کاروبار
کہیں درد و غم سے ہے خاطر فگار
عیاں سیم و زر کے ہیں نقش و نگار
عجب طرز کے ہیں چلن آشکار

یکے را بدل رفتہ ز اندازہ ماں
یکے در غم نان و خرج عیال

کہیں ہیں تر و تازگی کے نشاں
کہیں رنج و افسردگی ہے عیاں
خوشی خرمی قہقہے خوبیاں
عجب ڈھب کا ہے آج رنگ جہاں

یکے چوں گل از خرمی خندہ زن
یکے را دل آزردہ خاطر حزن

کہیں عزّ و اجلال ہے بیشمار
کہیں قید غم سے ہے دل داغدار
نمایاں ہے باغ چمن کی بہار
جہاں میں عجب رنگ ہے آشکار

یکے در جہاں جلالت امیر
یکے در کمند حوادث اسیر

کہیں پارسائی کا اقبال ہے
کہیں طبع عصیاں کے دنبال ہے
عبادت سے ہر ایک خوشحال ہے
غرض کچھ عجب یاں کا احوال ہے

یکے بستہ از بہر طاعت کمر
یکے در گنہ بُرد عمرے بسر

کہیں راہ و رسم مناجات ہے
کہیں بادہ و بنگ دن رات ہے
تلاوت ہے تقویٰ ہے طاعات ہے
عجب آئینہ یاں طلسمات ہے

یکے را شب و روز مصحف بدست
یکے خفتہ در کنج میخانہ مست

کہیں علم کا ہو رہا ہے کمال
کہیں ہے جہالت کے دلمیں خیال
معانی کی ہے بحث اور قیل و قال
عجب رنگ کی ہے یہاں چال ڈھال

یکے عالم و مقبل و ہوشیار
یکے جاہل و مدبر و شرمسار

کہیں تو شریعت کے اقرار ہیں
کہیں منکری میں گرفتار ہیں
مسائل کی بحثیں ہیں تکرار ہیں
عجب رنگ پر یاں کے اطوار ہیں

یکے بر در شرع مسمار وار
یکے در رہ کفر زُنّار دار

کہیں خواہش مرشد رہنما
کہیں فاجری مرتدی ہے بپا
کہ ارشاد لاویں سب اُن کے بجا
غرض یاں عجب رنگ ہے مچ رہا

یکے نیک کردار نیک اعتقاد
یکے غرق در بحر فسق و فساد

کہیں زور و قوت میں ہیں استوار
جہاد اُن سے ہوتے ہیں نت آشکار

کہیں ضعف سے چھپتے پھرتے ہیں ار　　عجب طرح کا یاں کا ہے کاروبار

یکے غازی و چابک و پہلوان
یکے بزدل و سست ترسندہ جاں

کہیں دین و ایماں سے ہیں نیکنام　　حسابوں میں لکھتے ہیں دینار و دام
کہیں ہیں گرفتار کفر و ظلام　　عجب طور کا یاں کا ہے انتظام

یکے کاتب اہل دیانت ضمیر
یکے دزد باطن کہ نامش دبیر

زمانے میں ہیں یہ بھی نیرنگیاں　　کہیں کچھ ہے ظاہر کہیں کچھ عیاں
اُنھیں دیکھ کر ہو نہ غافل میاں　　جو بھولا تو بھولا مگر مہرباں

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار
کہ ناگہ زجانت بر آرد دمار

جو حشمت ترے پاس ہے بیشمار　　تو اُس کا بھروسا نہ کر زینہار
نہیں اس کے رہنے کا کچھ اعتبار　　اگر عقل ہے تجھ کو اے ہوشیار

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست بعد از تو ہم

اگر ہے جہاں میں تو دارا نشاں　　سپہ بھی بہت ہو ترے ہمعناں
اگر ہے تو دانشور و کامراں　　نہ ہو اُس پہ نازاں تو اے مہرباں

مکن تکیہ بر لشکر بے عدد
کہ شاید زنصرت نیابی مدد

اگر حکم اور ملک ہے بیشتر　　تو ہرگز بھروسا تو اس کا نہ کر
یہ ہوتا ہے دم میں ادھر سے اُدھر　　عجب کہہ گیا سعد سے نکتہ ور

مکن تکیہ بر ملک و فرماں دہی
کہ ناگہ چو فرماں رسد جاں دہی

اگر تجھ کو شوکت سے ہے احترام
جو کچھ عقل سے تجھ کو رہتا ہے کام
تو مغرور اس پر نہ ہو صبح و شام
تو زنہار اے صاحب احتشام

مکن شادمانی بجاہ و جلال
کہ بے خوف نقصاں نباشد کمال

جہاں میں اگر تو ہے کشورستاں
نہ ہو اس پہ مغرور ہرگز میاں
سب اسباب دولت کے ہیں تیرے یاں
اگر ہے تو دانشور و اہل شاں

مکن تکیہ بر ملک و تاج و لوا
کہ ناگہ در آید سپاہِ بلا

جو آگے تھے یاں صاحب زیب و فر
نہیں استقامت کا اس جا اثر
کہاں ہیں وہ اب دل میں ٹک غور کر
تھے اگلے زمانے میں بھی جلوہ گر

بسا بادشاہان سلطاں نشاں
بسا پہلوانان کشورستاں

جہاں کا یہی ہے چلن اے جواں
ہوئی ہے بہاروں کی آخر خزاں
کہ رہتا نہیں یاں کوئی جاوداں
سوا اس کے تھے زیب باغ جہاں

بسا ماہ رویان شمشاد قد
بسا نازنینان خورشید خد

عجب زیب و زینت سے تھے ہمقریں
کوئی مہر وش اور کوئی مہ جبیں
کہاتے تھے محبوب اور نازنیں
اسی طرح تھے زیب روئے زمیں

بسا نو عروسان آراستہ

بسا خوب رویان نو خاستہ

ہیں اب جس طرح گلبدن نوجواں — اسی طور آگے بھی تھے دلستاں
یہی دل فریبی یہی شوخیاں — بصد ناز و انداز رہتے تھے یاں

بسا نامدار و بسا کامگار
بسا سرو قد و بسا گلعذار

وہ ایسا ہی رکھتے تھے حسن و جمال — کہ تھے گلشن ناز کے نونہال
بہت خوشنما اور شیریں مقال — کہوں کیا ہوا اُن کا انجام حال

کہ کردند پیراہن عمر چاک
کشیدند سر در گریبان خاک

غرض ہو گئے ہیں وہ زیبا صنم — کہ تھے دام دل جنکی زلفوں کے خم
عجب شوخیاں اور طرز ستم — کروں کیا بیاں اب میں با چشم نم

چناں خرمن عمر شاں شد بباد
کہ ہرگز کسے زاں نشانے نداد

جہاں میں عیاں ہیں یہی کاروبار — تو غفلت میں رہ کر نہ ہو شرمسار
زمانے کا ہرگز نہیں اعتبار — جو کچھ عقل ہے تجھ کو تو زینہار

منہ دل بریں منزل جانستاں
کہ در وے نہ بینی دلے شادماں

جو دل کو لگاوے گا غفلت سے یاں — رہے گا الم میں بشور و فغاں
اگرچہ دل آویز ہے یہ مکاں — نہیں ہے مگر یہ رہ جاوداں

منہ دل بریں کاخ خرم ہوا
کہ می بارد از آسمانش بلا

رہے گا جو غفلت میں یاں مبتلا
ندامت بھی کھینچے گا اس کے سوا
وہ پائے گا ہر لحظہ رنج و عنا
اگر ہے تجھے عقل و فہم رسا

منہ دل بریں دیر کہنہ خراب
کہ خالی نہ باشد ز رنج و عذاب

جو غفلت ترے دل میں ہے جاگیر
لگیں گے طبیعت میں کلفت کے تیر
تو ہوگا کمند الم میں اسیر
جو آرام چاہے تو ہرگز نظیر

منہ دل بریں دیر ناپائدار
ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

ختم شد دیوان اردو

ضمیمہ دیوان نظیر

(اُردو)



ضمیمۂ غزلیات

دیوانِ نظیر اُردو

ہمیں افسوس ہے کہ مندرجۂ ذیل غزلیں اُسوقت دستیاب ہوئیں جبکہ اُردو کا دیوان مرتب ہو چکا تھا لہٰذا ترتیب خاص کا لحاظ کیے بغیر درج کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ ضمیمہ شامل کرنے کے بعد چند نقائص رہ جاتے ہیں جنکا ازالہ ضروری ہے نیز بعض جگہ با دنیٰ تغیر کسی قدر تکرار لازم آتی ہو اور بعض غزلیں نامکمل رہ گئیں۔ اُن کا بقیہ حصہ حوالۂ نمبر دیکھ کر درج کیا جاتا ہے اور آخر کتاب میں بمجبوری غلط نامہ کا اضافہ کر دیا تاکہ ناظرین تصحیح فرما لیں۔

محمد اشرف علی کاتب نولکشور پریس لکھنؤ

ردیف الف

دریا وکوہ ودشت وہوا ارض اور سما
دیکھا تو ہر مکاں میں وہی ہے رہا سما

ہے کونسی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور
ہے کونسا وہ دل کہ نہیں جس میں اُسکی جا

قمری اُسی کی یاد میں کوکو کرے ہے یار — بُلبل اُسی کے شوق میں کرتی ہے چہچہا
مفلس کہیں غریب تونگر کہیں غنی — عاجز کہیں نبل کہیں سلطاں کہیں گدا
بہروپ سا بنا ہے ہر اک جا وہ آن آن — کس کس طرح کے روپ بدلتا ہے واہ وا
ملک رضا میں ہے کے توکّل کی جنس کو — بیٹھیں ہیں سب اسی کی دکانیں لگا لگا
سب کا اُسی دکان سے جاری ہے کاروبار — لیتا ہے کوئی حسن کوئی دل ہے بیچتا

دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو یاں نظیر
بازار مصطفےٰ ہے خریدار ہے خدا

۲

لائے کو گو کہ لال کا پیالہ بنا دیا — پر ساتھ اس کے داغ بھی کیسا لگا دیا
گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا — سب کچھ دیا اگر دل بے مدعا دیا
لے گل سے تا بہ خار مرے دل کے باغ کو — اس شعلہ رو نے ایک نظر میں جلا دیا
اے ابر تر ہمارے بھی ابر مژہ نے آج — پل مارنے میں اشک کا دریا بہا دیا

خواب عدم میں ہم تو فراغت سے اے نظیر
سوتے تھے لیکن عشق نے آ کر جگا دیا

۳

الفت نے اس کی اوج پہ ہم کو چڑھا دیا — جو رفتہ رفتہ خاک میں آ کر ملا دیا
شرمندہ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب — کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا
جیتے رہے فسانہ ہوئے پھر بھی اب تلک — قاتل نے ہم کو مار کے ایسا جلا دیا
ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں — ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

چاہا کہ مجھ سے پھر نہ وہ بولے کبھی نظیر
لوگوں نے بارے منتیں کر کے ملا دیا

۴

ایک دن آپ نے اس کا نہ کبھی دھیان کیا
جس نے یہ حسن دیا اور تمھیں انسان کیا

طور کو پھونک دیا اس نے تمھاری خاطر
چشم کے واسطے جب سرمے کا سامان کیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا، پر اللہ نے آسان کیا

۵

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا
بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

بڑے حظ لوٹتے ہم بھی لب جو میکشی کر کر
اگر آتا چمن میں آج وہ سرو رواں اپنا

مقابل اس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
کہاں گل اور کہاں وہ منھ تو دیکھ اے باغباں اپنا

عدم سے جو ہمیں اے ہمنشیں ہستی میں لایا ہے
وہی غمخوار اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا

اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیر اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

۶

دیا قاتل نے پہلی ہی نظر میں جان کو دہلا
الٰہی شرم رکھ لیجو ابھی یہ وار ہے پہلا

بہ حق ذوالفقار حیدری ہم منھ نہ موڑیں گے
اگر زخموں سے بن جاوے گا تن شمشیر کا دہلا

چمک جا پھر خدا کے واسطے اے طور کے شعلے
کہ مثل آتش افسردہ پھر کچھ دل چلا گھلا

جو شاعر ہے تو خالی ڈال مت اس یار کا کہنا
نظیر اب دیکھتا کیا ہے تو ہی یہ ریختہ کہہ لا

۷

جھمک دکھاتے ہی اس دلربا نے لوٹ لیا
ہمیں تو پہلے ہی اس کی ادا نے لوٹ لیا

نگہ کے ٹھگ کی لگاوٹ نے فن سے کر غافل
ہنسی نے ڈال دی پھانسی، دعا نے لوٹ لیا

وفا جفا نے یہ کی جنگ زرگری ہم سے — وفا نے باتوں لگایا، جفا نے لوٹ لیا
لٹے ہم اُس کی گلی میں تو یوں پکارے لوگ — کہ ایک فقیر کو ایک بادشاہ نے لوٹ لیا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے — کہ ہم کو راہ میں ایک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اُسی بے وفا نے لوٹ لیا

۸

دل یار کی گلی میں کر آرام رہ گیا — پایا جہاں فقیر نے بسرام رہ گیا
کس کس نے اس کے عشق میں مارا نہ دم ولے — سب چل بسے مگر وہ دل آرام رہ گیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

۹

جو پوچھا میں نے یہاں آنا منظور رکھیے گا — تو سن کر یوں کہا یہ بات دل سے دور رکھیے گا
بہت روئیں یہ آنکھیں اور بڑی دن رات دکھتی ہیں — اب ان کو چشم بھی کہیے گا یا ناسور رکھیے گا
جو پردہ بزم میں منھ سے اُٹھاتے ہو تو یہ کہہ دو — کہ پھر یاں شمع کے جلنے کا کیا مذکور رکھیے گا
دیا دل ہم نے تم کو اور تو اب کیا کہیں لیکن — یہ ویرانہ تمھارا ہے اسے معمور رکھیے گا

نظیر اب تو دل و جاں سے تمھارا ہو چکا بندہ
میاں اپنے غلاموں میں اسے مشہور رکھیے گا

۱۰

ادھر مدت ہوئی وہ حسرتِ گلشن نہیں آتا — شکارِ دل تڑپتا ہے شکار افگن نہیں آتا
نزاکت اور خوش اندامی زیادہ اس سے کیا ہوگی — مہِ کنعاں کا جس کے بر میں پیراہن نہیں آتا
لڑی منھ سے نہ بولی روٹھ بیٹھی جھڑکیاں دے لیں — اسے سب کچھ بن آتا ہے مجھے کچھ بن نہیں آتا

طرح دینا، اڑا دینا، لگا دینا، بجھا دینا
یہ ڈھب ہیں یاد تس پر کچھ فریب و فن نہیں آتا
صریحاً یہ تو ضد ہے مجھ سے اس بیدادِ ظالم کو
کہ ہر دم روٹھنا آتا ہے لیکن من نہیں آتا

نظیرؔ اُس شوخ نے سیکھی زباں فارسی جب سے
دلوں کے حق میں جُز بشکن اُسے مشکن نہیں آتا

۱۱

زیرِ فلک وہ خلق ہوے ماہ پارہ ہا
دیکھے ہے جن کو رشک سے چشمِ ستارہ ہا
ہر شب ترے فراق میں اے اخترِ مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنجِ ستارہ ہا
ہے تو وہ مہرِ حسن کہ ہر دم تری طرف
کُل اخترِ سپہر ہیں گرمِ نظارہ ہا
یوں سنگِ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل
مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہ ہا
کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار نانہ
رکھتی ہے ایک جنبشِ ابرو اشارہ ہا

پیدا ہوے وہ خلقتِ انساں میں دُر نظیرؔ
کرتا ہے عرش جن پہ فدا گوشوارہ ہا

۱۲

ہیں دم کے ساتھ عشرت و عسرت ہزارہا
وابستہ ایک تارِ نفس سے ہیں تارہا
کچھ صیدِ زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں
ہر صیدگہ میں اس کی ہیں بسمل شکارہا
آیا وہ جب تو ہم نہ رہے آپ میں غرض
دیکھا اسی طرح سے، اُسے ہم نے بارہا
اُس گُل کے چاک جیب کی حسرت سے باغ میں
ہر صبح چاک ہوتی ہیں جیب و کنارہا
اس سوزنِ مژہ کے تصور میں شانہ ساں
ٹوٹے ہیں ایک خلق کے پہلو میں خارہا
کس کس کی دیکھیے چمنِ صنع میں بہار
اپنی فقط دو چشم ہیں اور یاں بہارہا
تھے کل یہ خطِ عارضِ خوبانِ سبزہ رنگ
گھٹتے ہیں آج خلق جنھیں سبزہ زارہا
تھے کل یہ شاہدانِ سہی سرو و سیم تن
شاہد ہیں آج مرگ کے جن کے مزارہا

سب کو نظیرؔ سونا ہے ایک دن بہ زیر خاک
سنگ مزار اس کے ہیں آئینہ دار ہا

۱۳

یار نے ہم کو اگر رسوا کہا اچھا کہا
ہم تو رسوا ہیں ہی کیا بے جا کہا اچھا کہا

وصف اُس کے حسن کا کلی ہو اُس سے گر
جس کے جتنا فہم میں آیا کہا اچھا کہا

آپ سے جب آپ کو ہم نے ملایا خاک میں
پھر تو جس جس نے جو کچھ چاہا کہا اچھا کہا

یار کے آگے پڑھا یہ ریختہ جا کر نظیرؔ
سن کے بولا واہ واہ اچھا کہا اچھا کہا

۱۴

دل فدا تجھ پہ جو اے سرو گل اندام ہوا
حلقۂ زلف بتاں پھر اُسے کب دام ہوا

ہو گیا دیکھتے ہی مشرق خورشید خجل
اس کف پا سے مشرف جو سر بام ہوا

آگیا اس میں وہ محبوب دل آرام نظیرؔ
جب اُسے دیکھ لیا تب ہمیں آرام ہوا

۱۵

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اٹھاتا تھا
مشق الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا

بے کی کشش میں طول طپش کا جتاتا تھا
نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا

لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
نقش دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا

جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا
دیکھ اس کو چشم یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفتر رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

۱۶

ترے رخسار رنگیں نے کیا دل زیر پھولوں کا
ترے حسنوں کی فوجوں نے دیا رخ پھیر پھولوں کا

بدن گل، چہرہ گل، لب گل اور دہن ہے گل
سراپا اب تو وہ رشک چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

پڑے بلبل کے اُکھڑے مت سمجھ اے باغباں ہرگز
ہوا ہے میکدہ میں ٹوٹ کر یہ ڈھیر پھولوں کا

گلے میں ہار اور ہاتھوں میں گجرے ہوکے یوں لپٹے
خدا کے واسطے دیکھو ذرا اندھیر پھولوں کا

۱۷

نہ ٹوکو دوستو اس کی بہار نام خدا
یہی اب ایک ہے یاں گلعذار نام خدا

یہ وہ صنم ہے پری رو کہ جس پہ ہوتی ہیں
ہزار جان سے پریاں نثار نام خدا

اسی صنم کی نگاہوں کی برچھیاں یارو
ہوئی ہیں میرے کلیجے کے پار نام خدا

اسی کے نشتر مژگاں میں اب وہ تیزی ہے
کہ جس سے ہوتے ہیں ہم دل فگار نام خدا

اسی صنم کے رخ و زلف کے تصور میں
ہماری گزرے ہے لیل و نہار نام خدا

گلی میں کوچہ و بازار میں ہم اب دن رات
اسی کے واسطے پھرتے ہیں خوار نام خدا

اسی کے سر کی قسم ہے کہ ہم تو مر جاتے
اگر نہ ہوتا یہ گل رو نگار نام خدا

بنے ہیں یاں جو کئی دیر اور صنم خانے
اُدھر جو ہوتا ہے اُس کا گزار نام خدا

اُٹھا کے سینہ جھٹک بازو اور بنا کر دھج
چلے ہے جس گھڑی ٹھوکر کو مار نام خدا

قدم قدم پہ برہمن کہیں ہیں بسم اللہ
صنم بھی کہتے ہیں سب بار بار نام خدا

غرض جدھر کو نکلتا ہے یہ تو ہر اک کے
زباں سے نکلے ہے بے اختیار نام خدا

نظیر ایک غزل اور کہہ کہ تیرے سخن
ہیں اب تو سب گہر آبدار نام خدا

۱۸

نہ پہنے کیونکر وہ پھولوں کے ہار نام خدا | ابھی تو اس کی نئی ہے بہار نام خدا
جو مجھ سے پوچھے ہے ہنس کر میں پری ہوں کیا | تو میں یہ کہتا ہوں ہاں میرے یار نام خدا
نشے کی اب تلک آنکھوں میں کچھ نہ تھی مستی | پر اب کچھ آتا چلا ہے خمار نام خدا
وہ دو بدو کی نگاہیں لڑانا کیا جانے | حیا سے ہے وہ ابھی شرم دار نام خدا
ابھی تو اسکی بڑھائی ہیں ہنسلیاں یار نہ | ابھی یہ آیا ہے چوٹی اُتار نام خدا
مجھی سے لینے کی دل کے ہوئی ہے بسم اللہ | مجھی پہ اس کا یہ پہلا ہے وار نام خدا
ابھی تو آنکھ اُٹھا کر مجھی کو دیکھا ہے | ابھی تو مجھ سے ہی رکھتا ہے پیار نام خدا
میں اپنی دیکھ کے ایڑی یہ بات کہتا ہوں | نہ ہوگا ایسا کوئی وضع دار نام خدا
کمر کو باندھ کے اپنی، پری نے توسن پر | جدھر کو نکلے گا ہو کر سوار نام خدا
ادھر غرض کہ صفیں کی صفیں اُلٹ دیگا | کرے گا حشر سا ایک آشکار نام خدا

نظیر دیکھ اسے سب یہ مجھ سے کہتے ہیں
پری ہے یار ترا، یہ تو یار، نام خدا

۱۹

وہ رشک حُور جو وقت سحر بے نقاب تھا | دیکھ اُس کے رُخ کو رو بہ زمیں آفتاب تھا
اک دن، دل اپنا، عیش گزشتہ کو یاد کر | ق | رہ رہ کے ہم سے مانگتا اس کا جواب تھا
یعنی وہ کیا زمانۂ عشرت تھا اے نظیر | جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا
اب زار و ناتوان وضعیف و نحیف ہوں | نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا
اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم | کیا کہیے اُس کو اور مگر یہ کہ خواب تھا
جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا | جس میں مے طرب سے تو مست خراب تھا
ہیہات کیا بتائیں ہم اُس عصر خوش کا نام | اے غفلت انتہا وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اسی سے ہی آب و رنگ		دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام دل فروز
مجموعۂ حیات کا لب لباب تھا

۲۰

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا[1]		ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا، دم الٹ جانا
کہوں کیا کیا میں نقشے اس کی ناگن زلف کے یارو		لپٹنا، اڑ کے آنا، کاٹ کھانا پھر پلٹ جانا
اگر ملنے کی دھن رکھنا تو اس ترکیب سے ملنا		سرکنا، دور ہٹنا، بھاگنا اور پھر لپٹ جانا
نہ ملنے کا ارادہ ہو تو یہ عیاریاں دیکھو		ہمکنا، آگے بڑھنا، پاس آنا اور ہٹ جانا
یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل لانے کی		بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یک رنگی تس اوپر یہ قیامت ہے		نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

۲۱

ہر ایک گھاٹ پہ ہے اب رواج پریوں کا		عجب نہان ہے دریا پہ آج پریوں کا
جو خوبرو ہیں ہم ان کے حکیم ہیں یارو		کیا ہے ہم نے ہمیشہ علاج پریوں کا
جدھر کو دیکھیے پریاں تمام پھرتی ہیں		ہوا جہان میں کیا یارو راج پریوں کا
نہ بیٹھے دل کا کبوتر کسی کے دانے پر		ہمیشہ اس نے تو کھایا ہے نلج پریوں کا
ٹی کل ایک جو رنڈی سیاہ بدصورت	ق	چمار دیکھ کرے جس کو لاج پریوں کا
کہا نظیر تو ہم پاس کیوں نہیں آتا		کہ ہم نے حسن میں پایا ہے تاج پریوں کا
ہم آج وہ ہیں پری زاد گل بدن گلرو		کہ ہم کو حسن میں آیا خراج پریوں کا

[1] اس غزل کے تین شعر صفحہ ۴۰ نمبر ۹۵ میں گزر چکے ہیں۔ تکمیل غزل یہاں درج کی جاتی ہے۔ اشرف علی

یہ سن کے میں نے کہا ہاں یہ وہ مثل ہے آج
کہ ہو چڑیل کی صورت مزاج پریوں کا

۲۲

قطعہ

ساقی بہار آئی اور جوش ہے گلوں کا — لا جام بھر کے سن لیں ٹک شور بلبلوں کا
دل لے کے تو بھی ظالم ملتا نہیں خوشی سے — شکوہ کروں میں کیا کیا اس کے تغافلوں کا
کل تو نظیر کیا کیا سیریں ہوئیں چمن میں — مدت کے بیچ نکلا ارمان دل جلوں کا
باران میں مے کشی کی ٹھہریں عجب بہاریں — کچھ باغ کی ہوائیں کچھ رنگ بادلوں کا
اس میں وہ شوخ گلرو منہ پاس میرے لا کر — بولا کہ لے لے بوسہ ان حسن کے گلوں کا
منہ دیکھ دیکھ اس کا میں نے کہا کہ پیاری — سمجھا ہوں میں تمہارے انداز چوچلوں کا
رخسار کا تو بوسہ زنہار میں نہ لوں گا — اس کا ادب نہ رکھنا ہے فہم جاہلوں کا
ایسا ہی گر ہے دینا تو دیجیے لبوں سے — بوسہ لبوں کا لینا ہے کام کاملوں کا

جب تو وہ شوخ ہنس کر بولا یہ وہ مثل ہے
یعنی کہ گڑ تو کھاویں پرہیز گلگلوں کا

۲۳

رتبہ کچھ عاشقی میں نہ کم ہے فقیر کا — ہیں جس کے سب صنم وہ صنم ہے فقیر کا
تکیہ اسے نہ بھول کے کہنا کبھی میاں — تکیہ نہیں یہ باغ ارم ہے فقیر کا
رہتا ہے پھر وہ پھولتا مثل سدا سہاگ — جس گلبدن پہ لطف و کرم ہے فقیر کا
گھٹ جائیں جس کو دیکھ کے لاکھوں ترح گھٹا — اے ابر تر وہ دیدۂ نم ہے فقیر کا
لکھتا ہے بن تراشے ہی حرفوں کے جوڑ توڑ — اے خوشنویس یہ وہ قلم ہے فقیر کا
ظل ہما بھی اس سے سعادت کرے حصول — جس سرزمیں پہ نقش قدم ہے فقیر کا
ہیں زیر سایہ اس کے ہزاروں گدا و شاہ — بیرق اسے نہ کہہ یہ علم ہے فقیر کا

کیونکر لکھے نہ فقر کے شان و شکوہ کو
یارو نظیر پہ بھی کرم ہے فقیر کا

۲۴

لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا
تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا
سسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا
لٹا کے سینے پہ جنجل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھوتا تھا
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

ہوا نہ مجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

۲۵

اک پیچے پر جو اُس نے طرّہ رکھا زری کا
سورج کی کھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا
جس دن سے حسن چمکا اُس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اُس کی دلبری کا
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا
آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہنچے ہرگز شکر تری کا

٢٦

کیا کیا نگہ لڑا کر اُس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا
شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اسکی کمر کو دیکھا
اجلاپن اُسکے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا
نوک مژہ نے اسکی لپ جھپ ہوکے شامل
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

پوچھا نظیر جیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

٢٧

مست مل پری رخوں سے لے دل دِوانہ ہوگا
تیر نگہ پھینکیں گے ادھر تو نشانہ ہوگا
ایسا ہی حسن اُس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اسکو رنگین فسانہ ہوگا
بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کریگی
جب تیل پڑ کے اُس میں جس وقت شانہ ہوگا

جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

٢٨

دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ اُٹھایا اسے جو پھر نہ اُچھالا
مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اُسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا
دل ہوکے دلاور جو گیا سامنے اُس کے
غمزے نے گرایا دہیں اک مار کے بھالا
زخمی اُسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اُس کو اُٹھا لا

۲۹

ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا ۔ یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا لیلےٰ

بہار گل کی تو آپہونچی تو کبھی اے ساقی ۔ گلابی مے کی دکھا ساغر پیا پے لا

دل اُس سے ملنے کو یوں چاہتا ہو جوں ملبل ۔ چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا

وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے ۔ پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی مے لا

ہوس تو گرم ہے اب تک کیا ہوا جو کیا
میاں نظیرؔ کو پیری نے برف کا تھیلا

۳۰

کھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا ۔ پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا

عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ ۔ خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل ۔ اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

مہتاب بھی منھ رشک سے ہالے میں چھپاوے ۔ دیکھے اگر اک دم ترے کھڑے کا اُجالا

دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں ۔ واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا ۔ جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

مشتاق نظیرؔ اک نگہ لطف کا ہے یاں
اس کو بھی پلادے کبھی اس مے کا پیالا

۳۱

لادے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا ۔ جسکے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

دل نیا ہم نے لگایا ہے بتادو مہرباں ۔ اسکی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں ۔ اُسکے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا

یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو ۔ بولا منھ کیا، دسترس کیا، تاب کیا، مقدور کیا

ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پری رو سے نظیرؔ
رو برو کیا، در قفا کیا، متصل کیا دور کیا

۳۲

یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا ۔۔۔ اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہماں خانہ تھا
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں ۔۔۔ اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا
لے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات ۔۔۔ غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا
کیا غم اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام ۔۔۔ چشم معنی بیں میں یکساں ہر اگر تھا یا نہ تھا
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں ۔۔۔ قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار ۔۔۔ زیب سے سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود ۔۔۔ گر یہ مینا و یکسر خندہ پیمانہ تھا
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد ۔۔۔ کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سر افرازانہ تھا
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے ۔۔۔ ایک عزہ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا
واں طنین ایک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں ۔۔۔ جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ ۔۔۔ جس جگہ لعل و گہر سے پر جواہر خانہ تھا

خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

۳۳

جوانی

بنا ہے اپنے عالم میں وہ کچھ عالم جوانی کا ۔۔۔ کہ عمر خضر سے بہتر ہے ایک ایک دم جوانی کا
نہیں بوڑھوں کی ڈاڑھی پر میاں یہ رنگ وسمے کا ۔۔۔ کیا ہے ان کے ایک ایک بال نے ماتم جوانی کا

یہ بوڑھے گو کہ اپنے منھ سے شیخی میں نہیں کہتے
بھرا ہے آہ پیران سب کے دل میں غم جوانی کا

یہ پیران جہاں اس واسطے روتے ہیں اب ہر دم
کہ کیا کیا ان کا ہنگامہ ہوا برہم جوانی کا

کسی کی میٹھی کٹیری کو بھلا خاطر میں کیا لاوے
اکڑ میں نو جوانی کے جو مارے دم جوانی کا

شراب و گلبدن ساقی مزے عیش و طرب ہر دم
بہار زندگی کہیئے تو ہے موسم جوانی کا

نظیر اب ہم اُڑاتے ہیں مزے کیا کیا اہا ہا ہا!
بنایا ہے عجب اللہ نے عالم جوانی کا

۳۴

پنکھیا[1]

کیوں نہ جھمک کر کرے جلوہ گری پنکھیا
کچھ کف نازک پری، کچھ وہ پری پنکھیا

دیکھ چمن میں سحر، اس کی جبیں پر عرق
لائی اُدھر سے نسیم، عطر بھری پنکھیا

ق

شاخ نے گل کی اِدھر برگ جو تھی سبز تر
اُن کی بنا کر بھلی اس کو ہری پنکھیا

گرمی میں ایک دن گئے اس سے جو ملنے کو ہم
چھوٹی سی آگے تھی ایک اسکے دھری پنکھیا

ہم تھے پسینے میں تر، بیٹھتے ہی یک بیک
ہاتھ بڑھا کر جو لی اس کی ذری پنکھیا

اس نے وہیں چھین لی اور یہ کہا واہ واہ
تو نے چھوئی کیوں مری زیب بھری پنکھیا

کچھ تھی عرق کی تری، کچھ ہوئی خجلت نظیر
اور تری کے اوپر لائی تری پنکھیا

۳۵

پنکھا

برگ گل و لالہ کا نہ ہوا سے پنکھا
اس سے بھی سبک اور کوئی منگوایئے پنکھا

[1] غزل نمبر سے نمبر تک مناظر کے تحت میں آنا چاہییں مگر لحاظ ردیف یہاں درج کی جاتی ہیں۔ اشرف علی

ق

ہم تر ہیں پسینے میں تو کیا آپ کو صاحب — خوش بیٹھے ہوئے آپ تو جھمکائیے پنکھا

مدت کے بٹھائے ہیں ہوادار ہم اے جاں — ایک چار گھڑی ہم سے بھی جھلوائیے پنکھا

سن کر یہ کہا خیر اگر ہے یوں ہی دل میں — تو جا کے شتابی ابھی لے آئیے پنکھا

جب ہم نے کہا یاں تو کھجوروں کے ہیں اکثر — منقیش کا لے آئیں جو فرمائیے پنکھا

فرمایا کسی کا ہو یہ نازک ہو سبک ہو — ایسا نہ ہو جو پھر کے بدلوائیے پنکھا

بنوا کے بہ صد زیب کہا ہم نے یہ آکر — ہم شرط بدیں ایسا جو دکھلائیے پنکھا

جب ہنس کے کہا چھیڑ تمھاری نہیں جاتی — اب جی میں ہے منھ پر کوئی لگوائیے پنکھا

القصہ جو ہیں جھلنے لگے ہم اسے خوش ہو — بولا وہیں بس بس ذرا ٹھہرائیے پنکھا

حلقے مری زلفوں کے کھلے جاتے ہیں ہل ہل — ایسا بھی تو لپ جھپ نہ جھپکائیے پنکھا

پنکھے کے بھی جھلنے کا نہیں تم کو شعور اب — معلوم ہوا بس جی ادھر لائیے پنکھا

ایک دن عرق آلود ہو گھبرا کے کہا میں — اس وقت تو ہم کو کوئی دلوائیے پنکھا

بولا کہ چہ خوش فائدہ کیا اب جو تمھارے — ان کھُر کھُرے ہاتھوں سے پکڑوائیے پنکھا

اس چھوٹے سے پنکھے کی ہوا کب تمھیں آئے — بے فائدہ جاگہ سے نہ ہلوائیے پنکھا

ایسا ہی جو جھلنا ہے نظیر اب تمھیں تو آپ
گگڑھ پنکھ کے پر کا کوئی بنوائیے پنکھا

۳۶

بٹوا

دیکھ تیرا یہ جھمکتا ہوا اے جاں بٹوا — صبح نے پھینک دیا مہر کا رخشاں بٹوا

چاندنی میں ترے بٹوے کے مقابل ہونے — بن کے نکلا ہے فلک پر مہ تاباں بٹوا

گر چمن میں تجھے بٹوے کی طلب ہو تو وہیں — زر بھرا غنچے کا لا دے گل خنداں بٹوا

ہاتھ نازک ہیں ترے اور وہ ہے سنگیں ورنہ
بن کے آجاوے ابھی لعل بدخشاں بٹوا

ق

یوں کہا میں کہ یہ بٹوا ذرا ہم کو دیجیے
ہم بھی بنوائیں گے ایسا ہی درخشاں بٹوا

سن کے بٹوے کو دکھا کر یہ کہا واہ رے شعور
ارے بن سکتا ہے ایسا کوئی اب یاں بٹوا

جب کہا میں نے سبب کیا تو کہا ہنس کے نظیر
یہ تو لائیں ہیں مرے واسطے پریاں بٹوا

۳۷

ایضاً

تمھارے ہاتھ سے ہوتا نہیں اک دم جدا بٹوا
یہ کس الفت بھری نے سچ کہو تم کو دیا بٹوا

معطر ہو رہا ہے نکہت جوز و قرنفل سے
کہوں میں عطر داں، کیوں صاحب اس بٹھے کو یا بٹوا

گھڑی غنچہ، گھڑی گل، پھر گھڑی میں گل سے غنچہ ہو
تمھارے آگے کیا کیا رنگ بدلے ہے پڑا بٹوا

تمھیں ہم چاہیں تم بٹوے کو چاہو کیا تماشا ہے
ہمارے دلربا تم اور تمھارا دلربا بٹوا

جو تم نے بدلے ایک بٹوے کے ایک بوسہ ہی ٹھہرایا
تو صاحب یاد رکھیو یہ ہمارا ہے چھٹا بٹوا

ق

نہایت پر تکلف اور بہت خوش قطع نازک سا
بہ صد تاکید بنوایا تھا ہم نے ایک نیا بٹوا

گئے ہم اتفاقاً اس پری رو سے جو ملنے کو
تو کیا کہیے وہی اس دم ہمارے پاس تھا بٹوا

یکایک آپڑی اس کی نظر اس پر تو لے ہم سے
کہا، یہ تو بنایا ہے کسی نے واہ کیا بٹوا

بہت تعریف کی اور ہنس دیا جب دل میں ہم سمجھے
کہ یہ تعریف کچھ خالی نہ جاوے گی چلا بٹوا

کبھی یوں اور کبھی ووں دیکھ آخر یوں کہا ہنس کر
یہ کس کا ہے قیامت پر نزاکت خوشنما بٹوا

کہا جب میں نے ہنس کر سو نیاز و عجز سے لے جاں
اسے میلا نہ سمجھے ہے یہ ایک محبوب کا بٹوا

ہیں چھوٹے سے لے آیا تھا اگر درکار ہو تم کو
تو میں اس سے بھی بہتر اور دوں تم کو منگا بٹوا

کہا ہم تو یہی لیں گے تو میں نے پھر کہا صاحب
میں بیگانہ تمھیں اب کس طرح سے دوں بھلا بٹوا

جو ہیں یہ بات نکلی میرے منہ سے پھر تو جھنجلا کر
وہیں اُس شوخ نے مارا میرے منہ پر اُٹھا بٹوا

کہا میں نے خفا ہوتے ہو کیوں چاہو تمھیں لے لو
یہ کہہ کر میں نے پھر اُس کی طرف ڈھلکا دیا بٹوا

چلا جب وہ ڈھلکتا اس کی جانب دیکھیے شامت
کہیں ناگہ سر زانو میں اس کے جا لگا بٹوا

تو لے بٹوے کو اور زانو پکڑ کر یوں کہا دشمن
یہ تو نے آپ سے مارا مرے وازن تیرا بٹوا

جلا دوں ٹکڑے ٹکڑے ڈالوں دے تجھ کو نہ دوں ہرگز
لگا میرے بہت، اب تو یہ میرا ہو چکا بٹوا

نہ بٹوا دوں نظیر اور تجھ سے زانو کا بھی بدلہ لوں
یہی دھمکی دکھا کر آخر اس نے لے لیا بٹوا

۳۸

سنگترا

کیا کیا ہر ایک درخت پہ آیا ہے سنگترا
پھل زور ہی مزے کا کھایا ہے سنگترا

نارنگی اور انار کب اچھے لگیں اُسے
جس رس بھری کے دل میں سمایا ہے سنگترا

چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کہا میں نے اُس سے جان
مدت میں میرے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا

گر تم بُرا نہ مانو تو اک بات میں کہوں
یہ تو کسی کا تم نے چُرایا ہے سنگترا

تم توڑتی تھیں، آن پڑا اس میں باغباں
انگیا میں اس کے ڈر سے چھپایا ہے سنگترا

یہ سُن کے اُس نے ہنس دیا اور یوں کہا مجھے
اب ہم نے اس طرح سے یہ پایا ہے سنگترا

ایک باغ حُسن کا ہے جوانی ہے اس کا نام
واں سے ہمارے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا

جوبن کے باغباں نے، اُٹھتی بہار سے
تازہ ابھی یہ ہم کو بھجایا ہے سنگترا

گو لے ہی لگ رہا ہے ہمارے تمام عمر
جس کو کبھی یہ ہم نے دکھایا ہے سنگترا

جب تو نظیر میں نے یہ ہنس کر کہا اُسے
میوہ خدا نے خوب بنایا ہے سنگترا

۳۹

حنا

کچھ دلفریب ہاتھ وہ کچھ دل ربا حنا
لگتی ہے اُس پری کی عجب خوشنما حنا

دیکھے ہیں جب سے دل نے حنا بستہ اُسکے ہاتھ
راتوں کو چونک پڑتا ہے کہہ کر حنا حنا

ہے سرخ یاں تلک کہ جو چھلے ہیں نقرئی
کرتی ہے اُس کے ہاتھ میں انکو طلا حنا

یہ فندقیں نہیں مرے قاتل کے ہاتھ میں
ہوتی ہے پور پور پہ اُس کے فدا حنا

خونِ شفق میں پنجۂ خورشید رشک سے
ڈوبا ہی تھا اگر وہ نہ لیتا چھپا حنا

غرفے سے ہاتھ کھول کے اُدھر پھر لیا جو کھینچ
بجلی سی کچھ چمک گئی کافر بلا حنا

شب کے خلاف وعدہ کا جب بن سکا نہ عذر
ناچار پھر تو ہنس دیا اور دی دکھا حنا

کل مجھ سے ہنس کے اُس گل خوبی نے یوں کہا
پاؤں میں تو ہی آج تو میرے رچا حنا

وہ چھوٹی پیاری انگلیاں وہ گورے گورے پاؤں
ہاتھوں میں اپنے لے میں لگانے لگا حنا

اُس وقت جیسی نکلیں مری حسرتیں نظیر
ان لذتوں کو دل ہی سمجھتا ہے یا حنا

۴۰

عید[1]

شاد تھا جب دل وہ تھا اور ہی زمانا عید کا
اب تو یکساں ہے ہمیں آنا نہ آنا عید کا

دل کا خوں ہوتا ہے جب آتا ہے اپنا ہم کو یاد
آدھی آدھی رات تک مہندی لگانا عید کا

آنسو آتے ہیں بھرے جب دھیان میں گزرے ہے آہ
پچھلے پہر سے وہ اُٹھ اُٹھ کر نہانا عید کا

حشر تک جاتی نہیں خاطر سے اس حسرت کی بو
عطر بغلوں میں وہ بھر بھر کر لگانا عید کا

[1] یہ غزل تقریبات اہل اسلام کے ذیل میں جانا چاہیئے تھی ۱۲ اشرف علی

ہونٹھ جب ہوتے تھے لال آنکھیں ہو جاتی ہیں سرخ ۔۔۔ یاد آتا ہے جو ہم کو پان کھانا عید کا
دل کے ہو جاتے ہیں ٹکڑے جب گھڑی آتا ہے یاد ۔۔۔ عید گہ تک دلبروں کے ساتھ جانا عید کا
گلعذاروں کے میاں ملنے کی خاطر جب تو ہم ۔۔۔ ٹھان رکھتے تھے مہینوں سے بہانا عید کا
اب تو یوں چھپتے ہیں جیسے تیر سے بھاگے کوئی ۔۔۔ یا بنے پھرتے تھے ہم آپ ہی نشانا عید کا
نیند آتی تھی نہ ہرگز بھوک لگتی تھی ذرا ۔۔۔ یہ خوشی ہوتی تھی جب ہوتا تھا آنا عید کا

۴۱

ہولی

جب منہ پہ وہ پری مل کر گلال آیا ۔۔۔ اک دم تو دیکھ اس کو ہولی کو حال آیا
کل وقت شام سورج ملنے کو منہ پر اسکے ۔۔۔ رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا
مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چیکا کر ۔۔۔ اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا
دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لیکر ۔۔۔ یوں نہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا
کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال باندھا ۔۔۔ اور رنگ کی بھی بھر کر مشک میں پکھال آیا
اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر ۔۔۔ اس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا
اس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی ۔۔۔ اس دھوم میں جو مجھ کو بھی کچھ خیال آیا

لاحول پڑھ کے شیطان بولا نظیر تجھ کو
اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا

لہ یہ غزل معتقدات اہل ہنود کے تحت میں ہونا چاہیے تھی ۱۲ اشرف علی

غزل نمبر ۱۲ ص ۵ کے بقیہ اشعار

آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری ۔۔۔ دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا
جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش ۔۔۔ مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

غزل نمبر ۱۳ ص۶ کے بقیہ اشعار

محلے میں پڑا غل دوڑیو چلیو غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو جنوں مارا

گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اُٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کر دی خون کا گارا

جو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکبارگی
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

جو لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا

لگا یوں مینھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جانا تک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

ہوا سنائے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں تک کرتے تھے نظارا

کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا

تو بے بھاگا جنوں ان سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برج حسن کا تارا

غزل نمبر ۱۴ ص۷ کا بقیہ شعر

نصیحت کیا ہے جب تو گوش دل سے سنتے ہیں
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

غزل نمبر ۱۵ ص۷ کا بقیہ شعر

پنجۂ خورشید رنگیں خون حسرت کے سوا
برق ساں چمکا جو رنگ اس کے حنائی دست کا

غزل نمبر ۳۸ صـــ۱۶ کے بقیہ اشعار

لائق اس بالے کے گوہر یاں تو ہاتھ آیا نہ ایک گوہر مقصود سمجھے ہم نہیں اس راہ میں	دیکھتا ہم کو گر اب عالم بالا پڑا پاشنہ سے تا سر انگشت جو چھالا پڑا

غزل نمبر ۴۷ صـــ۳۲ کے بقیہ اشعار

اس بے وفا نے ہم کو اگر اپنے عشق میں دنیا میں آ کے ہم سے برا یا بھلا فقیر	مقطع	رسوا کیا، خراب کیا، پھر کسی کو کیا جو کچھ کہ ہو سکا سو کیا پھر کسی کو کیا

غزل نمبر ۷۵ صـــ۳۲ کے بقیہ اشعار

ملتی ہے پری آنکھیں اور حور جبیں سا ہے رکھیو سدا یارب تو اس مژۂ تر کو اس گریۂ خونی کی دولت سے نظیر اپنی	مقطع	ہے نقش جہاں بار دو اس پائے مقدس کا ہم عطر لگاتے ہیں گرمی میں اسی خس کا اب کلبۂ احزاں میں کل فرش ہے اطلس کا

غزل نمبر ۹۲ صـــ۳۹ کا بقیہ شعر

خدا کے واسطے سمجھو نہ اس کو ٹھٹے دال	فریب دیتا ہے تم کو یہ بوالہوس ٹلیا

غزل نمبر ۱۵۱ صـــ۶۰ کا بقیہ شعر

ظاہر میں اگرچہ وصل کی کہتا ہے مجھ سے بات	پر دل میں اور کرتا ہے تیار جھگلا

غزل نمبر ۱۶۱ صـــ۲۷ کا بقیہ شعر

بہار دیکھو اسے رشک سے یہ کہتی ہے	کہ تھا یہ حسن تو پھر مجھ کو کیوں بہار کیا

غزل نمبر ۵۶۵ کے بقیہ اشعار

آتش برق جو ہے مشتعل از بس ہر دم
اُس سے کیا جھوم کے اٹھی ہے دھواں دھار گھٹا

ایسی آتش کے لیے چاہیے ایسا ہی دھواں
کیا تناسب ہیں یہ صفت کے اہا ہا

بدلیاں بدلے ہیں کیا رنگ نئے رنگا رنگ
جنگل ایک رنگ پہ سو مانی اثر رنگ فدا

روح بہزاد کی کہتی ہے تصدق ہو کر
کس سے یہ رنگ ہوں یارب تری قدرت کے سوا

لوگ کہتے ہیں یہ ہیں آب کے قطرے لیکن
ہم تو جانیں ہیں کل برسے ہے مینھ موتی کا

بلکہ موتی ہے فقط گوش بتاں کی زینت
یہ وہ قطرے ہیں کہ ہیں آب رخ شاہ و گدا

جن کو ہے وصل تو وہ خنداں نالاں ہیں جوں برق
اور ہیں مہجور تو وہ گریہ کناں ابر آسا

اُس طرف ابر سیہ اِس طرف آہوں کے ہجوم
ہے اُدھر مینھ تو اِدھر آنسو کا ٹپکا ہے لگا

سُن پپیہے کی وہ پی پی کی صدا کہتے ہیں
چپ بھی ہو رہ ارے کمبخت نہ جلتوں کو جلا

قصہ کوتاہ یہ کچھ رکھتے ہیں اندوہ فراق
جن کے احوال پہ ہر ابر کو آتا ہے بکا

اب میں ساون کے اندھیرے کی کروں کیا تعریف
کوئی تشبیہ نہیں ملتی مسرت پیرا

ہے تجسس تو بہت لیک میں اب حیراں ہوں
جعد شیریں کہوں یا زلف سیاہ لیلا

سجدۂ شکر کہیں نغمۂ رقاص کہیں
بوس و آغوش کہیں ساغر و مینا کی ادا

ایک جہاں کھینچے ہے ایک خلق ہے سیراب نشاط
ایک عالم کو ہے عیش و طرب و برگ و نوا

سلہ یہ شعر کچھ بیجا دست اندازی کی نذر ہو گیا ہے ناظرین تصحیح فرمالیں سلہ نغمے کے نون کا غنہ استعمال ہے سلہ اسکی بھی تصحیح فرمالیں۔ اشرف علی

ب

۴۲

ان سے سرخ ہوئے پھر بت عیار کے لب
دیکھ اس وقت تو اے دل مرے خونخوار کے لب

منفعل ہو کے کبھی دعوئی سرخی نہ کرے
دیکھے گر لعل بدخشاں مرے دلدار کے لب

خوف نرمی و نزاکت کا مجھے ہے ورنہ — چوم لوں میں ابھی اس شوخ پری وار کے لب

لذتِ زندگی اس دم مجھے ہووے گی نظیرؔ
جب ملے ہوں گے بہم میرے لب اور یار کے لب

۴۳

اس کی تجلی سے کب ہووے دو چار آفتاب — ایک تو کیا ہے اگر ہو ویں ہزار آفتاب
پاس ادب ہے اُسے ورنہ ترے حسن پر — حکم جو ہو تو ابھی ہووے نثار آفتاب
خانۂ زیں میں تجھے دیکھے تو پھر رشک سے — توسنِ افلاک پر ہو نہ سوار آفتاب
ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے پھر — مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

جیسے یہ ہیں مہر و مہ ایسے تو اس کے نظیرؔ
چمکیں ہیں سو ماہتاب اور ہزار آفتاب

۴۴

ہو ترے مہرِ حسن سے کب ہمسر آفتاب — ذرہ تری نگاہ سے ہو یکسر آفتاب
تو حسن میں وہ مہرِ سپہرِ جمال ہے — ہر روز جبہ سا ہے ترے در پر آفتاب
ہر لحظہ تیرے چہرۂ انور کے وصف میں — یہ بیت پڑھ رہا ہے فدا ہو کر آفتاب
از بہرِ دفعِ چشمِ بد از روئے خوب تو — سیارہ ہا سپند شود، مجمر آفتاب

اس مہرِ کبریا کی اشارت سے اے نظیرؔ
مغرب تلک پہونچ کے پھرا الٹا آفتاب

۴۵

ہوا جو ہم کو وہ کوچہ چمن سرشت نصیب — خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
جدا جو اس سے ہوئے ہم تو اپنی قسمت سے — ہے وہ تو خوب پر اپنے ہی کچھ ہیں زشت نصیب
لکھیں نہ حرفِ وفا کیا کریں کہ اول سے — ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب

زمینِ دل میں گرایا ہے تخم تو لیکن … کریں گے دیکھیے سرسبز کب یہ کشت نصیب

یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیر
ہوئی مزار کو اپنے نہ ایک خشت نصیب

۴۶

ساقی شراب ہے تو غنیمت ہے اب کی اب … پھر بزم ہو گی جب تو سمجھ لیجو جب کی جب
ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں … کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
کم فرصتی سے عمر کی اپنی ہزار حیف … جتنی تھیں خواہشیں وہ رہیں دل میں سب کی سب
سن کر وہ کل کی، آج نہ ہو، کس طرح خفا … اے ناشناس طبع کہی تو نے کب کی کب

پھیلا ہوا بدن میں سماتا نہیں نظیر
وہ گل بدن جو پاس رہا اس کے غضب کی شب

۴۷

کچھ اور تو نہیں ہمیں اس کا عجب ہے اب … یعنی وہ شوخ ہم سے خفا بے سبب ہے اب
آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ … جو جنس عشق ہے وہ مرے پاس سب ہے اب
دیکھے ہے جس کے غنچہ صفت گل ہو رشک سے … ایسا تو اس چمن میں وہی غنچہ لب ہے اب
صبح فلک بھی جس کی تجلی سے ہو خجل … اس رشک ماہتاب سے اپنی وہ قرب ہے اب
آئینہ ایک دم نہیں رکھتا ہے ہاتھ سے … ایسا وہ اپنے رخ کا تماشا طلب ہے اب

اس گل بدن کے وصل سے ہر دم نظیر کو
سب سے زیادہ خلق میں عیش و طرب ہے اب

۴۸

بوسہ اس دل سے نہ کر اے دل افگار طلب … نہ زیادہ طلبی ہے نہ ہو دشوار طلب
جلد آ یار کہ اب ہم کو ستاتے ہیں بہت … گوش گفتار طلب، دیدۂ دیدار طلب

ربط اس عربدہ جو سے ہیں کس طور سے ہو
ہم تو ہیں صلح طلب وہ وہ ہیں پیکار طلب

آرزو خوب ہے موقع سے اگر ہو ورنہ
اپنے مقصود کو کم پہونچے ہیں بسیار طلب

عذر عاصی کو نہیں چاہیے کچھ اس سے نظیرؔ
جس خطا پوش کی رحمت ہے گنہگار طلب

۴۹

کس کے لیے کیجیے جامۂ دیبا طلب
دل تو کرے ہے مدام دامن صحرا طلب

کام وا ہوں بھلا اس سے ہم اب کس طرح
اس کو تمنا نہیں، ہم ہیں تمنا طلب

کس سے کہیں کیا کریں ہے یہ تماشے کی بات
وہ تو ہے پردہ نشیں ہم ہیں تماشا طلب

کہیے تو کس کیکے اب غور کرے وہ طبیب
جس کے طلبگار ہوں لاکھ دوا طلب

ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیرؔ
دل ہے پر از آرزو کیجیے کیا کیا طلب

۵۰

ہے اب تو وہ نہیں اس سر و سیم بر کی طلب
کہ طائران ہوا سے ہے، بال و پر کی طلب

جو کہیے حسن کو خواہش نہیں یہ کیا امکاں
اُسے بھی اہل نظر سے ہے اک نظر کی طلب

کمال عشق بھی خالی نہیں تمنا سے
جو ہے ایک آہ تو اس کو بھی ہے اثر کی طلب

پری رخوں کو غرض کیا تھی زیب و زینت سے
نہ ہوتی گر انھیں اپنے نظارہ گر کی طلب

طلب سے کس کو رہائی ہے بحر ہستی میں
اگر صدف ہے تو اس کو بھی ہے گہر کی طلب

چمن میں بلبل و گل بھی ہیں اپنے مطلب کے
اسے ہے گل کی طلب، اس کو مشت زر کی طلب

جہاں وہ باغ تمنا ہے جس کے بیچ نظیرؔ
جو اک شجر ہے تو اُس کو بھی ہے ثمر کی طلب

۵۱

ہو کس طرح نہ ہم کو ہر دم ہوائے مطلب
دیکھا جو خوب ہم نے دنیا ہی جائے مطلب

جو گلبدن کہ آیا آغوش میں ہمارے
کچھ اور بو نہ نکلی اس میں سوائے مطلب

عشاق کی بھی الفت خالی نہیں غرض سے
مرتے ہیں یہ بھی اس پر جس سے بر آئے مطلب

کوئی کسی کے اوپر ہم نے فدا نہ دیکھا
منہ پر فدا ہیں لیکن دل میں فدائے مطلب

مطلب کے آشنا کو ہو کس سے آشنائی
کب آشنا کسی کا ہو آشنائے مطلب

گر بزم رقص دیکھی تو واں بھی گوش دل ہے
کوئی صدا نہ آئی غیر از صدائے مطلب

زیر فلک تو ہم سے جاتی نہیں تمنا
ہاں پھر فلک پہ جاویں جب ہم سے جائے مطلب

وہ آبرو کہ جس پر کرتے ہیں جاں تصدق
اسکو بھی دے چکے ہیں اکثر برائے مطلب

جب حرف آبرو تک پہونچا نظیر پھر تو
کیا کہیئے ایسی جاگہ جز یہ کہ ہائے مطلب

۵۲

یوں جھمکتا ہے رخ اس محبوب کا زیر نقاب
ہو نمایاں جس طرح ابر تنک میں آفتاب

دیکھ اس مہ رو کے رخ کا رات چشم تر میں عکس
کیا ہی لوٹا رشک سے دریا میں عکس ماہتاب

کیا نزاکت ہے کہ اس نازک کمر کے روبرو
رشتہ ساں حسرت سے کھاتی ہے رگ گل پیچ و تاب

رنگ رخسار اس گل باغ حیا کا دیکھ کر
قطرۂ شبنم نہیں ہے شرم سے گل آب آب

وہ عرق آلود رخ جس دن سے آیا ہے نظر
جب سے ہم واقف نہیں کیسا گل اور کیسا گلاب

جس کی ایک دم لڑ گئی اس چشم میگوں سے نگاہ
پھر اسے یارو کہاں کا جام اور کیسی شراب

خواب گر جاتا ہے رم ایک لخت آنکھوں سے نظیر
یاد آجاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

۵۳

جو کچھ ہے حسن میں ہر مہ لقا کو عیش و طرب
اگرچہ اہل نوا خوش ہیں، ہر طرح لیکن
وہ میکدے میں حلاوت ہے رند میکش کو
رکھے ہے ہر تن عریاں برہنہ پائے وہی

وہی ہے عشق میں ہر مبتلا کو عیش و طرب
زیادہ اُن سے ہے ہر بینوا کو عیش و طرب
جو خانقاہ میں ہے پارسا کو عیش و طرب
جو کچھ ہے صاحب اسپ و قبا کو عیش و طرب

کمال قدرت حق ہے نظیرؔ کیا کہیئے
جو شاہ کو ہے وہی ہے گدا کو عیش و طرب

۵۴

جو اس کی چشم گلابی کی دیکھ پائے شراب
ہماری بزم میں ہے مے فروش کا کیا کام
ہم اس شراب کے خواہاں نہیں ہیں اے ساقی
نشہ جو اس کی نگہ میں ہے وہ نہ ہو ہر گز
جہاں میں موسم گل ہے میں کیا کروں ہیہات

تو اس کو حشر تلک ہو نہ پھر ہوائے شراب
وہ اپنے واں کے ہی لوگوں میں بیچ کھائے شراب
پییں جو وہ ہیں اس چشم کی پلائے شراب
اگر ہزار طرح کی کوئی بنائے شراب
مجھے تو آب میسر نہیں چہ جائے شراب

بہ قول حضرت صائب ہزار حیف نظیرؔ
کہ در بہار ندارم بہ کف بہائے شراب

۵۵

ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں یارب
پہونچے ہے وہی منزل مقصود کو جو شخص
ہر چاہ میں ملتا ہے اسے یوسف اقبال
جو خانہ بدوشی میں ہے طالب کو ترے عیش

سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں یارب
چلتا ہے فدا ہو کے تری راہ میں یارب
جو تشنہ ہو ڈالا ہے تری چاہ میں یارب
وہ عیش نہیں خیمہ و خرگاہ میں یارب

اپنا ہی طلبگار نظیر اپنے کو رکھیو
ہر طور میں، ہر رسم میں، ہر راہ میں یارب

٥٦

ترے مریض کو اے جان شفا سے کیا مطلب — وہ خوش ہے درد میں اس کو دوا سے کیا مطلب
فقط جو ذات کے ہیں دل سے چاہنے والے — انھیں کرشمہ و ناز و ادا سے کیا مطلب
نہال تازہ رہیں نامیہ کے منت کش — درخت خشک کو نشو و نما سے کیا مطلب
مراد و مقصد و مطلب ہیں سب ہوس کے ساتھ — ہوس ہی مر گئی پھر مدعا سے کیا مطلب
مجھے وہ پوچھے تو اس کا ہی لطف ہے ورنہ — وہ بادشاہ ہے اسے مجھ گدا سے کیا مطلب
جو اپنے یار کے جور و جفا میں ہیں مسرور — انھیں پھر اور کے مہر و وفا سے کیا مطلب

رضائے دوست تمھیں چاہیئے بہر صورت
نظیر پھر تمھیں اپنی رضا سے کیا مطلب

٥٧

نہ دل میں صبر نہ اب دیدۂ پرآب میں خواب — شتاب آ کہ ہمیں آوے اس عذاب میں خواب
جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں لئے دل — عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب
ہماری چشم کا اے شہسوار توسن ناز — جو غور کی تو کیا ہے تری رکاب میں خواب
ہر ایک مکاں میں گزرگاہِ خواب ہے لیکن — اگر نہیں تو نہیں عشق کے جناب میں خواب
ہجوم اشک میں لگتی ہے چشم تر اس طور — کہ جیسے ماہی کو آتا ہے اپنے آب میں خواب

رواروی میں لگے آنکھ کس طرح سے نظیر
مسافروں کو کہاں ایسے اضطراب میں خواب

٥٨

ہنسنا ہوا ازل سے گل اے یار کے نصیب — رونا ہماری دیدۂ خونبار کے نصیب

دل سادہ ریتیم بکا اک نگہ کے مول
کیا کہیے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب

بھیجے ہیں جام خور میں ہوا ہر سحر مسیح
اس وجہ پہ ہیں اب ترے بیمار کے نصیب

بازار یوسفی میں نہ دیکھی تھیں خواب میں
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

دیکھ اس کو آج باغ میں بولیں یہ بلبلیں
بارے کھلے ہمارے بھی گلزار کے نصیب

غش تھے معانقے کی تمنا میں ہم دلے
وہ بھی سنا کہ اب کے ہوا ہار کے نصیب

کل ہم سے روٹھ کر وہ رقیبوں سے جا ملا
چمکے ہیں کیا ہی دیکھیے اغیار کے نصیب

جس گل کو اپنے سر پہ چڑھاتے تھے ہم نظیر
وہ گل ہوا رقیب کے دستار کے نصیب

۵۹

نامہ کو میرے دھو کے نہ اس نے لکھا جواب
+ + + + + + ہوا جواب

اتنا تو نامہ بر سے نہ ہوتا میں شرمسار رہ
اے کاش بھیجتا وہ برا یا بھلا جواب

پھروں تلک میں کہتا ہوں حال بنا پر مجھے
وہ اپنی ایک بات میں کرتا ہے لاجواب

حاضر جوابی دیکھو کہ لب سے مرے ہنوز
نکلا نہیں سوال کہ واں ہو گیا جواب

کوچے سے اس کے آتا ہوں یوں ہو کے ناامید
توکر شکستہ حال کو جیسے ملا جواب

کہتا ہے تو تو جیتا ہے اپنی خوشی سے اب
ورنہ میاں خدا تو تجھے دے چکا جواب

کھوئی تمام عمر بتوں کی جناب میں
دے گا نظیر کیا تو خدا کو بھلا جواب

۶۰

تمھاری آن عزیزا اور ہر ایک دا محبوب
تمھیں جو حسن میں ہیں اب سر سے تا بہ پا محبوب

تمھیں وہ ہو کہ تمھیں دیکھنے ہم آتے ہیں
وگرنہ یوں تو ہزاروں ہیں جا بجا محبوب

کہیں جو ہم تمھیں محبوب مت برا مانو
بھلا ہم اور کہیں کیا تمھیں سوا محبوب

جو چاہے آپ سے محبوب بن سکے کیا ذکر — وہی بنے ہے کہ جسکو خدا کرے محبوب
تمھاری آج وہ محبوبیاں ہیں نام خدا — کہ تم کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں دلربا محبوب
کوئی کہے ہے بصد اشتیاق دل یا دوست — کوئی پکارے ہے بیتاب ہو کے یا محبوب

نظیر بھی تجھیں اب دیکھ کر یہ کہتا ہے
الٰہی خلق ہو ادھر میں ہوں ادھر محبوب

۶۱

گزرے خوشی سے نہ دم کبھی اے وائے نصیب — کتنے عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب
قاصد اس دولت بیدار سے کہیو کہ کبھی — دو گھڑی آ کے ہمارے بھی جگا جائے نصیب
آویں ہم بھی جو تری بزم میں جوں شمع لیے جاں — ایسے ہم سوختہ بختوں نے کہاں پائے نصیب
یار دیکھ اس کو لگے رکھنے عداوت مجھ سے — دوست بھی ہو گئے دشمن مرے ای وائے نصیب
ایک دم نزع میں لا کے نہ اسے بالیں پر — اپنی قسمت سے تو اتنے بھی نہ کام آئے نصیب

یاد آتا ہے ہمیں جب وطن اپنا تو نظیر
سر کو حسرت سے ٹپک کہتے ہیں ہم ہائے نصیب

۶۲

یہ گلہ دل سے تو ہرگز نہیں جانا صاحب — سب نے جانا ہمیں پر تم نے نہ جانا صاحب
ان بلاؤں سے غرض ہوئے یہ جانا صاحب — آپ کو خون ہمارا ہے بہانا صاحب
چھوڑ کر آپ کے کوچے کو پھرے صحرا میں — سو تو مجنوں سا نہیں ہم بھی دوانا صاحب
یار سنتے ہم کو جو آتی ہیں تو سو کر یہ غریب — ایک کرشمہ تھا بتقبیل انہیں لانا صاحب

اب جو بوڑھے ہوئے تو اب بھی ہیں شیطان نظیر
ہنس کے کہتا ہے اجی آئیے نانا صاحب

۶۳

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب		ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے		یار مہ چہرہ اور شب مہتاب
زور کیفیتیں دکھاتے ہیں		ساقی گلعذار و بادۂ ناب
کرتے ہیں تار تار جیب الم	ق	تار قانون و بین و چنگ و رباب
وقت خلوت یہ ہم نے اس سے کہا		اب تو ٹک منہ سے دور کیجے نقاب
بولے ہم تو ابھی اٹھا دیں مگر		لائیں کب آپ دیکھنے کی تاب

اور جو آ جاوے غش تمھیں تو نظیر
پھر چھڑکنا پڑے گا ہم کو گلاب

۶۴

میں ہوں اور مہرو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
جوش عشرت دور ساغر رقص خوباں صحن باغ	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
قصر رنگیں فرش زریں وقت خلوت جائے عیش	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
بوسہ بازی ہمکناری بے حجابی سرخوشی	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
خوش لباسی خوش معاشی خوش مذاقی خوش رہا	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
گل فشانی شادمانی، کامرانی، خرمی	پر خدا جانے یہ بیداری ہے ملے دل یا کہ خواب
عشق بازی عیش سازی شہ خیالی بے غمی	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب
دل کشائی بادہ نوشی، ذوق مستی خرمی	پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب

اس طرح کی عشرتوں میں اب تو بیٹھا ہے نظیر
پر خدا جانے یہ بیداری ہے لے دل یا کہ خواب

٦٥

بزم طرب وقت عیش ساقی و نقل و شراب — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مجمعِ خوباں وملے، زمزمۂ چنگ و نے — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
صحنِ چمن، حسنِ گل ابر و ہوا شربِ مل — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشرتِ صبحِ بہار سیرِ گل و لالہ زار — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
رقصِ بتِ غنچہ لب کثرتِ عیش و طرب — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشق کے عجز و نیاز حسن کے انداز و ناز — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مستیِ میخانہ ہا گردشِ پیمانہ ہا — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
شادیِ وصلِ بتاں صحبتِ مہ طلعتاں — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
غلغلِ کوس نشاط خوش دلی و انبساط — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
ثروتِ مال و منال حشمت و جاہ و جلال — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

قصر و محل دل پذیر زینت و زیب اے نظیر
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

٦٦

کہا یہ آج ہمیں فہم نے سنو صاحب — یہ باغِ دہر غنیمت ہے دیکھ لو صاحب
جو رنگ بو کے اٹھاتے ہیں حظ اٹھا لیجے — مبادا پھر کفِ افسوس کو ملو صاحب
یہ وہ چمن ہے نہیں ایک سے نہیں جس میں — تبدل اس کا ہر اک گل سے پوچھ لو صاحب
کہ تھا جو صبح شگفتہ نہ تھا وہ شام کے وقت — جو شام تھا سو نہ دیکھا وہ صبح کو صاحب
پس اس مثال سے ظاہر ہے یہ سخن یعنی — اسی طریق سے عالم میں تم بھی ہو صاحب

جو سرنوشت ہے ہوگا اسی طرح سے نظیر
قضا قضا نہیں ہونے کی کچھ کرو صاحب

۶۷

تمھارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب

غلام عاشق و چاکر مصاحب و ہمراز
غرض جو تھا ہمیں ہونا سو ہو لیے صاحب

قرار و صبر جو کرنے تھے کرچکے برباد
حواس و ہوش جو کھونے تھے کھو لیے صاحب

ہمارے وزن محبت میں کچھ ہو فرق تو اب
پھر امتحاں کی ترازو میں تو لیے صاحب

کچھ انتہائے بکا ہو تو اور بھی یک چند
سر شکِ چشم سے موتی کو رو لیے صاحب

کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھو لیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنسکر
جو کوئی بوسے تو البتہ بو لیے صاحب

غزل نمبر ۱۵۳ صـ۶۲ کے بقیہ اشعار

لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد
دیکھیے اگر اس دُرِ یکتا کے لب

تھی وہ اسی لب کی شکر جس کو دیکھ
مصر میں جا چکیے تھے زلیخا کے لب

پ

۶۸

رکھتا ہے صدا ہونٹ کو جوں گُل کی کلی چُپ
وہ غنچہ دہن آہ یہ سیکھا ہے بھلی چُپ

سوتا ہے تو لیتا ہوں میں یوں چوری سے بوسہ
جوں منہ میں کھلاوے کوئی مصری کی ڈلی چُپ

منت سے کہا ہم نے تو تم آہ نہ بولے
جب غیر نے کی گدگدی پھر کچھ نہ چلی چُپ

پروانے سے عاشق کے تئیں شمع جلا کر
پھر آپ بھی روتی ہے کھڑی بخت جلی چُپ

سبزی بھی اُگی باغ میں غنچے بھی کھلے آہ
پر اس مری گونگی کے لبوں سے نہ ٹلی چُپ

غصے میں رقیب آتا ہے جب بھوت سا بنکر
مرجائیں پہ شکوے کی کبھی بات نہ نکلے
جس دم یہ خبر جا کے رقیبوں کو ہوئی پھر

پڑھتا ہوں میں جب بل میں کھڑا نادعلی چپ
یہ ہونٹھ وہ ہیں جن میں ازل سے ہے پلی چپ
بس سنتے ہی سُن ہو گئے اور سانس نہ لی چپ

اُلٹی ہی نجھ یار کی سُنتا ہے نظیر آہ
زنہار نہ کچھ بولیو یاں سب سے بھلی چپ

ت

۶۹

نہ چین گھر میں نہ کل ہے باہر نہیں جو تم نے دکھائی صورت
تمھارے ناز و عتاب نے تو عجیب ہماری بنائی صورت

وہ شکل دیکھی تو ہو کے بے حس رہے تحیر میں اس طرح ہم
+ + + + + + + + جو آئی صورت

نظر میں آنکھوں میں اور جاں میں بھری اسی کی دجا ہتیں ہیں
کچھ ایسے نقشے سے اپنے دل میں ہے اب کسی کی سمائی صورت

پری کی بیہودہ ہمسری نے کیا جو اس کا مزاج برہم
تو آپ ہی ہو کر خجل وہ بولی کہ ایسی کب ہم نے پائی صورت

بیاں ہو کیا حسن صورت اس کا جو دیکھ آئینہ ہے یہ کہتا
ہو ایسی صورت تو پھر غرض کیا ہمیں جو دیکھیں پرائی صورت

الم میں چاہت کے اب ہماری بدل گئی ہے جو شکل ہمدم
کسی کو پھر یاد کیا رہے جب ہمیں نے اپنی بھلائی صورت

نظیر محفل میں گل رخوں کی جو ہم نے دیکھا تو اُن سبھوں میں

فدا ہوا ہے دل اپنا جس پر، اُسی کی ہم کو خوش آئی صورت

ط

تری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت
تیرے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ یکتائے مطلق ہے کہ یکتائی میں اب تیری
کوئی شرکت دوئی کا حرف لا سکتا ہے کیا قدرت

زمیں سے آسماں تک تو نے جو جو رنگ رنگے ہیں
یہ رنگ آمیزیاں کوئی دکھا سکتا ہے کیا قدرت

ہزاروں گل ہزاروں گلبدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہوئے ہیں نور سے جن کے زمین و آسماں پیدا
کوئی یہ چاند یہ سورج بنا سکتا ہے کیا قدرت

ہوا کے فرق پر کوئی بنا کر ابر کا خیمہ
طنابیں تار باراں کی لگا سکتا ہے کیا قدرت

جم و اسکندر و دارا و کیکاؤس و کیخسرو
کوئی اس ڈھب کے دل بادل بنا سکتا ہے کیا قدرت

کیا نمرود نے گو کبر سے دعوئی خدائی کا
کہیں اُس کا یہ دعویٰ پیش جا سکتا ہے کیا قدرت

نکالا تیرے اک پشے نے کفشیں مار مغز اُس کا
سوا تیرے خدا کوئی کہا سکتا ہے کیا قدرت

نکالے لکڑیوں سے تو نے جس جس لطف کے میوے
کوئی پیڑوں میں یہ پیڑے لگا سکتا ہے کیا قدرت

ترے ہی خوان نعمت سے ہے سب کی پرورش، ورنہ
کوئی چیونٹی سے ہاتھی تک کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہماری زندگانی کو بغیر از تیری قدرت کے
کوئی پانی کو پانی کر بہا سکتا ہے کیا قدرت

ترے حسن تجلی کا، جہاں ذرّہ جھمک جاوے
تو پھر موسیٰ کوئی واں تاب لا سکتا ہے کیا قدرت

دم عیسیٰ میں وہ تاثیر تھی تیری ہی قدرت کی
وگرنہ کوئی مردے کو جلا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ محبوب چنچل ہے کہ بار ناز کو تیرے
بغیر از مصطفےٰ کوئی اُٹھا سکتا ہے کیا قدرت

نظیر اب طبع پر جب تک نہ فیضان الٰہی ہو
کوئی یہ لفظ یہ مضمون بنا سکتا ہے کیا قدرت

۷۱

رات

کھینچ کر اس ماہ رو کو آج یاں لائی ہے رات
یہ خدا نے مدتوں میں ہم کو دکھلائی ہے رات

چاندنی ہے رات ہے خلوت ہے صحن باغ ہے
جام بھر ساقی کہ یہ قسمت سے ہاتھ آئی ہے رات

بے حجاب اور بے تکلف ہو کے ملنے کے لیے
وہ تو ٹھہراتے تھے دن پر ہم نے ٹھہرائی ہے رات

جب میں کہتا ہوں کسی شب کو تو کافر یاں بھی آ
ہنس کے کہتا ہے میاں ہاں وہ بھی بنوائی ہے رات

کیا مزہ ہو ہاتھ میں زلفیں ہوں اور یوں پوچھیے
اے مری جاں سچ کہو تو کتنی اب آئی ہے رات

جب نشے کی لہر میں بال اُس پری کے کھل گئے
صبح تک پھر تو چمن میں کیا ہی لہرائی ہے رات

دور میں حسن بیاں کے ہم نے دیکھا بارہا
رُخ سے گھبرایا ہے دن زلفوں سے گھبرائی ہے رات

ہے شب وصل آج تو دل بھر کے سو دے گا نظیر
اس نے یہ کتنے دنوں میں عیش کی پائی ہے رات

۷۲

شب برات

عالم کے بیچ جب گھڑی آتی ہے شب برات
کیا کیا ظہور نور دکھاتی ہے شب برات

دیکھے ہے بندگی میں جسے جاگتا تو پھر
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہے شب برات

روشن ہیں دل جنھوں کے عبادت کے نور سے
اُن کو تمام رات جگاتی ہے شب برات

بخشش خدا کی راہ میں کرتے ہیں جو محب
برکت ہمیشہ اُن کی بڑھاتی ہے شب برات

خالق کی بندگی کرو اور نیکیوں کے دم
یہ بات ہر کسی کو سناتی ہے شب برات

غافل نہ بندگی سے ہو اور خیر سے ذرا
ہر لحظہ یہ سبھوں کو جتاتی ہے شب برات

حسنِ عمل کرو جو بھلا عاقبت میں ہو / سب کو یہ نیک راہ بتاتی ہے شبرات
لے کر امیر حمزہ کے ہر بار نام کو / خلقت کو ان کی یاد دلاتی ہے شبرات

کیا کیا میں شب برات کی خوبی کہوں نظیر
لاکھوں طرح کی خوبیاں لاتی ہے شبرات

غزل نمبر ۱۷۱ صہ ۶۹ کے بقیہ اشعار

مطلع

اے چشم جو یہ اشک تو بھر لائی ہے کم بخت / اس میں تو سراسر مری رسوائی ہے کم بخت
الفت میں تو اے دل تری رسوائی ہے کم بخت / کمبخت تجھے کیا یہی اب بھائی ہے کم بخت
اس قد میں جو رعنائی و زیبائی ہے اے سرو / مت بھول کہ وہ تو نے نہیں پائی ہے کم بخت

مطلع[1]

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہے کم بخت / اور تس پہ سُنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت

[1] یہ مطلع کسی دوسری غزل کا ہے غزل دستیاب نہیں ہوئی ۱۲ اشرف علی

د

۷۳

پر سر بام دل لطف نے ڈالی کمند / پھرنے کی ہرگز نہیں اب جا یہ خالی کمند
ہاتھ لگا زلف کو اس کا تری گھات میں / بھاگ لے دل ورنہ دیکھ اس نے سنبھالی کمند
مر کے بھی چھٹتا نہیں اس میں بندھا جو غرض / کاکل پر پیچ ہے سب سے نرالی کمند
جس دم اٹھا چلا صید کو ابرو نے لی کمان / گیسوئے پُر دار نے جھپ سے اٹھالی کمند

شال کے جھرمٹ میں زلف نے ہے چھپا اسلیے ۔۔۔ یعنی ملا جب کہ صید تو تو نکالی کمند
اور نہ چڑھا جو کوئی گھات کے اوپر نظیرؔ
تو اسی جھرمٹ میں پھر اپنی چھپالی کمند

۷۴

کیا نہ جس نے ہمیں نامہ و پیام سے یاد ۔۔۔ ستا رہی ہے ہمیں اس کی آج شام سے یاد
جگر میں جوش تپش اور بہ لب ہجوم فغاں ۔۔۔ ہوئی ہے آج یہ کچھ اس کی اژدہام سے یاد
ہمارے آگے نہ لو نام گل کوئی ورنہ ۔۔۔ وہ گلبدن ہمیں آوے گا گل کے نام سے یاد
دلایا نالہ ہمیں یاد بڑھ کے بلبل نے ۔۔۔ یہ بات سچ ہے کہ آتا ہے کام، کام سے یاد
علیحدہ خط وہ لکھے گا نظیرؔ کیا جس نے
کیا نہ غیر کے خط میں کبھی سلام سے یاد

ر

۷۵

اس کے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں پھیر کر ۔۔۔ ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر
میں تو بے غیرت نہیں کیا جاؤں اس بدخو کے پاس ۔۔۔ کون سا کم بخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر
داغؔ مرنے کا وہی محروم جانے جس کو آہ
موت آپہونچی شتاب اور یار آیا دیر کر

۷۶

اے مری جان ہمیشہ ہو تری جان کی خیر ۔۔۔ نازکی دور بلا، حسن کے سامان کی خیر
رات دن شام سحر پہر گھڑی پل ساعت ۔۔۔ مانگتے جاتی ہے ہم کو تری آن کی خیر
مہندی چوٹی ہو سواری ہو چمک پٹی کی ۔۔۔ عمر چوٹی کی بڑی زلف پریشان کی خیر

بے طرح بوجھ سے جھمکوں کے مچھکے پڑتے ہیں
کیجو اللہ تو ان جھمکوں کی اور کانوں کی خیر

پان کھایا ہے تو اس وقت بھی لازم ہے یہی
ایک بوسہ ہمیں دیجیے لب و دندان کی خیر

آنکھ اٹھا دیکھیے اور دیکھ کے ہنس بھی دیجیے
اپنے کاجل کی زکوٰۃ اور مسی و پان کی خیر

پہلے جس آن تمھاری نے لیا دل ہم سے
اب تلک مانگتے ہیں دل سے ہم اس آن کی خیر

کیا غضب نکلے ہے بن ٹھن کے وہ کافر یارو
آج ہوتی نظر آتی نہیں ایمان کی خیر

جتنے محبوب پری زاد ہیں دنیا میں نظیر
سب کے اللہ کرے حسن کی اور جان کی خیر

۷۷

سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا کل اک دلبر
سہی قامت پری پیکر مقطع وضع خوش منظر

سخن پر غنچہ لب گل رو، جبیں مہر اور کماں ابرو
دو چشم شوخ پر جادو نگہ تیر اور مژہ نشتر

شمیم زلف مشک افشاں تغافل سو ستم ساماں
غرور اور ناز بے پایاں مزاج اور طبع نازک تر

ادائیں سب فسوں آمیز چھیڑیں دل نہ چھوڑیں یہ
فریب و عشوہ صلح آگیں عتاب و غمزہ جنگ آور

یہ دیکھا ہم نے جب عالم تو رکھ دل ہاتھ پر اس دم
کہا ہیں نذر کرتے ہم جو لے لیجیے تو ہے بہتر

کہا لے جا تو اپنا دل کہ تو کیا اور تیرا دل
نہ لیویں ہم تو ایسا دل، کہا جب ہم نے یوں ہنس کر

ق

یہی ایک دل ہے بیچارہ بھلا ہے یا کہ ناکارہ
اگرچہ ہے یہ آوارہ ولیکن ہے وفا پرور

جو نامنظور کرتے ہو تو کر دو یہ کب اٹھتا ہے
ہے جب تک دم میں دم اسکے رہے گا یہ اسی در پر

نظیر اس نے سنا یہ جب تو بولا یوں وہ شیریں لب
ہمارا ہو چکا یہ اب، بس اس قصے کو کوتہ کر

۷۸

بہار

گلشن عالم میں جب تشریف لاتی ہے بہار
رنگ و بو کے حسن کیا کیا کچھ دکھاتی ہے بہار

صبح کو لا کر نسیم دل کشا ہر شاخ پر
تازہ نرگس کس طرح کے گل کھلاتی ہے بہار

نونہالوں کی دکھا کر دمبدم نشو و نما
جسم میں روح رواں کیا کیا بڑھاتی ہے بہار

بلبلیں چہکار تی ہیں شاخِ گل پر جا بجا
بلبلیں کیا فی الحقیقت چہچہاتی ہے بہار

حوض و فوارں کو دے کر آبرو پھر لطف سے
کیا منظر افرش سبزے کا بچھاتی ہے بہار

جنبش بادِ صبا سے ہو کے ہم دوشِ نشاط
ساتھ ہر سبزے کے کیا کیا لہلہاتی ہے بہار

خلق کو ہر لحظہ اپنے حسن کی رنگت دکھا
بے تکلف کیا ہی ہر دل میں سماتی ہے بہار

مجمعِ خوباں ہجومِ عاشقاں اور جوشِ گل
دیکھ ان رنگوں کو کیا کیا کھلکھلاتی ہے بہار

گُل رخوں کی دیکھ کر گل بازیاں ہر دم نظیر
گُل ادھر خنداں، ادھر دھومیں مچاتی ہے بہار

ز

۷۹

نہ ادا میں مزا نہ لذتِ ناز
آہ کا ہے کو خط ہوا آغاز

نام سنتے ہی اس پری رو کا
ہوش اپنے تو کر گئے پرواز

دیکھ تنہا نظیرؔ کو خاموش
بولا آپ ہی سے وہ بتِ طناز

مار ڈالا تری خموشی نے
کچھ تو پھر بیاں کر اپنا راز

جب تو لاچار ہو کے بھر کر آہ
یہی اس نے کہا کہ بندہ نواز

عاشقاں کشتگان معشوق اند
بر نہ آید ز کشتگاں آواز

س

۸۰

انکا ہم سے غیر سے اقرار بس جی بس
دیکھے تمھارے ہم نے یہ اطوار بس جی بس

اتنا ہو جائے رحم جو کرتا ہے وہ جفا
تو اس سے رو کے کہتے ہیں اغیار بس جی بس

ساقی ہمیں پلائیے یوں جام پے بہ پے
جو ہم نشین کہہ اُٹھیں یک بار بس جی بس

ہوں ناامید وصل سے یوں جیسے وقت نزع
رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

عشق ہوں میں وقت بوسہ جو کہتا ہے ملنے کے
منھ کو ہٹا ہٹا کے یہ تکرار بس جی بس

اس کا جو بس جی بس مجھے یاد آوے ہے تو آہ
پھروں تلک میں کہتا ہوں ہر بار بس جی بس

کل وہ جو بولا تک تو کہا ہم نے منھ پھرا
خیر اب نہ ہم سے بولیے زنہار بس جی بس

ہم دل لگا کے تم سے ہوے یاں تلک تنگ
جو اپنے جی سے کہتے ہیں لاچار بس جی بس

سن کر کہا کہ کیا مرے لگتی ہے دل میں آگ
شکوہ سے جب کرے ہے تو اظہار بس جی بس

ایسے طمانچے ماروں گا منھ میں ترے نظیرؔ
گر تو نے مجھ سے پھر کہا ایک بار بس جی بس

ڈ

۸۱

چتون درست سین بجا باتیں ٹھیک ٹھیک
ناز و ادا کی اس میں ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

کیا دل کو اچھی لگتی ہیں ان خوش قدوں کی آہ
یہ پیاری پیاری بولیاں یہ گاتیں ٹھیک ٹھیک

منھ میں طمانچے چھاتی میں گھونسا کمر میں لات
کیا کیا ہوئیں یہ مجھ پہ عنایاتیں ٹھیک ٹھیک

موقع سے بوسہ موقع سے گالی بھی ہم کو دی
کی شوخ نے یہ دونوں مداراتیں ٹھیک ٹھیک

جب دوستی میں قول کے پورے ہوں دونوں شخص
ہوتی ہیں پھر تو کیا ہی ملاقاتیں ٹھیک ٹھیک

جب بن پڑی تو شیخ جی شیخی نہ ماریں کیا
ہم سے بھی پھر تو ہو دیں کراماتیں ٹھیک ٹھیک

سچ ہے بقول حضرت سید نظیر آہ
بن آتی ہیں تو ہوتی ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

ل

۸۲

قصر رنگیں سے گزر باغ و گلستان سے نکل
ہے وفا پیشہ تو مت کوچۂ جاناں سے نکل

نکہت زلف یہ کس کی ہے کہ جس کے آگے
ہوئی خجلت زدہ بو سنبل و ریحاں سے نکل

گو بہار اب ہے ولے روز خزاں اے بلبل
یک قلم نرگس و گل جاویں گے بستاں سے نکل

امتحاں کرنے کو یوں دل سے کہا ہم نے رات
اے دل غمزدہ اس کاکل پیچاں سے نکل

کھا کے سوچ کہا میں تو نکلنے کا نہیں
مگر اے دشمن جاں چل تو مرے ہاں سے نکل

ہو پریشانی سے جس کی مجھے سو جمعیت
کس طرح جاؤں میں اس زلف پریشاں سے نکل

لاکھ زندان پر آفات میں ہوتا ہے وہ قید
جو کوئی جاتا ہے اس طور کے زنداں سے نکل

مجھ سے ممکن نہیں محبوب کی قطع الفت
گرچہ میں جاؤں گا اس عالم امکاں سے نکل

چاہ میں مجھ کو یہ مرشد کا ہے ارشاد نظیر
آبرو چاہے تو مت چاہ زنخداں سے نکل

ن

۸۳

نہ میں دل کو اب ہر مکاں بیچتا ہوں
کوئی خوب رو لے تو ہاں بیچتا ہوں

وہ مے جس کو سب بیچتے ہیں چھپا کر
میں اُس مے کو یارو عیاں بیچتا ہوں

یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی
سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں

ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو
کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں

لیے ہاتھ پر دل کو پھرتا ہوں یارو
کوئی مول لیوے تو ہاں بیچتا ہوں

وہ کہتا ہے جی کوئی بیچے تو ہم لیں
تو کہتا ہوں لو ہاں میاں بیچتا ہوں

میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو
یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں

جو پورا خریدار پاؤں تو یارو
میں یہ سب زمین و زماں بیچتا ہوں

زمیں آسماں عرش کرسی بھی کیا ہے
کوئی لے تو میں لامکاں بیچتا ہوں

جسے مول لینا ہو لے لے خوشی سے
میں اسوقت دونوں جہاں بیچتا ہوں

بکی جنس خالی دوکاں رہ گئی ہے
سو اب اس دُکاں کو بھی ہاں بیچتا ہوں

محبت کے بازار میں اے نظیر اب
میں عاجز غریب اپنی جاں بیچتا ہوں

۸۴

جان کر ہم سے نہ پوچھو کہ تم عاشق ہو بہ جاں
ہم تو عاشق ہی تمھارے ہیں عیاں راچہ بیاں

۸۵

دو بدو اس بت سرکش سے نہ ہو نالے دل
مژہ اور ابرو کی تیار ہے واں تیر و کماں

جب یہ کہتے ہیں کہ ہم دل سے تمھیں چاہتے ہیں
دیکھ کر ہم کو تعجب سے یہ کہتا ہے کہ ہاں

۸۶

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں

رو آئینے کو دیتے ہو بر عکس ہمارے
آئینہ رُخو طالب دیدار تو ہم ہیں

گلشن میں عجب جاتے ہو کر حسن کی تزئین
اس جنبش دل آرا کے خریدار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں

کی چشم سوئے نرگس بیمار تو پھر کیا
اس عین عنایت کے سزاوار تو ہم ہیں

دل ورے کے دل آزار کو کیا شکوۂ بیداد
گر سوچیے اپنے لیے آزار تو ہم ہیں

جس دن سے پھنسے دیکھی نہ پھر شکل رہائی
کیا کہیئے نظیرؔ ایسے گرفتار تو ہم ہیں

۸۷

عبث چمن میں نہیں گل عذار آتے ہیں
گلوں کو اپنی دکھانے بہار آتے ہیں

گھڑی گھڑی ہمیں دیکھ اپنے در پہ کہتا ہے
یہ کون ہیں جو ادھر بار بار آتے ہیں

قرار لینے کو جاتے ہیں ہم جب اسکے پاس
زیادہ اور بھی ہو بے قرار آتے ہیں

جو سادی وضع میں کل لے گئے تھے ہوش اک دل
سنا ہے آج وہ کر کر سنگار آتے ہیں

گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اس نے
میاں نظیرؔ تو کچھ شرمسار آتے ہیں

۸۸

مجھ پہ ابرو کی تو نہ کھینچ کماں
او میں تیری کماں کے قرباں

داد تیرے بھی حسن کی دیتا
آج ہوتا اگر مہ کنعاں

ٹھنڈی آہیں جگر سے نکلی ہیں
اشک بھی متصل ہیں قطرہ زناں

دم غنیمت ہے پھر کہاں اے دل
یہ ہوا سرد اور یہ آب رواں

قطعہ

بوسہ لیجیے جو ہو کے دست و کمر
اتنی ہم میں کہاں ہے تاب و تواں

وہ دہن اور کہاں لب اپنے نظیرؔ
وہ کمر اور کہاں یہ ہاتھ میاں

۸۹

تو کہتا ہے میں آؤں گا دو چار گھڑی میں
جس کام کو برسات میں لگتے ہیں مہینے

مر جائے گا ظالم ترا بیمار گھڑی میں
وہ کرتے ہیں یہ دیدۂ خونبار گھڑی میں

میں تجھ کو نہ کہتا تھا نظیر اس سے نہ ملنا
اب دیکھیو حال اپنا تو اک چار گھڑی میں

۹۰

مرتے ہیں ہم تو جان تو اب جان یا نہ جان
تیری تغافلوں کی جفا سے ترس ترس

باقی ہے کوئی آن تو اب جان یا نہ جان
جی دیں گے ہم ندان تو اب جان یا نہ جان

نبضوں کے جو نشان تھے سو اب تجھ میں اے نظیر
ہیں سب وہی نشان تو اب جان یا نہ جان

۹۱

چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں
مرنے کو ٹھوکروں میں جلا دیتے ہوں جہاں
ہر زخم پر ہے آہ کے بدلے صدائے واہ
لگتے ہی آنکھ شب کو نظر آ گئی وہ شکل
آپ ہی تو دل کو لے گئے آپ ہی ہیں پوچھتے

ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں
واں حضرت مسیح ہیں پھر کس حساب میں
کیا پُر دلی ہے اس دل خانہ خراب میں
پائی یہ ہم نے دولت دیدار خواب میں
ق
کہیے میاں نظیر ہیں کس اضطراب میں

قدرت کہاں جو اس سے کہوں میں یہ بات آہ
صاحب تمہیں تو ڈال گئے ہو عذاب میں

۹۲

ہم میں بھی اور انھوں میں پہلے جو یاریاں تھیں
وہ منتظر کہ آویں ہم پُر تپش کہ جاویں

دونوں دلوں میں کیا کیا امیدواریاں تھیں
اس ڈھب کی ہر دو جانب بے اختیاریاں تھیں

نہ ضبط ہے نگہ کا نہ رک سکے نظارہ — کیا شوق و رزیاں تھیں کیا بے قراریاں تھیں
اُٹھنے میں بیٹھنے میں، ملنے میں بولنے میں — کچھ بے شعوریاں تھیں کچھ ہوشیاریاں تھیں

جس جا نظیر آ کر ہوتی ہیں الفتیں تو
واں ایسی ایسی کتنی عشرت شعاریاں تھیں

۹۳

لطف جو چاہت کے ہیں سو وہ جتانے نہیں — چاہ چھپی کیجیے تا کوئی جانے نہیں
گنج محبت عبث کیجیے برباد کیوں — یہ تو بڑا نقد ہے آنے دو آنے نہیں
نکلیں ہیں جو اشک و آہ دل ہی میں ہیں رکھیے — دیدہ و لب کو مزے اُن کے چکھانے نہیں
خواب میں آکر کوئی پوچھے کہ عاشق ہو تم — واں بھی تعشق کے راز اس کو بتانے نہیں
تھا جو نظیر اس کو ایک شخص نے آکر کہا — پڑھیے کچھ اپنا سخن کیجیے بہانے نہیں
جب نہ پڑھا کچھ تو پھر اس نے خفا ہو کہا — کیا تمھیں شعر اپنے آہ ہم کو سنانے نہیں

سنتے ہی اس بات کے بھر کے دمِ سرد آہ
کہنے لگا کیا پڑھیں، دل تو ٹھکانے نہیں

۹۴

قفل پہ باندھ چکا وہ بت گمراہ میاں — دیکھیں اب کس کی طرف ہوتے ہیں اللہ میاں
نزع میں چشم کو دیدار سے محروم نہ رکھ — ورنہ تا حشر یہ دیکھیں گی تری راہ میاں
تو جدھر چاہے اُدھر جا کہ سحر سے تا شام — میں بھی سائے کی طرح ہوں ترے ہمراہ میاں
ہم تری چاہ سے چاہیں گے اُسے بھی اے ہے — جسکو جی چاہے اُسے شوق سے تو چاہ میاں
لیکن اتنا ہے کہ اس چاہ میں دریا ہیں کئی — ایسے ایسے کئی ہیں جن کی نہیں تھاہ میاں
آگے مختار ہو تم ہم جو تمھیں چاہے ہیں — اس سبب سے تمھیں ہم کرتے ہیں آگاہ میاں
جب دمِ نزع نہ آیا وہ ستمگر تو نظیر — مر گیا کہہ کے یہ حسرت زدہ لے واہ میاں

۹۵

دل ٹھہرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا لے جان نہیں — گر بوسہ دیجے اور لے لیجے تو فائدہ نقصان نہیں
یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو — جو لاکھوں کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں
جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے — ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے کس طور سے ملیے لے ہمدم — وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو بھی اک آن نہیں
تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر — ہیں کہتے جسکو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں
دل پھنس کر اسکی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر — کب چھوٹے اُسکے دام سے تو وہ اتنا بھی نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیر اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

۹۶

کی طلب اک شہ نے کچھ پند از حکیم نکتہ داں — اس نے سن کے یوں کہا اے صاحب اقبال و شاں
یاد رکھ اور پاس رکھ اور سخت رکھ اور جمع کر — کھا چھپا کاٹ اور اُٹھا اُٹھ لے بخوبی ہر زماں
اسنے اس مجمل کے تفصیلات جب پوچھے تو پھر — لطف سے اُس نکتہ رس نے یوں کہا اس کا بیاں
یاد رکھ ہر دم خدا کو پاس رکھ حسن وفا — سخت رکھ دین کو مدام اور جمع کر علم اے جواں
کھا غضب غصہ، چھپا عیب رفیق و آشنا — کاٹ ربط ہمنشین بد کہ ہے اس میں زیاں
اور اُٹھا ہر دم ضعیف و ناتواں سے ظلم و جور — داد مظلوموں کی دے اور لے بہشت جاوداں

نثر میں مجھ کو نظیر آئے تھے یہ نکتے نظر
میں نے نظم ان کو کیا تو دل ہو ہر دم شادماں

۹۷

جھکائے سر کو چپ ہیں یوں ہیں بحر غم کی لہروں میں — کوئی کھیلے ہے جیسے بازیٔ شطرنج پہروں میں
چپ ہیں جیسے مہرے خانے میں بساط اوپر — رکھیں ہیں دل یوں ہی ہم زلف کے حلقوں کے لہروں میں

ہمارے دل کے کیا کیا پیل بند صبر توڑے ہے
پڑی ہے یہ جو زنجیر طلا چھلّے سنہروں میں
رکھیں سرسبز کشت غم کو کیونکر اے شہ خوباں
نہیں یک قطرۂ آب تو ان آنکھوں کی نہروں میں
ہزار و دو کبک فرزیں بند غم سے رخ ہیں لے رخ
تری ان اچپلی چالوں کی سن کر دھوم شہروں میں
دلا تو یا پیادہ، وہ سوار اسپ خوبی ہے
نہ کر ملنے کے منصوبے نظیر اُن سو پیا گھروں میں

نظیر اب دل تمھیں دیتا ہے لو، بُرد ہی سمجھو
وگرنہ یار بھر ہوگی یہ بازی مات پھر دل میں

۹۸

بسنت

گر کے بسنتی لباس سب سے برس دن کے دن
یار ملا آن کر ہم سے برس دن کے دن
کھیت پہ سرسوں کے جا جام صراحی منگا
دل کی نکالی میاں ہم نے ہوس دن کے دن
سب کی نگاہوں میں دی عیش کی سرسوں کھلا
ساقی نے کیا ہی لیا واہ یہ جس دن کے دن
خلق میں شور بسنت یوں تو بہت دن سے تھا
ہم نے تو لوٹی بہار عیش کی بس دن کے دن
آ گئے تو پھر تما ہا غیروں میں ہو زرد پوش
ہم سے ملا پر وہ شوخ کھا کے ترس دن کے دن
گرچہ یہ تہوار کی پہلی خوشی ہے زیاد
عین جو رس ہے سو وہ نکلے ہے رس دن کے دن

لوٹے گا پھر سال بھر گلبدنوں کی بہار
یار سے مل لے نظیر، آج برس دن کے دن

۹۹

نہ لذتیں ہیں وہ ہنسنے میں اور نہ رونے میں
جو کچھ مزا ہے ترے ساتھ مل کے سونے میں
پلنگ پہ سیج بچھاتا ہوں مدتوں سے جان
کبھی تو آن کے سو جا مرے بچھونے میں
مسک گئی ہے وہ انگیا جو تنگ بندھنے سے
تو کیا بہار ہے کافر کے چاک ہونے میں

کہا میں اُس سے کہ ایک بات مجھ کو کہنی ہے — کہوں میں جب کہ چلو میرے ساتھ کوٹھے میں
یہ بات سنتے ہی جی میں سمجھ گئی کافر — کہ تیرا دل ہے کچھ اب اور بات ہونے میں
یہ سن کے بولی کہ ہے ہے یہ کیا کہا تو نے — پڑا ہے کیوں مجھے دنیا سے اب تو کھونے میں
تو بوڑھا مردوا اور یہ بارھواں برس مجھ کو — میں کس طرح سے چلوں تیرے ساتھ کوٹھے میں

نظیر ایک وہ عیار شوخی ہے کافر
کبھی نہ آوے گی وہ تیرے جادو ٹونے میں

۱۰۰

حال دل ہم نے کہا زہرہ جبیں کہہ دیویں — پھر جو ہو حکم سو وہ دل کے تئیں کہہ دیویں
اس پہ جو جو کہ گزرتا ہے تغافل کے سبب — ہو اگر آپ کے خاطر کو یقیں کہہ دیویں
چاہ میں اس نے جو کچھ دیکھیں ہیں رنج و کلفت — اور وہ جتنی کہ جفائیں کی ہیں کہہ دیویں
سُن کے اس بات کو اور ہم کو سمجھ کر بیباک — دل میں سوچا کہ مبادا یہ کہیں کہہ دیویں

ہنس دیا اور یہ کہا اس پہ جو گزری ہے نظیر
ہم کو معلوم ہے، کہیے، تو ہمیں کہہ دیویں

۱۰۱

گر کسی صورت سے وہ صورت دکھا جاتے ہمیں — تو غم و درد آج یہ صورت نہ دکھلاتے ہمیں
وہ تو اپنا منہ دکھا کر چھپ گئے پر ہمنشیں — دوپہر اب جا ہیں پھر ہوش میں آتے ہمیں
جیسے کل تم نے خفا ہو کر کہا تھا مر رہو — سچ اگر پوچھو تو کیا لگتا تھا مر جاتے ہمیں
بس یہ ڈر تھا پھر جو بلوادیں سو بلوایا ہے آج — کیوں جی مر جاتے تو اب پھر تم کہاں پاتے ہمیں
ہم تو یہ کرتے ہیں خاطر داریاں اور مہرباں — تو بھی تم واللہ خاطر میں نہیں لاتے ہمیں
سن کے فرمایا جو خوش بس لگ نہ چلیے اس قدر — یہ تمہارے چوچلے ہی تو نہیں بھاتے ہمیں
ہجر کی سختی نظیر ایک تو یہ ہے جو شام سے — صبح ہو جاتی ہے اکثر سر کو ٹکراتے ہمیں

مقطع

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیرؔ — بیقرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

غزل نمبر ۲۷۷ صـ۱۱۵ کا بقیہ شعر

وہ اُٹھتی چھاتیاں دیکھ اپنی کہتی ہے ہے ہے — یہ کیا بلا ہے کہ اُٹھتی ہے میرے سینے میں

غزل نمبر ۲۸۴ صـ۱۱۸ کے بقیہ اشعار

تمہارے خندۂ دنداں نما کی دولت سے — صدف تو کیا ہے کہ نیساں نے موتی رولے ہیں

غلط ہے یہ جو مرے گھر وہ بھول کر آویں — ادھر جو بھول پڑیں کیا وہ ایسے بھولے ہیں

غزل نمبر ۲۹۲ صـ۱۲۱ کے بقیہ اشعار

جنھیں ہے دل کے لینے کی خو وہ دل لے کر — اگر جفا نہ کریں تو کب ان کو ہو تسکیں

کہاں تلک نہ پھنسے آن کر وہ طائرِ دل — بچھادے جس کے لیے دام کاکل مشکیں

غزل نمبر ۲۹۹ صـ۱۲۴ کے بقیہ اشعار

تمہارے ہم تو قدیمی غلام بندے ہیں — تمھیں نہ چاہیئے ہم سے حجاب آنکھوں میں

قسم ہے چشم گلابی کی تیری اے گل رو — کہ یاں کھینچے ہے پڑا نت گلاب آنکھوں میں

خدا کی شان جنھیں بات بھی نہ آتی تھی — وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

و

۱۰۳

آپڑے ہیں اب تو کوئے یار میں ہم شاد ہو
دیکھیں اس اُفتاد کی آگے کو کیا اُفتاد ہو

ہے چمن میں اپنی رعنائی سے پابند غرور
گر وہ قد دیکھے تو سرو اس قید سے آزاد ہو

ایک بت بیداد گر سے ہم نے باعجز و نیاز
یوں کہا کچھ ہم کہیں خدمت میں گر ارشاد ہو

سن کے فرمایا کہو جب ہم نے یوں اس سے کہا
دل کو ہم اس شرط سے دیں گر نہ کچھ بیداد ہو

سوچ کر اس نے کہا ہم عہد تو کر لیں و لے
اور جو دقت جور وہ پیماں نہ ہم کو یاد ہو

پھر یہ کہئے کیا کرو گے جب تعدی و جفا
جو معین ہے نہ وہ سب ہو بلکہ کچھ ایجاد ہو

عافیت کی گر ہوا خواہی تمھیں ہے تو نظیر
تم ہوا میں ہم سے بے درد دل کی مت برباد ہو

ہ

۱۰۴

رکھتی ہے جیسے ناز میں اس کی جبیں گرہ
اس لطف کی تو واہ نہ ہو گی کہیں گرہ

منہ دیکھتے ہی ورے تیوری چڑھاتی ہو
پھر کہئے دل میں آپ کے کیونکر نہیں گرہ

غیروں کی تاب کیا جو رکھیں ہم نے کچھ مروڑ
بس جانا ہم نے رکھتے ہو ہم سے تمھیں گرہ

دل میں چمن کے ہے تری حسرت کی گھنڈی
باور نہیں تو دیکھ یہ غنچہ نہیں گرہ

ہم سے تو نزع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب
اپنی کھلی نہ تا بدم واپسیں گرہ

چین جبیں عرق میں ہوئی اس صنم کی تر
اے دل بس اب تو چل کہ یہ کھلنی نہیں گرہ

کوتہ نہ ہووے رشتۂ عمر آہ کس طرح
جب غم میں اسکے آ کے پڑے ہر کہیں گرہ

مر کر بھی اپنا عقدۂ مشکل ہوا نہ وا
سچ پوچھیے تو کہتے ہیں اس کے تئیں گرہ

الفت کا تار توڑ کے جوڑا تو کیا ہوا
خوبی تبھی تلک ہے کہ جب تک نہیں گرہ

کانوں کے موتیوں کو ترے دیکھ رشک سے
تنہا چمن میں دانۂ شبنم نہیں گرہ

وہ کیا، کلی کلی کے جگر میں ہے بے کلی
کلیاں بھی کیا کہ پہونچی ہے تار دل تئیں گرہ

اس بحر میں نظیر تو لکھ اور بھی غزل
زلف سخن میں چاہیے ہو ہر کہیں گرہ

۱۰۵

یوں ہم سے اس کی رکھتی ہے زلف اور جبیں گرہ
پڑتی ہے جیسے پاس گرہ کے کہیں گرہ

ظاہر میں گو وہ تیوری چڑھاتا ہے ہم کو دیکھ
لیکن ہزار شکر کہ دل میں نہیں گرہ

ڈوری کی یہ گرہ نہیں جو لے تو اسکو کھول
ناصح ہے میرے اس کے تو اب دلنشیں گرہ

بھر عمر میرے دل کا یہ غنچہ کھلا نہ آہ
ایسی فلک نے کس کے دی میرے تئیں گرہ

ملنے کے یاد رکھنے کو مدت کے بیچ آہ
دے کر گیا ہے بند میں وہ نازنین گرہ

بندھتا ہے جیسا دل کا محبت کا وہ عقدہ
ایسی جہاں میں کوئی نہیں دل نشین گرہ

تم اپنے دل میں چاہیے جیسی رکھو مروڑ
ورنہ ہمارے دل میں تو ہرگز نہیں گرہ

نافے میں مشک، غم سے گرہ ہو کے مر گیا
دیکھ اس پری کی زلف کی وہ عنبریں گرہ

اے شوخ تیرے نیفے کے تکمے کے رشک سے
دریا میں سوکھ کر ہوا دُرِ ثمیں گرہ

مدت میں کل تو زلف کے دل کی جبین کی آہ
کھولی ہے ہم نے بیٹھ کے اے ہم نشیں گرہ

باقی رہی گرہ جو محبت کی غیر کی
وہ بھی نظیر کھولیں گے آخر ہمیں گرہ

۱۰۶

رفتار ہے دلوں کو کچلتے ہیں وہ جو آہ
اپنا یہ بدچلن دل انھیں کا ہے خاک راہ

سچ پوچھیے تو اس میں خطا دل کی کچھ نہیں — خوباں کی خوبیاں ہی بڑھاتی ہیں جی کی چاہ
دشنام میں یہ کچھ ہے حلاوت کہ دم بہ دم — ہوتے ہیں ہم اسی کے لیے مصدرِ گناہ
تیوری چڑھا کے دیکھیں ہیں جس دم عتاب سے — کس کس طرح کے لطف دکھاتی ہے وہ نگاہ
چٹکی میں دیر ہووے تو ہوتے ہیں ہم وہیں — بے رحمی و تغافلِ ناخن کے داد خواہ
کہنی کے التماس کا رہتا ہے جاں کو عزم — ٹھوکر کے اشتیاق میں پھرتا ہے دل تباہ
کہیے اگر کہ ہم ہیں تمھیں دل سے چاہتے — تو کہتے ہیں چہ خوش کوئی شاہد کوئی گواہ
گر چشمِ نم نے دی بھی گواہی تو کہتے ہیں — اے بے وقوف کس نے کہا تھا تو ہم کو چاہ

یہ کہہ کے جب جھڑک گئے ہیں ہو کر خفا نظیرؔ
وہ جھڑکیاں بھی ایسی ہی دل خواہ ہیں کہ واہ

۱۰۷

صحنِ گلشن میں صبا چلی پھر کے ہوا بسم اللہ — چشمِ بد دور بہار آئی ہے کیا بسم اللہ
مصحفِ رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں — نور قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ
اس قدر تھا وہ نشہ میں کہ یکایک جو گرا — میں نہ بولا، یہ مرے دل نے کہا بسم اللہ
زلف اس عارضِ رنگیں پہ بکھرنے جو لگی — بول اٹھی منہ سے وہیں بادِ صبا بسم اللہ
آج گلشن میں ذرا پاؤں جو پھسلا اس کا — گل ہنسا، غنچے نے جلدی سے کہا بسم اللہ
یار قاتل میرے جو جو کہ لگاتا تھا وار — لب پہ ہر زخم کے نکلے تھی صدا بسم اللہ

شیشہ و ساقی و ساغر بھی حاضر ہیں نظیرؔ
مے کشی کیجیے اب دیر ہے کیا بسم اللہ

شہر آگرہ

۱۰۸

رکھتا ہے گو قدیم سے بنیاد آگرہ — اکبر کے نام سے ہوا آباد آگرہ

یاں کے کھنڈر نہ اور جگہ کی عمارتیں	یارو عجب مقام ہے دل شاد آگرہ
شدّاد زرنگار نہ بناتا بہشت کو	گر جانتا کہ ہووے گا آباد آگرہ
توڑے کوئی قلعے کو کوئی لوٹے شہر کو	اب کس سے اپنی مانگے بھلا داد آگرہ
اب تو ذرا سا گاؤں ہے بیٹی نہ دے اسے	لگتا تھا ورنہ چین کا داماد آگرہ
ایک بارگی تو اب مجھے یارب تو پھر بسا	کرتا ہے اب خدا سے یہ فریاد آگرہ
ایک خوبرو نہیں ہے یہاں ورنہ ایک دن	تھا رشک حسن بلخ و نوشاد آگرہ
ہرگز وطن کی یاد نہ آوے اُسے کبھی	جو کر کے اپنی جاں کو کرے شاد آگرہ

اس میں سدا خوشی سے رہا ہے ترا نظیر
یارب ہمیشہ رکھیو تو آباد آگرہ

ی

۱۰۹

تم سے ہم اے حُسن کے سردار رخصت ہو چلے	مدتوں میں دیکھ کر دیدار رخصت ہو چلے
چاہتا تھا دل تو یوں رہتے تمہارے پاس ہم	پر فلک کے ہاتھ سے ناچار رخصت ہو چلے
آگئے تھے سیر کرتے تم کو نہ کیا خوش ہوے	اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے
پھر بھی آجاویں گے ادھر کو اگر جیتے رہے	اب تو رہنا ہے ہمیں دشوار رخصت ہو چلے
کیوں نہ لالے کی طرح دل ہو ہمارا داغدار	کس مزے میں چھوڑ کر گلزار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو اے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

۱۱۰

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے	جو کچھ عذر ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آئے تھے آئیے

کہا جبکہ ہم نے کبھی بوسے تو بنا کے منہ کہا غیر سے ‌‌ یہ سخن ہو سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اسکی میں تو کہا میاں ‌‌ یہ جو دام یہاں پہ بچھاتے ہو اسے جلد یاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و غنچہ لب جو گلے سے آکے لگے تو پھر ‌‌ یہ شگفتگی ہو بہ رنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
پڑے ہاتھ میں کہ ستم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب ‌‌ کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب رچائیے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھائیں گے ‌‌ نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جو ہیں آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنے ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آئیے اجی آئیے

۱۱۱

دل اس کی زلف میں پھنس کر یہ خوش دلی تو لے ‌‌ کہ جب صبا سے ہلے وہ تو اس میں تو جھولے
نشا ہے اس کو بہت وقت ہے ابھی لے دل ‌‌ میں اس کے چوم لوں منہ کو تو زلف کو چھو لے
جو دیدہ ہو دل اس کے تو کیونکہ ہو جاں بر ‌‌ بچے جو تیر نگہ سے تو تیغ ابرو سے لے
ہے اس کی چشم سیہ وہ کہ دیکھ کر اس کو ‌‌ مقام حلقۂ حیرت میں چشم آہو لے

ہنسی ہنسی میں دل اپنے کو مفت کھو بیٹھے
میاں نظیر بتوں کے تپاک پہ پھولے

۱۱۲

نہ دیں گے ہم تو دل اور تم ہو کہتے دو زبردستی ‌‌ نہ صاحب ہم نہیں راضی مگر لے لو زبردستی
جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں ‌‌ کسی نے دل لگایا ہے کہیں لو گو زبردستی
ہمیں کچھ مدعا ہوتا تو آپ ہی بیٹھتے اس جا ‌‌ تمھیں کچھ ہے غرض جب تو بٹھاتے ہو زبردستی
بتاں دست حنا بستہ پہ کرتے ہیں جسے مائل ‌‌ وہ جانے ہے کریں ہیں اس پہ یہ جو جو زبردستی
کہاں تک دل نہ دیتے وہ کہ ہر دم جس کے پاس اجی جاں ‌‌ بنا کر حسن تم ہنس ہنس کے آبیٹھو زبردستی
نہ ہوتے ہم تو دل کر تم سے بے بس اس قدر لیکن ‌‌ کریں کیا جب تمھیں آپ ہی سے آبیٹھو زبردستی

جو محبوبوں سے دل مانگیں تو جھڑکیں اور بٹھا رکھیں
نہ دل دیویں نہ گھر جانے دیں یہ دیکھو زبردستی

کریں حجت تو کہتے ہیں خوشی سے کیا دیا تھا دل
ارے ناداں لیا ہے گا وہ ہم نے تو زبردستی

نظیر اب تو تمھارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

۱۱۳

جو تم نے پوچھا تو حرفِ الفت بر آیا صاحب ہمارے لب سے
سو اس کو سن کر ہوئے خفا تم نہ کہتے تھے ہم اسی سبب سے

نہ دیتے ہم تو کبھی دل اپنا نہ ہوتے ہرگز خراب و رسوا
وے کریں کیا کہ تم نے ہم کو دکھائیں جھمکیں عجب ہی چھب سے

نہ جعد مشکیں جو ان کو دیکھے تو یاد اس کی میں شام ہی سے
یہ پیچ و تاب آ کے دل سے الجھے کہ پھر سحر تک نہ سلجھے شب سے

لگائی فندق جو ہم نے اس کی کلائی پکڑی تو ہنس کے بولا
یہ انگلی پہنچے کی یاں نہ ٹھہری بس آپ رہیے ذرا ادب سے

کہا تھا ہم کچھ کہیں گے تم سے کہا تو ایسا کہ ہم نہ سمجھے
سمجھتے کیونکر کہ اس نے لب سے سخن نکالا کچھ ایسے ڈھب سے

ہوس تو بوسے کی ہے نہایت پہ کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے
جو دسترس ہو تو مثلِ ساغر لگا دیں لب کو ہم ان کے لب سے

کسی نے پوچھا نظیر کو بھی تمھاری محفل میں بار ہو گا
کہا کہ ہو گا، وہ بولا کب سے کہا کبھو کا کبھی نہ اب سے

۱۱۴

قدم پہ قصدِ دل نثار رکھ دیں جو اس طرف بھی ہو جلوہ سازی
تمھیں تو پروا نہیں و لیکن ہماری اس میں ہے سرفرازی

مقابل اس حشم کے ہوں کیونکر کہ دیتی فرصت نہیں ہے پل بھر ۔۔۔ ادھر نگاہوں کی ترکتازی ادھر کو مژگاں کی نیزہ بازی
جو حال دل کا کبھی ہیں کہتے تو وہی باتیں ہیں سن کے کہتا ۔۔۔ بہ خوبی ہم تو سمجھتے اس کو جو تم نہ کہتے بہ این درازی
کہا یہ ایک شمع رو نے شب کو کہ ہم کو چاہو تو ہم یہ بولے ۔۔۔ وہ دل کو تم سے لگائے صاحب کہ جسکو لینی ہو دل گدازی

جو ایک لبرے دل چھڑایا تو دوسرے سے وہیں لگایا
نظیر ہم تو سیں خوشی سے جو چین لیتے لے عشق بازی

۱۱۵

بوسۂ لب سے ہیں ہم خوش کیجیے ۔۔۔ پھر ہمیں دل چاہے سو کہہ لیجیے
ہے تمہیں اے جان مرے سر کی قسم ۔۔۔ آج تو ایک ساغر مے پیجیے
قابل محفل ہمیں سمجھو اگر ۔۔۔ تو کبھی آنے ہمیں واں دیجیے
جیب[۱] تو پھاڑا امرا دلدار نے ۔۔۔ فائدہ کیا ہے اسے جو سیجیے

صلح کو تم پاس آیا ہے نظیر
اور جو لڑنا ہے تو لڑ لیجیے

۱۱۶

جلد آؤ اگر تم کو مری خواہش خوں ہے ۔۔۔ کچھ دیر نہیں لگنے کی یاں صید زبوں ہے
عشاق سے ملنے کی عبث پوچھو ہو ساعت ۔۔۔ جب دل ادھر آجاوے وہی نیک شگوں ہے
جب میں نے کہا تم مجھے پہچانتے ہو گے ۔۔۔ میں وہ ہوں کہ مدت سے جسے شوق زبوں ہے
یہ سن کے نظیر اس نے کہا کہتا ہے کس سے ۔۔۔ ہیں یہ بھی کوئی زور تماشے کا فسوں ہے

ہم تیری تو صورت سے بھی واقف نہیں ہرگز
اے شخص تو بے عقل ہے یا تجھ کو جنوں ہے

۱۱۷

بھولتی دل سے نہیں ہوش ربائی تیری ۔۔۔ دلبری عشوہ گری، جلوہ نمائی تیری

[۱] جیب نظیر کے زمانہ میں مذکر بولا جاتا تھا۔ اب متروک ہے بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے فصحا مؤنث ہی بولتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کیوں نہ پھر دوں میں تکوں اب تیرے مکھڑے کی قطع
کیا کروں مجھ کو یہ صورت ہے، خوش آئی تیری

مہ کی صورت مجھے آگے تیرے کب خوب لگے
اس کے چہرے سے تو صورت ہے سوائی تیری

آنکھ جوں آئینہ رہ جاتی ہے پریوں کی کھلی
جب نظر آتی ہے مکھڑے کی صفائی تیری

ہے تو مختار جو کچھ چاہے سو کر ناز غرور
کشورِ دل میں پھری اب تو دہائی تیری

گل جو گلشن میں گیا میں کہ ز راہ عجبے
ڈال بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

سونگھا ایک گل کو جو ہیں میں سے تو اسیں بھی ہیں
لے مرے غنچہ دہن بو مجھے آئی تیری

غم میں مرتا تھا نظیر اس کو جلایا تو نے
جان کس منھ سے کہوں اب میں بڑائی تیری

١١٨

سب ٹھاٹھ یہ ایک بوند سے قدرت کی بنا ہے
یاں اور کسی کی نہ منی ہے نہ منا ہے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں دیکھیے وہ کس کا جنا ہے

یاں لوگ دلھن دولھا کے قصے میں پھنسے ہیں
واں اور بنت ہے نہ بنی ہے نہ بنا ہے

حکمت کا الٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے

ہے عرش سے تا فرش جو روشن ہے طلسمات
یہ نور سب اس نور کی چھلنی سے چھنا ہے

ہم کچے سے کچا اسے سمجھے ہیں دگر نہ
اس دیگ کے چاول میں کنی ہے نہ کنا ہے

ملنا بھی غرض کا ہے لڑائی بھی غرض کی
نہیں اور کسی سے کوئی روٹھا نہ منا ہے

حاجت نہ بر آئی تو وہیں کرنے لگے ہجو
اور ہو گیا مطلب تو وہیں وصفِ ثنا ہے

یابس کہیں مرطوب کہیں گرم کہیں سرد
مصری میں کہیں زہر، ہلاہل میں سنا ہے

ایک اس کی دوا ابھی نہیں جاتی نظیر آہ
کچھ زور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

۱۱۹

سرسبز رکھیو کشت کو اے چشم تو مری
تیری ہی آب سے ہے بس اب آبرو مری

گو میں جفا سے مر گیا ترک کے روسیاہ
پر شکر ہے وفا تو ہوئی سرخ رو مری

اس کی جبین پاک پر اس دم تلک اے نسیم
کافر ہوں گر پڑی ہو نظر بے وضو مری

بل کھا کے زلف کان میں اس کان حسن کے
پھونکے ہے پردے پردے میں کچھ مو بہ مو مری

میں مر گیا تھا زہر جو کھا کر تو اس لیے
ق
یعنی وہ شاد ہو کہ مٹی ہا و ہو مری

سو تو نے میرے غم میں رلایا اسے فلک
اے روسیاہ یہ تو نہ تھی آرزو مری

پہروں تلک بکا میں پر اس شوخ نے نظیر
ایک چٹکی میں اڑا دی وہ سب گفتگو مری

۱۲۰

تن دیکھ کے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے[ل]
وہ سیم تن اس تن سے کس طرح نہ تن نکلے

ہیں خال سر کاکل یا ڈالیاں سنبل کی
چرنے کے لیے شب کو آہوئے ختن نکلے

ہم درج گہر اپنے سینے میں سمجھتے تھے
جب روئے تو آنکھوں سے کل لعل یمن نکلے

آنے کی قسم کھا کر پھر منھ بھی نہ دکھلایا
سادہ جنھیں سمجھے تھے سو ان میں یہ فن نکلے

اب روئیے الفت کو یا ٹھونکیے قسمت کو
جو قول کے پورے تھے وہ عہد شکن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

[ل] اسی مقطع: مطلع سے بادنیٰ تغیر ایک غزل نمبر ۳۲۳ صفحہ ۱۷۴ میں گزر چکی ہے غالباً نظیر نے اسی غزل کی نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو۔ اشرف علی

۱۲۱

ہمیں اس غنچہ لب کی بات کیا دل سے لگی پیاری
کہ جس کو بے کلی یعنی ہو وہ ہم سے کرے یاری

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری

کیا ہم نے یہ استفسار اس سے یعنی اب ہم پر
قطعہ
کسی کے کہنے سننے سے یہ رہتی ہے ستمگاری

اگر کہنے سے ہو تو کچھ کریں تدبیر ہم اس کی　　دگر اپنی ہی مرضی ہے یونہی تو خیر لاچاری

مکدر ہو گیا لیتے ہی دل کے یک بہ یک ہم سے
نظیرؔ اُس آئینہ رو نے تو کی یہ صاف عیاری

۱۲۲

اظہار ہم بھی کرتے احوال دل فگاری　　شرم و وفا گر ایک دم دیتی زباں کو یاری
جن میں فریب و فن کی سو پختہ کاریاں ہیں　　ہم اُن کے مبتلا ہیں لے دل لے خام کاری
شکوہ فراموشی کا کیا اُن سے کیجے جن کو　　صورت ہی بھول جاوے پھر کیسی یادگاری
یک بار ملتے ملتے رُک جاؤ تم تو اے جاں　　دل بستگاں کی پھر ہو کیونکر نہ اشکباری
وعدے پہ گل رخوں کے مت کھا فریب اے دل　　ان کے قرار میں ہیں صد خار بے قراری
لیتی ہے ہم سے بدلہ اب صبح حشر اس کا　　جو شام مُو میں ہم نے کی تھی سیاہ کاری

گر کر نظیرؔ ہم اس محبوب کی نظر سے
ایسے ہوئے ہیں ہلکے جو زندگی ہے بھاری

۱۲۳

جس وقت خواب ناز سے وہ چشم وا ہوئی　　صد خستہ نہ خفتہ کی حاجت روا ہوئی
لا بوئے گل نہ کلبۂ احزاں میں اے نسیم　　یہ کب ہماری روح کی راحت فزا ہوئی
یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد　　آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیرؔ ایک نے کل شکل وصل یار　　ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیئے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

۱۲۴

بنا کے منھ جو سراسر ہمیں بُرا کہیئے　　تمھارا ہم نے بگاڑا ہے کیا بھلا کہیئے

غرض تھی چاہ سے ہم کو سو ہم نے کی آگے
گناہ اس کو سمجھ لیجیے خطا کہیے

وفا جو ہم میں ہے کم سیکڑوں میں نکلے گی
اگر ہزار طرح ہم کو بے وفا کہیے

صریح خوش تھے ہمیں دیکھ کر ہوے ناخوش
یہ اختلاط میں ہے کون سی ادا کہیے

جو چاہے آپ کو دل سے اسے خفا کیجے
یہ ناروا ہے محبت میں یا روا کہیے

رہو خوشی سے تم اپنی تو ہے مراد مری
تمھارے دل کا جو کچھ ہو وہ مدعا کہیے

ہم آویں جاویں بھلا کیا خوشی سے آپ کے پاس
نہ جا نکالیے لب سے کبھی نہ آ کہیے

جو لے کے دل کو کریں رات دن ستم گاری
تو منصفو انھیں پھر کچھ نہ کہیے کیا کہیے

گلے کی داد نزاکت سے دیجے ہم بھی نظیرؔ
پر اس صنم کا ہے نازک مزاج کیا کہیے

۱۲۵

ہم اطوار تاسعت سے نہ کرتے آج جانکاہی
گر اس بے درد کے طرزوں سے ہوتی کچھ بھی آگاہی

خیال شوخیِ چشم اُس کا اپنے دیدۂ تر میں
پھرے ہے یوں کہ جیسے ہو شناور بحر میں ماہی

ہم اس کو بادکش کبھی جھیل نہیں سکتے ہیں اس ڈر سے
کہ ہے وہ رمز فہم اور اس میں ہے طرز ہوا خواہی

نہ کر پہلو تہی اس کے جفا و جور سے اے دل
مزا کیا عشق کے آفات کا جب عافیت چاہی

بتوں کو دل دیا تھا تو نے اب دیں کو بھی دے بیٹھا
ارے کچھ تو خدا سے ڈر، نظیرؔ اتنی بھی گمراہی

۱۲۶

غفلت میں جو رہا وہ نہ بھولے تو کیا کرے
فربہ جسے کیا وہ نہ پھولے تو کیا کرے

گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو نا قبول شے کے بنا یا قبول کو
پھر اس کو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

لڑکے کو دیں جو عہد میں مادر پدر سُلا
لاچار پھر وہ اس میں نہ جھولے تو کیا کرے

جس فیلباں کو حکم ہو سردار کا نظیر
پھر وہ غریب ہاتھی نہ ہووے تو کیا کرے

۱۲۷

اس رشک مہ کے منھ پہ وہ مشکیں جو خال ہے — ایسا تو خال خلق میں اب خال خال ہے
اے مردمان چشم بتاں یہ وہ خال ہے — تم سب کے آج خال کو یاں جائے حال ہے
کیا دام زلف چاہیے جس جا یہ خال ہے — دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہے
اس مہ جبیں کے گوشہ ابرو میں خال ہے — جیسا وہ نیمچہ ہے یہ ویسا ہی ڈھال ہے
مکھڑے پہ اس کے گرچہ بناوٹ کا خال ہے — اصلی کو پر یہ حسن بنا نا محال ہے
جس منھ پہ جوش حسن سے تل بھی جا نہ ہو — واں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے
اس خال کے فراق میں اپنے جگر کا آج — وہ حال ہے جو چاند کے سینے کا حال ہے
خوبی میں اس کی چشم سلیمانی کہیے آہ — نیلم ہے یا کہ مردم چشم غزال ہے

اب کس سے اس کے خال کو تشبیہ دیں نظیر
کافر یہ رو سیہ تو کوئی بے مثال ہے

۱۲۸

اب تو ہر لحظہ وہ بے درد ستاتا ہے مجھے — بے نہایت ستم و ظلم دکھاتا ہے مجھے
جاگتا ہوں تو یہ کہتا ہے کہ جا سو بھی کہیں — اور جو سوتا ہوں تو ٹھوکر سے جگاتا ہے مجھے
جس طرح جلتی ہے فانوس میں شمع محفل — اس طرح پردے ہی پردے میں جلاتا ہے مجھے
خوش نصیبی مری الفت کی تو دیکھو یارو — یاد کرتا ہوں جسے میں وہ بھلاتا ہے مجھے
شوق دیدار ہے یا جذبہ الفت ہے غرض — کوئی تو ہے کہ جو کھینچے لیے جاتا ہے مجھے
آج وہ خاک نشیں ہوں میں کہ جوں نقش قدم — ہر کوئی پاؤں کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے مجھے

عشق میں اس کے نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں نظیر

ایسی مشکل ہے کہ کچھ بن نہیں آتا ہے مجھے

۱۲۹

یہ کس نے آج چمن میں قبا اُتاری ہے
کہ جس کی بو سے ہر اک گل کو بیقراری ہے

تو وہ ہے گل کہ ہمیشہ قدم قدم پہ ترے
چمن نے باغ میں سو سو بہار واری ہے

ترا میں حسن زلیخا سے پوچھ آتا جان
تو کیا کروں کہ وہ تشریف لے سدھاری ہے

نہ برق میں یہ ہے نہ سیماب میں نہ شعلے میں
الٰہی دل کو کہاں کی یہ بیقراری ہے

نظیرؔ ابروئے مژگاں کو اپنا دل دے ڈال
نہیں تو دم میں میاں پھر چھری کٹاری ہے

۱۳۰

لینے کو ہم آئے ہیں دلِ زار کسی سے
کچھ اور نہیں حجت و تکرار کسی سے

اب خیر اسی میں ہے کہ دے ڈالیے دل کو
تا مفت نہ ہو قصہ و پیکار کسی سے

ہم اپنی ہی خوبی سے نہیں بولے ہیں نہ
ہوتا خلش اب تک تو کئی بار کسی سے

اقرار جو کرکے کوئی مکرے تو وہ جانے
ہم نے تو کیا کچھ نہیں اقرار کسی سے

سب جانتے ہیں دل کے تئیں مفت لیا ہے
بوسے بھی نہیں پائے ہیں دو چار کسی سے

کیا وجہ نہ دینے کی کوئی منہ سے تو بولو
تو ہم بھی نہ ہوں دل کے طلبگار کسی سے

یہ سُن کے نظیرؔ اس نے کہا سنتے ہو یارو
ہم کو تو عداوت نہیں نہ پیار کسی سے

سو آپ میں اس مکر کو ہوں خوب سمجھتا
اس پر تو نہ بولے میری بیزار کسی سے

۱۳۱

جلد آشنا نہ چل او جلوہ دکھانے والے
ہیں نقاہت زدہ پیچھے ترے آنے والے

وائے غفلت جنھیں ہے فکر جراحت ریش
ہم انھیں سمجھے ہیں مرہم کے لگانے والے

جرم میں چاہ کے جو چاہو سو کہہ لو صاحب
شرم سے ہم نہیں اب سر کو اٹھانے والے

یک سر مو نہ پریشاں ہو تو اے کاکلِ یار
ہم ترے دام میں آ کر نہیں جانے والے

ہم تو جا بیٹھیں ابھی یار کے کوچے میں مگر
چین دینے کے نہیں رشک کے کھانے والے

ل نہ لے درد دیتوں سے کہیں ہے خوف نظیر
تو ہے کمزور وہ ہیں زور جتانے والے

۱۳۲

کہہ گئے اس قاتل نے آج ایک بات میرے سامنے
دل کے دو ٹکڑے گئے ہیہات میرے سامنے

شعلۂ دل سے مرے پروانہ کیا ہوگا دوچار
شمع نے رو رو دیا تھا، رات میرے سامنے

کیا کوئی اُس شعلہ رو سے ہو مقابل حسن میں
ہو گئی برسوں پری بھی مات میرے سامنے

نقطۂ حسن اس کے رخ کا ایک کتاب حُسن ہے
ہو چکی اس کی بھی تحقیقات میرے سامنے

اس کی ابرو کی صفت میں ہر کماں ابرو نے رات
بزم میں کیا کیا پڑھیں ابیات میرے سامنے

میں تو اس غماز کو کیا کیا سزا دیتا مگر
کیا کروں منکر ہوا بدذات میرے سامنے

پھر چلا تو آج اس چنچل کے کوچے میں نظیر
کل تو تو آیا تھا کھا کر لات میرے سامنے

۱۳۳

گئی فلک تئیں پر اس کے دل میں راہ نہ کی
ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی

جگر کو دیکھیے میرے کہ یوں ہوا ہوں قتل
سپر تو کیا ہے کہ ہاتھوں تلک پناہ نہ کی

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہوگا
کہ جان آنکھوں میں آ آ گئی پر آہ نہ کی

کہا میں یار سے ایک دن کہ اے مہ تاباں
ہماری شام کبھی تم نے صبح گاہ نہ کی

نہ ہم سے پیار نہ الفت نہ مہر نہ اخلاص
جو سرسری سی نگہ گاہ کی تو گاہ نہ کی

یہ سُن کے مجھ سے کہا بیاں بھی کچھ اجارہ ہے
نہ کی تو چل بے نہ کی، واہ خواہ مخواہ نہ کی

میاں نظیر ہمیں چاہتے رہے سب کو
ہزار حیف کسی نے ہماری چاہ نہ کی

١٣٤

غنچہ لب، مہر جبیں، عارض گلفام پری — گلشن حسن ہے اب تو وہ گل اندام پری
کیوں نہ جھمکیں طرب و عیش کہ حسن نام میں ہوں — مے و مینا پری ساقی پری اور جام پری
وہ پری رو جہاں آوے تو ہو واں کی یارو — دن پری رات پری صبح پری شام پری
یوں مرے سینے پہ سوتا ہے شب وصل میں وہ — جس طرح اپنے پلنگ پر کرے آرام پری
اسکے ٹکڑے کی جھمک بھی وہی کرتی ہے جو کچھ — کرتی ہے حسن کی دکھلا کے جھمک کام پری
میں نے پوچھا کہ ہے کیا نام تمھارا کہئے — بولی کیا تو نہیں واقف ہے مرا نام پری

جس گل اندام کو اپنا دیا دل تو نے نظیر
حسن میں نام خدا ہے وہ دل آرام پری

١٣٥

ہو جو دو چار صبح اس عارض برق تاب سے — نکلیں ستارے رشک کے دیدۂ آفتاب سے
چھپتے ہیں یوں پری رخاں اس رخ مہر تاب سے — جیسے ستارے صبح کو چھپتے ہیں آفتاب سے
مکھڑے کی اس کے ہمسری کیونکہ ہو ماہتاب سے — باتیں کرے ہے اب تو صاف بڑھ کے وہ آفتاب سے
دل کو اسیر کر لیا زلف کے پیچ و تاب سے — آنکھوں کی نیند لے گیا نرگس نیم خواب سے
چہرے پر اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے — یہ تو چھپو کا اب نہیں وہ کہ چھپے نقاب سے
اس کا وہ روئے مہر وش چمکے ہے یوں نقاب سے — جیسے شعاع آفتاب پھوٹے تنک سحاب سے
سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو — اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے
زلفیں جو کھولیں آپ نے سنبل تر کا جرم ہے — یا کہ ختن میں کچھ خطا ہو گئی مشک ناب سے
اس کا وہ قد ہے جلوہ گر دیدۂ تر سے یوں مری — جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو یوں پھیر رہو ہم سے دم بدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے
چھوڑ کے مجھ کو نیم جاں اب تو چلے ہو تم مگر
دیر نہ کیجیو مہرباں پھر یو ذرا شتاب سے
سخت عذاب تھا ہمیں آہوں سے دل کی کیا کہیں
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ ایک جناب سے

۱۳۶

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے
مجھے ہے نزع وہ آتا ہے دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدۂ پُر نم رہے رہے نہ رہے
تمھارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ ایک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

۱۳۷

حقّہ

جب سے حقّہ تجھ لب جاں بخش کا ہم راز ہے
تب سے حق حق کیا کر قہ قہ کی سی کچھ آواز ہے
یہ جو اُڑتا ہے دھواں اب تیرے منھ سے لے پری
اس دھوئیں والا نسب کی عرش تک پرواز ہے

پیچواں پینے میں کس کس آن کا کھلتا ہے پیچ
گڑگڑی پینے میں کافر اور ہی انداز ہے

پیچواں کو اپنے پیچوں پر نہیں اتنا غرور
جتنا تیری گڑگڑی کو ڈیڑھ خم پر ناز ہے

. . . .
دل جلانے کو تو ابھی عاشق جانباز ہے

آپ نے حقے تو بیچے کو یہ رتبہ کہاں
منھ سے لگنے میں تو اب مہنال بھی ممتاز ہے

گر تجھے ہونا ہے گل لے دل تو جل اور دم نہ مار
دیکھ تنبا کو کو کیا کیا سوز ہے اور ساز ہے

گل کیا دم بھر میں تنبا کو جلا کر آگ میں
اے پری رو تیرے دم میں تو یہ کچھ غماز ہے

ہے کہاں ٹک بول اٹھ جلدی خدا کے واسطے
او میاں خقے عجب پیاری تری آواز ہے

کیوں نہ تجھ کو منھ لگا دیں خلق میں شاہ و گدا
تو تو پریوں کے لبوں کا ہمدم و ہمراز ہے

پیچواں پر پیچ کھاتی ہے پڑی حوروں کی زلف
گڑگڑی تیری بھی سادی، اے پری طناز ہے

آدم ایک دمڑی کی حقیا کو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا گڑگڑی گڑگڑی اور پیچواں پر ناز ہے

غور کر دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

١٣٨

انداز کچھ اور ناز و ادا اور ہی کچھ ہے
جو بات ہے وہ نام خدا اور ہی کچھ ہے

نہ برق نہ خورشید نہ شعلہ نہ بھبھوکا
کیوں صاحبو یہ حسن ہے یا اور ہی کچھ ہے

بلور کی چمکیں ہیں نہ الماس کی جھمکیں
اس گورے سے سینے کی صفا اور ہی کچھ ہے

پیچھے کو نظر کی تو وہ گدّی ہے قیامت
آگے کو جو دیکھا تو گلا اور ہی کچھ ہے

سینے پہ کہا میں نے یہ دسیب ہیں کیا ہیں
شرما کے یہ چپکے سے کہا اور ہی کچھ ہے

تم باتیں ہمیں کہتے ہو اور سنتے ہیں ہم چپ
اپنی بھی خموشی میں صدا اور ہی کچھ ہے

ہیں آپ کی باتیں تو شکر ریزہ اے جاں
اس گونگے کے گڑ میں بھی مزا اور ہی کچھ ہے

پوچھی جو دوا ہم نے طبیبوں سے تو بولے
بیماری نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

عتاب نہ خطگی نہ بنفشہ نہ خیارین — اس ڈھب کے مرضیوں کی دوا اور ہی کچھ ہے

ہم کو تو نظیر اُن سے شکایت ہے جفا کی
اور اُن کا جو سُنیے تو گلہ اور ہی کچھ ہے

١٣٩

یہ جو اُٹھتی کونپل ہے جب اپنا رنگ نکالے گی — ڈالی ڈالی جانے گی اور پتا پتا کھا لے گی
ہونہار بروا کے پتے چکنے چکنے ہوتے ہیں — بہت نہیں کچھ تھوڑے ہی دن میں پل چھنگ کو آلے گی
ابھی تو کیا ہے چھٹپن ہے نادانی ہے بیہوشی ہے — پھر تو اس دن ہووے گا جب اپنا ہوش سنبھالے گی
ناز ادا اور غمزوں کے کچھ اور ہی کترے گی گل پھول — سین لگاوٹ جوبن کا بھی اور ہی عطر نکالے گی
کاجل مہندی پان مسی اور کنگھی چوٹی میں ہر آن — کیا کیا رنگ بناوے گی اور کیا کیا نقشے ڈھالے گی
جب یہ تن گدراوے گا اور بازو باہیں ہوں گے گول — اُس دم دیکھا چاہیے کیا کیا پیٹ کے پاؤں نکالے گی
کس کس کا دل دھڑکے گا اور کون ملے گا ہاتھوں کو — نکلیں گے جب انگیا میں یہ کچے سیب اُچھالے گی
پان چبا اور آئینے میں دیکھ کے اپنے ہونٹوں کو — کیا کیا ہنس ہنس ملنس لیوے گی اور کیا کیا دیکھے بھالے گی
خانہ جنگیاں ہوویں گی اور لوگ مریں گے کٹ کٹ کر — شہر کے کوچے گلیوں میں اک شور قیامت ڈالے گی
جب یہ میوہ حسن کا رس رس پک کر ہووے گا تیار — نا گہ اس کی قیمت کا جب کھا چاہیے کیا لے گی
سونا روپا سیم و جواہر صبر و دل و دیں ہوش و قرار — آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہی اک آن میں سب کھوا لے گی

اپنے وقت جوانی میں یہ شوخ خدا ہی جانے نظیر
کس کس کا زر لوٹے گی اور کس کس کا گھر گھالے گی

١۴٠

جوبن میں شرارت ہے اور سین بھی چنچل ہے — کافر تری نظروں میں کچھ اور ہی چھل بل ہے
بالا بھی چمکتا ہے جگنو بھی دمکتا ہے — بدھی کی لپٹ تس پر تعویذ کی ہیکل ہے
گورا وہ گلا نازک اور پیٹ ملائی سا — سینے کی صفائی بھی ایسی گویا مخمل ہے

وہ حسن کے گلشن میں مغرور نہ ہو کیونکر — بڑھتی ہوئی ڈالی ہے اٹھتی ہوئی کونپل ہے
انگیا وہ غضب جس کو ململ ہی کرے دل بھی — کیا جانیے کہ شبنم ہے تن سکھ ہے کہ ململ ہے
یہ دو جو نئے پھل ہیں سینے پہ ترے ظالم — ٹک ہاتھ لگانے دے جینے کا یہی پھل ہے
ابھرا ہوا وہ سینہ اور جوش بھرا جوبن — ایک ناز کا دریا ہے ایک حسن کا بادل ہے
کیا کیجیے بیاں یارو چنچل کی رکھاوٹ کا — ہر بات میں ڈر ڈر ہے ہر آن میں چلبل ہے
یہ وقت ہے خلوت کا اے جان نہ کر کل کل — کافر تری کل کل سے اب جی مرا بیکل ہے
کل میں نے کہا اس سے کیا دل میں یہ آیا جو — کنگھی ہے نہ چوٹی ہے مستی ہے نہ کاجل ہے
معلوم ہوا ہم سے روٹھے ہو تم اے جانی — الٹا ہی دوپٹے کا مکھڑے پہ یہ آنچل ہے
یہ سن کے لگی کہنے روٹھی تو نہیں تجھ سے — پر کیا کہوں دو دن سے کچھ دل مرا بیکل ہے

جس دن ہی نظیر آ کر وہ شوخ ملے ہم سے
ہتھ پھیر میں بوسے ہیں دن رات کی ہل ڈل ہے

۱۴۱

ترے رخ کی جھمکیں کیا کہوں جسے دیکھ رہیں مہ و مشتری — رہے ہوش گم تو پھرے باؤلی ہی تری ایک جھلک کے دیکھ پری
تری نظریں تیر کماں بھویں تری آنکھیں ترک سناں مژہ — تری آن ہٹیلی چلبلی تری شوخ ادائیں فریب بھری
تو نے پان سے منہ کو لال کیا کہوں کیا جو دل کا حال کیا — دیا سرمہ آنکھوں میں وہ بلا جیسے اوپی تیغ پہ باڑھ دھری
ترے تن کی نرمی کیا کہوں کیے چھو کے پاؤں کے تلوے کو — چھوئی مخمل آن کے جس گھڑی لگی ہاتھ کو میرے وہ کھرکھری

زری پوش جو ہو کے نکلا ہے تو چمک جھمک سے او میاں
ہے نظیر بھی تیرا مبتلا بھلا اس کے پاس بھی بیٹھ ذری

۱۴۲

جتون کی کہوں یا کہ اشارات کی گرمی — ہے نام خدا اس میں ہر ایک بات کی گرمی
رونے سے مرے اسکو عرق آگیا یارو — سچ ہے کہ بڑی ہوتی ہے برسات کی گرمی

ٹک پھول چھوا تھا سو نزاکت سے کئی بار / رہ رہ کے دکھائی مجھے گل ہات کی گرمی
کھلواتے ہی بندوں کے بدن گرم ہوا یار / شاید کر گئی اس کو مرے ہات کی گرمی
جلتا ہوں میں اور شعلے نہیں دیتے دکھائی / ہے عشق میں یارو یہ طلسمات کی گرمی
رہنا ہے کوئی دن تو سمجھ جائیو اے دل / یاں پھر وہی ٹھہری ہے ملاقات کی گرمی
گرمی بھی کہیں آہ ہم افسردہ دلوں میں / ساقی کی فقط ہے یہ عنایات کی گرمی
آتے ہی جو تم میرے گلے لگ گئے واللہ / اس وقت تو اس گرمی نے سب مات کی گرمی
کہتا ہے وہ جب دم کر چلو ہم سے نہ بولو / اس بات میں ہے اور ہی اک بات کی گرمی
سب پوچ ہے ظاہر کی یہ شوخی و شرارت / معشوق میں جب تک کہ نہ ہو ذات کی گرمی
تم غصہ ہو یا قہر ہو آتش ہو غضب ہو / اب ہم نے یہ سب دل پہ مساوات کی گرمی
یا حضرت دل تم تو بڑے صاحب دل تھے / رکھتے تھے بہت اپنے کمالات کی گرمی
ایک ہی نگہ گرم سے بس ہو گئے تم سرد / اب کہیئے کہاں ہے وہ کرامات کی گرمی

ہاتھ

یوں گرمی صحبت تو بہت ہو گی نظیر آہ
پر یار نہ بھولے گی مجھے رات کی گرمی

۱۴۳

وہ صنم جو بھر غدار ہے اسے ہم سے ملنے میں عار ہے / لے اپنا جو دل اڑا رہا ہے وہ ہزار جان سے نثار ہے
ملے جب سے کوچے میں اسکے جا یہ سرور عیش ہے بر ملا / لب لعل ہے اور وہ نقش پا بر جان ہے اور ردر یار ہے
وہ نگہ جو اسکی ہے فتنہ گر اسے مشق صید ہے بیشتر / ہے جو دل کا طائر تیز پر اسی باز کا یہ شکار ہے
وہ مژہ لگا کے جو ایک سناں گئی پھیر تو کرے نہ دل اب فغاں / کئی ایسے ہوویں گے امتحاں یہ ابھی تو پہلا ہی وار ہے
جو بہار گل یہ ہی ہے تو ہیں کیا جو حسن کی پی ہے گل / جنہیں چاہیئے ہے وہ رشک گل انہیں گل سے کیا سروکار ہے
جو ہو نگہ دیویں دل و درد میں کہیں اسکو یہ اہل فقر ہیں / بھلا کہیئے کیا انہیں عاشقیں یہ عجب کچھ ان کا شعار ہے

کئی دن ہوے ہیں نظیر اب کہ خفا ہے ہم سے وہ غنچہ لب

اُسے کیا ہوئے ہیں روز و شب نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

۱۴۴

یک بہ یک مو کی سیاہی اس قدر جاتی رہی
کیا کہیں گویا سیاہی یک سر مو بھی نہ تھی
گو سفیدی مُو کی یوں روشن ہے جوں آبِ حیات
لیکن اپنی تو اُسی ظلمات سے تھی زندگی
دم بدم بزمِ سرور و ہر گھڑی سیرِ چمن
عشرت و عیش و نشاط و خرمی و تازگی
خندۂ شادی سے ہر گز لب نہ ہٹتے تھے بہم
ساغر و مینا، سرود و رقص، خوش طبعی ہنسی
جام دیتا تھا اودھر ساقی بہ منت ہاتھ جوڑ
اس طرف کیا کیا لگاوٹ دلبروں کی تھی نئی
گلبدن کرتے تھے کس کس طور اظہارِ اشتیاق
غنچہ لب ملتے تھے سو سو دل میں رکھ کر بیکلی
کوئی دیتا تھا محبت سے گلے میں ہاتھ ڈال
کوئی دیتا تھا زبردستی سے بوسہ ہر گھڑی
جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی، ہوس بازی و بے اندیشگی
آن کر مُو کی سفیدی نے یہ کیں بربادیاں
کھول دیں جتنی بندھیں تھیں وہ ہوائیں عیش کی
قد میں خم، آنکھوں میں نم چہرے پہ جھرّی رنگ زرد
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بدہیئتی

کیا تماشے انقلابِ چرخ کے کہیے نظیر
دم میں وہ رونق تھی اور اک دم میں یہ بے رونقی

۱۴۵

فرض ہے سب کو جنابِ کبریا کی دوستی
ہے وہی بندہ کہ جس کو ہے خدا کی دوستی
گر شفاعت کی تمنا ہے تو رکھ جی میں سدا
شافعِ محشر محمد مصطفےٰ کی دوستی
جامِ کوثر کا پیا چاہے تو اپنے دل میں رکھ
ساقیٔ کوثر علیٔ مرتضیٰ کی دوستی
حشر میں کھیتی ہری چاہے تو کر یاں اختیار
سبز پیراہن امامِ مجتبیٰ کی دوستی
سُرخ روئی دین، دنیا کی اگر درکار ہے
تو تو رکھ دل میں شہیدِ کربلا کی دوستی
زیب و زینت حشر کی چاہے تو سینے میں جما
عابد و باقر سے ہر دوسرا کی دوستی

گر بہشتی جنتی ہونا ہو تو کر دل میں نقش
جعفر و کاظم علی موسیٰ رضا کی دوستی

قبر کی سختی سے چھٹنا ہو تو اے مومن محب
رکھ تقی حضرت نقی سے پیشوا کی دوستی

راہ جنت کی اگر چاہے تو اپنے ساتھ لے
عسکری مہدی امام رہنما کی دوستی

جس کو کہئے مذہب حق اور صراط المستقیم
ہے وہ بیشک اہل بیت مصطفیٰ کی دوستی

جنتی ہے جنتی ہے جنتی ہے وہ سعید
ان کی خدمت میں جو رکھتا ہو وفا کی دوستی

دوزخی ہے دوزخی ہے دوزخی ہے وہ شقی
اس طرف سے جو رکھے روئے ریا کی دوستی

نوح کی کشتی انھیں کو ہے پیمبر نے کہا
چھوڑ مت اے دل تو ان بحر سخا کی دوستی

پل صراط حشر میں جس دم ترا کھسکے گا پاؤں
واں نہ تھامے گی کسی یار آشنا کی دوستی

ہاں مگر جب تو کہے گا یا علی مشکل کشا
جب سنبھالے گی تجھے مشکل کشا کی دوستی

دیکھیے کس کس طرح سے واں ترے آتی ہے کام
مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا کی دوستی

گر تو یہ چاہے خدا اور مصطفیٰ ہو تجھ سے شاد
تو علی حیدر سے رکھ صدق و صفا کی دوستی

حیف اس کی بندگی اور خاک اس کی زندگی
غیر حق سے جو رکھے مکر و دغا کی دوستی

دین و دنیا میں وہی ہے جنتی بے شک نظیرؔ
جس کے دل میں ہے سدا آل عبا کی دوستی

۱۴۶

کل دیکھ کے اس کے عالم کو اک عالم کے اوسان گئے
واللہ عجب کچھ عالم تھا جو جان گئے سو جان گئے

کیا حسن کہوں اللہ رے حسن اس رشک پری کی صورت پر
انسان بیچے کس گنتی میں جب حور و ملک قربان گئے

اس مکھڑے چاند کے ٹکڑے کو تر دیکھ عرق کے قطروں سے
کتنوں کے دین گئے بہتے اور کتنوں کے ایمان گئے

تھے چین جبیں پر ایسے ہی اس رشک بت چیں کے جبیں سے
جو کافر کٹے چین کے تھے وہ کافر بھی چیں مان گئے

وہ بوند سیاہی مژگاں کی جب تری تیر اندازی پر
دل چھید جگر سوراخ کیا اور سینہ تو سب چھان گئے

کچھ بھیس بدل کر شب کو ہم جوں پہنچے اس کی مجلس میں
وہ کافر وہیں بول اٹھا ہم جان گئے ہم جان گئے

وہ دیکھ کے خط آئینے میں کل بھر کر آہ لگا کہنے | اس سبز قدم کے آتے ہی سب خوبی کے سامان گئے

جب میں نے نظیر اس سے یہ کہا اب غم کھائے کیا ہوتا ہے
ان باتوں کو مت یاد کرو وہ پانی بہہ ملتان گئے

۱۴۷

یہ رنگِ پان سے جو دہن اس کا لال ہے
آج ان لبوں سے لعل کی پوری مثال ہے
استغفر اللہ لعل کہاں اور یہ لب کہاں
اے بے وقوف کچھ بھی تجھے انفعال ہے
خورشید جس سے لعل کی ہوتی ہے تربیت
وہ ان لبوں کے پان کا ادنیٰ اُگال ہے
یوں لعل گرچہ سُرخ ہے پر سنگِ سخت ہے
گو نرم بھی ہوا تو یہ اُس کی مجال ہے
کہتے ہیں لعل ٹوٹ کے ہوتا نہیں درست
سچ ہے یہ اپنے دل میں تو اور ہی خیال ہے
ہر دم سخن میں ٹوٹ کے بنتا ہے لعلِ لب
یہ معجزہ ہے یا کوئی سحر حلال ہے

بس لعلِ لب سے لعل کو نسبت ہے کیا نظیر
یاں لعل کی بھی اب تو زباں منہ میں لال ہے

۱۴۸

یہ حسن ہے آہ یا قیامت کہ اک بھبوکا بھبک رہا ہے۔
فلک پہ سورج بھی تھرتھرا کر، منہ اس کا حیرت سے تک رہا ہے

کچوری چوٹی ادا میں موٹی، جفا میں لمبی، وفا میں چھوٹی
ہے ایسی کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر ایک بات میں لٹک رہا ہے

وہ نیچی کافر سیاہ پٹی کہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
پڑھی ہے جس نے کہ اس کی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

وہ ماتھا ایسا کہ چاند نکھرے پھر اس کے اوپر وہ بال بکھرے
دل اس کے دیکھے سے کیوں نہ نکھرے کہ مثلِ سورج چمک رہا ہے

وہ جبیں خورد، کٹیلے ابرو، وہ چشم جادو، نگاہیں آہو
وہ پلکیں کج خو کہ جن کا ہر مو، جگر کے اندر کھٹک رہا ہے

غضب وہ چنچل کی شوخ بینی، پھر اس پہ نتھنوں کی نکتہ چینی
پھر اس پہ نتھ کی وہ ہمنشینی پھر اس پہ موتی پھڑک رہا ہے

لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک، مسی و پان بھی وہ قہر آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے

وہ کان خوبی میں چھک رہے ہیں جواہر دل میں جھمک رہے ہیں
ادھر کو جھمکے جھمک رہے ہیں ادھر کا بالا چمک رہا ہے

صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے

کچیں وہ کچھ کچھ تمر درختی، کچھ ان کی سختی وہ کچھ کرختی
ہیں جس نے دیکھے وہ پھل درختی، کلیجہ اس کا دھڑک رہا ہے

وہ سرخ انگیا جو کس رہی ہے وہ چس رہی ہے اکس رہی ہے
کچھ ایسے ڈھب سے وہ کس رہی ہے کہ اس کا کسنا کسک رہا ہے

وہ پیٹ دل کو لپیٹ لیوے، وہ ناف جی کو سمیٹ لیوے
ہزار جی کا جھپیٹ لیوے، کچھ ایسا پیڑو پھڑک رہا ہے

وہ پیٹھ گوری، کمر وہ پتلی، غضب لگاوٹ وہ پھر سرین کی
اب آگے کہیے تو کیا کہوں میں کہ ہوش اس جا ٹھٹک رہا ہے

فقط وہ چمپے کی اک کلی ہے کچھ اک منڈی ہر کچھ ایک کھلی ہے
سلاخ سونے کی ایک ڈلی ہے کہ گویا کندن دمک رہا ہے

وہ پیاری رانیں وہ گول ساقیں، وہ کف ملائم وہ نرم پہنچے

کڑی کڑی سے کھڑک رہی ہے، کڑا کڑے سے کھڑک رہا ہے

نظیر خوبی میں اُس پری کی کہوں کہاں تک ثنا بنا کر
صفت سراپا میں جس کے لکھے، دل اب اُسی سے اٹک رہا ہے

۱۴۹

اولاً اس بے نشاں اور بانشاں کو عشق ہے — بعد ازاں اس حلقۂ پیغمبر اں کو عشق ہے
لافتیٰ الا علیؑ ہے شان میں جس کی نزول — دوستاں اس شاہ مرداں سے جواں کو عشق ہے
پھر جو ہے باغِ نبوت اور امامت کی بہار — غنچہ و گل سبزۂ عنبر فشاں کو عشق ہے
عرش و کرسی حور و غلماں اور ملائک خاص عام — عالم بالا کے سب باشندگاں کو عشق ہے
جنت و عدن و بہشت و خلد و مینو اور ارم — ساتھ ان باغوں کے رضوان باغباں کو عشق ہے
ہیں جو سیّار و ثوابت آفتاب و ماہتاب — قائم و میل فلک قطب زماں کو عشق ہے
ہیں جو یہ چودہ طبق متحرک و ساکن سدا — بے سخن ان سب زمین و آسماں کو عشق ہے
مختلف ہیں اور ملے رہتے ہیں باہم روز و شب — خاک باد و آتش و آب رواں کو عشق ہے
ہے جہاں میں جن سے روشن عدل کے گھر کا چراغ — دم بدم اُن بادشاہانِ جہاں کو عشق ہے
اور خراساں اصفہاں ایران اور توران کو — پھر ہمارے گلشن ہندوستاں کو عشق ہے
ہیں جہاں تک سلسلے فقرا کے از کہہ تا بہ مہ — عارفاں اور کاملاں اور عاشقاں کو عشق ہے
کوہ تھراتے ہیں لرزیں ہیں زمین و آسماں — عاشق مولا کی فریاد و فغاں کو عشق ہے
ہر طرف گلزار ہے سبزان اور آب رواں — اپنی نظروں میں بہار گلستاں کو عشق ہے
وہ جو ہیں اس گلشن ہستی میں اب محو فنا — ان کے آگے موسم باد خزاں کو عشق ہے
دل کو لے پامال کر دینا بہ صد جور و جفا — اس ۔ ۔ خوبانِ عالم دلستاں کو عشق ہے
گرد کے مانند پھرتی ہیں پڑی اڑتی خراب — لٹ گئی دست جنوں کی کارواں کو عشق ہے
لوٹتے ہیں مست میخانے کے در پر جا بجا — جام و صہبا ساقی و پیر مغاں کو عشق ہے

کل ہی نقش ذائقہ سن کر بھی ہم عامل رہے
اے عزیزاں اس حیات رائگاں کو عشق ہے

خلقت کو زمیں میں کیا جن و کیا انساں نظیرؔ
وحشی و طائر زباں نے بے زباں کو عشق ہے

۱۵۰

خربوزے

اب تو بازار کے ہیں زیب فزا خربوزے
ہیں جدھر دیکھو اُدھر جلوہ نما خربوزے

قند و مصری کی حلاوت تو عیاں ہے لیکن
قند و مصری کے بھی ہیں ہوش ربا خربوزے

دلکش اتنے ہیں کہ بازار میں لینے تربوز
گر کوئی جاوے تو لاتا ہے تلا خربوزے

ناشپاتی کو لگا کر اگر امرود و انار
ہوں مقابل تو اُنھیں گنتے ہیں کیا خربوزے

سو بڑھل کے کٹھل بھی اگر آوے پل کر
اپنے ایک قاش سے دیں اس کو ہٹا خربوزے

ق
یار آیا تو کہا ہم نے منگا دیں لڈو
ہنس کے اس شوخ شکر لب نے کہا خربوزے

کھنّیاں فالسے منگوا دیں تو جھنجلا کے کہا
پوچھتے کیا ہو، تمھیں کہہ تو دیا خربوزے

ہم نے دیکھا کہ ادھر رغبت خاطر ہے بہت
حکم کرتے ہی دیئے ڈھیر لگا خربوزے

چھو لیا سیب ذقن کو تو کہا واہ یہ خوش
تم نے منگوائے اسی واسطے کیا خربوزے

اب کے شفتالوئے لب سے کوئی لو گے بوسہ
اچھی حرفت کو لیے تم نے منگا خربوزے

شکریں میوے ہوں اور سب کو ہم پہونچیں بہت
سو نظیرؔ ایسے تو تربوز ہیں یا خربوزے

۱۵۱

سمدھن

کروں کس منھ سے اے یارو بیاں میں شان سمدھن کی
لگی ہے اب تو میرے دل کو پیاری آن سمدھن کی

چمن میں حسن کے ہوں اس کے رخ اور زلف پر قرباں
اگر دیکھیں ذرا صورت گل و ریحان سمدھن کی

کمر نازک، مٹکتی چال، آنکھیں شوخ، تن گورا
نظر چنچل، ادا اچپل، یہ ہے پہچان سمدھن کی

سنہری تاش کا لہنگا، روپہلی گوٹ کی انگیا
چمکتا حسن جوبن کا جھمکتی آن سمدھن کی

ملائی سا شکم، سینہ مصفّا، خوشنما ساقیں
صفا زانو کا آئینہ، ملائم ران سمدھن کی

کہوں کچھ اور بھی آگے جو سمدھن حکم فرماویں
صفت منظور ہے ہم کو تو اب ہر آن سمدھن کی

بڑا احسان مانیں ہم تمہارا آج سمدھی جی
میسر ہو اگر صحبت ہمیں اک آن سمدھن کی

ہمیں اک دو گھڑی کے واسطے دولھا دلا دو تم
جو کچھ لہنگے کے اندر چیز ہے پنہان سمدھن کی

نظیر اب آفریں ہے یار تیری طبع کو ہر دم
کہی تعریف تو نے خوب عالی شان سمدھن کی

١٥٢

موتی[۱]

[۱] موتی نظیر کی معشوقہ کا نام ۱۲

پری زادوں میں ہے نام خدا حسن شان پر موتی
کوئی ایسا نہیں موتی، مگر موتی، مگر موتی

جھمک جاوے نگاہوں میں جواہر خانۂ قدرت
جو کھا کر پان اور دل گرمی ہنس دے اگر موتی

رنگ گل اس کمر کے سامنے بھرتی پھرے پانی
لچک میں اور نزاکت میں جو رکھتی ہے کمر موتی

ادھر ہر ایک مکاں پر موتیوں کے ڈھیر ہو جاویں
ادا سے ناز سے ہنس کر قدم رکھے جدھر موتی

صدا سن کر ہر ایک کی چشم سے موتی ٹپکتے ہیں
فقط بیٹھے ہی گانے میں یہ رکھتی ہے اثر موتی

عجب نقشہ عجب سج دھج عجب آنکھیں عجب نظریں
بڑے طالع بڑی قسمت جو دیکھے اک نظر موتی

شرف پنے کو پنے پر، شرف ہیرے کو ہیرے پر
شرف شرفن کو بطلوں پر رہی ہے جس کے گھر موتی

ہر اک دندان موتی، حسن موتی، نام بھی موتی
سراپا چشم موتی، تس پہ پہنے سر بسر موتی

جو خوباں سب نظیر اس دور میں ہیں نازک و رنگیں

شرف رکھتی ہے یار وہ اب تو سب کے حسن پر موتی

۱۵۴

آرسی

قطعہ

بنوا کے ایک آرسی ہم نے کہا کہ لو — پکڑی کلائی اس کی جو وہ شاخسار سی
لے کر بڑے دماغ سے اور دیکھ یک بہ یک — تیوری چڑھا کے ناز میں کچھ کر کے عار سی
جھنجھلا کے دور پھینک دی اور یوں کہا چہ خوش — ہم مارتے ہیں ایسی انگوٹھے پہ آرسی

غزل نمبر ۳۴۲ صفحہ ۱۳۹ کے بقیہ اشعار

طالب ہے اس لب میگوں کے ساتھ خال لئے دل — فقط یہی نہیں انہوں بھی اس شراب میں ہے
وہ جلوہ گر ہو تو رہتی ہے جان ورنہ آج — دل نظارہ طلب سخت اضطراب میں ہے

غزل نمبر ۳۸۰ ص ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی — آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے
اب تو ہے ناز یہ ٹھکرا کے مردوں کو چلنا — لیکن آخر نہیں اچھا یہ چلن یاد رہے

غزل نمبر ۳۸۰ ص ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

آنا کبھی جو گھر میں ہے کہنا آ نا بار بار — یعنی کہ مجھ کو واں سے بلانا گھڑی گھڑی
اور آپ بھی جو چار گھڑی بیٹھنا تو پھر — کرنا ہر ایک طرح کا بہانا گھڑی گھڑی
گر وصل کی ہو شب تو انھیں ہو نا مضطرب — کہنا جاؤں جاؤں مجھ کو کرکھانا گھڑی گھڑی

غزل نمبر ۲۸۲ ص ۱۵۷ کے بقیہ اشعار

مطلع

گل رنگی و گل پیرہنی گل بدنی ہے
گلزار میں خوبی کے اب اس گل کے برابر
انداز بلا ناز ستم، قہر تبسم

وہ نام خدا حسن میں بیچ پیچ کی بنا ہے
بوٹا ہے نہ شمشاد نہ سرو چمنی ہے
اور تس پہ غضب کم نگہی کم سخنی ہے

غزل نمبر ۲۸۳ ص ۱۵۸ کے بقیہ اشعار

پھرے ہے حرص سے بلبل چمن کے تختے تختے میں
جو کچھ بھی با صبر ہو تو ایک گل کیا اس کو تھوڑا ہے

کل اس نے نیلگوں ناخن سے ایسے میرے چٹکی لی
کہ جس کے نیل کا اب تک مرے تن میں دودوڑا ہے

چمک ہے درد سے کوندن بڑی ہے ہول اٹھتے ہیں
مرے پہلو میں کیوں یارو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

نشے میں پا کے اس کو کس طرح بوسہ نہ میں لیتا
بھلا یارو کسی نے بھی شکار اپنے کو چھوڑا ہے

عبث اس بے وفا کے تو جو نکتوڑے اٹھاتا ہے
ارے دل تجھ کو کیا دنیا میں محبوں کا توڑا ہے

غزل نمبر ۴۴۶ ص ۱۸۳ کے بقیہ اشعار

تو ہم مضطرب ہو دوڑتا ہے دمبدم کہکر
چلیں دیکھیں کوئی تو حلقہ در کھٹکھٹاتا ہے

نگار خوشدلی کرتا ہے وا بند نقاب اپنا
طرب سے دست عشرت بھی کدورت کو مٹاتا ہے

۱۵۴

مہندی

میاں کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی

کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، اچھنی، بھیگی، پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اُسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہی جی مہندی

کف نازک پر اس کے گو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری لال یاں لگتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اُس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پہ پیدر کے پری ہاتھ اور پری مہندی

ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست زیبا میں اُس کے دیتے تک مسلی گئی مہندی

نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

تمام شد ضمیمہ

کلام نظیر

بزبان

فارسی

دیوان نظیر فارسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

متفرقات ردیف الف

بالہ گوش تو اے غنچہ دہن خوش بالا	۱	داشتم گوہر دل بُرد ز بالا بالا
چو ببیند ایں طلائی آرسی را	۲	بود خجلت گل سورج مکھی را
ردی خودمی پوشی لے رنگیں داہم رمن	۳	طالب دیدار را تاب تحمل نیا
گل چمپا پسندِ من ازاں است	۴	کر رو زرے دیدہ ام چمپا کلی را
دوشالہ از تن خوباں چو گرم الفت شد	۵	باتصال دعا می دہد زمستاں را
شال رومال بر سر تو جبیں	۶	کہ صد احسان نہادہ بر سر ما
ازیں غنی بخندید او بطرز رے	۷	گزد گرد د تجمل عقد ثریا
جزہ عنایاتِ نازنیں خوباں	۸	کہ نشاند نیاز مندان را
گل در انگشتِ تو اے رنگیں ادا	۹	شاخ را بگذاشت در عشق حنا

له بطور اضافت بھی پڑھ سکتے ہیں اور شاید زیادہ گرم رہی ہے ۱۲ شہباز

متفرقات ردیف ب

بس کہ حسنِ گل دہد راحت بجانِ عندلیب	۱۰	بہرِ آں باشد بگلشن آشیانِ عندلیب
فی المثل صیاد گر سازد اسیرش پیشِ گل	۱۱	از پرے تاہم تواں دیدن نشانِ عندلیب
جنبشِ جھمکۂ تو مے سازد	۱۲	خاطرِ آرمیدہ را بے تاب
سی برتبۂ والائے خویش می نازد	۱۳	ز لطفِ گوہرِ دندانِ تو بسی دو زیب
عرق آں طور بر نازک تنِ تست	۱۴	کہ باشد در چمن نسرینِ سیراب
عجب دارم من از پا زیبِ خوباں	۱۵	کہ زیب از پا بود گویند پا زیب
اے گُل اندام گلشنِ حُسنت	۱۶	باد پیوستہ خُرّم و سیراب

متفرقات ردیف ت

اے سرو قد بیا کہ بہ اُمیدِ دیدنت	۱۷	مشتاقِ تو بہ زیرِ درختے فتادہ است
طُرّۂ مقیّش بر دستار چوں گُل ہمچناں	۱۸	تا تواں گفتن کہ ایں از بارِ نسریں برگِ گل است
دو پٹۂ تو گلابی، و من بایں حیرت	۱۹	کہ برگِ گُل بچنیں عرض و طول بس عجب است
غنچہ را حسن شگفتن زنسیمِ سحر است	۲۰	بہرِ ایں غنچہ مگر وصلِ نسیمِ دگر است
جز تبسم نتواں گفت نسیمش اصلا	۲۱	یا تکلم کہ بہ از قند و نبات و شکر است
بود یک لعل در آغوشش حُمرت	۲۲	کنارِ رنگِ پاں خوش از دو لعل است
من آں نیم کہ تبسم زجبین پیشانی	۲۳	چنیں معاملہ اکثر بہ چشم آمدہ است
حنا گرفت سرِ انگشتِ او چو از فندق	۲۴	برائے آں کہ بگیرند ساعد از انگشت
بچشمت رشتۂ کاجل بفہمم	۲۵	یکے از رشتہ دارانِ فسوں است
نگی بر جبینِ تو درخشاں تر آمدہ است	۲۶	ایں طرفہ اخترے است کہ بر مہ بر آمدہ است

٢٧ تشبیهِ خالِ زلف بر و این که افعیے   گردِ ک زندہ لبانہٖ سنبل نشستہ است

٢٨ چیست تمثیل از براے خال این چاہِ ذقن   قرصِ عنبر بر سر چہ از گرہ اُفتادہ است

٢٩ آرسی دیدنِ خوبان زنزاکت سبب است   تا نہ کان را طلبِ آئینہ تکلیفِ لب است

٣٠ قرار رفت زلنگن کہ تابش آمیز است   بحسن چنینِ ہر دم عجب دل آویز است

٣١ چھلّہ چند این بانگشتانِ تو، اے نازنین   در فریبِ ماہیِ دل قول باہم بستہ است

٣٢ جگنو اے گل در گلوے تو عجب تابندہ است   آن کہ جگنو نام دارد پیش این شرمندہ است

٣٣ قباے چھینٹ در آغوشِ نازنین خوبان   براے زینتِ ملتان و خوبیِ چین است

٣٤ شال بر فرقِ تو چنین زرد است   کہ ہم رنگِ جبینِ خود نشر داست

٣٥ صندل نہ جبہۂ تو بزینت رسیدہ است   یا از عتاب چین بہ جبینت رسیدہ است

٣٦ نسرین صفتِ نورۂ گوشِ تو شنیدہ است   در گوشِ تو اکنون پے تحقیق رسیدہ است

٣٧ چہ جاے غیر، چنین است این لباس لسنت   کہ دل بجلوہ رباید ز دستِ سادہ لسنت

٣٨ نوید اے دل کہ معشوقِ ستم گار   بعاشق پروری شاید کمر بست

٣٩ این حمائل کز گلِ صد برگ ہست اے نازنین   پیشتر صد برگ نامش بود اکنون صد گل است

٤٠ کرم کردن با حوال غریبان   زوال داران زوال داری توان گفت

٤١ ازین کہ یافت تمنّایم آن گل خوبی   دلم چو لالہ و گلنار از سر و ر شگفت

٤٢ تبسم کرد و گفت آن شوخ از من: ترا این ہم شکر باشد غنیمت"

٤٣ اند کے لطف ہمنشینیِ تو   بر من، اے گل عذار بسیار است

٤٤ صیّاد صید را بفریب ربودہ است   از دام رفتہ است چنین نیز بودہ است

٤٥ گفتم اے نازنین نکو گفتی   سحرِ حسنت فزون تر از جادو است

٤٦ گفتم کہ" درست گفتی اے شوخ   پروانۂ خانم با یدم گفت"

٤٧ در چمن اے نازنین گل از براے بلبل است   گفت": بے جا نازِ بلبل نیز از بہرِ گل است"

گفتم "سر و ریانت دلم از جمال تو"	۴۸	فرمود "طبع من نه تو ہم خرمی گرفت"
گفتم "اے جان، چنیں سخن گفتن	۴۹	تا قناعت بہر روشش خوب است"
گر بتاں مے کنند استہزا	۵۰	بت پرستاں ہم ایں قدر طیبت
زراه منصفی لازم نه ایں است	۵۱	تبسم کرد و گفت: "ایں جا ہمیں است
گفتم اکنوں تواں بیچاره شتافت	۵۲	گفت: "اگر دل قرار خواہد یافت
گفتم اے نازنیں، شرم آگیں	۵۳	حسن را شرم خوبیِ دگر است
گفتم اے نازنیں خوش رفتار	۵۴	دلِ من شد نشانہ رفتارت"
طبع خوباں بسے بود نازک	۵۵	پاس آں لازم محبان است
نازنیناں لطف ہم فرمودہ اند	۵۶	گر چنیں باشد، نہایت خوش تر است
تبسم کرد و گفتا "طیبت است ایں"	۵۷	بگفتم: "حرفِ من ہم آں چناں است
آرزو دیم ہیں، گر اے جاں	۵۸	ایں عبارت زروے طیبت ہست
لباس و معانی او ہر آں است	۵۹	کہ خود ہم در نزاکت صد بیان است
حسن را شعر نظیر کرد	۶۰	جو ہر و جوہری سزد لطف است

اے کرد و تو
بیا ہم ۱۲ ۲
[illegible]

د

۱

غزل

بود عہدے کہ زمن راز نہاں نتواں کرد		ایں زمانے است کہ راز صبح عیاں نتواں کرد
شکوہ ہا گر ننویسم عجبے نیست، کہ تو		بمن آں کردہ اے جاں کہ بیاں نتواں کرد
کہ چنیں ہا شود از تو بودن اندیشاں		خود بفرما کہ شکایت بجہاں نتواں کرد؟

کج روی خوب نباشد، وگرت خوش آید — تاہم اے غنچہ دہاں سرو رواں نتواں کرد

از غریبت دلم آزرده نباشد چه حساب — نیش را از غلطی نوش گماں نتواں کرد

با من ایں طور سلوک از رهِ عیاری ہا — می تواں کرد مگر رشکِ بتاں نتواں کرد

ہرچه رفت از تو بحالِ دلِ من سخت شُدے — بعد ازیں یادِ تو باشد که چناں نتواں کرد

قوت نفع رسانی چو نداری کسے — ایں ہم از سودِ شناسی که زیاں نتواں کرد

بر زباں حرف محبت، بدل انداز خلاف — ایں فسونہا بصداقت نشاں نتواں کرد

جاہلاے که ترا طرزِ ریا یاد دہند — نظرِ لطف بآں بے خرداں نتواں کرد

گر نظیر از تو کند کرد فسوں ممکن نیست
نیک پندار که از تیر کماں نتواں کرد

متفرقاتِ ردیف دال

گل وغیره ۱۲۵

۶۱ بر دوشت خلق صد رشک بر کتف — اگر آں زلف در دستِ من آید

۶۲ خرم آں بلبل که در صحن گلستاں مثلِ گل — بر کشد آوازِ شوق و گوش او سازد بلند

۶۳ کسے که مائلِ لبستانِ حسن شد، او را — بہم شتابه نگه نیز فرحت افزاید

۶۴ حب سہی قامتانِ گلشنِ حسن — دلِ قمری و شاں که شاد کند

۶۵ آں را که بہرِ دید نقش آید پری چوں عاشقاں — اے دل چنیں رنگیں ادا از بہرِ درشن می رود

۶۶ زلف بر دوشِ بتانِ دل ستاں دانی که چیست — دام را بر دوشِ خود صیاد اکثر می نہد

۶۷ پہنچی لبِ ساعدِ تو عجب خوش نما رسید — دانم که دست بستہ بایں مدعا رسید

۶۸ زانگشت تو خوبی ہا بجز انگشتری وا دارد — بگرد حلقہ اش گردم، عجب زیبادری دارد

۶۹ زر دیک پیچہ بابروے تو الفت دارد — گلِ صد برگ بایں برگ محبت دارد

۷۰ حوض با سرو سہی در باغ زیب افزا بود — اے پرستانِ چمن را ساغر و مینا بود

خیال بود ز مدت کہ مے پرست شوم	٧١	حنائے پائے تو اے گل حنا پرست نمود
بجوم از الفتِ مو نا ز فہیتا دارد	٧٢	این شب تار ہمیں عقد ثریا دارد
این کرن پھول بگوشِ تو شگفت است چنیں	٧٣	کہ بحسرت گلِ خورشید نگہ مے دارد
رحم کن بر نزاکتِ بازو	٧٤	اند کے نرم بند بازوبند
نور تن، اے تو گلِ پر ناز، بر بازوے تو	٧٥	نہ چساں گفتن بجا صد ناز بر خود مے کند
دید آرام دلم نالہ بہ جنبش آمد	٧٦	یافت بے تابی جاں خالِ سیہ تسکینِ او
جز فسوں گر نتواں گفت کہ ایں مارِ سیہ	٧٧	گیرد آں طور بافسوں کہ بپشت آویزد
زینت ایں دُرِ دندانِ مسی مالیدہ	٧٨	پیشِ چشم ہمہ جا صبح و مسا خواہد بود
چناں فزود چنینِ تو شانِ افشاں را	٧٩	کہ وصفِ رفعتِ او تا کجا بیاں گردد
عرق آمد بجبینِ تو بایں آب، کزو	٨٠	گر شود چہرہ کنوں آبِ گہر آب شود
عرق جبہہِ تابانِ بتاں آئنہ ایست	٨١	کہ درو شرم و حیا چہرۂ خود مے نگرد
عرق بر عارضِ گل رنگِ خوباں ؎	٨٢	بہارِ شبنم و گل مے نماید
عرق آمد باں نکہتِ بجسم نازکت اے گل	٨٣	کزو گردد خجل بوے گلابی کز عراق آید
راکھی اگرچہ باہگی ساز مے کند	٨٤	لیکن بحُسن دستِ بتاں ناز مے کند
غرورِ حسن دریں روزِ عید گر لطفے	٨٥	کند بحالِ غریباں، کجا بعید بود
بغنیہ عطر فشاں، کاکلِ مشکیں، دہول	٨٦	بو کن اے شوخ بطرزے کہ زہم فرق بود
دل فریبے در انجمن آمد	٨٧	چہ کنم از فریب باید دید
در آمد جامہ زیب ایں جا بایں عزم	٨٨	کہ بزم از جلوۂ او زیب گیرد
بمحفل ایں چنیں زیبا نگارِ نازنیں آمد	٨٩	کہ از حسنِ رخ او شمعِ لطفِ آتشیں آمد
گر از پروانہ پرسد، مے دمد زیں انجمن بیروں	٩٠	بہ پیشِ روے تا باتش دل او ہم چنیں خواہد
چنیں معاملہ ہم مے شود کہ صیادان	٩١	نہند دام بشب صید را بروز کشند

شبِ وصلِ چنیں حسن، اے دل ۹۲ چہ عجب گر دراز تر گردد

ز تشریفِ تو اکنوں من بلجندیِ لطف می نازم ۹۳ کہ یار آمد، دل آمد، راحت آمد، انبساط آمد

قاشے کہ بوسۂ لبِ شیریں تو در گرفت ۹۴ خواہم کہ بوسۂ لبِ او تا لبم رسد

بخندید و نگاہے جانبِ من ۹۵ نمود از لطف، و تسکینِ دلم کرد

من نہ خواہم رفت ہمراہِ تو، گفت: "اے حیلہ گر، ۹۶ صید از صیادِ خود رم تا کجا خواہد نمود"

اسیرِ شہد مگس مے شود ز روئے ہوس ۹۷ و گر نہ شہد مگس را بجُز د نے خواہد

خاطرم زیں نوید مثلِ چمن ۹۸ در میانِ بہارِ خُرّم شد

بتانِ نازنیں از بہرِ یاراں ۹۹ بہنگامِ کرم دریائے لطف اند

چو آں دل بر تبسم بر لب آورد ۱۰۰ دلِ من نیز فرحت یاب گردید

پرستندۂ حُسن، اے نازنیں ۱۰۱ دلِ دلبراں رنجہ کے مے کند

چوں ز دستِ ناز ہم آمد بدست ۱۰۲ گفتم: "اکنوں خاطرِ من شاد شد"

ازیں جا من ہمیشہ آرزو بود ۱۰۳ ز لطفِ نازنیں خوباں بر آمد

لذّتِ انبہ خوردنِ ایں طور ۱۰۴ پیشِ من بہ ازیں کہ مے باشد

صید رم دارد و صیاد فسوں مے خواند ۱۰۵ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند

قدرِ دشنام از لبِ خوباں ۱۰۶ دلِ مشتاق باز مے داند

خوردنِ سیب از چنیں خوبی ۱۰۷ غیرِ لطفِ بُتاں نمے باشد

شادم از دل کہ زمن رنجِ خود اظہار نکرد ۱۰۸ بنگہ رفت ہماں طور کہ تکرار نکرد

خاطرم یافت از تبسم او ۱۰۹ انبساطے کہ شرح نتواں کرد

گفتمش: "عزمِ بوسہ ظلم وارد از لبت" ۱۱۰ گفتا: "بگیر تا دلِ تو لذّتش برد"

در چمن چوں غنچہ خنداں مے شود ۱۱۱ خاطرِ بلبلِ گلستاں مے شود

گفتم: "اے نازنیں، چنیں ہستم" ۱۱۲ گفت: "آئینہ گیر، و بیں با لبِ خود"

تبسم کردم و گفتم بآں شوخ ۱۱۳ که "خوباں در سخن حاضر جواب اند"

دل نگاراں را بنازے تا[1] دلِ خود خوش کنند ۱۱۴ "نازنیناں را نگاہے تا دلِ ایشاں برند

طبعِ خوباں اگر نہ راہ دہد ۱۱۵ پیشِ ایشاں کسے چساں آید

رخِ رنگیں ادایاں ہر کرا پیشِ نظر باشد ۱۱۶ بجا باشد که نقدِ دل بیک دیدن کجا ارزد

رخے کآئینہ را حیرت فزاید ۱۱۷ چنیں تصویر پیشِ او چہ باشد

گفتمش: "طرفہ ایں سخن"، گفتا: ۱۱۸ "ہر سخن را جوابے باید"

گفتم: "اے نازنینِ گل رخسار ۱۱۹ در بتاں لطف و ہم عتاب بود"

تا بود طرزِ دل بری اے جاں ۱۲۰ حسن و نازِ تو در ترقی باد

گفتم: "اے نوگلِ حدیقۂ حسن ۱۲۱ بلبلِ کہنہ ام، تواں نفسہ:

در گلشنِ حسن اے گلِ نو ۱۲۲ سروِ تو ہمیشہ تازہ تر باد

بگفتم: "مانعِ ہمراہ بودن ۱۲۳ حیا باشد"، تبسم زیرِ لب کرد

چو بشنید ایں سخن آں سروِ سیمیں ۱۲۴ تبسم کرد و ہمراہِ خودم برد

چو گفت آں شرمگیں ایں حرف با من ۱۲۵ دل و دینم نثارِ شرمِ او شد

فریبِ ناز و ادائے بتاں کہ می داند ۱۲۶ مگر کسے که بر ایشاں نثارِ سے باشد

گفتم: "اے نازنیں، چنیں طیبت!" ۱۲۷ گفت: "مثلِ ظرافتت باید"

گر نمایند لطفِ محبوباں ۱۲۸ بر محبانِ خود عجب نبود

گفتم: "اے جاں، قدومِ محبوباں ۱۲۹ ہمچنیں؟" گفت: "ہمچنیں باشد"

گفتم: "اے جاں، زگفتنِ ایں حرف ۱۳۰ غرض آں است تا بمن[2] بدہد

گفتم: "اے جاں، بامتحاں" فرمود: ۱۳۱ "از پسِ امتحاں چہ خواہد بود"

گفتم: "اے زیبِ دل براں، دلِ من ۱۳۲ بر ہمیں آمدن فدائے تو شد"

گفتمش: "جز نگاہِ محبوباں ۱۳۳ بر دلم ایں چنیں که لطف کند"

[1] دل مقدر ہے ۱۲

١٣٤ گفتم: "اے جاں، دریں چہ عرض کنم — خوب باشد اگر بحکم[١] باشد"
١٣٥ عجب نبود مرادِ من اگر اے جاں چنیں باشد — تراہم از خواستن چہ خواہشِ غیر ایں باشد
١٣٦ ہر کرا امتحانِ ایں معنی[٣] است — ہرچہ گوید ہماں بجا باشد
١٣٧ دل فریبان چساں چنیں نہ کنند — حُسن از بہرِ دلبری باشد
١٣٨ خرامِ نازِ بتاں گرچہ مے رُباید دل — قیام نیز تواں دید تا چہ مے سازد
١٣٩ اے گُل اندام، اے پری رخسار — اُلفت[٤] دل ہمیں نشاں دارد
١٤٠ در نزاکت دستِ خوباں دل فریب دلربا ست — ہم بہ ہجرت پیشِ مشتاقاں بسے زیبا بود
١٤١ اے مہر فزا اُرخِ تو در حُسن — تابندہ چو مہرِ خاوری باد
١٤٢ از نسیمِ عنایتِ خوباں — غنچۂ دل شگفتہ مے گردد
١٤٣ از چنیں دلبراں حذر خوب است — گفت: "خوب است، اگر تواں گردید"
١٤٤ گفتم کہ رسم دل فریباں — گفتا: "بری، اگر گزارند"
١٤٥ کسے را اگر حُسنِ کسے دل رُباید — پری چیست، رشکِ پری مے نماید
١٤٦ بچشمِ منصفی باید بریں حرفم نگہ کردن — اگر می آید پری پیشِ من اے جاں نمی آید
١٤٧ جمالِ روے تو، اے زیبِ خوباں — اگر بیند پری دیوانہ گردد
١٤٨ از چنیں دلبراں ز راہِ کرم — اگر چنیں شد، کجا بعید بود
١٤٩ از چنیں دلبراں چگونہ کسے — حرف گوید، کہ دل بحرف برند
١٥٠ اے بتِ نازنیں فداے توام — گفت: "آں شکوہ[٥] کے بجا باشد"
١٥١ چشم گر کارِ او ہمیں باشد — سرِ ہم مہرباں نہ مے گردد
١٥٢ تبسم کرد و گفت آں نازنیں زود — "در ہمیں کافی کہ خود را مے نماید"
١٥٣ جمالِ روے تو اے مجمعِ کرشمہ و ناز — بطبعِ اہلِ محبت سرور افزا باد
١٥٤ مثلِ[٦] او عمرِ تو ہم اے گُل رو — در ریاضِ جہاں دراز شواد

١ رغبت مقدر ہے ١٢ ٢ یعنی دل ربائی ١٢ ٣ یعنی معشوق کے دل میں انتظار کی خلش پیدا ہوجاتی ہے ١٢ ٤ یعنی اس کا گلہ کہ چلتے وقت یہ نہ پوچھا کہ دو آپ پھر کب تشریف لائیں گے؟ ١٢ ٥ دوسرا فرضی معشوق جس کو مزاج سے درازیِ عمر کی دعا دی گئی ١٢ شہباز

لطفِ خوبانِ نازنیں، اے جاں	۱۵۵	نازِ اہلِ نیاز مے باشد
ظرافت از دل آرایانِ گل رو	۱۵۶	بہارِ شادمانی مے فزاید
چوں رُتم شد بقدرِ استعداد	۱۵۷	بہر ہر دل سرور افزا باد
مہرِ حسن از مطلعِ دور شد پدید	۱۵۸	پیشِ مشتاقانِ سحر اکنوں دمید
پایں نازک میاں ربط کمر بند	۱۵۹	بعزمِ آں کہ دلہا گرد گردند
کر الطفِ پری زاداں نوازد	۱۶۰	جہاں بر اوجِ بختِ خود بنازد
بہر فرحت در جہاں مشہور باد	۱۶۱	ہر کہ خواند طبعِ او مسرور باد
چو از من ایں سخن آں شوخ بشنید	۱۶۲	ز ابرو چیں بہ آورد و بخندید
نظیر از لطفِ حسن است ایں کہ ہر دم	۱۶۳	دل از فرحت بہ پیراہن نگنجد
نظیر از رتبۂ حسن است ایں زینت کہ رنگِ پاں	۱۶۴	بلطفِ لعلِ خوبانِ پری رو زیب می گیرد
نظیر از حسنِ وصفِ سبز رنگاں	۱۶۵	بسبزانِ مصفا میں مے نماید

لہ کتاب طرز تقریر ۳
کتاب بزم عیش ۱۳

س

۲

بسکہ منبسط از طرب گردید با خاطر دوچار		جلوہ گر شد در نظر صد خوش دلی ہر کنار
یک طرف گل کرد شاخِ خرمی، وز جانبے		با ہزاراں تازگی نخلِ نشاط آمد ببار
ابتسامِ غنچۂ دل از نسیمِ انبساط ٔ		شد چناں ظاہر کہ خندد غنچۂ گل در بہار
ز استماعِ ایں نویدِ جاں فزا آمد پدید		خیلِ راحت از کمیں انبوہِ فرحت بیشمار
بالکمالِ شادمانی، از نگاہِ چشمِ دل		از زمیں تا آسماں شد عیش و عشرت آشکار

متفرقات ردیف رائے مہملہ

زیں سنہری دوپٹہ صد احساں ۱۶۶ بر طلاؤ شہاب او ہار سنگار
درگلستاں آمدی، اے نازنین گل عذار ۱۶۷ صد دِہ احساں کشادی بر رخِ باغ و بہار
سرو را باید کہ گردِ قامتت گردد بشوق ۱۶۸ کبک را باید کہ بر پایت شود از دل نثار
حسنِ گل ہم عشقِ بلبل ہر کسے را خوش کند ۱۶۹ خاطرِ خوبان و طبعِ عاشقاں را بیشتر
اے بتِ مہ جبیں پری پیکر ۱۷۰ لمعۂ حسنِ تو قمر دلہ بر
شب مہ گرچہ پر بود لیکن ۱۷۱ ہمرہِ مہ رخاں بود بہتر
ہوشے آمد دریں بزم اندر لے آں گرزہ ۱۷۲ چشمِ مشتاقاں رہا از درد و رنجِ انتظار
پسندِ من چنیں شد ایں حمائل ۱۷۳ کہ مے دانم دلم، دیگر چہ اظہار
گر تو باشی عاشقِ خوباں ترا از جاں چہ کار ۱۷۴ ور تو دل دادی بتاں را، از رہِ ایماں چہ کار؟
بے گماں خضرِ طریقِ عشقے، اے روشن ضمیر ۱۷۵ داد ثنا دارِ دولت را نو جواں ایں چرخِ پیر
ایں سخن چوں بتِ سمن بر گفت ۱۷۶ شد دلِ من سمن سمن مسرور
گفتم: "اے جاں، مزاج مے سازم ۱۷۷ ور نہ کے نے روم بجائے دگر؟"
گفتم: "اے گل عذار، چشم ترا ۱۷۸ نرگس اصلاً نمے شود ہمسر"
ظرافت عجب کردی، اے گل عذار ۱۷۹ بود شاد طبعِ تو لیل و نہار
بود چوں دل براں را لشکرِ تسخیر ۱۸۰ بخوبی مے شود تبدیل تدبیر
گفتم کہ "چہ"؟ گفت، شوخ عیّار: ۱۸۱ "دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار"
ہر دم، نظیرؔ، از لب و چشمِ پری خاں ۱۸۲ باشد نمودہ بستہ دِ با دامِ در نظر

متفرقات ردیف زای معجمہ

خربزہ خوردہ ام بسے ہر بار ۱۸۳ نے بایں لطفِ خرمی آمیز
گر چنیں اختلاط دست دہد ۱۸۴ کردہ باشم ہمیشہ خود فالیز
طبع من شاد شد ز گفتنِ او ۱۸۵ زاں کہ باشد ہمیں بہ ناز و نیاز
اگرچہ ناز دراں رمز فہم مے باشد ۱۸۶ بہ یُمنِ صحبت ایشاں نیاز منداں نیز
گفتم: "اے نازنینِ طرفہ جمال، ۱۸۷ خاطرم خوش شد بود ز حُسنِ نیاز

متفرقات ردیف شین

گل نسریں بگوشش تو چناں است ۱۸۸ کہ صد عقد گہر گردد نثارش
گر نہ گردد لطفِ بوسہ بمن ۱۸۹ را حتم دست دادہ از بدلش
ہر فریبے کہ دل براں سازند ۱۹۰ دلِ شاں جمع باد از اثرش

ردیف ظ

فرد

تغافل ایں قدر، اے نازنیں، روا نبود ۱۹۱ وگرنہ زیادہ ازیں خیریت، خدا حافظ

متفرقات ردیف ف

گوہر بہ گوشِ سیم براں پیشِ نصیبِ من ۱۹۲ ایں دُر مگر برآمدہ است از ہمیں صدف
چو از من آں پری پیکر چنیں گفت ۱۹۳ تبسّم کردم و گفتم: "زہے لطف!"

ردیف ل

تعریف حقہ ۳

حقہ آمد بہ بزم اہلِ جمال	تا کند طبع دل بران خوش حال
نیچہ سرپوش ہم چلم خوب است	داندریں جملہ خوب تر ہمثال
دور از لب بلور نزدیکش	مے شود از بلور لعل مثال
یعنے از حمرت چنیں یاقوت	گاہ آں حال گاہ ایں احوال

گر شنیدے کہ حقہ مے آید
مے نمودے نظیرؔ استقبال

متفرقات ردیف ل

صیاد و چند نگرد و چیاں دریں شب ماہ	۱۹۴	کہ ہم مہ فلک و ہم مہ سپہر جمال
نانذر التطف گہے ایں کہ نیاز اردل	۱۹۵	گہ عتابے کہ اند و نیز بدست آرد دل
حُسن گر سحر کند نغمہ ہم افسوں دارد	۱۹۶	طرفہ کارے کہ ازیں ہر دو نگہ دارد دل

مقطع

نظیر لطفِ جمال است ایں کہ غنچۂ طبع	۱۹۷	بوصفِ گلبدناں می شود شگفتہ چو گل

ردیف میم

سحر بسیر گلستانِ پر بہار شدم	۱	ز صحن باغ بہ یادِ رگِ گل عذار شدم

چو فہم کرد کہ می آید آں زِ سیرِ چمن — بگفت "اے زِ تو دل تنگ غنچہ وار شدم
تو خود قرار نمودی کہ عندلیب صفت — زِ شوق بر گُلِ رخسارِ تو نثار شدم
پس ایں نہ گفتن و رفتن درونِ باغ چہ بود — اگر ترا بمحبت نہ غمگسار شدم؟"

شنیدم ایں سخن راست از لبش چو نظیر
بروئے یار چہ گویم چہ شرمسار شدم

دیگر

۵

باز در کوئے تو اے مہر فزا آمدہ ام — حرفِ بے جا نتواں گفت بجا آمدہ ام
خبرم ہیچ نباشد، بکش اندیشہ مدار — کہ خود از بہرِ تو اندیشہ نما آمدہ ام
اولاً کردہ ام از حیلہ دل خود راجمع — بعد ازاں سوئے تو اے حیلہ گرا آمدہ ام
سببِ آمدن از عاشقِ بدنام مپرس — تو مگر نیک ندانی کہ چرا آمدہ ام
گر وفا را تو شناسی بمن اقرار بکن — تا بگویم کہ من از راہِ وفا آمدہ ام
قصہ کوتہ، ز تو پنہاں نتواں کردن خبر — بوفا آمدہ ام یا بریا آمدہ ام

من نظیرم تو کنوں خواہ بکش خواہ بخش
بہرِ نظارہ ات اے مہر لقا آمدہ ام

متفرقات ردیف میم

کمر بندِ تو نافرمانی، دمن در عہد اے ایں — ۱۹۸ بنافرمانی ہوش و خرد بندِ کمر بستم
عجب دستارِ نافرمانی اے گُل بستہ زیبا — ۱۹۹ چو نافرماں، اگر فرمانکنی گردِ سرت گردم
یک پیچہ گلابی داری چناں کہ ہرگز — ۲۰۰ گُل را بایں بزرگی در گلشنے ندیدم

۲۰۱ عجب خالِ سیہ بر عارضت اے سیم تن دیدم — بروے برگ نسریں دانۂ مشک ختن دیدم
۲۰۲ حنائے دست تو دیدم کنوں چہ کار کنم — گر ہمیں کہ بر و لعلِ دل نثار کنم
۲۰۳ حنائے دست نہاں در دوپٹہ بنمودی — چہ سود لعل نہفتن بہ پردۂ شبنم
۲۰۴ بانک بر بازوئے تو اے سیم از حسنِ ختم — می نماید ایں کہ من ہم بانک بازِ طرفہ ام
۲۰۵ ترا گل دستہ بر دست است و من ایں نکتہ دانستم — کہ ظاہر می کنی تا ایں قدر دل بستہ می دارم
۲۰۶ لطف کن بر من کہ امید نگاہ آوردہ ام — دل پئے نذرِ تو اے چشم سیاہ آوردہ ام
۲۰۷ نگہ بر آرسی پیہم نمودی — سرت گردم، نگاہے ایں طرف ہم
۲۰۸ ز دندانِ مسی مالیدۂ تو در نگاہِ من — عیاں شد اندکے از تابِ گوہر ہم اندکے از نیلم
۲۰۹ بریں تعویذِ دست تو فدا دلہائے مشتاقاں — اگر در دست من آید، پری تسخیر گرد انم
۲۱۰ در گلو ہیکل ہے تعویذ می سازد عیاں — ایں کہ از تائید چندیں نقش ایں جا آمدم
۲۱۱ من از حسرت لبِ شیریں خوباں آں قدر شادم — کہ در ظاہر نظیرم نیک در باطن چو فرہادم
۲۱۲ ہنم چوں غنچہ تشریفت نسیم است — چساں مانند گل خنداں نگردم
۲۱۳ چہ شد گر خستہ جان و ناتوانم — کنوں ہم تیر مژگاں را فشانم
۲۱۴ چہ حدِ خود بہ بیند ارم پیش نازنیں خوباں — میانِ محفلِ ایشاں ز تر بز ہم بتر باشم
۲۱۵ از نسبت ہمسری اگر مے کرد — پستہ را البتہ مے فرستادم
۲۱۶ ایں سخن آں صنم چو گفت بہ من — دل خود را بہ زلفِ او بستم
۲۱۷ بُتے کو قدر دانِ عاشقان است — دل و جاں را نثارِ او نمودم
۲۱۸ گفتم: "نہ نہم" گفت از نازنہ: — "البتہ چنیں، اگر نہ گیرم"
۲۱۹ گفتم: "اے نازنیں، تبسم تو — بہرِ آں تا من آشنا باشم"
۲۲۰ گفتم: اے نازنینِ شیریں لب — من فدائے تبسم تو شدم"
۲۲۱ لب پاں خوردۂ بتاں از حسن — خوش بر آورد آرزوئے دلم

ل دل سفدر ہے ۱۲ سو

کسے کز دام خوبانِ پری رو	۲۲۲	رہا گردد، عجب آید بفہمم
اگر فریب نمودم بہ پیشِ تو اے جاں	۲۲۳	نثارِ حسنِ تو ام، غیر ازیں ہمی گفتم
ز حرفِ انبساط افزاے خوباں	۲۲۴	بفہمیدم کہ من نزدیک تسنیم
از عنایاتِ نازنیں خوباں	۲۲۵	یافتم ہر چہ بود مقصودم
نمودم قصدِ خود چوں کان بہ تسلیم	۲۲۶	چناں کز مثلِ خود ہا گوے بردم
مستی مالیدن آنجاے شود خوب	۲۲۷	کہ آں ہم خوب، و آں ہم خوب، و آں ہم
بمہرِ دلبراں آید ہمیں پیوستہ از دستم	۲۲۸	نباید ناخوش از من شد کہ از اہلِ ہوس ہستم
چہ خوش از دیدنِ آں شوخِ رشکِ حور گردیدم	۲۲۹	ز گلگشتِ چمن ہمراہِ او مسرور گردیدم
گفتم کہ "خوش فریب نمودی" بناز گفت	۲۳۰	"با تو فریب ہیچ بکردم، مگر کنم"
خندیدم و بگفتم: "اے پری رو	۲۳۱	دیوانۂ حسنِ دلبرانم"
فداے حسنِ تو اے گل عذار گردیدم	۲۳۲	کہ خوب گفتی، زمن نیز خوب فہمیدم
گفتم: "اے نازنینِ سحر نگاہ	۲۳۳	من بصد جان فداے چشمِ تو ام"
من نیم ایں چنیں، بگفت از ناز:	۲۳۴	"و من فریبِ تو خوب مے دانم"
کسے تواں شد کہ آں نیارد کس	۲۳۵	تابِ ایں رشک از کجا آرم
یا بستم، یا بو و چمن جبیں	۲۳۶	اے صنم پیشِ تو اکنوں آمدم
دلم ممنونِ حسرتِ خود نمودی	۲۳۷	بود حسنِ تو افزوں، اے دل آرام
چہ شد گر خستہ جان و ناتوانم	۲۳۸	کنوں ہم تیرِ مژگان را نشانم
صفتِ خوبیش عیاں کردم	۲۳۹	وصفِ الطافِ او بیاں کردم

ردیف "ن" غزل نمبر ۶

نقشِ مہرت در دلِ من خوش نشست اے نازنیں	دمبدم شوقِ ملاقاتِ تو ہست اے نازنیں

سلہ یعنی جعفری ۱۲
اشرف علی

دل بیاد تو زجاں در بے قرار یہا فزوں — جاں بہ بیتابی فزوں تر اوّل است اے نازنیں
در دوری می نماید طرفہ صور تہا تو زود — روے خود بنما باین صورت پرست اے نازنیں
کے روا باشد کہ من ہر لحظہ باشم در خمار — دیگراں از چشمِ مے گونِ تو مست اے نازنیں

حسرتِ عشقِ تو طبب ہرگز نیاورد بے نظیر
بوئے اورا اگر عنانِ دل بدست اے نازنیں

دیگر۔ حُسن

ے

نازو ادا و غرور داخلِ سامانِ حُسن — عشق باین پُردلی تابعِ فرمانِ حُسن
جان و دلِ عاشقان بُلبل و قمری وش اند — نیست بہارے چنیں در چمنستانِ حُسن
سرو بقدّ بتاں فاختہ ساں در نیاز — ناز بلندی بجاست ہرچہ کند شانِ حُسن
زاہدِ خلوت نشیں کرد رہا گوشہ را — دید مگر یک نظر گوشۂ دامانِ حُسن
عزم در آورد چوں بہرِ فسون و فریب — ملکِ دل از آن خود کرد زہے آنِ حُسن
جلوہ نمود و بدل داد ہزار انبساط — این ہمہ لطفِ جمال دیں ہمہ احسانِ حُسن

غنچۂ دل را نظیر خرم و خنداں نمود
تازہ تر و سبز تر باد گلستانِ حُسن

متفرقات ردیف نون

این زلفِ گل عذاراں بہتر ز دامِ یاراں	۲۴۰	در دامِ یک دو طائر در حلقہ اش ہزاراں
بخت سبز است آں گلستاں را بفہم کاندراں	۲۴۱	سبز بیاں گشتہ سرو قدرت اے دلستاں
جاے آں باشد کہ باصد ناز چوں آری قدم	۲۴۲	جاے پاے تو بود ہر دم بچشمِ بوستاں[۲]

لہ مناسب آں باشد ۱۲ سہ ۵ نرگس ۱۲

زیں فاصلہ نشینی در یافتم دو معنی ۲۴۳ خوبانِ نازپرور دانند خوبیِ آں
اول ہمیں کہ دیدن از دور روشنی را ۲۴۴ لطفے بود کہ دل را فرحت دہد فراواں
دیگر چو نرم و نازک ہستند، پس چگونہ ۲۴۵ تاب آورد نزاکت در گرمیِ چراغاں
لطفے کہ بود دل را در پے روئے خوباں ۲۴۶ کے طبع کسے داند جز پے روئے محبوباں
گہ گام بصد شوخی، گہ جنبشِ دامانے ۲۴۷ گہ شیوۂ بے باکاں، گہ پیشۂ محجوباں
بود در نزد دلِ من راز دل ۲۴۸ رام کردند بُتاں رام کی صول
خرمی افزا بہارِ دل فریبانِ چمن ۲۴۹ صحبت رنگیں حضورِ جامہ زیبانِ چمن
یک طرف در نازِ حسن زینت آرایانِ باغ ۲۵۰ یک طرف در شورِ عشق بے شکیبانِ چمن
چشم مے گوں، نگاہِ پُر افسوں ۲۵۱ بعد ازیں سرمہ، ہر سہ آفتِ جاں
ٹیکۂ پیشانیِ تو ایں قدر زیبا گزیں ۲۵۲ قرص خورشید آرزو دارد کہ گردد ہم چنیں
مسی بہ رتبۂ والائے خویش مے نازد ۲۵۳ شود بر شبہ سلک گہر عجب احساں
بر روے تو عرق زِ نزاکت بر آمد است ۲۵۴ یا از نگاہِ گرم کسے، ہر دو مے تواں
چناں محوِ پری روشمع رویانم کہ اے یاراں ۲۵۵ مرا دیوانہ و پروانہ باید پیش ازیں گفتن
حذر در عشق بازی کار خاناں است اے ناداں ۲۵۶ اگر خواہی کہ باشی پختہ، مشقِ پختہ کاری کن
لطفِ طیبت بفہم من آں است ۲۵۷ کہ بود از بتانِ غنچہ دہن
از فریبِ دلبراں غافل نباید شد دمے ۲۵۸ در نگہ غافل کرا گر دیدہ ام دوستاں
گفتم: "اے نازنینِ زہرہ جبیں ۲۵۹ پیش ازیں ہم چنیں شود از من"
گفتم: "اے جانِ جاں، زروے گماں ۲۶۰ گفت: "زیں پیش شد یقیں اکنوں"
گفتم: "اے نازنینِ غنچہ دہن، ۲۶۱ ہست آئینہ چنیں دلِ من"
گفتم: "اے جاں بطیبت ایں سخن ست ۲۶۲ ورنہ کسے ہم چنیں شود از من"
گفتم: "اے نازنیں بجا گفتی ۲۶۳ من بصد جاں نثارِ چشمِ بتاں"

۲۶۴	از کہ آموختی چنیں طیبت ؟	گفتم: "از لطفِ نازنین خوباں"
۲۶۵	چہ گویم وصفِ دستِ نازنیناں	دلم شیدائے حسنِ دستِ ایناں
۲۶۶	مرادِ خاطرِ بلبل شعاراں	بود حاصل ز لطفِ گل عذاراں
۲۶۷	گفتم: "اے نازنیں ز محبوباں	بسخن پیش کے تواں بردن"
۲۶۸	کیست جز عینِ لطفِ محبوباں	کہ برآرد مرادِ مشتاقاں
۲۶۹	حسن نازِ تو بود ہردم فزوں، اے نازنیں	انچہ گفتی ہمچناں من، ہرچہ گفتم ہمچنیں
۲۷۰	انچہ گفتی بسے بجا گفتی	گفتم: "از لطفِ نازنیں خوباں"
۲۷۱	دو بار روئے تو دیدم ز لطفِ خندیدن	ز راستی چہ قدر شاد مے شدم اے جاں
۲۷۲	از طبعِ نازنیناں نسیاں عجب نباشد	بارے نہ یاد بودم، احسان و لطف ایناں
۲۷۳	گر نمے آیدم بکوئے بتاں	کہ نگہ کردمے بہ روئے بتاں
۲۷۴	ہرکہ دل نثارِ خوباں شد	چوں نیاید بہ پیشِ محبوباں
۲۷۵	سزد کہ از طلبِ نازنیں دلم سازد	ہزار نازِ بخت خود از شرف اکنوں
۲۷۶	گفتم "از لطفت، اے پری رخسار	خاطرم جمع شد کہ ہست چنیں"
۲۷۷	مے نماید ندرتِ حسنِ بتاں	لالہ را در برگِ نافرماں نہاں
۲۷۸	سبز چوری زمردے است کزاں	سر برآورد پنجۂ مرجاں
۲۷۹	سرتاجِ من آفتاب رویاں	من از دل و جان غلامِ ایشاں
۲۸۰	در دلِ خود چوں نہ باشد شادماں	ہر کہ داند قدرِ نازِ دلبراں
۲۸۱	چہ گویم بے تکلف طرفہ جا من	تواں کردن بیانش تا کجا من
۲۸۲	گفتمش: "اے زینتِ بزمِ بتاں،	می شناسم ایں ہم از بالائے آں
۲۸۳	یکے را در میانش کلفتِ جاں	یکے را در نگاہش ہر دو آساں
۲۸۴	حسن شیریں لباں، نظیر، چنیں	کہ کند وصفِ آں بیاں شیریں

عرقِ آلوده پیراہن نظیر از جسمِ محبوباں	۲۸۵	دماغِ دل معطر می کند از خوش صحبت جوباں
نظیر از حسن، خوے نازنیناں	۲۸۶	تبلخی ہم بود از شہد شیریں
ظہورِ حسن دارد آں قدر آں دلورِ رنگیں	۲۸۷	کہ وصفِ آں بصد مضمونِ رنگیں خوب گفتن

متفرقاتِ ردیف "و"

رُخِ او گوے بُرد از نسریں	۲۸۸	شاہدش کیست؟ خالِ عارضِ او
اے پری زاد، انچہ شد از من	۲۸۹	نہ کنم پیش ازیں نہ گفتن تو
طابعِ آں کہ نازنیں خوباں	۲۹۰	ایں قدر لطف ہم کنند بدو

متفرقات ردیف ہ

سرخ دستار بیت خوش قد دیبالبتہ	۲۹۱	بر سرو سرو عیاں ساختہ خوش گل دستہ
فصلِ بہار گرچہ فزاید جمالِ باغ	۲۹۲	لیکن ز شانِ قدرتش آں ہم نمونہ
بہ شوقِ دیدنت بے باک یار سیدہ ترسیدہ	۲۹۳	بہر صورت دریں جا آمدم پُرسیدہ پُرسیدہ
طلب شرط است در دل اے صنم با حسنِ تابندہ	۲۹۴	بکثرت شہرہ دارد در جہاں "جوئندہ یابندہ"
فدائے پاے تو گردم کہ شورِ پائلِ تو	۲۹۵	دلانِ بے خبر افتادہ را کند آگاہ
ہوش و دلِ من از نگہے صید ساختہ	۲۹۶	ایں است آں مثل کہ بیک گز دو فاختہ
گفتم: "اے نازنیں، بس است ایں ہم"	۲۹۷	گفت: "تا خوش ز آمدن شدہ"

ردیف "ی"

مدام خوش دل و سرور و شادماں باشی	۸	ہمیشہ ملتفتِ حالِ دوستاں باشی

دلم ز مهرِ تو گر دست کامِ جاں حاصل — تو هم بکامِ دلِ خویش کامراں باشی
بسے ز حسن و وفاے تو شاد و خرسندم — تو هم بصد طرب و عیش توأماں باشی
بیاد آوری مخلصان و هم را زاں — میانِ اهلِ وفا شهرهٔ زماں باشی
دگر زیاده چه گفتن ازیں که میخواهد — ترا چنانکه دلِ دوستاں چناں باشی

متفرقات ردیف "ی"

۲۹۸ می شود از مه شب مهتاب ظاهر در جهاں — ماهِ روے نازنیناں را بود ایں چاندنی
۲۹۹ نهد صوفی گلابی بهرِ صهبا — ز دستارے چنیں گهرے گلابی
۳۰۰ نمایاں از مے گلگوں بسے از خود فراموشی — بهاے باده در دستِ خریدارانِ مدهوشی
۳۰۱ در دلِ من چیست زیبا چمپا کلی — آں که باشد هندی اوبے کلی
۳۰۲ عجب ایں چهرهٔ خوش باندهنوں لے گل کنوں لبتی — نزیم در صفت ان کس که گوید باندهنوں لبتی
۳۰۳ ازیں چوری پسند من صدا اسے — نخواهد شد بغیر از چوری بنگری
۳۰۴ دلے دارم وفاکیش و جفا کش — اگر گیرند خوباں از نگاهے
۳۰۵ گفتم از دل "خجل شوی هر جا — پیش ازیں گر سرِ هوس داری"
۳۰۶ ایں مثل چوں بگفت آں طنّاز — گفتم: "اے نوجواں، تو پیر شوی"
۳۰۷ چناں در دل بگرد خرّم و شاد — مرادِ آں که حاصل شد بزودی
۳۰۸ اگرچه برف به سر ما گرفته ام بسیار — مے نه خورده ام اے نازنیں بایں خوبی
۳۰۹ ز لعلِ دلبراں یابند مستی را — نه شد حاصل بهایِ دل فریبی
۳۱۰ گفتم: "اے جاں، دل از تو بستانم" — گفت: "وقتے که دلستاں باشی"
۳۱۱ گفتم: "اے دل بر پری رخسارے — من اسیرِ تو ام، بجا گفتی"
۳۱۲ گفتم: "اے نازنینِ غنچه دهن — سخنے طرفه دل‌نشیں گفتی"

تبسم کرد و لطف و مهربانی	۳۱۳	دلم شد همنشینِ شادمانی
بهارِ حسنِ تو، اے زیبِ خوبان	۳۱۴	بود هر دم فزون، ای باغِ خوبی
عیان عشرت، نظیر، از نام مولی	۳۱۵	بجوشش وقتی زهے هنگام بونی
بوصفِ حسن خوش تقریر باشی	۳۱۶	تو هم در عشقِ خوبان چیره باشی

نمبر آخر منظوم

چمن رو، مهر سیما، سرو قامت — بهارِ گلشنِ خوبی سلامت
پس از عرضِ سلامِ اُلفت آباد — مبرهن بر دلِ عشرت قرین باد
که دوش آمد بگوش این منتظر را — ز هر سو این نوید فرحت افزا
که رشکِ گل و غیرت دهِ ماه — بصد حشمت، بصد ثروت، بصد جاه
بهار افزای دولت خانه گردید — سرِ زلفِ وطن را شانه گردید
چو این حرفِ نشاط افزا شنیدم — بهار صد چمن در جوش دیدم
بحمد الله اُمیدِ اُلفت آمود — همین بود، و همین بود، و همین بود
اگرچه بهرِ وصل این بود رایم — که طائر سان بپرواز اندر آیم
نهالِ گلشنِ دیدار گردم — ز باغِ وصل برخوردار گردم
ولیکن کرده ام زان ره صبوری — که دارم پیش خود کارے ضروری
چو من کارِ ضروری پیش دارم — ز لطفِ تو چنین اُمید دارم
که هر یک دم از اُلفت شعاری — قدم بر فرقِ من بر چشم گذاری
بوصلِ خود دلم را شاد سازی — ز بندِ هجرِ خود آزاد سازی
دلم را گر چنین راحت رسانی — نخواهد شد بعید از مهربانی
پذیر رفتن نهایت دل پذیر است — دو حرفِ مختصر عرضِ نظیر است

نمبر ۲ خط منظوم

محیطِ بخشش و بذل استقامت | ملاذ و منبعِ احسان سلامت
چو شوقِ صحبتِ رنگیں نگارم | ہما تا موج در دریا شمارم
مگر بعد از سلامِ الفت آرا | بنوکِ خامہ آرم مدعا را
کہ امروز از برائے غسلِ دریا | جہانے حاضر و خلقے است یکجا
چنیں مجمع نباشد جائے دیگر | بجوش آمد مگر دریائے دیگر
نظر تا مے رسد یکسر بہارست | چمن بر ساحلِ دریا نثارست
ز غسلِ مردمان و بازیِ آب | بہر سو شوخیِ گرداب بے تاب
ز عکسِ گل عذاران، آبِ دریا | برنگِ نہرِ گلشن در نظرہا
بساحل بسکہ مہ رویاں عیانند | شکارِ دامِ الفت ماہیانند
بفرحت قطرہ زن ہر موجِ آب است | مے مقصود در جامِ حباب است
بہارِ حسن و آبِ بحر در جوش | بہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش
چو بر دریا چنیں رنگیں بہار است | دلم از بہرِ آں بس بے قرار است
دریں صورت نظر بر بے قراری | عطا سازند رتھ بہرِ سواری
چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز | کنم من ہم دلِ خود عشرت اندوز
کہ باشد دیدنِ عالم غنیمت | اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت
نظیرش اکنوں ندارد غیر ازیں یاد | کہ باشد خانۂ الطاف آباد

نمبر ۳ خط منظوم

اے مجمعِ لطف و مہربانی | وے مصدرِ مہر و قدردانی

امروز به بزمِ آشنایان — صد فرحت و عشرت است شایاں
مشغولِ سخن سخنورانند — ہم صاحبِ فہم سامعانند
گہ وصف ز کاکلِ نگار است — چنداں کہ عیاں بنفشہ زار است
وصفے کہ بہ عارض است شایاں — چوں لمعۂ مہر و مہ نمایاں
تقریر ز حسنِ نازنیناں — عشق آورِ انجمن نشیناں
گفتار ز چشمِ غمزہ پرداز — ہر دم بفسون و سحر ہمراز
از شرح میانِ نازکِ یار — حیرت بمیانِ مو بمو دار
گاہے ز بیانِ خوش ادایاں — صد ناز بشوخیِ فراواں
از حرفِ قدِ برنگِ شمشاد — ہر مصرعۂ بیت سروِ آزاد
اظہار ز خوبیِ سراپا — آراست در انجمن چمنہا
القصہ چناں خوش انجمن ہست — کز نزہتِ خرمی چمن ہست
از خوبی و لطف ہمچو محفل — کیفیتِ طرفہ ہست حاصل
دریافتہ صحبتِ سخن را — افزائش زیبِ انجمن را
در خاطرم آرزوے آن است — یک لحظہ نہ بلکہ ہر زمان است
کز لطف بپاسِ مہر و الفت — وز راہ عنایت و محبت
این وقت تو نیز زود آئی — ہم شاد شوی و خوش نمائی

نمبر ۴ خط منظوم

صاحبا، الطاف ساز اشفقا — در جہاں باشی سلامت دائما
بعد شوقِ صحبتِ عشرت نژاد — بر ضمیرِ روشنت مکشوف باد
یاد ایامے کہ بے ایں دل فگار — رہ نمودے در دلت صبر و قرار

گر درنگے در رہا قات آمدے / بر زبانت حرف ہیہات آمدے

می شدی گر لاعلاج از من جدا / گریہ مے گشتی بچشمت آشنا

چوں برفتے بر زباں حرفِ فراق / خاطرت مے گشت از آرام طاق

بہر تسکینم گرفتے بر زباں / وعدہ ہا، صد قسم بالائے آں

حیف آں مہر و وفائے بر محل / شد بایں نامہربانی ہا بدل

یعنے از روزے کہ رفتی آں طرف / تا دُرِ مقصود خود آری بکف

نہ خطے، نہ رقعۂ لطف التیام / نہ پیامے، نہ دعائے، نہ سلام

پس ہماں رأفت کہ می شد ہر نفس / شد یقیں بہر فریبم بود و بس

من بفہمِ آں کہ باشی با وفا / زاں ندامت گشتہ بودم مبتلا

جوش زد چوں دردلم بحرِ ملال / بر زباں ایں شعر آمد حسبِ حال

حیلہ گر را آشنا پنداشتم / سیم و زر را طلا پنداشتم

چوں ز فہم خود شدم خجلت پذیر / عقل در گوش دلم گفت اے نظیر

امتحاں ناکردہ کارے ساختن / خود بود خود را بدرد انداختن

نمبر ۵ خط منظوم

نامۂ آں سرو قامت گل بدن / در جوابِ خطِ شوق آمیزِ من

در زمانِ خوش دے اصدار یافت / غم ز خاطر رفت، و شادی بار یافت

عشرتِ دیگر کہ صد فرحت فزود / آں کہ خطش دستخطِ خاص بود

بر سرِ نامہ چو نامِ آں نگار / در نظر آمد برنگِ نو بہار

لطفِ او کشا و چوں راحت بخشم / گاہ بر سر داشتم گاہے بچشم

در سر و چشم پے آں لطف کیش / صد کشاکش متصل شد تکہ بیش

بعد از

چون ز چشمم دست شانه سودم بزور	تنشی در خاطرم افگند شور
گه هراس آن که این رنجیدن جواب	شعر لطف است یا حرف عتاب
گه گمان این که آن ابرو کمان	هست از من صاف دل یا بدگمان
گه سرور صلح، گه ترس جلال	گه امید لطف، گه بیم ملال
گاه خوف آن که طبع نازکش	گشته باشد از خط من رنج‌کش
گاه رعب آن که در انشای من	رفته باشد سهو در ربط سخن
الغرض بخشید امید و بیم ها	برگشادم آن نگارین نامه را
چون نگاه من بر آن گردید صرف	بود خط نجز از نقشش حرف حرف
لفظ لفظش چون بخواندم برملا	خاطرم شد جمع و هوش آمد بجا
باغ جانم از طرب گل گل شگفت	عشرت از هر سو مبارک باد گفت
آرزو دارم که نیسان دائما	شاد باشم از عنایت نامه ها
تا بود بر آسمان مهر منیر	باد الطاف تو بر جانِ نظیر

نمبرے ذکر بہار و شکر پروردگار

بنازم بر الطافِ پروردگار	که از قدرت آورد فصلِ بهار
برنگینی صنعت او بنگرید	بآرایش قدرت او نگرید
کجا شکرِ او گردد از ما ادا	بود گر زبانها چو برگِ گیا
بود این همه لطف از بهر آن	که تا شاد گردند ازان بندگان
پس ای بندگان لطف او بنگرید	بعد ور شکرش بجا آورید

نمبر ۸ صفتِ اکبرآباد

بود دائم دل باشندگاں شاد	بدام آباد باشد اکبرآباد
عجب خاطرپسند و دلپذیر است	زادی ساکنانِ او نظیر است

نمبر ۹ صفتِ جمنا

ز جمنا عالمے صد عیش یاب است	بخوبی خوش تر از بحرِ خوش آب است
ز آبش ماند این جا مثلِ گلشن	چراغِ خضر تا سازند روشن

نمبر ۱۰ صفتِ راہ

زہے عیش و عشرت زہے رسم و راہ	کہ آید بہارے چنیں در نگاہ
چو رنگیں کند ہر صنم راہ را	بود ہمسرِ باغ ہم راہ را
بوصفِ چنین راہ طبعِ نظیر	چہ گوید جز این نکتۂ دلپذیر
رہے را کہ لطفِ بتاں می رسد	بہارِ چمن کے بآں مے رسد

نمبر ۱۱ صفتِ میلہ

عیاں صد خیلِ خوش حالی بہر جا	نشاط و عیش و خوش وقتی مہیا
بہارِ خوش دلی ہر سو نمایاں	ہجومِ عشرت و فرحت فراواں

نمبر ۱۲ صفتِ روضۂ تاج گنج

فضایش پر بہار و نزہت افزا	بہر جا نرگس و نسریں مہیا

چنیں با خوبی که از هر سو عیان است
همه از دولتِ شاهِ جهان است

نمبر ۱۳ صفت چراغ

جمالِ هر چراغ آں طور رخشاں
ز عکسش لمعها پیشِ تا حل
کز آں خجلت برد لعلِ بدخشاں
خم هر موج شکلِ شاخِ پُر گل

نمبر ۱۴ صفت دسهره

عیاں هر جا بهارِ جامه زیباں
صفِ اهلِ تماشا زینت افزا
بروے نیلکنٹھ از یُمن بهره
نمایاں ناز و حسنِ دل فریباں
همه اسباب خوش وقتی مهیا
زهے فرحت فزا روزِ دسهره

نمبر ۱۵ صفت راس

چناں خوش حال گردیدم که در دل
برائے دیدنِ راس کمشل نین
نشاط و عیش و عشرت کرد منزل
بیایم بعد ازیں بالراس والعین

ت
کنول

نمبر ۱۶ صفت شب مهتاب

چه گویم وصفِ آں لیلِ منور
ضیائے ماه و حُسنِ خود پسنداں
نگه در بحرِ نور آمد شناور
بدلها فرحت و عشرت دو چنداں

نمبر ۱۷ صفت گل بازی

بحسنِ دستِ ایں خوبانِ گل باز
ز سرنج دم به دم گل می کند ناز

دلم بهر تن دست دو گل زد و
بهشت از عشره برداشتنها

به گل همراه گردد بهر سو
چه خواهد کرد گل را زود تنها

نمبر ۸ صفت بازی شطرنج

دو گل هستند در مسند به بازی
بساط از طرح صد عشرت یگانه

عجب سر مهره وار دسر فرازی
رخ فرحت عیان در خانه خانه

نمبر ۹ صفت دوالی

ز شیرینی دکانها زینت اندام
فراوان خوش وسے در هر تیارے
کسے خرما طلب از لذت یابی
کسے … از تلنگی دل فریبی
کسے مشغول گُد و میوه سُتهری
کسے را اسپ خواهش در نگ و ناز
کسے را دل ز رنگ امید داری
کسے مکر او در گهرا بهل خوشتر
کسے بهر خیال طبع عالی
بریده اشیاء بازی طرفه …

عیان سیم و زر گر بالیسته بادام
نمایان جا بجا کھیلیں نمائے
کسے مسرور بر فی و گلابی
کسے خوش حال از لذت جلیبی
کسے گجرے گجنت بر دوش شهری
که گیرد اسپ خوش رنگ و پر ناز
که گیرد فیل بازی عماری
کسے را حیثیت طوطی بهر دیگر
گرفت از شوق فانوس خیالی
خریداران فراهم از کده سو

نمبر ۱۰ صفت راکھی

نمایان ناسلے بازینت و شان

ز راکھی زیب هر ساعد فراوان

ازاں راکھی کہ در دستِ تبان است | بہارِ طرفہ بہر عاشقان است

نمبر ۲۱ صفت نسبت

از جوشِ بہارِ زرفشانی | دل ہا ہمہ زار شادمانی
وز کثرتِ خلعتِ طلائی | سامانِ ہزار دل کشائی

نمبر ۲۲ صحبتِ محبوباں

خوشا صحبتِ نازنینانِ حسن | خوشا الفتِ مہ جبینانِ حسن
کسے را کہ بخشش بفرخندگی است | بایں دل فریباں سر بندگی است
دلے را کہ اختر بلندی گراست | بایں سرو بالا تباں آشنا است
رخ شاں کہ چوں مہ بہ تابندگی است | نگاہے براں حاصلِ زندگی است

زہے طالعِ چشمِ من اے نظیر
کہ می گردد از حسن شان مستنیر

نمبر ۲۳ بیان سراپائے معشوق فرضی پیش معشوقے دیگر

چہ گویم خوبیِ او اے پری رو | نگاہش دل ستان چشم جادو
رخِ او چوں مہ و ابرو چو شمشیر | صفِ مژگاں سناں کش غمزہ چوں تیر
ز لعلِ او شکر در کامِ لہا | بدامِ زلفِ او آرامِ دلہا
قدش نورستہ سرو باغِ خوبی | خرامِ او تدروِ باغِ خوبی
ز سر تا پا عیاں شد طرزِ نیکو | ندارد زیں سراپا فرق یکسو

رباعیاں

صنعت تضمین میں

نمبر ۱

یک بار بآں سمن بر غنچہ دہن
"بیمار کہ کرد نرگس شہلا را؟"
گفتم بہ نیاز و عجز "کاے رشک چمن"
چشمش بزبان مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۲

آں شوخ پری زاد چو آمد بچمن
"در وقت غزال را کہ آوارہ نمود؟"
گفتم کہ "فدا اے زلفِ تو مشکِ ختن"
چشمش بزبان مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۳

در بزم مے آمد آں بت نسریں تن
گفتم کہ "دل مرا سیہ مست کہ کرد؟"
در جام ز چہرہ گشت پر تو افگن
چشمش بزبان مژہ فرمود کہ "من"

نمبر ۴

آمد بر من چو آں نگار پُر فن
گفتم بفسوں "نظیر را محو کہ کرد؟"
جادو بہ نظر، بکاکل افگندہ شکن
چشمش بزبان مژہ فرمود کہ "من"

دیگر

نمبر ۵

در بزم چو آمد آں نگارِ رنگیں — بنشست بصد غرور و ناز و تمکیں
گفتم کہ "وے گردِ تو گردم اے شوخ" — فرمود "چہ خوش، تو لائقِ گفتن ایں"

نمبر ۶

آراست چو حسنِ خویش آں لعبت چیں — آں دم بزبان نرم و صد عجز قریں
گفتم کہ "سرِ زلف ترا دست کنم" — فرمود "چہ خوش تو لائقِ گفتن ایں"

نمبر ۷

آمد شبے چوں مہ زہرہ جبیں — با عشرت و انبساط و زیب و تزئیں
گفتم کہ "بیا تو در برِ من یک دم" — فرمود "چہ خوش تو لائقِ گفتن ایں"

نمبر ۸

الیدمسی چو آں بتِ عشوہ گزیں — بنمود زبان و دہانِ خود رنگیں
گفتم کہ "یکے بوسہ بگیرم زلبت" — فرمود "چہ خوش، تو لائقِ گفتن ایں"

دیگر مسلسل

نمبر ۹

دل بُرد زمن چو نازنینے زیبا — پُر حیلہ، دلبر فریب، پُر ناز و ادا
گفتم کہ "دلم دہ" بہ تبسم فرمود: "البتہ، مگر تو بعد یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۰

چوں روزِ دگر آں بتِ عشوہ نما — گفتم کہ نہ شد وعدہ‌ٔ دی روز وفا

بشنید و بخندید و بفرمود "امروز — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۱

چون بعد دو پاس پیش آن مهر لقا — حاضر شدم و بگفتم "ای حیله‌گرا
حالا چه بهانه است؟" گفتا: "بدهم — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۲

چون بعد ز پاس زود دانشید صبا — خوش رفتم و گفتمش که "ای مهر فزا
اکنون چه قرار؟" گفت: "نه خواهی یافت — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۳

چون بعد ز ساعتی برفتم آنجا — گفتم که "چنین دیر مفرما" گفتا:
"اندیشه مکن که دل بدستت آید — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۴

هم بعد ز لحظه رفتم و با غوغا — گفتم که "چنین لیت و لعل تا بکجا"
فرمود که "بیش ازین تعلل نه شود — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۵

ناچار ز روی عجز گفتم "ای ماه — آن لحظه بقدر ما که چه باشد؟" گفتا
"چندان طلبی، نظیر، خواهم به تو گفت — البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

خط به پیرایهٔ رباعی

نمبر ۱۶

ای مشفق دوستان اخلاص گزین — یاد آوری یاران صداقت آئین
خوش وقت نمودی تو دلم را بسیار — پیوسته دل تو باد با عیش قرین

نمبر ۱۷

از شوقِ ملاقات تو اے لطف نشاں
این است مگر بیان یک شمۂ آں
بسیار ہی یاد تست ہر لحظہ بدل
تذکارِ تلطف تو ہر دم بزباں

نمبر ۱۸

این نامۂ رنگین لطافت آمود
رنگیں چمنے نمود از لطف ورود
رنگینیٔ نقشِ چیں میانِ ہر چیں
معلوم چنیں شد کہ چنیں خواہد بود

نمبر ۱۹

در یافتنِ سرورِ سامی خاطر
در محفلِ دل کرد ز ہر سو حاضر
منبسط و سرورِ عشرت و فرحت را
چنداں کہ زبانِ خامہ از وے قاصر

نمبر ۲۰

از لطفِ رباعی کہ آمد برقم
بر صفحۂ دل نمود از عیش رقم
ہر مصرعۂ او بخاطرم کرد و چار
عیش و طرب و نشاط و عشرت بہم

نمبر ۲۱

چنداں صفتِ حسنِ صباحت ورزید
انوارِ معانیش بجائے برسید
کز جوشِ تجلیات ہر مصرعۂ آں
چوں مطلعِ مہر و خانۂ مہ گردید

نمبر ۲۲

از خوبیٔ طبعِ تست حسنِ اشعار
وز ہر سخن تو زینتِ نظم اے یار
گشت از تو دلم شاد ترا ہم باشد
صد عیش و نشاط و خوش دلی ہا بہزار

نمبر ۲۳

آئندہ بلطف آں بخوبی ہمراہ
آید ہمیں کہ بہر شایانِ وداد
از مہر بنامہ و چنیں تحفہ نظیر
ہم زود بیاد آید و ہم گردد شاد

نمبر ۲۴

رباعی مستزاد

ظاہر ز سراپاے تو با صد تزئین — اے باغ جمال — ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرینا — رنگین تمثال
اسرار چمن در چمن از فہم تو یار — بکشاید دید — یک لحظہ دریں باغ بیا و بنشین — واکن ذی الحال

نمبر ۲۵

رباعی سادہ

صد مہر تفقد از پے دل بردن — کردی، چو ربودی نکنی لطفِ من
تا آمدن صید فریبِ صیاد — باشد پس از آں چہ کار با حیلہ و فن

نمبر ۲۶

دیگر

میلِ دلِ من بسوے تو می باشد — مہرِ تو بمن ز حسن خو می باشد
لطفے کہ محبت دو جانب دارد — در اہلِ وفا بسے نکو می باشد

واسوخت

(۱)

دوستان شرحِ پریشانیِ من گوش کنید   قصهٔ بے سر و سامانیِ من گوش کنید
گفتگوی من و حیرانیِ من گوش کنید   داستانِ غمِ پنہانیِ من گوش کنید
شرحِ این آتشِ جانسوز نگفتن تا کے
سوختم سوختم این سوز نہفتن تا کے

روزگارے من و دل ساکنِ کوے بودیم   تابعِ خوے بتِ عربده جوے بودیم
عقل و دین باختهٔ دیوانهٔ روے بودیم   بستهٔ سلسلهٔ سلسله بوے بودیم
کس دران سلسله غیر از من دلبند نبود
یک گرفتار ازین جمله که ہستند نبود

این ہمه مشتری و گرمیِ بازار نداشت   یوسفی بود و لے ہیچ خریدار نداشت
نرگسِ غمزه زنش این ہمه بیمار نداشت   سنبلِ پُرشکنش ہیچ گرفتار نداشت
اوّل آنکس که خریدار شدش من بودم

باعث گرمی بازار شدش من بودم

عشق من شد سبب خوبی رعنائی او
بسکه کردم همه جا شرح دل افزائی او
داد رسوائی من شهرهٔ زیبائی او
شهره گشت ز غوغاے تماشائی او

این زماں عاشق سرگشته فراواں دارد
کے سر و برگ من بے سر و ساماں دارد

چاره نیست بر آرم به ازیں راے دگر
جستم خود فرش کنم زیر کف پاے دگر
که دهم جاے دگر دل بدل آراے دگر
بر کف پاے دگر بوسه زنم جاے دگر

بعد ازاں راے من اینست همیں خواهد بود
من بریں هستم و البته چنیں خواهد بود

پیش تو یار نو و یار کهن هر دو یکیست
قول زاغ و غزل مرغ چمن هر دو یکیست
حرمت مدعی و حرمت من هر دو یکیست
نالهٔ بلبل و فریاد زغن هر دو یکیست

تو ندانسته که قدر همه یکساں نه بود
زاغ را مرتبهٔ مرغ خوش الحاں نه بود

چوں چنیں ست پے کار دگر باشم به
مرغ خوش نغمهٔ گلزار دگر باشم به
چند روزے پے دلدار دگر باشم به
عندلیب گل رخسار دگر باشم به

نو گلے کو که شوم بلبل دستاں سازش
سازم از تازه جواناں چمن ممتازش

آنکه در جانم ازو دمبدم آزارے هست
از من و بندگی من اگرش عارے هست
می‌تواں یافت که از من بدلش بارے هست
بفروشد که بهر گوشه خریدارے هست

به وفاداری من نیست دریں شهر کسے
بندهٔ همچو مرا هست خریدار بسے

مدتی در رهِ عشقِ تو دویدیم بس ست
قدم از راهِ طلب باز کشیدیم بس ست
راه صد بادیه بیداد بدیدیم بس ست
اول و آخرِ این مرحله دیدیم بس ست
بعد ازین ماه سرِ کوی دل آرای دگر
به غزالی و غزل خوانی و غوغای دگر

ای پسر چند بکام دگرانت بینم
مایۂ عیش مدام دگرانت بینم
سر خوش و مست ز جام دگرانت بینم
ساقیِ مجلسِ عام دگرانت بینم
تو چه دانی که شدی یار به بے باکی چند
چه هوسها که ندارم به هوسناکی چند

تو بپندار که مهر از دلِ ما خون نه رود
این محبت بصد افسانه و افسون نه رود
آتشِ عشق بجان افتد و بیرون نه رود
چه گمان غلط ست این نه رود چون نه رود
چند کس از تو و یاران تو آزرده نه بود
دوزخ از سردیِ این طائفه افسرده نه بود

بار این طائفه ناخانه بر انداز مباش
میشوی شهره باین فرقه هم آواز مباش
از تو حیف ست باین طائفه دمساز مباش
غافل از لعبِ حریفانِ دغاباز مباش
به که مشغول باین شغل نسازی خود را
این نه کاریست مبادا که ببازی خود را

در کمینِ تو بسے عیب شماران هستند
داغ بر سینه ز تو کینه گذاران هستند
سینه پر کینه ز تو سینه فگاران هستند
غرض اینست که در قصدِ تو یاران هستند
باش مردانه که ناگاه قفائے نه خوری
واقفِ میکشیِ خود باش که پائے نخوری

اگرچه از خاطرِ وحشی هوس روی تو رفت
از دلش آرزوی قامتِ دلجوی تو رفت

دلِ آزردہ و آزردہ دلی زکوے تو رفت
با دلِ پرگلہ از ناخوشیٔ خوے تو رفت

عاشقی نیست کہ وفاے تو فراموش کند
سخنِ مصلحت آمیز کساں گوش کند

ایضاً

(۲)

اے گلِ تازہ کہ بوے ز وفا نیست ترا
خبر از سرزنشِ خارِ جفا نیست ترا
التفاتے باسیرانِ بلا نیست ترا
ما اسیرِ تو و اصلا غمِ ما نیست ترا
رحم بر بلبلِ بے برگ و نوا نیست ترا
بر اسیرِ غمِ خود رحم چرا نیست ترا

فارغ از عاشقِ غمناک نمی باید بود
جانِ من این ہمہ بے باک نمی باید بود

ہمچو گل چند بروے ہمہ خنداں باشی
ہمرہِ غیر بہ گلگشتِ گلستاں باشی
آں زماں یاد گراں دست و گریباں باشی
جمع با جمع نہ باشند پریشاں باشی
زاں میندیش کہ از کردہ پشیماں باشی
یادِ حیرانیِ ما آری و حیراں باشی

ما نباشیم کہ باشد کہ جفاے تو کشد؟
بجفا ساختہ و صد جور براے تو کشد؟

شب بکاشانۂ اغیار نمی باید بود
ہمہ جا با ہمہ کس یار نمی باید بود
ہمرہِ غیر بہ گلزار نمی باید بود
غیر را شمعِ شبِ تار نمی باید بود
تشنۂ خونِ منِ زار نمی باید بود
تا باین مرتبہ خونخوار نمی باید بود

من اگر کشتہ شوم باعثِ بدنامیِ تست

موجب شهرتِ بےباکی و خودکامی تست

دیگرے جز تو مرا این همه آزار نه کرد
آنچه کردی تو بمن هیچ ستمگار نه کرد
هیچ کس این همه آزارِ من زار نه کرد

چوں تو کس در نظرِ خلق مرا خوار نه کرد
این ستمها دگرے با منِ بیمار نه کرد
هیچ سنگین دلِ این کار بمن کار نه کرد

گر ز آزردنِ من هست غرض مردنِ من
مردم، آزار مکش از پے آزردنِ من

جانِ من سنگدلی، دل به تو دادن غلط است
بسرِ راهِ تو چوں خاک فتادن غلط است
رفتن اولیٰ ست ز کوے تو نشادن غلط است

چشمِ امید به روے تو کشادن غلط است
روے تر کرده به روے تو نهادن غلط است
جانِ شیریں به تمناے تو دادن غلط است

چوں نه دانی که غمِ عاشق زارت باشد
چوں شود خاک بران خاک گذارت باشد

مدتے هست که مے دانم و تدبیرے نیست
از غمت سر به گریبانم و تدبیرے نیست
از براے تو پریشانم و تدبیرے نیست

همچو زلفِ تو پریشانم و تدبیرے نیست
چوں دلِ رفته ز دانم و تدبیرے نیست
چه توان کرد که حیرانم و تدبیرے نیست

شرحِ درماندگیِ خود به که تقریر کنم
عاجزم، چارهٔ من نیست، چه تدبیر کنم

نخلِ نوخیزِ گلستانِ جهاں بسیار است
بالبِ همچو شکر تنگ دهاں بسیار است
جانِ من همچو تو غارتگرِ جاں بسیار است

گلِ این باغ و چمن، سروِ رواں بسیار است
ترکِ نازنین کمر و موے میاں بسیار است
نه که غیر از تو جواں نیست، جواں بسیار است

دیگرے این همه آزار به عاشق نه کند
قصدِ آزردنِ یارانِ موافق نه کند

مدتے شد که در آزارم و می دانی تو — به کمندِ تو گرفتارم و می دانی تو
از غمِ عشقِ تو بیمارم و می دانی تو — خونِ دل از مژه می بارم و می دانی تو
از برائے تو چنیں زارم و می دانی تو — چه تواں کرد در آزارم و می دانی تو

تا به کے از ستم و جورِ تو دل خوں باشم
از مژه خونِ جگر ریزم و محزوں باشم

لکن آں طور که شرمنده شوم از خوبیت — نه کنم بارِ دگر یادِ قدِ دل جوییت
دیده پوشم ز تماشائے رخِ نیکوییت — سخنے گویم و شرمنده شوم از رویت
دست بر دل نهم و پائے کشم از کویت — گوشه گیرم و من بعد نیایم سویت

بشنو پند، مکن قصدِ دلِ آزردهٔ خویش
ورنه بسیار پشیماں شوی از کردهٔ خویش

چند صبح آیم و از خاک درت شام روم — از سرِ راهِ تو چوں خاک بناکام روم
بر سرِ راهِ تو آیم، نه شوی رام، روم — صد دعا گویم و آزرده به دشنام روم
دور و دراز تو منِ تیره سرانجام روم — نبود زهره که همراهِ تو یک گام روم

کس چرا ایں همه سنگیں دل و بدخو باشد؟
جانِ من ایں روشے نیست که نیکو باشد

از چه با من نه شوی یار، چه می پرهیزی؟ — یار شو با منِ بیمار، چه می پرهیزی؟
حرف زن اے بتِ خونخوار، چه می پرهیزی؟ — کیست مانع ز منِ زار، چه می پرهیزی؟
نه حدیثے کنی اظهار، چه می پرهیزی؟ — به کشا لعل شکر بار، چه می پرهیزی؟

که ترا گفت که با من ز وفا حرف مزن؟
چیں بر ابرو مزن و یک بار با حرف مزن

دردِ من کشتهٔ شمشیر بلا می داند — سوزِ من سوختهٔ داغِ جفا می داند

پاک بازم، ہمہ کس طورِ مرا می داند
مسکنم ساکنِ صحرائے فنا می داند

عاشقے ہیچو منت نیست، خدا می داند
ہمہ کس حالِ من بے سر و پا می داند

چارۂ من کن و مگذار کہ بے چارہ شوم
سر خود گیرم و از کوے تو آوارہ شوم

از سرِ کوے تو با دیدۂ تر خواہم رفت
تا نظر می کنی از پیش نظر خواہم رفت
گر نہ رفتم ز درت شام و سحر خواہم رفت

چہرہ آلودہ بخونِ نابِ جگر خواہم رفت
نگہ ایں بار چہ ہر بار دگر خواہم رفت
روے باز آمدنم نیست، اگر خواہم رفت

از جفائے تو من زار برفتیم رفتم
لطف کن لطف کہ ایں بار برفتم رفتم

ختم شد کلیاتِ نظیر
اکبرآبادی